وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ [هود : 120]

اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے ہر وہ چیز تجھ سے بیان کرتے ہیں جس کے ساتھ ہم تیرے دل کو ثابت رکھتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ابونعمان سیف اللہ خالد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

ابونعمان سیف اللہ خالد

سرورق ---------------------- ظہیر الدین بابر

تزئین ---------------------- محمد شفیق

کمپوزنگ ---------------------- محمد بن جعفر

دارالاندلس

4-لیک روڈ چوبرجی لاہور +92-42-37230549 | غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور +92-42-37242314 | بالمقابل سفاری پارک گلشن اقبال کراچی +92-21-34835502

Head Office : Cell + 92-322-4006412 Email: dar_ul_andlus@yahoo.com

فہرست

سیدنا ابراہیم علیہ السلام

سیدنا لوط علیہ السلام

سیدنا شعیب علیہ السلام

سیدنا اسماعیل علیہ السلام

سیدنا اسحاق علیہ السلام

سیدنا یعقوب علیہ السلام

سیدنا یوسف علیہ السلام

سیدنا سلیمان علیہ السلام

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

انبیاء علیہم السلام کا عمومی تذکرہ

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، أَمَّا بَعْدُ !

قرآنِ مجید اللہ رب العالمین کا کلام اور رشد و ہدایت کا منبع ہے، جس میں احکام و مسائل کے ساتھ ساتھ انبیاء و رسل علیہم السلام کے بہترین قصے اور واقعات ایک مستقل موضوع کے طور پر بیان کیے گئے ہیں، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ﴾ [يوسف : ٣]

''ہم تجھے سب سے بہترین بیان سناتے ہیں، اس واسطے سے کہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن وحی کیا ہے۔''

''صحیح سیرت انبیاء علیہم السلام'' انھی نفوسِ قدسیہ کا ذکر جمیل اور ان کی پاکیزہ زندگیوں کا بہترین مرقع ہے۔ قرآن مجید میں سیرتِ انبیاء علیہم السلام کا بیان داعیانِ حق کے لیے خاص طور پر بڑی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اس میں منصبِ نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین کے حالاتِ زندگی اور انھیں دعوت و تبلیغ کے میدان میں پیش آنے والے حالات و واقعات کا بالتفصیل تذکرہ موجود ہے۔ اس تذکرے میں بنی نوع انسان کے لیے رہنمائی، تمدنِ انسانی پر انبیاء علیہم السلام کے احسانات اور ان کے تربیت یافتہ انسانی کرداروں کا بھی بیان ہے۔

مزید برآں انبیائے کرام علیہم السلام کی امتیازی خصوصیات، مزاج و منہاج، انبیاء اور دوسرے رہنماؤں کا فرق بھی واضح کیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں حکمت و تیسیر، دعوت کا بنیادی رکن توحید اور دعوت میں عقیدۂ آخرت کے ساتھ ساتھ نصیحت و موعظت کے اصل محرک کا بیان بھی ہے۔ اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی غیبی مدد اور بہترین روشن مستقبل کی بشارتیں، سابقہ امتوں کی کامیابیوں، داعی اور صالح بندوں کے قوت و اعتماد کے سرچشمے، انبیاء علیہم السلام کے تذکروں کا تقابلی جائزہ، تمام اقوام و امم کے لیے رسالتِ محمدی کی عمومیت اور علم و تاریخ کے میزان میں امتِ مسلمہ کا مستقبل انبیاء کی سیرت کی پیروی سے وابستہ ہے، کا بھی تذکرہ ہے۔

گویا موجودہ دور کے فتنوں اور جاہلیت کے ماحول میں تبدیلی انبیاء کی پیش کردہ عالم گیر دعوتِ ایمانی ہی سے ممکن ہے اور سیرتِ انبیاء بالعموم اور خاتم النّبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و حیات بالخصوص قیامت تک آنے والے

انسانوں کے لیے قابل عمل بہترین اسوہ ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''صحیح سیرتِ انبیاء علیہم السلام'' فاضل دوست مفسر قرآن الشیخ سیف اللہ خالد حفظہ اللہ کی قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں مرتب کردہ قابلِ قدر تالیف ہے اور یہ مؤقر کتاب مستند اور معتبر روایات کا قابل اعتماد مجموعہ ہے۔

فاضل مصنف گوناگوں دعوتی وتبلیغی مصروفیات کے باوجود مختلف موضوعات پر لکھنے کے لیے اپنا قیمتی وقت نکالتے رہتے ہیں اور اہم موضوعات کو پڑھنے اور لکھنے کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے وہ تفسیر دعوۃ القرآن کے نام سے پانچ جلدوں پر مشتمل احادیثِ صحیحہ اور اقوالِ صحابہ سے مزین ایک جامع اور مؤقر تفسیری مجموعہ، صحیح اور مستند روایات پر مشتمل ''سیرت خلفائے راشدین'' کے نام سے چار جلدوں پر مشتمل سیرتِ صحابہ اور ''زاد المجاہد'' ایسی شاہکار تالیفات قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔

''صحیح سیرتِ انبیاء علیہم السلام'' ایک منتخب موضوع ہی نہیں بلکہ عقیدہ کے اہم مباحث اور اسلام کے بنیادی اعتقادات کا شاندار گلدستہ بھی ہے اور پند ونصائح کا ایسا مجموعۂ نافعہ ہے کہ جو ملتِ اسلامیہ کے رہنماؤں اور مقتدر طبقوں کو بالخصوص اور عامۃ الناس کے لیے بالعموم منبع رشد وہدایت ہے۔ جس میں ان اولوالعزم ہستیوں کے صبر واستقامت، ثابت قدمی، اللہ کی نصرت کے مناظر، عبرت وبصیرت اور وعظ ونصیحت کا بھی تذکرہ ہے اور داعیانِ راہِ حق کے لیے ایک روشن قندیل ہے۔

زیرِ نظر مؤقر تصنیف ادارہ دار الاندلس کی طرف سے قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس کی پروف ریڈنگ حافظ محمد منشاء طیب، حافظ سعید الرحمٰن، ابو سعد مطیع الرحمٰن اور محمد یوسف صدیقی نے کی ہے اور اس کی کمپوزنگ محمد بن جعفر نے اور ترتیب وتزئین ابوخزیمہ محمد شفیق نے کی ہے، جبکہ اس کا جاذبِ نظر سرورق ظہیر الدین بابر نے تیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ کتاب کی اس قابل قدر علمی اور تحقیقی کاوش قبول فرمائے اور اس کتاب کی تیاری میں شریک جملہ معاونین کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین!

محتاجِ دعا

جاوید الحسن صدیقی

مدیر دار الاندلس

۲۰ رجب ۱۴۳۷ھ

عرضِ مؤلف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ، أَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ سال رمضان المبارک سے چند دن قبل جماعتی قائدین اور علمائے کرام کی ایک مجلس میں یہ طے ہوا کہ مدارس دینیہ سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ و طالبات کے لیے ایک خصوصی دورہ ''تدریب الدعاۃ'' کا اہتمام ہونا چاہیے کہ جس میں انھیں عصر حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے عملی میدان میں دعوت کا کام کرنے کی مکمل تربیت دی جائے۔ مجلس میں اس دورہ کی مسئولیت اور انھیں ''اسلوبِ دعوت'' پڑھانے کی ذمہ داری بھی راقم الحروف کے سپرد کی گئی۔

۱۵ شوال ۱۴۳۶ھ سے دورہ ''تدریب الدعاۃ'' کا آغاز ہوا تو اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا مانگ کر ''اسلوبِ دعوت'' کا آغاز انبیائے کرام ﷺ کے حالات و واقعات سے کیا گیا۔ انبیائے کرام کے طریق دعوت، رب تعالیٰ کی راہ میں ان کی استقامت و عزیمت اور اللہ کی کامل اطاعت سے مزین کردار و عمل میں داعیانِ الی اللہ کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا وافر سامان ہے۔ نیز مسلمانوں کو ابتلا و آزمائش کے اس دور میں ان قدسی صفات ہستیوں کی پاکیزہ سیرت کے مطالعے سے اسلام و ایمان کی پختگی حاصل ہوسکتی ہے اور امت مسلمہ پر جو کڑا وقت آن پڑا ہے اس میں انبیاء ﷺ کی زندگیوں کے مطالعے سے حسب حال راہنمائی بھی میسر آ سکتی ہے۔

قرآن حکیم کی مکی سورتوں میں انبیاء ﷺ کے حالات وواقعات کا بیان ہوا ہے۔ مکی دور میں خاتم المرسلین ﷺ اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں کو بہت زیادہ مشکلات اور دشواریوں کا سامنا تھا۔ اسی لیے قرآن مجید نے ان قصص کو بیان کرتے ہوئے ان پاکیزہ نفوس کے لیے تسلی اور اطمینان کا ایک واضح پیغام دیا اور بتایا کہ دعوتِ حق اور ابتلا و آزمائش لازم وملزوم حقیقتیں ہیں، لہٰذا داعیانِ حق کو اس راستے میں پیش آنے والی تمام دشواریوں اور مصائب کا رضائے الٰہی کی خاطر خندہ پیشانی سے استقبال کرنا ہوگا۔

''سیرت انبیاء ﷺ'' کو پڑھاتے وقت میں نے اس بات کا عزم کر لیا کہ روایات کی صحت کا خاص اہتمام کرنا ہے۔ ضعیف اور موضوع روایات کی بجائے صحیح اور حسن لذاتہ کا التزام کرنا ہے۔ عموماً قصص الانبیاء میں اسرائیلی روایات

کی بھر مار ہوتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسرائیلی روایات کے بغیر انبیاء کے حالاتِ زندگی کا بیان ممکن نہیں لیکن ہم نے جھوٹی اسرائیلی روایات سے کلیتاً اعراض برتا۔

دورہ ''تدریب الدعاۃ'' میں تقریباً چھ ماہ مسلسل یہ سبق چلتا رہا۔ اس دوران کئی احباب نے اسے کتابی شکل میں مرتب کرنے پر اصرار کیا تاکہ آنے والے دورہ جات نیز عام مسلمانوں کے لیے ایک جامع اور مفید مجموعہ مرتب ہو جائے لہٰذا اس پر کام شروع کر دیا۔ اس سے قبل تفسیر دعوۃ القرآن میں اس حوالے خاصہ مواد موجود تھا۔ اس کے ساتھ میں نے محترم حافظ عبدالسلام بن محمد ﷾ کی مایہ ناز تالیف ''تفسیر القرآن الکریم'' سے بھی بھر پور استفادہ کیا۔ عصر حاضر کے عظیم محدث شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید شیخ سلیم بن عید الہلالی السّلفی ﷾ کی کتاب "صحيح الأنبياء المسند من أحاديث الأنبياء" میں انبیائے کرام کی سیرت و کردار کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی سیکڑوں صحیح احادیث میسر آ گئیں۔ یوں اللہ تعالیٰ کا کمال فضل ہوا کہ یہ مشکل مرحلہ آسان ہو گیا اور نہ ضعیف، موضوع گھڑت اسرائیلی روایات کی احتیاجگی ختم ہو گئی۔

قرآن حکیم میں بیان کردہ انبیاء کے واقعات کے حوالے سے ہم نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید، نامور مفسر و مؤرخ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی تاریخی کتاب ''البدایہ والنہایۃ'' میں موجود انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کے باب سے بھی استفادہ کیا۔

یوں آیات قرآن اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ''صحیح سیرت انبیاء علیہم السلام '' کے نام سے یہ مجموعہ پیش کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس میں جو خیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی غلطی یا کوتاہی ہے تو میری یا شیطان کی طرف سے ہے میں اس سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو میرے لیے، میرے والدین، اہل وعیال اور جمیع مسلمانوں کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائے اور اس دن کا زادِ راہ بنائے:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾ [الشعراء: ٨٨، ٨٩]

''جس دن نہ کوئی مال فائدہ دے گا اور نہ بیٹے۔ مگر جو اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آیا۔''

جب مال و دولت اور بیٹے کام نہیں آئیں گے تو وہاں صرف وہی شخص سرخرو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوگا۔

اللہ گواہ ہے کہ ''صحیح سیرت انبیاء علیہم السلام'' مرتب کرنے میں ہر لحہ ان پاکیزہ صفات ہستیوں کی محبت موجزن رہی بلکہ مسلسل اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

انبیاء علیہم السلام سے تمام تر محبت و عقیدت کی بنیاد یوم آخرت میں ان کی رفاقت و معیت کی شدید خواہش ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء : ٦٩]

''اور جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔''

''صحیح سیرت انبیاء علیہم السلام'' کی اشاعت کے اس مبارک موقع پر میں ان تمام احباب کا مشکور ہوں جنھوں نے کسی بھی حوالے سے کتاب کی تیاری میں میری مدد کی۔ خاص طور پر مدیر دارالاندلس محترم جاوید الحسن صدیقی حفظہ اللہ کا شکر گزار ہوں جن کی بھرپور شفقت اور تعاون سے بروقت اشاعت کا مرحلہ یقینی بنا، ان کے علاوہ محترم جناب پروفیسر حافظ محمد منشاء طیب، حافظ سعید الرحمٰن، ابوسعد مطیع الرحمٰن، حافظ محمد یوسف صدیقی اور بھائی محمد شفیق، محمد بن جعفر ظہیر الدین بابر کا بھی سپاس گزار ہوں کہ جنھوں نے شب و روز محنت کر کے کتاب کو تمام مراحل سے گزارا اور پھر ہر لحاظ سے اسے جاذبِ نظر بنانے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائے۔ جزاهم الله خيراً

الفقير إلى عفو ربه

سیف اللہ خالد

مرکز القادسیہ چوبرجی لاہور

٢١ رجب ١٤٣٦ھ۔ 28 اپریل 2016ء

01

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا

سیدنا آدم علیہ السلام تمام بنی نوع انسان کے باپ ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن مومن جمع ہو کر کہیں گے کہ اگر ہم کسی سے اللہ کے سامنے سفارش کروائیں (تو اس مشکل مرحلہ سے نجات مل جائے)۔ چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ تمام انسانوں کے جد امجد ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو تمام اشیاء کے نام سکھائے، سو اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش فرمائیے، تاکہ ہمیں اس مرحلے سے نجات نصیب ہو۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب قول الله تعالى : ﴿ وعلم آدم الأسماء كلها ﴾ : ٤٤٧٦۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها : ١٩٣]

آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے

آدم علیہ السلام ساری زمین سے جمع شدہ ایک مٹھی مٹی سے پیدا کیے گئے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا کیا، جسے اس نے تمام زمین سے جمع فرمایا تھا۔ چنانچہ آدم کی اولاد اس مٹی کے لحاظ سے (مختلف) ہوئی ہے، کئی سرخ ہیں اور کئی سفید، کئی سیاہ ہیں اور کئی ان کے بین بین، کئی نرم خو ہیں اور کئی سخت طبیعت، کئی بری طبیعت کے مالک ہوتے ہیں اور کئی اچھی اور عمدہ طبیعت والے۔'' [أبو داوٗد، كتاب السنة، باب في القدر : ٤٦٩٣۔ ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب من سورة البقرة : ٢٩٥٥۔ مسند أحمد : ٤٠٠/٤، ح : ١٩٦٠١]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ عزوجل نے (تمھیں ایمان و اسلام سے معزز بنایا ہے اور) تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کو دور کر دیا ہے۔ (آدمی دو قسم کے ہیں) صاحب

ایمان، متقی یا فاجر اور بد بخت۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ لوگوں کو قومی نخوت ترک کرنا پڑے گی، وہ تو (کفر و شرک کے سبب) جہنم کے کوئلے بن چکے، ورنہ یہ (قوم پر تکبر کرنے والے) اللہ کے ہاں گندگی کے کالے کیڑے سے بھی ذلیل ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی کو دھکیلتا پھرتا ہے۔'' [أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في التفاخر بالأحساب : ٥١١٦۔ ترمذي، كتاب المناقب، باب في فضل الشام واليمن : ٣٩٥٥]

آدم علیہ السلام کے پتلے کے گرد ابلیس کے چکر

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم (کے پتلے) کو بنایا تو جب تک چاہا یونہی (بغیر روح پھونکے) چھوڑے رکھا۔ ابلیس نے ان کے اردگرد چکر لگانے شروع کیے اور وہ انھیں بغور دیکھتا رہا کہ وہ کیا ہے، جب اس نے یہ دیکھا کہ یہ خالی پیٹ ہے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ اس انداز سے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے گا۔'' [مسلم، كتاب البر والصلة، باب خلق الإنسان خلقًا لا يتمالك : ٢٦١١]

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر بنایا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے لڑے تو چہرے سے اجتناب کرے، کیونکہ اللہ نے آدم کو اس کی صورت پر بنایا ہے۔'' [مسلم، كتاب البر والصلة، باب النهي عن ضرب الوجه : ١١٥/٢٦١٢]

آدم علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی

سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی روح پھونکی، ان کو تمام چیزوں کے نام سکھائے اور پھر فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دعوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپ کو دستی کا گوشت پیش کیا گیا جو آپ کو انتہائی پسند تھا۔ آپ اسے اپنے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھانے لگے اور فرمایا: ''میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ کس لیے؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا، دیکھنے والا ان کو دیکھ سکے گا اور ہر پکارنے والا ان کو اپنی آواز سنا سکے گا اور سورج ان کے قریب آ چکا ہو گا۔ تو کچھ لوگ کہیں گے: کیا تم اپنا حال نہیں دیکھتے کہ کیا (غم اور کرب) تمھیں لاحق ہوا ہے؟ کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جو تمھارے رب کے حضور تمھاری سفارش کر سکے؟ تو کچھ کہیں گے: تمھارا باپ آدم موجود ہے، چنانچہ لوگ ان کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: اے آدم! آپ ابو البشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا، پھر آپ کے اندر اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو سجدہ کریں اور آپ کو جنت میں

ٹھہرایا۔ کیا آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش نہیں کرتے ؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حال میں ہیں اور ہمیں کس قدر مشقت پہنچ رہی ہے؟ وہ فرمائیں گے : ''آج میرا رب اتنا غضب ناک ہے کہ اتنا غضب ناک نہ اس سے پہلے ہوا اور نہ کبھی بعد میں ہوگا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله عزوجل : ﴿ ولقد أرسلنا نوحًا ...... الخ ﴾ : ٣٣٤٠]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی، اے اللہ! مجھے وہ آدم دکھا جنھوں نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کا دیدار کروا دیا۔ تو انھوں نے کہا، کیا آپ ہی ہمارے باپ آدم ہیں؟ آدم علیہ السلام نے جواب دیا، ہاں! موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے، وہ آپ ہی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی تھی اور آپ کو تمام (چیزوں) کے نام سکھائے اور جنھیں اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا؟ کہا: ہاں ! موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ کو کس چیز نے آمادہ کیا کہ آپ نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکال باہر کیا ؟ آدم علیہ السلام نے ان سے کہا: تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: میں موسیٰ ہوں ۔ کہا: تم ہی بنی اسرائیل کے وہ نبی ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے پردے کے پیچھے سے کلام فرمایا تھا اور اپنے اور تمھارے درمیان اپنی مخلوق میں سے کسی کو واسطہ نہیں بنایا تھا ؟ کہا: ہاں۔ آدم علیہ السلام نے کہا: کیا تم نے نہیں پایا کہ یہ سب کچھ میرے پیدا کیے جانے سے پہلے ہی کتاب اللہ میں (ایسے ہی) تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ آدم علیہ السلام نے کہا: تو پھر تم مجھے کس چیز پر ملامت کرتے ہو، حالانکہ وہ مجھ سے پہلے ہی اللہ کے فیصلے میں تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ''آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر دلیل میں غالب آ گئے۔'' [أبو داؤد، كتاب السنة، باب في القدر : ٤٧٠٢]

آدم علیہ السلام کا یوم پیدائش

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز پیدا فرمایا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم کو پیدا کیا گیا، اسی دن انھیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انھیں جنت سے نکالا گیا۔'' [مسلم، كتاب الجمعة، باب فضل يوم الجمعة : ٨٥٤۔ نسائي، كتاب الجمعة، باب ذكر فضل يوم الجمعة : ١٣٧٤]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''اللہ نے مٹی (یعنی زمین) کو ہفتے کے دن پیدا کیا اور اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا کیا، درختوں کو اس میں پیر کے دن پیدا کیا، بری چیزوں (یعنی ظلمت و تاریکی وغیرہ) کو منگل کے دن، نور (یعنی اعلیٰ و پاکیزہ چیزوں) کو بدھ کے دن اور جاندار چیزوں کو جمعرات کے دن پیدا کر کے اس میں پھیلا دیا اور آدم علیہ السلام کو آخری مخلوق کے طور پر جمعہ کے دن کی آخری گھڑیوں میں عصر اور رات کے درمیان کی کسی گھڑی میں پیدا فرمایا تھا۔'' [مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب ابتداء الخلق و خلق آدم : ٢٧٨٩۔

مسند أحمد : ٢/ ٣٢٧، ح : ٨٣٦٢]

آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ہاتھ تھا

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم و ذريته : ٣٣٢٦ـ مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها، باب يدخل الجنة أقوام ...... الخ : ٢٨٤١]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ جب انھیں پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا، جاؤ (سامنے) بیٹھے ہوئے فرشتوں کی جماعت کو سلام کرو اور سنو کہ وہ تمھیں کیا دعا دیتے ہیں، وہی تمھارا اور تمھاری اولاد کا سلام ہوگا۔ آدم (علیہ السلام) نے کہا ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ'' تو فرشتوں نے کہا ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ'' انھوں نے '' رَحْمَةُ اللّٰهِ '' کا اضافہ کیا۔''
[بخاري، كتاب الاستئذان، باب بدء السلام : ٦٢٢٧]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے ایسے روشن ہوں گے جیسے چودھویں رات کا چاند روشن ہوتا ہے، پھر جو لوگ ان کے بعد داخل ہوں گے وہ آسمان کے سب سے روشن ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ یہ لوگ نہ پیشاب کریں گے نہ قضائے حاجت اور نہ تھوکیں گے اور نہ ناک سے آلائش نکالیں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کے پسینے مشک کی خوشبو والے ہوں گے، ان کی انگیٹھیوں میں خوش بودار عود جلتا ہوگا، یہ نہایت پاکیزہ خوش بودار عود ہوگا۔ ان کی بیویاں بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ سب کی صورتیں ایک جیسی ہوں گی، یعنی یہ سب اپنے باپ آدم علیہ السلام کے قد و قامت پر ساٹھ ساٹھ ہاتھ لمبے ہوں گے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم و ذريته : ٣٣٢٧ـ مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب أول زمرة تدخل الجنة : ١٥/ ٢٨٣٤]

ایک اور روایت میں بھی آدم علیہ السلام کے قد کے ساٹھ ہاتھ ہونے کا بیان ہے، جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ﴾ [بني إسرائيل : ٧١] ''جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔'' اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان میں سے ایک آدمی کو بلایا جائے گا اور اسے اس کے داہنے ہاتھ میں اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا اور اس کا بدن ساٹھ ہاتھ بڑھا دیا جائے گا۔ اس کا چہرہ روشن کیا جائے گا، تو اس کے سر پر موتیوں کا چمکتا ہوا تاج پہنایا جائے گا اور وہ اپنے دوستوں کی طرف جائے گا اور وہ اسے دور ہی سے دیکھ کر کہیں گے کہ یا اللہ! ہمیں بھی ایسی ہی نعمتیں عطا فرما اور اس میں ہمیں برکت دے، یہاں تک کہ وہ ان کے پاس آئے گا اور ان سے کہے گا کہ تم کو خوشخبری ہو، تم میں سے ہر ایک کے لیے ایسا ہی انعام ہے۔ جبکہ (اس

دن) کافر کا منہ کالا ہوگا اور اس کا بدن آدم علیہ السلام (کے قد) کی مانند ساٹھ ہاتھ بڑھا دیا جائے گا اور اسے بھی ایک تاج پہنایا جائے گا، لیکن اس کے دوست جب اسے دیکھیں گے تو کہیں گے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس شر سے، اے اللہ! یہ ہمارے پاس نہ آئے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' پھر وہ ان کے پاس آئے گا۔ وہ کہیں گے، یا اللہ! اسے ذلیل فرما، تو وہ کہے گا، (آج) اللہ نے تم سب کو ذلیل کیا ہے، کیونکہ تم سب کے لیے اسی طرح کی ذلت ہے۔'' [ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب و من سورة بني إسرائيل : ٣١٣٦]

اولادِ آدم کی رنگت مختلف ہونے کی وجہ

چونکہ آدم علیہ السلام کو تمام زمین سے جمع شدہ مٹی سے پیدا کیا گیا، اس لیے ان کی اولاد کا رنگ بھی مختلف ہے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام زمین سے جمع شدہ مٹھی بھر خاک سے پیدا فرمایا۔ اسی لیے آدم علیہ السلام کی اولاد بھی مٹی کی طرح مختلف ہے، (رنگت کے اعتبار سے) کوئی ان میں سے سرخ، کوئی سفید، کوئی سیاہ اور کوئی درمیانی رنگت والا، (طبیعت کے اعتبار سے) کوئی نرم خو، کوئی سخت مزاج اور کوئی درمیانی طبیعت والا اور (عمل کے اعتبار سے) کوئی انتہائی خبیث، کوئی بہت اچھا اور کوئی درمیانے عمل والا۔''
[مسند أحمد : ٤٠٦/٤، ح : ١٩٦٦٣]

آدم علیہ السلام کے قیام جنت کی مدت

سیدنا آدم علیہ السلام نے جنت میں بہت کم عرصہ قیام فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام جنت میں نماز عصر سے لے کر غروب آفتاب تک رہے۔ [مستدرك حاكم : ٥٤٢/٢، ح : ٣٩٩٣]

آدم علیہ السلام کا زمین پر نزول

جنت سے نکلنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا اور انھیں زمین پر رہنے کے لیے آداب بھی سکھائے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو آپ کو ہر چیز بنانا سکھایا اور جنت کے کچھ پھل عطا فرمائے۔ تمھارے یہ (زمینی) پھل جنت کے پھلوں میں سے ہیں، فرق یہ ہے کہ ان میں تبدیلی آتی ہے (خراب بھی ہو جاتے ہیں) اور ان میں تبدیلی نہیں آتی۔ [مستدرك حاكم : ٥٤٣/٢، ح : ٣٩٩٦۔ تفسير الطبري : ٣٩٣/١، ح : ٥٣٧]

زمین پر اللہ کے پہلے نبی

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے پہلے نبی کون تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: '' آدم علیہ السلام۔'' میں نے پھر پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا وہ نبی تھے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! وہ ایسے نبی تھے جن سے کلام کیا گیا تھا۔'' [مسند أحمد : ۱۷۸/۵، ح : ۲۱٦۰۱]

سورۂ بقرہ میں آدم اور ان کی اولاد کی خلافت کا ذکر

قرآن مجید میں بیان ہونے والے بہترین قصوں میں سے ایک قصہ بنی نوع انسان کے باپ سیدنا آدم علیہ السلام کا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی ہیں۔ آپ کا قصہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں متعدد پیرائے میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں اس قصے کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرۃ : ۳۰]

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا کیا تو اس میں اس کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور بہت سے خون بہائے گا اور ہم تیری تعریف کے ساتھ ہر عیب سے پاک ہونا بیان کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا بے شک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

زمین میں خلیفہ کا تقرر

خلیفہ وہ ہے جو کسی کی موت کے بعد یا اس کے غائب ہونے کی صورت میں اس کا جانشین بنے، یا تمام امور خود سرانجام نہ دے سکنے کی صورت میں بعض معاملات میں اس کا نائب ہو۔ یہاں خلیفہ سے اللہ کا خلیفہ مراد لینا درست نہیں، کیونکہ نہ اللہ تعالیٰ پر موت آئے گی نہ وہ غائب ہے اور نہ وہ اپنے کاموں میں کسی کا محتاج ہے، بلکہ یہاں خلیفہ سے ایسے لوگ مراد ہیں جو نسل بعد نسل ایک دوسرے کے جانشین بنیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ﴾ [الأنعام : ١٦٥]

''اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین کے جانشین بنایا اور تمھارے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کر دیا، تاکہ وہ ان چیزوں میں تمھاری آزمائش کرے جو اس نے تمھیں دی ہیں۔ اور فرمایا: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ [النور : ٥٥] ''اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور ہی جانشین بنائے گا، جس طرح ان لوگوں کو جانشین بنایا جو ان سے پہلے تھے۔''

اسی طرح خلیفہ سے مراد صرف آدم علیہ السلام نہیں بلکہ پوری نوع انسان ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ زمین میں فساد اور خون بہانا آدم علیہ السلام کا نہیں بلکہ اولادِ آدم کا کام تھا۔

فرشتوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی تیری نافرمانی نہیں کرتا۔ اگر انسانوں کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ تیری عبادت کریں تو ہم موجود ہیں جو دن رات کسی کوتاہی یا اکتاہٹ کے بغیر تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں اور اپنے بندوں کے لیے چنا: ﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ﴾'' [مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل سبحان الله وبحمده : ٢٧٣١]

اللہ تعالیٰ نے زمین کی اشیاء کے نام آدم علیہ السلام کو سکھائے اور فرشتوں پر واضح کیا کہ زمین کی خلافت کے لیے صرف تسبیح و تقدیس کافی نہیں بلکہ علم اسماء بھی ضروری ہے جو آدم کو عطا کیا گیا ہے، فرشتوں کو نہیں۔ رہی یہ بات کہ فرشتوں کو یہ علم کیوں نہیں دیا گیا اور انھیں زمین کی خلافت کیوں نہیں سونپی گئی تو اس کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

آدم کی فرشتوں پر علمی برتری

﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾
[البقرۃ : ٣١]

''اور آدم کو سب کے سب نام سکھلا دیے، پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا، پھر فرمایا مجھے ان کے نام بتاؤ، اگر تم سچے ہو۔''

فرشتوں کے سوال (کیا تو زمین میں ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو اس میں فساد کرے گی) میں اس طرف اشارہ تھا کہ وہ آدم سے افضل ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں بتانا چاہا کہ آدم اس علم کی بدولت جو اللہ نے انھیں دیا، ان سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمام چیزوں سے متعلق ضروری علم ودیعت کر دیا، جیسا کہ قرآن مجید کی آیت ﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾ سے صراحت ہوتی ہے۔ اسی طرح سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن مومن جمع ہو کر کہیں گے کہ اگر ہم کسی سے اللہ کے سامنے سفارش کروائیں (تو اس مشکل مرحلہ سے نجات مل جائے)، چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ تمام انسانوں کے جد امجد ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو تمام اشیاء کے نام سکھائے، سو اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش فرمائیے، تاکہ ہمیں اس مرحلے سے نجات نصیب ہو۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب قول الله تعالى : ﴿ وعلم آدم الأسماء كلها ﴾ : ٤٤٧٦۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها : ١٩٣]

فرشتوں کو اپنی کم مائیگی کا احساس

﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴾ [البقرۃ : ۳۲]

''انھوں نے کہا تو پاک ہے، ہمیں کچھ علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو ہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

جب فرشتوں کے سامنے سیدنا آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہوگئی تو انھیں اپنی غلطی اور علمی کم مائیگی کا احساس ہوا، انھوں نے فوراً اللہ کے حضور توبہ کی اور کہا اے اللہ! ہم تو اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔

آدم علیہ السلام کی فضیلت کا سبب علم تھا

﴿ قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾ [البقرۃ : ۳۳]

''فرمایا اے آدم! انھیں ان کے نام بتا، تو جب اس نے انھیں ان کے نام بتا دیے، فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں جانتا ہوں اور جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے تھے۔''

''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں جانتا ہوں۔'' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کا علم جزوی ہے اور وہ مقرب ہونے کے باوجود علم غیب نہیں رکھتے، اور غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴾ [النمل : ٦٥] ''کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے غیب نہیں جانتا اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

حدیث مبارکہ میں بھی اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص تمھیں کہے کہ نبی ﷺ غیب جانتے تھے تو بلاشبہ اس نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ [بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى : ﴿ عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدًا ﴾ ...... الخ : ۷۳۸۰]

فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کا فرشتوں پر علمی تفوق واضح کرنے کے بعد فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٗ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ [البقرۃ : ۳٤]

’’اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور کافروں سے ہوگیا۔‘‘

یہ آدم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی عزت افزائی تھی۔ اولادِ آدم کو یہ احسان جتلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔

اللہ کی اطاعت میں آدم کو سجدہ

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو انھوں نے بلا چون و چرا اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی اور شیطان کی طرح انکار نہ کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ متعدد احادیث میں اس بات کی صراحت مذکور ہے کہ فرشتوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت میں آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’قیامت کے دن سب مومن جمع ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، آپ تمام انسانوں کے جدِ امجد ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو تمام اشیاء کے نام سکھائے، تو آپ ہمارے لیے اپنے رب کے حضور سفارش فرما دیں، تاکہ ہمیں آج کی اس مصیبت سے نجات مل جائے۔‘‘ [بخاري، كتاب التفسير، باب قول الله تعالى : ﴿ وعلم آدم الأسماء كلها ﴾ : ٤٤٧٦ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها : ١٩٣]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی، اے اللہ! مجھے وہ آدم دکھا جنھوں نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکلوا دیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کا دیدار کروا دیا۔ تو انھوں نے کہا، کیا آپ ہی ہمارے باپ آدم ہیں؟ آدم علیہ السلام نے جواب دیا، ہاں! موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے، وہ آپ ہی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی تھی اور آپ کو تمام (چیزوں) کے نام سکھائے اور جنھیں اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا؟ کہا، ہاں!‘‘ [أبو داؤد، كتاب السنة، باب فى القدر : ٤٧٠٢]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جب آدم کا بیٹا سجدہ کی آیت تلاوت کرتا ہے اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک طرف ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے، ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر لیا، اس لیے اسے جنت ملے گی، مجھے سجدہ کرنے کا حکم ملا تھا مگر میں نے نافرمانی کی تو مجھے جہنم ملے گی۔‘‘ [مسلم، كتاب الإيمان ، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلوٰة : ٨١ـ مسند أحمد : ٤٤٣/٢، ح : ٩٧٢٦]

یہ عبادت کا سجدہ نہیں تھا، کیونکہ غیر اللہ کی عبادت تو شرک ہے جس کی اجازت کسی بھی امت میں نہیں تھی، پھر اللہ

تعالیٰ فرشتوں کو شرک کا حکم کیسے دے سکتا تھا؟ بلکہ یہ تعظیم کا سجدہ تھا جو پہلی امتوں میں جائز تھا، لیکن ہماری امت میں یہ بھی حرام ہے۔ مگر افسوس کہ جاہل صوفی اور عوام جب پیروں کے پاس حاضری دیتے ہیں تو انھیں سجدہ کرتے ہیں اور وہ بھی اس پر خاموش رہ کر ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

ابلیس کا تکبر

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور راندۂ درگاہ ہو گیا۔ ابلیس حسب صراحتِ قرآن جنات میں سے تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اعزازاً فرشتوں میں شامل کر رکھا تھا۔ بحکم الٰہی اس کے لیے بھی سجدہ کرنا ضروری تھا، لیکن اس نے حسد اور تکبر کی بنا پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا حسد اور تکبر وہ گناہ ہیں جن کا ارتکاب دنیائے انسانیت میں سب سے پہلے کیا گیا اور ابلیس اسی کا مرتکب تھا۔ ابلیس کے انکار کا باعث اس کا تکبر تھا۔ تکبر وہ اخلاقی عیب ہے جس کی شریعت اسلامیہ میں انتہائی مذمت بیان کی گئی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔'' [مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه : ٩١]

حدیث مبارکہ میں تکبر کا مفہوم بھی واضح کیا گیا ہے کہ تکبر سے مراد کیا ہے؟ سیدنا ابو سعید خدری اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عزت اللہ کا تہ بند ہے اور کبریائی اس کی چادر اور (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) جو شخص ان دونوں میں سے کسی کو بھی مجھ سے چھینے گا میں اسے عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔'' [مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الكبر : ٢٦٢٠]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تکبر حق کو جھٹلانے اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنے کا نام ہے۔'' [مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه : ٩١]

سیدنا حارثہ بن وہب الخزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں جہنمیوں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ ہر اکھڑ مزاج، حرام خور موٹا اور غرور و تکبر کرنے والا جہنمی ہے۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب : ﴿ عتل بعد ذالك زنيم ﴾ : ٤٩١٨]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسی اثنا میں ایک شخص اپنا تہ بند گھسیٹتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ تا قیامت زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔'' [بخاري، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء : ٥٧٩٠]

آدم علیہ السلام کی ایک اور عزت افزائی

فرشتوں سے سجدہ کروانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی مزید عزت افزائی کرتے ہوئے انھیں جنت میں داخل کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ١۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [البقرۃ : ۳۵]

’’اور ہم نے کہا اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور دونوں اس میں سے کھلا کھاؤ جہاں چاہو اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا، ورنہ تم دونوں ظالموں سے ہو جاؤ گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا، ان کو عزت دی اور پھر ان کی بیوی کو ان کی پسلی سے پیدا کیا، تاکہ آدم ان کے ذریعے سکون حاصل کریں اور اللہ نے اپنی نعمت ان پر تمام کر دی کہ دونوں کو حکم دیا کہ جنت میں رہیں اور اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں۔

آدم اور حواء علیہما السلام کے خلاف شیطان کی چال

شیطان نے سیدنا آدم اور سیدہ حواء علیہما السلام کو بہکایا اور انھیں جنت سے نکلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ١۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ١ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ [البقرۃ : ۳٦]

’’تو شیطان نے دونوں کو اس سے پھسلا دیا، پس انھیں اس سے نکال دیا جس میں وہ دونوں تھے اور ہم نے کہا اتر جاؤ، تمھارا بعض بعض کا دشمن ہے اور تمھارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔‘‘

شیطان ان کے پیچھے لگا رہا، انھیں طرح طرح سے بہکاتا رہا، ان کے دل و دماغ میں یہ بات ڈالتا رہا کہ وہ اس شجر ممنوعہ کا پھل کھا لینے کے بعد ہمیشہ کے لیے جنت میں رہیں گے اور کبھی اس سے نہ نکلیں گے، الغرض وہ اس کے دھوکے میں آ گئے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت میں سڑاند پیدا نہ ہوتی اور اگر حواء نہ ہوتیں (یعنی غلط مشورہ نہ دیتیں) تو کوئی عورت اپنے شوہر کی کبھی (زندگی بھر) خیانت نہ کرتی۔‘‘ [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم و ذريته : ۳۳۳۰۔ مسلم، كتاب الرضاع، باب لو لا حواء لم تخن أنثى زوجها الدهر : ۱٤٦۸]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو، کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور سب سے ٹیڑھی پسلی وہ ہے جو سب سے اوپر والی ہے، اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے

گا تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اگر اسے چھوڑ دے گا تو ٹیڑھی رہے گی، اس لیے عورتوں سے حسن سلوک کی نصیحت قبول کرو۔“
[بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم و ذريته : ٣٣٣١۔ مسلم، كتاب الرضاع، باب الوصية بالنساء : ١٤٦٦/٦٠]

آدم علیہ السلام کی توبہ اور دعا

اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا اور انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کے لیے چند کلمات سیکھ لیے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴾ [البقرة : ٣٧]

”پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے، تو اس نے اس کی توبہ قبول کر لی، یقیناً وہی ہے جو بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“

وہ کلمات جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو سکھائے تا کہ ان کے ذریعے اپنی توبہ کا اعلان کریں، یہ دعا تھی: ﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [الأعراف : ٢٣] ”دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى ﴾ [طٰه : ١٢٢] ”پھر اس کے رب نے اسے چن لیا، پس اس پر توجہ فرمائی اور ہدایت دی۔“

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ” فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ “ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے کہا: ”یا رب! کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے نہیں بنایا؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”کیوں نہیں!“ آدم علیہ السلام نے کہا: ”اے میرے رب! کیا تو نے مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟“ اللہ نے فرمایا: ”کیوں نہیں!“ آدم علیہ السلام نے کہا: ”اے میرے رب! کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں بسایا؟“ فرمایا: ”کیوں نہیں!“ آدم علیہ السلام نے کہا: ”اے میرے رب! کیا تیری رحمت تیرے غصے پر غالب نہیں ہے؟“ فرمایا: ”کیوں نہیں!“ آدم علیہ السلام نے کہا: ”اگر میں توبہ کروں اور اپنی حالت درست کر لوں، تو کیا تو مجھے دوبارہ جنت میں لوٹا دے گا؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ہاں!“ [مستدرك حاكم : ٥٤٥/٢، ح : ٤٠٠٢]

سیدنا آدم علیہ السلام کے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ توبہ کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص توبہ کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں: ① اپنے گناہوں کے نقصان کا احساس۔ ② اس پر ندامت اور ③ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم۔ اسی طرح آیت مذکورہ بالا میں ”فَتَابَ عَلَيْهِ“ سے معلوم ہوا کہ گناہ کے اثرات لازمی اور طبعی نہیں کہ لامحالہ ان کے نتیجے میں سزا ہی مل کر رہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، چاہے تو گناہ کی سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ انسان توبہ کر لے تو گناہ کا اثر ختم کر دیا جاتا ہے۔

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾
[البقرة : ۳۸]

''ہم نے کہا سب کے سب اس سے اتر جاؤ، پھر اگر کبھی تمھارے پاس میری طرف سے واقعی کوئی ہدایت آ جائے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا سو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

توبہ کی قبولیت کے بعد پھر پہلا حکم دہرایا، مقصد یہ تھا کہ گناہ کی معافی کے باوجود اب تمھیں اور تمھاری اولاد سب کو زمین پر ہی رہنا ہوگا جس کی خلافت کے لیے تمھیں پیدا کیا گیا ہے۔ جنت میں واپسی کے لیے تمھیں اس ہدایت کے راستے پر چلنا ہوگا جو میری طرف سے تمھارے پاس آئے گی۔

ہدایت کا یہ سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، قرآن مجید اور حدیث نبوی آخری وحی الٰہی ہے۔ آج ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ دونوں ہی چیزیں موجود ہیں۔

سورۂ حجر میں تخلیق آدم، فرشتوں کو سجدے کا حکم اور ابلیس کا انکار

﴿ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴾ [الحجر : ۲۸ تا ۳۳]

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا بے شک میں ایک بشر ایک بجنے والی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ جو بدبودار، سیاہ کیچڑ سے ہوگی۔ تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔ تو فرشتوں نے سب کے سب نے، تمام نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس، اس نے انکار کر دیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہیں ہوتا؟ اس نے کہا میں کبھی ایسا نہیں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے ایک بجنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے، جو بدبودار، سیاہ کیچڑ سے ہے۔''

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق کے وقت جو عزت بخشی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ فرشتوں کو انھیں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو سب ان کی تعظیم کے لیے سجدے میں گر گئے، لیکن ابلیس نے کفر و عناد اور حسد و تکبر کی وجہ سے حکم الٰہی سے سرتابی کی اور اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں آدم کو سجدہ نہیں کروں گا، کیونکہ تو نے اسے سڑی ہوئی مٹی کے گارے سے پیدا کیا ہے، جبکہ مجھے آگ سے پیدا کیا ہے، جو مٹی سے برتر و بالا ہے۔

ابلیس کا جنت سے اخراج اور قیامت تک مہلت

شیطان نے جب تکبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے نکال دیا اور اس پر لعنت فرمائی۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴾ [الحجر : ٣٤ تا ٣٨]

’’فرمایا پھر اس سے نکل جا، کیونکہ یقیناً تو مردود ہے۔ اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک خاص لعنت ہے۔ اس نے کہا اے میرے رب! پھر مجھے اس دن تک مہلت دے جب وہ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا تو بے شک تو مہلت دیے گئے لوگوں سے ہے۔ ایسے وقت کے دن تک جو معلوم ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے ابلیس کو حکم دیا کہ وہ اس مقام و مرتبہ سے نکل جائے جو اسے فرشتوں میں حاصل ہے، کیونکہ اب وہ مردود ہے اور اب قیامت کے دن تک اس پر مسلسل اور متواتر لعنت برستی رہے گی۔ ابلیس نے جب قیامت کے دن تک اپنے اوپر لعنت کی بات سنی تو سمجھا کہ اس کا عذاب اس وقت تک ٹال دیا گیا ہے، اسی لیے اس نے اللہ سے طلب کیا کہ اسے اس دن تک موت نہ آئے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی۔

ابلیس کا چیلنج اور اس کے لیے جہنم کی وعید

ابلیس کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت مل گئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ کہا کہ میں ساری اولاد آدم کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ قرآن مجید میں اس مضمون کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴾

[الحجر : ٣٩ تا ٤٤]

’’اس نے کہا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں ضرور ہی ان کے لیے زمین میں مزین کروں گا اور ہر صورت میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ مگر ان میں سے تیرے وہ بندے جو خالص کیے ہوئے ہیں۔ فرمایا یہ راستہ ہے جو مجھ تک سیدھا ہے۔ بے شک میرے بندے، تیرا ان پر کوئی غلبہ نہیں، مگر جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے چلے۔ اور بلاشبہ جہنم ضرور ان سب کے وعدے کی جگہ ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے

لیے ان میں سے ایک تقسیم کیا ہوا حصہ ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی بغاوت و سرکشی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ تو نے جو مجھے گمراہ کر دیا ہے تو میں تیری قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک آدم کی اولاد دنیا میں رہے گی، میں دنیا کو اس کے سامنے خوبصورت بنا کر پیش کروں گا اور انھیں گناہوں پر ابھاروں گا، لیکن جو تیرے مخلص بندے ہوں گے اور اپنے دین و اعمال کو اللہ کے لیے خالص کریں گے ان پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ مجھ تک پہنچنے کی یہی سیدھی راہ ہے، جو اس پر چلتا رہے گا وہ تمھارے دام فریب میں نہیں آئے گا، ہاں! جو لوگ راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہوں گے اور گمراہی جن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہوگی، وہ تمھاری سازش کا شکار ہو جائیں گے۔ ایسے تمام لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جس کے سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے سے جہنمیوں کی ایک متعین تعداد اپنے اپنے برے اعمال کے مطابق داخل ہوگی۔

تخلیق آدم کا قصہ اور ابلیس کا تکبر سورۂ ص کی روشنی میں

﴿اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ﴾ [ص : ۷۱ تا ۷۷]

"جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ بے شک میں تھوڑی سی مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ تو جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔ پس تمام فرشتوں، سب کے سب نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے، اس نے تکبر کیا اور کافروں سے ہو گیا۔ فرمایا اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کے لیے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا؟ کیا تو بڑا بن گیا، یا تھا ہی اونچے لوگوں میں سے؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور تو نے اسے مٹی سے پیدا کیا۔"

اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے پہلے فرشتوں کو بتایا کہ وہ مٹی سے ایک آدمی بنائے گا اور بنا لینے کے بعد انھیں حکم دیا کہ وہ آدم کی تکریم کے لیے اسے سجدہ کریں۔ ابلیس کے علاوہ تمام فرشتوں نے اللہ کے حکم کی بجا آوری میں آدم کو سجدہ کیا۔ ابلیس جنوں میں سے تھا، اس کی فطرت میں تکبر اور غرور تھا، اس نے سجدہ کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ میں آدم سے بہتر ہوں، میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ مٹی سے بہتر ہے۔

ابلیس کی یہ سوچ غلط تھی اور اس کا قیاس قیاسِ فاسد تھا، چنانچہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کر بیٹھا اور کفر کا مرتکب ہوا۔ اس لیے اللہ نے اسے اپنی جناب سے دور کر دیا، اسے رسوا کیا اور ہمیشہ کے لیے اپنی رحمت سے محروم کر دیا اور ذلیل و خوار بنا کر زمین پر بھیج دیا۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ ہو گیا ہے تو آدم کے خلاف اس کے حسد کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ اس نے اللہ سے قیامت کے دن تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی تاکہ آدم اور اس کی اولاد کو خوب گمراہ کرے۔ اللہ نے اسے مہلت دے دی تو اس نے اللہ کی عزت کی قسم کھا کر ازراہِ غرور و سرکشی کہا کہ میں تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کروں گا۔

جب ابلیس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ اے اللہ! میں تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو گمراہ کروں گا تو اللہ نے بھی اپنی ذات کی قسم کھا کر کہا کہ میں بھی جہنم کو تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے بھر دوں گا جو تیری پیروی کریں گے۔

سورۂ اعراف میں ابلیس کے تکبر کا بیان اور اس کا انجام بد

اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے تکبر میں آ کر سجدے سے انکار کیا اور پھر اپنے اس عمل بد کی انتہائی قبیح دلیل بھی پیش کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے ہمیشہ کے لیے لعنتی قرار دے دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴾ [الأعراف : ١١]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تمھارا خاکہ بنایا، پھر ہم نے تمھاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، وہ سجدہ کرنے والوں سے نہ ہوا۔''

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی قدر و منزلت اور ان کی فضیلت بیان کرنے کے بعد بنی آدم کو تنبیہ کی ہے کہ ان کا سب سے بڑا دشمن ابلیس ہے، جو آدم کی ابتدائے آفرینش ہی سے ان کے اور ان کی اولاد کے خلاف حسد کی آگ میں جلتا رہا ہے اور انھیں دینی اور دنیاوی طور پر نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا ہے، اس لیے اس سے بچنا لازم ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے مٹی سے بنایا اور انسان کی شکل دے کر اس میں روح پھونکی تو تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے سجدہ کریں۔ چنانچہ سب نے بات مانی اور اطاعت کی، لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

ابلیس کی دلیل فاسد

﴿ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴾ [الأعراف : ١٢، ١٣]

''فرمایا تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ نہیں کرتا، جب میں نے تجھے حکم دیا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور تو نے اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ فرمایا پھر اس سے اتر جا، کیوں کہ تیرے لیے یہ نہ ہوگا کہ تو اس میں تکبر کرے۔ سو نکل جا، یقیناً تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔''

ابلیس فرشتوں میں سے نہیں تھا، بلکہ خود قرآن کی صراحت کے بموجب وہ جنات میں سے تھا، لیکن آسمان پر فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس سجدہ کو کرنے کے حکم میں شامل تھا، جو اللہ نے فرشتوں کو دیا تھا۔ اسی لیے اس سے باز پرس بھی ہوئی اور اس پر عتاب بھی نازل ہوا۔ اگر وہ اس حکم میں شامل ہی نہ ہوتا تو اس سے باز پرس ہوتی نہ وہ راندۂ درگاہ قرار پاتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس سے حکم عدولی کی وجہ دریافت کی تو ابلیس نے جواب دیا کہ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ مٹی سے افضل ہے اور افضل اپنے سے کم درجہ کو کیسے سجدہ کر سکتا ہے!؟ خواہ اس کا حکم دینے والا اس کا پروردگار ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح گویا شیطان نے واضح حکم کی موجودگی میں عقلی قیاس سے کام لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ دھتکارا گیا اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں، جنات آگ کے شعلے سے پیدا کیے گئے ہیں اور آدم علیہ السلام اس چیز سے پیدا کیے گئے ہیں جو تمھیں بتائی جا چکی ہے۔'' [مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب فی أحادیث متفرقة : ۲۹۹٦]

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنے مقربین سے نکال دیا اور شیطان سے کہا کہ تکبر کے بعد جنت میں رہنے کا شرف تیرے پاس رہنا ممکن ہی نہیں۔ یہی حال ہر متکبر اور غرور والے کا ہوگا۔ سیدنا ابو سعید خدری اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عزت اس (یعنی اللہ) کی ازار (نیچے کی چادر) ہے اور کبریائی اس کی ردا (اوپر کی چادر) ہے۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) جو مجھ سے یہ چھیننے کی کوشش کرے گا میں اسے عذاب دوں گا۔'' [مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الکبر : ۲٦۲۰]

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ تو نے میرے حکم کی مخالفت کی ہے، اس لیے تو جنت سے نکل جا، یہ جگہ اللہ کے نافرمانوں کے لیے نہیں ہے۔ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تکبر کرنے والا احترام و تعظیم کا نہیں، ذلت و خواری کا مستحق ہے۔

ابلیس کو قیامت کے دن تک مہلت دیا جانا

جب ابلیس تکبر اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے بارگاہِ الٰہی میں مردود ٹھہرا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے لیے مہلت طلب کر لی تاکہ اولادِ آدم کو صراطِ مستقیم سے گمراہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مہلت طلب کرنے اور اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کے عزم کو یوں بیان فرمایا:

﴿ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ ؕ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴾ [الأعراف : ١٤ تا ١٧]

''اس نے کہا مجھے اس دن تک مہلت دے جب یہ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا بے شک تو مہلت دیے جانے والوں سے ہے۔ اس نے کہا پھر اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا، میں ضرور ہی ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔ پھر میں ہر صورت ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرفوں سے اور ان کی بائیں طرفوں سے آؤں گا اور تو ان کے اکثر کو شکر کرنے والے نہیں پائے گا۔''

ابلیس نے کہا، اے رب! مجھے مہلت دے اور اس دن تک موت نہ دے جب آدم اور اس کی اولاد قبروں سے اٹھائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا کے فنا ہونے تک کی مہلت دے دی۔ ابلیس کا مقصد اولاد آدم کی کثیر تعداد کو گمراہ کرنا تھا تاکہ آدم علیہ السلام سے انتقام لے سکے، جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا گیا۔ جب اللہ نے اس کی بات مان لی تو عناد اور سرکشی میں اور آگے بڑھ کر کہنے لگا کہ جب تو نے مجھے گمراہ کر ہی دیا ہے تو اب ان انسانوں کو میں چین سے نہیں رہنے دوں گا، ان کے درپے ہو جاؤں گا اور انھیں تیری سیدھی راہ (دین اسلام) سے گمراہ کروں گا۔ انھیں ہر طرف سے گھیر لوں گا، بھلائی سے روکوں گا اور برائی کو خوبصورت بنا کر پیش کروں گا، تاکہ وہ سرکشی پر اتر آئیں اور پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں سے اکثر لوگ ناشکری کریں گے، تیری عبادت نہیں کریں گے اور عقیدۂ توحید پر قائم نہیں رہیں گے۔

ابلیس کا اولادِ آدم علیہ السلام کو صراطِ مستقیم سے روکنے کا عزم

جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو قیامت تک کے لیے مہلت دے دی تو اس نے بنی آدم کے بارے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں ہر خیر اور شر کے راستے پر بیٹھوں گا، خیر سے ان کو روکوں گا اور شر کو ان کی نظروں میں پسندیدہ بنا کر ان کو اختیار کرنے کی ترغیب دوں گا۔ اسی کیفیت کا ایک منظر درج ذیل حدیث میں ملاحظہ کیجیے، سیدنا سبرہ بن ابی فاکہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: ''بلاشبہ شیطان ابن آدم کے لیے اللہ کے راستوں پر بیٹھ جاتا ہے، وہ اسلام کے راستے پر بیٹھ جاتا ہے اور ابن آدم سے کہتا ہے کہ کیا تو اسلام قبول کر کے اپنے دین کو، اپنے آباء و اجداد کے دین اور اپنے باپ کے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ رہا ہے؟ مگر ابن آدم اس کی نافرمانی کرتے ہوئے اسلام کو اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اسی طرح شیطان راہ ہجرت پر بیٹھ جاتا ہے اور مسلمان سے کہتا ہے، کیا تو ہجرت کر کے اپنی زمین اور اپنے آسمان کو چھوڑ رہا ہے؟ مہاجر کی مثال تو گھوڑے کی سی ہے جس کی رسی کو دراز کر

دیا گیا ہو، مگر مومن شیطان کی نافرمانی کر کے ہجرت کر لیتا ہے۔ پھر وہ مومن کے لیے راہ جہاد پر بیٹھ جاتا ہے اور اس سے کہتا ہے، یہ تو بس نفس اور مال کی مشقت ہے، سو اگر تو جنگ کرے گا تو مارا جائے گا، پھر تیری بیوی سے کوئی نکاح کر لے گا اور تیرا مال تقسیم کر لیا جائے گا، مگر مرد مومن شیطان کی نافرمانی کرتے ہوئے جہاد کرتا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان یہ کام کرتے ہوئے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے، یا اگر شہید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے، اگر غرق ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے، اگر اس کی سواری اس کو گرا دے اور وہ فوت ہو جائے تو بھی اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کر دے۔'' [مسند أحمد : ۴۸۳/۳، ح : ۱۵۹۶۴۔ نسائي، کتاب الجهاد، باب ما لمن أسلم وهاجر وجاهد : ۳۱۳۶]

اسی لیے شیطان کے شر سے بچنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے شیطان سے تمام جہات سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے کہ شیطان کسی بھی طرف سے انسان پر مسلط نہ ہو، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ صبح وشام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے اور کبھی ان کے پڑھنے میں ناغہ نہیں کیا کرتے تھے: « اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَاَهْلِيْ وَمَالِيْ، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَآمِنْ رَّوْعَاتِيْ، اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِيْ، وَعَنْ يَّمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِعَظْمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ » ''اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں خیر و عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور اپنے دین میں اور دنیا میں اور اپنے اہل میں اور مال میں عافیت و سلامتی چاہتا ہوں۔ اے اللہ! تو میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور میرے خوف اور پریشانی کو امن سے بدل دے۔ اے اللہ! تو میری حفاظت فرما، میرے آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی اور میری دائیں طرف سے بھی اور میری بائیں طرف سے بھی اور میرے اوپر سے بھی اور میں تیری عظمت کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنے نیچے کی طرف سے اچانک کسی مصیبت میں ڈال دیا جاؤں۔'' [مسند أحمد : ۲۵/۲، ح : ۴۷۸۴۔ أبو داؤد، کتاب الأدب، باب ما يقول إذا أصبح : ۵۰۷۴۔ نسائي، کتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من الخسف : ۵۵۳۱]

ابلیس کی پیروی کا انجامِ بد

بارگاہِ الٰہی سے نکالے جانے کے بعد شیطان نے مہلت طلب کی جو اسے مل گئی۔ پھر اس نے یہ عزم کیا کہ میں اولاد آدم کو گمراہ کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی کرنے والوں کا انجام بھی ذکر فرما دیا، فرمایا:

﴿ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ [الأعراف : ۱۸]

''فرمایا اس سے نکل جا مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوا، بے شک ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا میں ضرور ہی جہنم

کو تم سب سے بھروں گا۔“

اللہ تعالیٰ نے شیطان پر مزید لعنت اور رحمت سے دوری کا اعلان کرتے ہوئے دوبارہ کہا کہ تو یہاں سے ذلیل و رسوا ہو کر نکل جا اور یہ بات تو اور تیری پیروی کرنے والے جان لیں کہ اگر وہ لوگ تیری اتباع کریں گے تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اب ابلیس جب اولادِ آدم کے نیک اعمال کو دیکھتا ہے تو مایوسی سے روتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدم کا بیٹا سجدہ کی آیت تلاوت کرتا ہے، پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک طرف ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے، ہائے افسوس! ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر لیا، اس لیے اسے جنت ملے گی، مجھے سجدہ کرنے کا حکم ملا تھا، میں نے نافرمانی کی تو مجھے جہنم ملے گی۔“ [مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان إطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ : ۸۱۔ مسند أحمد : ۴۴۳/۲، ح : ۹۷۲۶]

شیطان کا حسد اور سیدنا آدم و حواء کے ساتھ مکر و فریب

سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حواء کے جنت میں بھیجے جانے پر شیطان نے انھیں پھسلانا شروع کر دیا اور مختلف طریقوں سے وسوسے ڈالنے لگا کہ اس ممنوعہ شجر کا پھل کھانے پر آمادہ کر سکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾
[الأعراف : ۱۹ تا ۲۱]

”اور اے آدم! تو اور تیری بیوی اس جنت میں رہو، پس دونوں کھاؤ جہاں سے چاہو اور اس درخت کے قریب مت جاؤ کہ دونوں ظالموں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے لیے وسوسہ ڈالا، تاکہ ان کے لیے ظاہر کر دے جو کچھ ان کی شرم گاہوں میں سے ان سے چھپایا گیا تھا اور اس نے کہا تم دونوں کے رب نے تمھیں اس درخت سے منع نہیں کیا مگر اس لیے کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ، یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور اس نے دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کے لیے یقیناً خیر خواہوں سے ہوں۔“

اللہ نے ابلیس کو جنت سے یا فرشتوں کے زمرے سے نکال دیا اور آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حواء کے لیے جنت کی تمام نعمتوں اور پھلوں کو حلال بنا دیا، صرف ایک درخت کے کھانے سے انھیں روک دیا اور تنبیہ کر دی کہ دیکھو اگر اس کے قریب جاؤ گے تو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہو جاؤ گے۔ شیطان نے جب انھیں اس حال میں دیکھا تو اس کی حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور ان کے ساتھ مکر و فریب کی سوچ لی، تاکہ وہ جن نعمتوں سے بہرہ مند ہو رہے تھے اور انھوں نے جو خوبصورت لباس زیب تن کیے ہوئے تھے وہ سب کچھ ان سے چھن جائے۔ چنانچہ اس نے اللہ کے خلاف

افترا پردازی کرتے ہوئے کہا کہ تمھارے رب نے تمھیں اس درخت سے اس لیے روکا ہے کہ اگر اسے کھا لو گے تو تم فرشتے بن جاؤ گے، پھر کھانے پینے کی محتاجی نہیں رہے گی یا تمھیں موت لاحق نہیں ہوگی اور جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو گے۔ ابلیس نے انھیں اپنی صداقت کا یقین دلانے کے لیے ذاتِ باری تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا انتہائی خیر خواہ ہوں، تبھی تو یہ راز تمھیں بتایا ہے۔

شیطان کے دھوکے میں آ کر شجرۂ ممنوعہ کھانے کا انجام

سیدنا آدم ﷤ اور سیدہ حوا ﷥ شیطان کے دھوکے میں آ گئے اور اس درخت کا پھل کھا لیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے مستحق ٹھہرے۔ سورۂ اعراف میں ہے:

﴿ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [الأعراف : ۲۲، ۲۳]

’’پس اس نے دونوں کو دھوکے سے نیچے اتار لیا، پھر جب دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان کے لیے ان کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں اور دونوں جنت کے پتوں سے (لے لے کر) اپنے آپ پر چپکانے لگے اور ان دونوں کو ان کے رب نے آواز دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا اور تم دونوں سے نہیں کہا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔ دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔‘‘

شیطان نے دونوں کو دھوکا دے کر بلندی سے پستی میں پہنچا دیا اور ان دونوں کو ارتکاب معصیت کی ہمت دلائی۔ چنانچہ جب انھوں نے اس شجرۂ ممنوعہ کو شیطان کے دھوکے میں آ کر کھا لیا تو اس نافرمانی کا انجام فوراً ہی ان کے سامنے آ گیا کہ ان کے لباس ان کے جسموں سے الگ ہو گئے اور انھیں اپنی شرم گاہیں نظر آنے لگیں، تو جنت کے درختوں کے پتے لے لے کر اپنے جسموں پر چپکانے لگے تاکہ اپنی پردہ پوشی کریں۔ تب اللہ تعالیٰ نے بطور عنایت ان سے کہا، کیا میں نے تمھیں اس درخت کے کھانے سے نہیں روکا تھا اور کہا نہیں تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟ اس وقت انھوں نے اپنی غلطی کا اللہ کے حضور اعتراف کیا اور اللہ نے انھیں سکھایا کہ اپنی غلطی کی معافی کے لیے یہ دعا کریں: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [الأعراف : ۲۳] ’’اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔‘‘

آدم ﷤ کی اس دعا سے ان کا اور ابلیس کا فرق واضح ہوتا ہے۔ یہاں عجز ہے، اعتراف گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی محتاجی کا اظہار اور بخشش کی درخواست ہے، وہاں تکبر ہے، اپنے گناہ پر اصرار ہے، آئندہ مزید نافرمانی کے ارادے کا اظہار ہے اور مہلت کی درخواست ہے۔ اسی طرح یہاں پاک فطرت ہونے کی بنا پر قسم کی وجہ سے دشمن پر بھی اعتبار ہے، وہاں حسد کی وجہ سے بے گناہوں سے بھی دشمنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی دیکھیے کہ دوست کی دعا بھی قبول اور دشمن کی بھی۔ یقیناً اس میں اس پاک پروردگار کی بے شمار حکمتیں تھیں۔

آدم و حوا ﷦ کو زمین کی طرف اتارنا

اللہ تعالیٰ نے آدم ﷤ کی توبہ قبول کرنے کے بعد انھیں زمین پر اترنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴾ [الأعراف : ٢٤، ٢٥]

”فرمایا اتر جاؤ، تمھارا بعض بعض کا دشمن ہے اور تمھارے لیے زمین میں ایک وقت تک ایک ٹھکانا اور کچھ (زندگی کا) سامان ہے۔ فرمایا تم اسی میں زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔“

اللہ نے آدم و حوا ﷦ کی توبہ تو قبول کر لی لیکن ان سے کہا کہ ارتکابِ معصیت کے بعد اب جنت میں تمھارے لیے جگہ نہیں رہی، ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تم دونوں نے شجرۂ ممنوعہ کھا کر اللہ کی نافرمانی کی، اس لیے اب تمھاری جگہ زمین ہوگی اور رہتی دنیا تک تم اور تمھاری اولاد اور ابلیس اور اس کی ذریت کے درمیان عداوت چلتی رہے گی۔ تم سب زمین ہی پر رہو گے اور دنیا کی عارضی نعمتوں سے موت آنے تک فائدہ اٹھاتے رہو گے، وہیں زندہ رہو گے، وہیں مرو گے اور قیامت کے دن وہیں سے اٹھائے جاؤ گے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں قصۂ آدم و ابلیس

ابلیس اس لیے لعنت کا مستحق ہوا کہ اس کے طرزِ عمل میں آدم ﷤ کی تنقیص و تحقیر اور ان پر فخر و تعلّی کا اظہار اور حکم الٰہی کی مخالفت ہے، جبکہ آدم کا نام لے کر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر اس نے جو عذر پیش کیا وہ بھی بیکار بلکہ ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ کا آئینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں اس کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ٞ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ [بني إسرائيل: ٦١، ٦٢]

”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، اس نے کہا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا۔ اس نے کہا کیا تو نے دیکھا، یہ شخص جسے تو نے مجھ پر عزت بخشی، یقیناً اگر تو

مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں بہت تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی اولاد کو ہر صورت جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔‘‘

چونکہ کفار و مشرکین کی سرکشی ابلیس لعین کی پیروی کا نتیجہ ہوتی ہے، اس لیے اب شیطان کی سرکشی بیان کی جا رہی ہے۔ فرمایا، اے ہمارے نبی! آپ اس وقت کو یاد کیجیے جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کی تکریم و احترام میں اس کو سجدہ کرو تو ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔ اس نے کفر و تمرد کی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے، تو نے جو اسے مجھ پر فوقیت دی ہے اور مجھے اس کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے، تو ایسا کیوں کیا ہے؟ اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو سوائے چند مخلص مسلمانوں کے، میں سب کو گمراہ کر کے ہلاک کر دوں گا یا میں جدھر چاہوں گا انھیں بہکا کر لے جاؤں گا۔

ابلیس اور اس کے پیچھے چلنے والوں کا ٹھکانا

ابلیس کے اس چیلنج پر کہ میں ساری اولادِ آدم کو گمراہ کروں گا، اللہ تعالیٰ نے ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم قرار دیا اور یہ بھی فرمایا کہ ابلیس کی تمام تر سازشوں کے باوجود میرے مخلص بندے شیطان کے دام فریب میں نہیں آئیں گے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

﴿ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ أَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَ الْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ۝ إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۚ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴾ [بني إسرائيل : ٦٣ تا ٦٥]

’’فرمایا جا، پھر ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا تو بے شک جہنم تمھاری جزا ہے، پوری جزا۔ اور ان میں سے جس کو تو اپنی آواز کے ساتھ بہکا سکے بہکا لے اور اپنے سوار اور اپنے پیادے ان پر چڑھا کر لے آ اور اموال اور اولاد میں ان کا حصہ دار بن اور انھیں وعدے دے اور شیطان دھوکا دینے کے سوا انھیں وعدہ نہیں دیتا۔ بے شک میرے بندے، تیرا ان پر کوئی غلبہ نہیں اور تیرا رب کافی کارساز ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جو کرنا چاہتے ہو کرو۔ جو لوگ تمھاری پیروی کریں گے، ان کا اور تمھارا ٹھکانا جہنم ہوگا جو تمھارے اعمال کا پورا پورا بدلا ہوگا۔ اب تم ان میں سے جسے آواز دے کر اپنی پیروی پر ابھار سکتے ہو ابھارو اور انھیں دھوکا دو۔ (بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد لہو و لعب، راگ اور موسیقی ہے) اور انھیں اپنا پیروکار بنانے کے لیے تمام حربے اور تمام ذرائع استعمال کرو، مکر و فریب کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں سب کو اختیار کرو اور ان کے مال و دولت اور اولاد میں شریک بن جاؤ۔ بایں طور کہ وہ حرام ذرائع سے دولت حاصل کریں، غصب کریں، چوری کریں،

سود کھائیں اور حرام کاموں پر خرچ کریں۔ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑیں اور اپنی اولاد کو ملحد، زندیق اور کافر بنائیں۔ ان سے وعدہ کرو کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے یا یہ کہ ان کا انجام ہمیشہ اچھا ہوگا اور ہر دم غلبہ انھی کو ملے گا۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ شیطان کا وعدہ ہمیشہ فریب پر مبنی ہوتا ہے۔ پھر شیطان سے کہا کہ میرے جو مخلص بندے ہوں گے ان پر تمھاری ایک نہیں چلے گی، تم انھیں گمراہ نہیں کر سکو گے۔ ان کا رب ان کا حامی و ناصر ہوگا اور وہ اپنے رب پر بھروسا کریں گے اور تمام امور میں اسی کی جناب میں پناہ لیں گے اور وہ ان کے لیے کافی ہوگا۔

اموال میں شیطان کی شراکت یہ ہے کہ حرام طریقے سے کمایا جائے، یا حرام کاموں میں خرچ کیا جائے، مثلاً سود، رشوت، چوری ڈاکے اور دھوکے وغیرہ سے مال کمایا جائے اور اسے غیر اللہ کے نام پر یا بدکاری و بے حیائی اور نافرمانی کے کاموں میں خرچ کیا جائے۔ اولاد میں شراکت یہ ہے کہ شیطان انھیں دین حنیف کی تعلیمات کے خلاف پرورش دلانے میں کامیاب ہو جائے، ان کے لیے زنا اور اللہ کی نافرمانی کے مواقع میسر کر دے، انھیں اپنے سلف صالحین سے متنفر کر دے، میاں بیوی کی صحبت کے وقت دونوں کو شیطان سے بچانے کی دعا مانگنا فراموش کروا دے، تاکہ پیدا ہونے والی اولاد میں اس کا حصہ ہو جائے یا ان کے نام ایسے رکھوا دے جن سے ظاہر ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور نے عطا کیے ہیں۔ مشرکین عرب اپنی اولاد کے نام عبد العزیٰ، عبد شمس اور عبد وَدّ وغیرہ رکھتے تھے۔ ہمارے زمانے میں رسول بخش، حسین بخش، پیر بخش، غلام جیلانی اور پیراں دتہ وغیرہ مشرکانہ نام رکھے جاتے ہیں۔ سیدنا عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو موحد و مسلمان پیدا کیا، پھر ان کے پاس شیطان آئے اور انھیں ان کے دین سے ہٹا دیا اور ان کے لیے وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں۔“ [مسلم، کتاب الجنة و صفة نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا ...... الخ : ٢٨٦٥]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے جو اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے وہ یہ دعا پڑھ لے: ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ﴾ ”اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو ہمیں عطا کرے۔“ تو اگر اس دن کوئی بچہ اللہ کی طرف سے ٹھہر جائے گا تو اسے ہرگز ہرگز شیطان کبھی کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔“ [بخاري، كتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال و عند الوقاع : ١٤١۔ مسلم، كتاب النكاح، باب ما يستحب أن يقوله عند الجماع : ١٤٣٤]

شیطان کو مخاطب کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ انھیں جھوٹے وعدے دلا، مثلاً یہ کہ اگر شرک کرو گے تو یہ فائدہ ہوگا۔ سودی کاروبار سے یہ نفع ہوگا اور یہ کہ دنیا میں تمھیں مال و دولت ملی ہے، آخرت میں بھی ملے گی اور یہ کہ ابھی بہت وقت ہے عیش کر لو، پھر توبہ کر لینا وغیرہ۔ مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پانچ حکم دیے ہیں: ”اِذْهَبْ“

"اسْتَفْزِزْ" "أَجْلِبْ عَلَيْهِمْ" "شَارِكْهُمْ" اور "عِدْهُمْ" یہ تمام احکام تہدید، یعنی ڈانٹنے کے لیے ہیں، جیسے فرمایا: ﴿ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ﴾ [حٰمٓ السجدۃ : ٤٠] "جو چاہو کرو۔" یہ احکام تعمیل کے لیے نہیں ہیں، کیونکہ یہ سب گناہ ہیں اور اللہ تعالیٰ گناہ کا حکم نہیں دیتا۔

ان احکامات کے بعد فرمایا کہ شیطان کے سب وعدے محض دھوکا ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے بارے میں فرمایا کہ جب روز قیامت حق واضح ہو جائے گا تو وہ کہے گا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ﴾ [إبراھیم : ۲۲] "بے شک اللہ نے تم سے وعدہ کیا، سچا وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا تو میں نے تم سے خلاف ورزی کی۔" اور فرمایا: ﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴾ [النساء : ۱۲۰] "وہ انھیں وعدے دیتا ہے اور انھیں آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انھیں دھوکے کے سوا کچھ وعدہ نہیں دیتا۔"

مخلص مومنوں سے شیطان کی ناکامی

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلۂ کلام کو سچے ایمان والوں کے اطمینان کے لیے اس بات پر ختم کیا کہ میرے خاص بندوں پر شیطان غالب نہیں آ سکے گا، کیونکہ انھوں نے اپنا سب کچھ اپنے رب کے سپرد کر دیا ہے اور رب تعالیٰ بہت کافی وکیل ہے۔

ابلیس مسلسل اولادِ آدم کو بہکانے اور صراطِ مستقیم سے گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے اور اپنی ذریت کو بھی اس نے اسی کام میں لگایا ہوا ہے، صحیح مسلم کی حدیث ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے، پھر اپنے لشکروں کو بھیجتا ہے۔ اس کے نزدیک مرتبہ میں زیادہ بلند وہ ہوتا ہے جو (زیادہ) بڑا فتنہ برپا کرے۔ کوئی شیطان ان میں سے آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا۔ (یعنی فلاں سے چوری کرائی، فلاں کو شراب پلوائی وغیرہ) تو شیطان کہتا ہے تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر ان میں سے ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی کرا دی، تو ابلیس اس کو اپنے پاس کر لیتا ہے، اسے گلے سے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو نے (بڑا کام کیا)۔" [مسلم، کتاب صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان : ٢٨١٣/٦٧]

شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اور اس سے بچنے کی ایک کوشش ذکر الٰہی بھی ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے۔ سیدنا حارث اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک آدمی کی مثال ہے کہ اس کے پیچھے بڑی تیزی سے دشمن لگا ہوا ہے، تو جب وہ کسی مضبوط قلعے میں داخل ہو جاتا ہے تو اس نے دشمن سے اپنے آپ کو بچا لیا، اب اسی طرح بندہ اپنے آپ کو شیطان سے صرف ذکر الٰہی کے ذریعے سے بچا پاتا ہے۔" [ترمذي، كتاب الأدب، باب ما جاء في مثل الصلاة و الصيام : ٢٨٦٣۔ ابن حبان : ٦٢٣٣۔ مسند أحمد : ١٣٠/٤، ح : ١٧٣٠٢]

سورۂ کہف میں ابلیس کی انسان دشمنی کا بیان

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ابلیس کی دشمنی پر متنبہ کیا اور اس کے انجام بد سے ڈرایا:

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾ [الكهف : ٥٠]

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، وہ جنوں میں سے تھا، سو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، تو کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں، وہ (شیطان) ظالموں کے لیے بطور بدل برا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ شیطان کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور کفر و معصیت کا سبب ہوتی ہے اور شیطان آدم اور ان کی اولاد کا سب سے بڑا دشمن اور اللہ کا سب سے بڑا نافرمان ہے۔ اس لیے اس کی اطاعت دنیا و آخرت میں ہر نامرادی کا ذریعہ جبکہ اس کی مخالفت اور اس سے دشمنی ہر خیر و فلاح کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ آپ اس وقت کو یاد کیجیے جب ہم نے تمام فرشتوں سے کہا کہ تم لوگ آدم کی تکریم میں اس کو سجدہ کرو تو اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، صرف ابلیس نے تکبر میں آ کر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اس لیے کہ وہ نافرمان اور سرکش جنوں میں سے تھا، اس لیے وہ اپنے رب کی اطاعت سے منکر ہو گیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حال پر اظہار تعجب کیا ہے جو ابلیس کی اطاعت کرتے ہوئے کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اے لوگو! کیا تم اسے، اس کی اولاد اور پیروکاروں کو میرے بجائے اپنے دوست بناتے ہو، ان کی اطاعت کرتے ہو اور میرے بجائے انھیں اختیار کرتے ہو؟ حالانکہ وہ سب تمھارے دشمن ہیں اور تمھاری بربادی چاہتے ہیں۔ ظالموں کا اللہ کے بجائے ابلیس کو اپنا آقا بنانا اور اس کی اطاعت کرنا انجام کے اعتبار سے بہت ہی برا ہے۔

سورۂ طٰہٰ میں سیدنا آدم علیہ السلام کے جنت سے خروج کا بیان

﴿ وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴾ [طٰه : ١١٥]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آدم کو اس سے پہلے تاکید کی، پھر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادے کی کچھ پختگی نہ پائی۔''

اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا علیہما السلام کو جب جنت میں ٹھہرایا تو ان سے عہد لیا کہ وہ ایک مخصوص درخت کا پھل نہیں کھائیں گے اور شیطان کے کسی بہکاوے

میں نہیں آئیں گے، لیکن وہ اس عہد پر قائم نہ رہے اور شیطان کی بات مان کر انھوں نے ممنوع درخت کا پھل کھا لیا۔ آدم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد کا بھی یہی حال رہا، وہ بھی اپنے باپ کی طرح عہد فراموش رہی اور اپنے دشمن شیطان کی اطاعت کر کے اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالتی رہی۔ اس لیے اے میرے نبی! اگر آپ کی قوم بھی شیطان کی اتباع کرتی ہے اور ایمان نہیں لاتی تو آپ کو غمگین نہیں ہونا چاہیے۔

آدم بھول گئے اور ان کی اولاد بھی بھول جائے گی، اسی حوالے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، ہاتھ پھیرتے ہی ہر روح جو ان کی اولاد میں قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، باہر نکل آئی۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان نور میں سے ایک چمک پیدا کی اور پھر ان روحوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے پیش فرما دیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا، اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ تمھاری اولاد ہے۔ آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا تو انھیں اس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک بہت پسند آئی۔ انھوں نے کہا، اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا، یہ تمھاری اولاد میں سے آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے، اس کا نام داؤد ہے۔ پوچھا، آپ نے اس کی عمر کتنی رکھی ہے؟ فرمایا، ساٹھ سال۔ عرض کی، اے میرے رب! میری عمر میں سے ان کے چالیس سال بڑھا دیجیے، جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہو گئی اور ملک الموت آئے تو آدم علیہ السلام نے کہا کہ کیا میری عمر چالیس سال باقی نہیں ہے؟ ملک الموت نے کہا، وہ تو آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو دے دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا اور ان کی اولاد بھی انکار کرے گی اور آدم علیہ السلام بھول گئے اور ان کی اولاد بھی بھول جائے گی۔ اور آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی اور ان کی اولاد بھی خطا کرے گی۔'' [ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب و من سورة الأعراف : ٣٠٧٦]

﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى﴾ [طه : ١١٦ تا ١١٩]

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، اس نے انکار کیا۔ تو ہم نے کہا بے شک یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے کہ تو مصیبت میں پڑ جائے گا۔ بے شک تیرے لیے یہ ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا ہو گا اور نہ ننگا ہو گا۔ اور یہ کہ بے شک تو اس میں نہ پیاسا ہو گا اور نہ دھوپ کھائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ لوگوں کو یہ واقعہ سنا دیجیے۔ جب ہم نے فرشتوں کو آدم کے لیے اظہار تعظیم کے طور پر سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو تمام فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی، لیکن ابلیس جو جنوں میں سے تھا،

اس نے کبر وغرور میں آ کر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، تو ہم نے آدم سے کہا کہ یہ تمھارا اور تمھاری بیوی کا دشمن ہے، ایسا نہ ہو کہ تم دونوں اس کی بات مان لو اور تمھیں جنت سے نکلنا پڑ جائے اور دنیا میں جا کر اپنے اور اپنی بیوی کے کھانے کے لیے کھیتی باڑی اور محنت مزدوری کرنا پڑے، جو تمھاری پریشانی کا باعث ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا اے آدم! ہم نے تمھیں بہت بڑی نعمت دی ہے، اس کی حفاظت کرنا، کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ جس کی بدولت یہ نعمت تم سے چھن جائے۔ یہ وہ جنت ہے جس میں تمھیں نہ بھوک لگے گی، نہ اس میں کپڑوں کی کمی ہوگی، نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ کی تمازت تمھیں تکلیف دے گی۔

شیطان کا وسوسہ

﴿ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ﴾

[طٰہٰ : ۱۲۰ تا ۱۲۲]

’’پس شیطان نے اس کے دل میں خیال ڈالا، کہنے لگا اے آدم! کیا میں تجھے دائمی زندگی کا درخت اور ایسی بادشاہی بتاؤں جو پرانی نہ ہو؟ پس دونوں نے اس میں سے کھا لیا تو دونوں کے لیے ان کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ دونوں اپنے آپ پر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ بھٹک گیا۔ پھر اس کے رب نے اسے چن لیا، پس اس پر توجہ فرمائی اور ہدایت دی۔‘‘

یعنی شیطان جو گھات میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ پیدا کرنا شروع کیا اور کہا، اے آدم! کیا میں تمھیں ایک ایسا درخت بتاؤں جسے کھانے کے بعد تم دونوں جنت سے کبھی نہ نکلو گے اور ہمیشہ کے لیے یہاں تمھارا راج رہے گا؟ دونوں اس کے بہکاوے میں آ گئے اور اس ممنوع درخت کا پھل کھا لیا، جس کے نتیجہ میں دونوں ننگے ہو گئے تو درختوں کے پتے توڑ توڑ کر پردہ پوشی کرنے لگے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی طبیعت میں یہ بات ودیعت کر دی تھی کہ وہ ننگا رہنا گوارا نہیں کریں گے۔ آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور شیطان کی بات مان کر ممنوع درخت کا پھل کھا لیا تو وہ بھٹک گئے۔ اس غلطی کی انھوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا اور اپنی پیغمبری کے لیے انھیں چن لیا۔

آدم علیہ السلام کا واقعہ نہایت عجیب ہے کہ اتنا عظیم شخص، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، فرشتوں سے اس کو سجدہ کروایا، کمال عقل بخشی، اپنی جنت میں ہر نعمت عطا فرمائی، اسے صاف لفظوں میں شیطان کی دشمنی سے آگاہ کر دیا اور دشمن کی بات ماننے پر جنت سے نکلنے کی تنبیہ بھی فرما دی، اتنے عظیم شخص کو اس کے اتنے مہربان پروردگار نے صرف

ایک چیز سے منع فرمایا، مگر وہ اپنے رب کی اتنی عنایتوں اور شیطان کی واضح دشمنی کے علم کے باوجود اس کے ورغلانے سے اپنے رب کی حکم عدولی کیسے کر گزرا؟ جو شخص بھی اس واقعہ میں غور و فکر کرے گا اس کا تعجب بڑھتا ہی جائے گا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچے گا کہ اللہ کی تقدیر کو نہ کوئی روک سکتا ہے اور نہ ہٹا سکتا ہے اور یہ کہ دلیل جتنی بھی واضح اور مضبوط ہو اس سے تبھی فائدہ حاصل ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ فرمایا ہو اور اسے مقدر فرمایا ہو۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں موسیٰ علیہ السلام کے آدم علیہ السلام سے سوال اور ان کے جواب سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اس حدیث سے اگر کوئی یہ استدلال کرے کہ گناہ جب اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے تو ہمارا کیا قصور ہے اور ہمیں ملامت کیوں کی جاتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے توبہ قبول ہونے اور گناہ معاف ہونے کے بعد یہ جواب دیا ہے، اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جب ان سے پوچھا: ﴿ اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ ﴾ [الأعراف : ۲۲] کہ کیا میں نے تمھیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا تو انھوں نے نہ تقدیر کا بہانہ بنایا اور نہ اپنا قصور اللہ تعالیٰ کے ذمے لگایا، بلکہ صاف تسلیم کیا: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٜ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴾ [الأعراف : ۲۳] ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔'' اس کے برعکس ابلیس نے اپنا گناہ ماننے کے بجائے اسے اللہ تعالیٰ کے ذمے لگا دیا: ﴿ قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِيۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ﴾ [الأعراف : ۱۶] ''اس نے کہا پھر اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔'' گناہ کی معافی کے بغیر تقدیر کا عذر غلط ہے۔ ایک اور جواب جو اس سے بھی قوی ہے، یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ آپ نے نافرمانی کیوں کی تھی؟ بلکہ انھوں نے انھیں اپنی اولاد کو جنت سے نکالنے اور مصیبت میں ڈالنے پر ملامت کی تھی، حالانکہ مصیبت پر ملامت نہیں کی جاتی خواہ وہ کسی غلطی کی وجہ سے آئی ہو، بلکہ تسلی دی جاتی ہے، مثلاً اگر کسی کی غلطی کی وجہ سے کوئی حادثہ ہو جائے تو اسے غلطی پر ملامت کے بجائے مصیبت میں تعزیت کی جاتی ہے کہ اللہ کی تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا، اس لیے غم مت کرو۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''آدم اور موسیٰ علیہما السلام کی بحث ہو گئی تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا، تم ہمارے باپ ہو، تم نے ہمیں نامراد کر دیا اور ہمیں جنت سے نکال دیا۔'' تو آدم علیہ السلام نے ان سے کہا: ''اے موسیٰ! اللہ عز وجل نے تمھیں اپنے کلام کے لیے چنا اور تمھارے لیے اپنے ہاتھ سے (کتاب) لکھی۔ اے موسیٰ! کیا تم مجھے ایک ایسے کام پر ملامت کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے مجھ پر طے کر دیا تھا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو آدم، موسیٰ پر دلیل میں غالب آ گئے، تو آدم، موسیٰ پر دلیل میں غالب آ گئے۔'' [مسلم، القدر، باب حجاج آدم و موسی صلی الله علیهما وسلم : ۲٦٥۲]

آدم علیہ السلام کا گناہ توبہ و استغفار کی وجہ سے ان کے لیے پہلے سے بھی زیادہ بلند مقام کا ذریعہ بن گیا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی حکمت ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے انبیاء سے غلطی کا صادر ہونا ناممکن کیوں نہیں بنا دیا اور وہ ہے رسول کا غلطی سرزد ہونے کے بعد توبہ و استغفار میں اپنی امت کے لیے اسوہ اور نمونہ بننا۔ کیونکہ غلطی کے بعد والی ندامت، آہ و زاری، آئندہ نہ کرنے کا عزم اور پچھلی غلطی پر دن رات استغفار اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ اگر انسان سے غلطی نہ ہو، جس کے بعد وہ توبہ و استغفار کرے، تو اللہ تعالیٰ بنی آدم کی صف لپیٹ کر گناہ کرنے والی کوئی اور قوم لے آئے جو گناہ کرے، پھر استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے۔ [مسلم، التوبۃ، باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبۃ : ۲۷۴۹] پھر اس مہربان رب کی رحمت اور لطف و کرم کی کیا حد ہے جو توبہ کے بعد پہلے گناہوں کو بھی نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کا زمین پر اتارا جانا

﴿ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴾ [طٰہٰ : ۱۲۳]

’’فرمایا تم دونوں اکٹھے اس سے اتر جاؤ، تم میں سے بعض بعض کا دشمن ہے، پھر اگر کبھی واقعی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کے پیچھے چلا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔‘‘

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ’’اهْبِطَا‘‘ سے مراد ابلیس و آدم ہیں اور حواء اپنے شوہر آدم کے تابع ہیں، جبکہ بعض دوسروں کا خیال ہے کہ اس سے مراد آدم و حواء علیہما السلام ہیں۔ اس لیے کہ باقی انسان ان دونوں سے وجود میں آئے ہیں۔ اس کے بعد جمع کے صیغہ سے وہ دونوں اور ان کی اولاد سبھی مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم و حواء علیہما السلام سے کہا کہ تم لوگ جنت سے نکل کر زمین پر چلے جاؤ، جہاں تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ وہاں جب تمھارے پاس میرا کوئی رسول آئے اور میرا پیغام پہنچائے، تو جو شخص میرے بھیجے گئے دین کی پیروی کرے گا، نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بد بخت ہوگا۔

آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن زمین پر اتارا گیا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے، آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن ہی پیدا کیا گیا اور اسی دن انھیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انھیں جنت سے نکالا گیا۔‘‘ [مسلم، کتاب الجمعۃ، باب فضل یوم الجمعۃ : ۸۵۴]

سیدنا حذیفہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا تو مومن کھڑے ہو جائیں گے یہاں تک کہ جنت ان کے قریب کر دی جائے گی اور وہ آدم علیہ السلام کے پاس آ

کر عرض کریں گے: اے والد بزرگ! ہمارے لیے جنت کا دروازہ کھلوائیے۔ وہ جواب دیں گے: کیا جنت سے تمھیں نکالنے کا سبب تمھارے باپ آدم کی خطا کے علاوہ کوئی اور چیز بنی تھی؟ میں اس کام کا اہل نہیں ہوں۔'' [مسلم، کتاب الإیمان، باب ادنی أهل الجنة منزلة فیها : ۱۹۵]

بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوّٞ: یعنی آدم، اولاد آدم اور ابلیس اور اس کی ذریت کی ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی ہو گی، لیکن جنت میں مومنوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کینہ اور بغض وعناد وغیرہ جیسی بیماریوں سے پاک صاف کر دیں گے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلا گروہ جو جنت میں جائے گا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور نورانی ہوں گے، وہ نہ اس میں تھوکیں گے نہ انھیں ناک سے کوئی آلائش آئے گی اور نہ وہ پیشاب و پاخانہ کریں گے۔ ان کے برتن سونے کے ہوں گے۔ ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی اور ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن عود کا ہوگا اور ان کے پسینے میں سے مشک کی خوشبو پھوٹے گی۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی، جن کا حسن کی وجہ سے پنڈلیوں کا گودا گوشت کے نیچے سے نظر آئے گا۔ جنتیوں کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا اور نہ ہی بغض وعناد ہوگا ان کے دل ایک دل کی مانند ہوں گے اور وہ صبح و شام اللہ کی تسبیح پڑھا کریں گے۔'' [بخاري، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة و أنها مخلوقة : ۳۲۴۵۔ مسلم، کتاب الجنة و صفة أهلها، باب فی صفات الجنة و أهلها : ۲۸۳۴/۱۷]

ہدایت آسمانی کا نزول اور اس کی پیروی کا حکم

سیدنا آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ زمین پر جب میری طرف سے ہدایت آئے تو جو کوئی اس ہدایت کی پیروی کرے گا نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔ یعنی جس نے میری ہدایت کی پوری طرح پیروی کی تو وہ نہ دنیا میں جنت کے راستے سے بھٹکے گا اور نہ آخرت میں جنت سے محروم رہ کر بدنصیب ہو گا، بلکہ سیدھا چلتا ہوا اپنے گھر جنت میں پہنچ جائے گا۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جو شخص قرآن کی پیروی کرے اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے کہ وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدنصیب۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿**فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشۡقَىٰ**﴾ ''تو جو میری ہدایت کے پیچھے چلا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔'' [مصنف ابن أبي شیبة : ۴۶۷/۱۰، ح : ۳۰۵۷۵۔ مستدرك حاکم : ۳۸۱/۲، ح : ۳۴۳۸]

معلوم ہوا ہدایت وہی ہے جو اللہ کی طرف سے آئے، اللہ تعالیٰ نے ہدایت خود بھیجنے کا وعدہ کیا اور اسے پورا فرمایا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی رہنمائی منزل پر نہیں پہنچا سکتی، خواہ کوئی عالم ہو یا درویش، انسان ہو یا جن یا کوئی اور، اللہ کی کتاب کے مطابق زندگی گزارنا دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب زندگی کا ضامن ہے۔

اولادِ آدم

اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم اور حوا ؑ کو کثیر اولاد عطا فرمائی، سورۂ نساء میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ [النساء : ۱]

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں سے بھی، بے شک اللہ ہمیشہ تم پر پورا نگہبان ہے۔''

صحیحین کی جس حدیث میں سفرِ معراج کا ذکر ہے، اس میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے آسمان میں آدم ؑ سے ملے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب میں مکہ میں تھا تو میرے گھر کی چھت کھول دی گئی۔ پھر سیدنا جبریل ؑ نازل ہوئے اور انھوں نے میرے سینے کو چاک کیا، پھر اسے آب زم زم سے دھویا۔ اس کے بعد سونے کا ایک تھال لائے جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا، اسے میرے سینے میں انڈیل دیا، پھر چاک شدہ سینے کو بند کر دیا۔ پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان پر لے گئے۔ جب آسمان اول کے قریب آئے تو انھوں نے آسمان کے نگران سے کہا: دروازہ کھولو۔ اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ اس نے پوچھا: آپ کے ہمراہ کوئی ہے؟ انھوں نے بتایا: میرے ہمراہ سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ اس نے پوچھا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا؟ کہا: ہاں، دروازہ کھولو۔ (اس نے دروازہ کھول دیا)۔ جب ہم آسمان دنیا پر چڑھے تو وہاں ایک شخص تھا جس کے دائیں بائیں کچھ لوگ تھے۔ جب وہ اپنی دائیں طرف دیکھتا تو ہنس پڑتا اور جب بائیں جانب نظر کرتا تو رو دیتا۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا: خوش آمدید! اے نبیٔ محترم اور پسر مکرم! میں نے سیدنا جبریل ؑ سے پوچھا: یہ کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ سیدنا آدم ؑ ہیں اور یہ ان کے دائیں بائیں انسانی روحیں ہیں۔ یہ سب ان کی اولاد کی ارواح ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے جنتی ہیں اور بائیں جانب والے دوزخی۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو خوشی سے ہنس دیتے ہیں اور جب بائیں طرف نظر کرتے ہیں تو انھیں رونا آ جاتا ہے۔''

[بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ذكر إدريس عليه السلام ..... الخ : ۳۳۴۲]

اولادِ آدم سے لیے گئے عہد کا بیان

﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴾ [الأعراف : ۱۷۲]

’’اور جب تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پشتوں میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انھیں خود ان کی جانوں پر گواہ بنایا، کیا میں واقعی تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں، ہم نے شہادت دی۔ (ایسا نہ ہو) کہ تم قیامت کے دن کہو بے شک ہم اس سے غافل تھے۔‘‘

اس آیت میں کائنات اور خود انسان کی ذات میں ہدایت کی جو دلیلیں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہیں ان کا ذکر ہے۔ اہل علم نے اس آیت کی دو تفسیریں کی ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ یہ جانے کہ میرا رب ایک ہے، جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے روزی دیتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ انسان کی پیدائش کے وقت ہی اس کی فطرت میں رکھ کر اس کے نفس اور اس کی ذات میں اپنے رب ہونے کے اتنے دلائل رکھ دیتا ہے، گویا خود اسے اپنے آپ پر گواہ بنا دیتا ہے کہ اس کا رب اللہ ہے، گو وہ پیدا ہی اسلام پر ہوتا ہے۔ ایک بوند جو جونک بنی، پھر مضغہ بنی، پھر ہڈیاں، پھر کامل اعضاء والا جان دار انسان، یہ اور دیگر بے شمار نشانیاں اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہیں کہ اس کا ایک رب ہے۔

اس فطری عہد کے بعد اب کوئی فرد یا بشر قیامت کے دن یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ہمیں تو پیغام پہنچا ہی نہیں تھا، یا یہ کہ ہم تو اپنے آبا و اجداد کے نقش قدم پر چلتے رہے، اس لیے ہمارا مؤاخذہ کیوں ہو رہا ہے؟ جب ایک فرد کی فطرت پکار پکار کر توحید باری تعالیٰ کی گواہی دے رہی ہے اور اللہ کے علاوہ غیروں کے سامنے جھکنے کا انکار کر رہی ہے، تو قیامت کے دن کسی مشرک و کافر کے پاس کون سا عذر باقی رہے گا۔

سیدنا عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ایک لمبی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ بے شک میں نے اپنے تمام بندوں کو دین حنیف پر پیدا فرمایا تھا اور بے شک شیطانوں نے ان کے پاس آ کر انھیں ان کے دین سے بہکا دیا تھا اور ان کے لیے ان چیزوں کو حرام ٹھہرا دیا جو میں نے ان کے لیے حلال قرار دی تھیں۔‘‘ [مسلم، کتاب الجنة و صفة نعيمها ، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا ...... الخ : ٢٨٦٥]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے دن سب سے کم عذاب والے جہنمی سے کہا جائے گا کہ یہ بتاؤ اگر تمھیں دنیا بھر کی دولت مل جائے تو کیا اسے فدیے میں دے سکتے ہو؟ وہ جواب دے گا، ہاں، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تجھ سے اس سے کہیں چھوٹا مطالبہ کیا تھا اور وہ یہ کہ میں نے تجھ سے اس وقت عہد لیا تھا جب تو ابھی آدم کی پشت ہی میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، مگر تو نے عہد کو پورا کرنے سے انکار کر دیا اور میرے ساتھ شرک کیا۔‘‘ [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم و ذريته : ٣٣٣٤۔ مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب طلب الكافر الفداء : ٢٨٠٥۔ مسند أحمد : ١٢٧/٣، ح : ١٢٢٩٧]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا فرمایا اور ان کی

پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ہر وہ روح باہر نکل آئی جسے اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں سے قیامت تک پیدا فرمانے والا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا فرما دی، پھر انھیں آدم کے سامنے پیش کیا تو آدم نے عرض کی، اے اللہ! یہ کون ہیں؟ فرمایا، یہ تیری اولاد ہے۔ آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک انھیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئی تو انھوں نے عرض کی، یا اللہ! یہ کون ہے؟ فرمایا، یہ آخری امتوں میں سے تیری اولاد میں سے ایک شخص ہے جس کا نام داؤد ہے۔ عرض کی، یا اللہ! اس کی عمر کتنی ہوگی؟ فرمایا، ساٹھ سال۔ عرض کی، اے اللہ! میں نے اس کو اپنی عمر میں سے چالیس سال دیے۔ پھر جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی، تو ان کے پاس ملک الموت آیا تو آدم علیہ السلام نے فرمایا، کیا میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کہ آپ نے وہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیے تھے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تب آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اولاد بھی انکار کر دیتی ہے۔ آدم علیہ السلام بھول گئے یہی وجہ ہے کہ اولادِ آدم بھی بھول جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام سے خطا ہوگئی اور اسی وجہ سے آپ کی اولاد سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔''

[ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة الأعراف : ٣٠٧٦۔ مستدرك حاكم : ٣٢٥/٢، ح : ٣٢٥٧]

دوسری تفسیر وہ میثاق (عہد و پیمان) ہے جو عہد ''اَلَسْتُ'' کہلاتا ہے جو ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' سے بنی ہوئی ترکیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی تمام اولاد کو (جو قیامت تک پیدا ہوگی) ازل میں ان کے آباء کی پیٹھوں سے نکالا اور ان سے اس بات کا عہد لیا کہ وہی ان کا رب اور ان کا خالق و مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ عہد اور اپنی ربوبیت کی گواہی اس لیے لی کہ وہ یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ ہم تو غافل تھے یا ہمارے باپ دادا شرک کرتے آئے تھے۔ یہ عذر قیامت والے دن بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں ہوں گے۔ انھی باتوں کو نبی کریم ﷺ نے صحیح احادیث میں اس طرح بیان کیا ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم کی پیٹھ سے (ان کی اولاد کو نکال کر ان سے) نعمان یعنی عرفات کے مقام پر عہد لیا (اور وہ اس طرح کہ) اللہ تعالیٰ نے آدم کی صلب سے (ان کی) تمام اولاد کو، جنھیں اس نے پیدا (کرنے کا ارادہ) کیا تھا، نکال کر انھیں اپنے سامنے چیونٹیوں کی مانند پھیلا دیا، ان سے بالمشافہ بات کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا: ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ [الأعراف : ١٧٢، ١٧٣] ''کیا میں واقعی تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں، ہم نے شہادت دی۔ (ایسا نہ ہو) کہ تم قیامت کے دن کہو بے شک ہم اس سے غافل تھے۔ یا یہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا ہی نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ایک نسل تھے، تو کیا تو ہمیں اس کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو باطل والوں نے کیا؟'' [مسند أحمد : ٢٧٢/١، ح : ٢٤٥٩۔ مستدرك حاكم : ٥٤٤/٢، ح : ٤٠٠٠ و ٢٧/١، ٢٨، ح : ٧٥]

قصۂ ہابیل اور قابیل: انسانیت کا پہلا قتل

سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے سرکشی، حسد اور ظلم کے خوفناک انجام کو بیان کرنے کے لیے آدم علیہ السلام کے دو حقیقی بیٹوں قابیل اور ہابیل کا قصہ بیان فرمایا ہے۔

﴿ وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ۚ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴾ [المائدة : ۲۷ تا ۳۱]

”اور ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر کی تلاوت حق کے ساتھ کر، جب ان دونوں نے کچھ قربانی پیش کی تو ان میں سے ایک کی قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ اس نے کہا میں تجھے ضرور ہی قتل کر دوں گا۔ اس نے کہا بے شک اللہ متقی لوگوں ہی سے قبول کرتا ہے۔ اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف اس لیے بڑھایا کہ مجھے قتل کرے تو میں ہرگز اپنا ہاتھ تیری طرف اس لیے بڑھانے والا نہیں کہ تجھے قتل کروں، بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو میرا گناہ اور اپنا گناہ لے کر لوٹے، پھر تو آگ والوں میں سے ہو جائے اور یہی ظالموں کی جزا ہے۔ تو اس کے لیے اس کے نفس نے اس کے بھائی کا قتل پسندیدہ بنا دیا، سو اس نے اسے قتل کر دیا، پس خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگیا۔ پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا، جو زمین کریدتا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے، کہنے لگا ہائے میری بربادی! کیا میں اس سے بھی رہ گیا کہ اس کوے جیسا ہو جاؤں تو اپنے بھائی کی لاش چھپا دوں۔ سو وہ پشیمان ہونے والوں میں سے ہوگیا۔“

اللہ تعالیٰ نے سرکشی، حسد اور ظلم کے خوفناک انجام کو بیان کرنے کے لیے یہاں آدم علیہ السلام کے دو حقیقی بیٹوں قابیل اور ہابیل کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے پر کس طرح زیادتی کی حتیٰ کہ اسے قتل کر دیا اور یہ محض سرکشی اور اس نعمت پر حسد کی وجہ سے تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے نوازا تھا اور اس کی قربانی کو شرفِ قبولیت عطا فرما دیا تھا، جو اس نے اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کی تھی اور اس طرح مقتول گناہوں کی معافی اور جنت میں داخلے کی وجہ سے کامیاب ہوگیا اور قاتل دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد رہا۔ ان آیات میں یہود کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ بھی حسد و سرکشی پر مصر رہے تو ان کا انجام بھی دنیا و آخرت میں بہت برا ہوگا۔

قابیل کے ارادۂ قتل پر ہابیل کا طرزِ عمل

جب قابیل نے دیکھا کہ ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی ہے تو اس نے حسد میں آ کر ہابیل کو قتل کر دینا چاہا اس پر ہابیل نے کہا کہ میں تمھیں قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ تمھاری طرف نہیں بڑھاؤں گا۔ گویا اگر مقتول بھی قاتل کو قتل کرنے کے پیچھے لگا ہوا ہو تو ایسی صورت میں دونوں جہنمی ہیں۔ سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم رسید ہوں گے۔'' میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! قاتل تو ٹھیک (اس کا معاملہ سمجھ میں آتا ہے) مگر مقتول کا کیا قصور (کہ وہ بھی جہنم رسید ہوگا)؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر حریص تھا۔'' [بخاري، كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتن من المؤمنين اقتتلوا...... الخ﴾ : ٣١۔ مسلم، كتاب الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسيفيهما : ٢٨٨٨]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنے کے موقع پر کہا تھا، میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''بلاشک و شبہ عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا کہ جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔'' عرض کی، اے اللہ کے رسول! اگر کوئی شخص میرے گھر میں داخل ہو کر میری طرف اپنا ہاتھ دراز کرے، تاکہ مجھے قتل کر دے؟ آپ نے فرمایا: ''اس صورت میں آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح ہو جاؤ۔'' [مسند أحمد : ١٨٥/١، ح : ١٦١٤۔ ترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء أنه تكون فتنة القاعد فيها خير من القائم : ٢١٩٤۔ أبو داؤد، كتاب الفتن والملاحم، باب النهي عن السعي في الفتنة : ٤٢٥٦، ٤٢٥٧]

ہابیل کے طرزِ عمل کی توجیہ

ہابیل نے قابیل کے مقابلے میں ہاتھ اس لیے نہیں اٹھایا تاکہ وہ گناہ گار نہ ہو۔ ہابیل کا موقف تھا کہ میرا گناہ یعنی جو مجھے اس صورت میں ہوتا جب میں بھی تجھے قتل کرنے کے درپے ہوتا، جیسا کہ اوپر کی حدیث میں ہے، یا یہ کہ میرے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ڈالا جائے گا، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی دوسرے کی آبرو یا اور کسی چیز کے معاملہ میں ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ آج اس سے معاف کرا لے، اس دن سے پہلے کہ (جس دن) نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم۔ اگر ظالم کا کوئی عمل صالح ہوگا تو اس کے ظلم کے برابر اس سے لے لیا جائے گا اور اگر ظالم کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہوں میں سے بعض گناہ ظالم پر لاد دیے جائیں گے۔'' [بخاري، كتاب المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل : ٢٤٤٩]

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول! اس سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ

اگر مجھے زبردستی (باہم دست وگریباں ایمان والوں کی) دوصفوں یا جماعتوں میں شامل کر دیا جائے، پھر کوئی شخص مجھے اپنی تلوار سے قتل کر دے، یا کوئی تیر آئے اور مجھے قتل کر دے (تو میرا کیا حشر ہوگا؟) آپ نے فرمایا: ''(تم پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ ایسی صورت میں) وہ (جس نے تمھیں قتل کیا ہے) اپنے اور تمھارے گناہ کو لے کر (اللہ کے پاس) لوٹے گا اور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔'' [مسلم، کتاب الفتن، باب نزول الفتن کمواقع القطر : ۲۸۸۷]

قابیل کا انجام

اللہ تعالیٰ نے قابیل کے بارے میں فرمایا کہ ہابیل کو قتل کرنے کی وجہ سے اس کی دنیا بھی برباد ہوگئی اور وہ آخرت میں بھی سخت عذاب کا مستحق قرار پایا، جیسا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی کسی انسان کو ظلم سے قتل کیا جائے گا تو آدم کے اس پہلے بیٹے کے ذمے بھی اس کے خون کا حصہ ہوگا، کیونکہ وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے قتل کو جاری کیا۔'' [بخاري، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم و ذریتۃ: ۳۳۳۵۔ مسلم، کتاب القسامة والمحاربین، باب إثم من سن القتل : ۱۶۷۷]

سیدنا آدم علیہ السلام کی وفات اور کل عمر

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا فرمایا اور ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ہر وہ روح باہر نکل آئی، جسے اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں سے قیامت تک پیدا فرمانے والا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا فرما دی، پھر انھیں آدم کے سامنے پیش کیا تو آدم نے عرض کی، اے اللہ! یہ کون ہیں؟ فرمایا، یہ تیری اولاد ہے۔ آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک انھیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئی تو انھوں نے عرض کی، یا اللہ! یہ کون ہے؟ فرمایا، یہ آخری امتوں میں سے تیری اولاد میں سے ایک شخص ہے جس کا نام داؤد ہے۔ عرض کی، یا اللہ! اس کی عمر کتنی ہوگی؟ فرمایا، ساٹھ سال۔ عرض کی، اے اللہ! میں نے اس کو اپنی عمر میں سے چالیس سال دیے۔ پھر جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی تو ان کے پاس ملک الموت آیا تو آدم علیہ السلام نے فرمایا، کیا میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کہ آپ نے وہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیے تھے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تب آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اولاد بھی انکار کر دیتی ہے۔ آدم علیہ السلام بھول گئے یہی وجہ ہے کہ اولادِ آدم بھی بھول جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام سے خطا ہوگئی اور اسی وجہ سے آپ کی اولاد سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔''

[ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأعراف : ۳۰۷۶۔ مستدرک حاکم : ۳۲۵/۲، ح : ۳۲۵۷]

آدم علیہ السلام سے رسول اکرم ﷺ کی ملاقات

سیدنا مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے براق پر سوار کر دیا گیا اور جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چل دیے۔ جب ہم آسمان دنیا پر آئے تو جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کا کہا۔ پوچھا گیا، کون؟ جبریل نے کہا، جبریل۔ پوچھا گیا، تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ فرمایا، محمد (ﷺ)۔ دربان نے کہا، کیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں! دربان نے کہا، انھیں خوش آمدید! کیا ہی اچھے آنے والے ہیں وہ۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ میں اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں وہاں آدم علیہ السلام موجود ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے بتایا یہ آپ کے باپ آدم ہیں، انھیں سلام کیجیے۔ میں نے ان کی خدمت میں سلام عرض کیا تو انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا، نیک بیٹے اور نیک نبی کو خوش آمدید۔'' [بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ٣٨٨٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ١٦٢، عن أنس بن مالك رضي الله عنه]

سیدنا آدم علیہ السلام کا اپنی اولاد کو دوزخ سے نکالنا

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) آدم (علیہ السلام) سے فرمائے گا، اے آدم! وہ عرض کریں گے، اے ہمارے رب! میں بار بار تیری خدمت میں حاضر ہوں اور ساری خیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ پھر انھیں اللہ حکم دے گا کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ والوں کا جتھا نکالو۔ وہ عرض کریں گے، اے اللہ! دوزخ کا جتھا کتنا نکالوں؟ حکم ہوگا، ہر ہزار آدمیوں میں سے نو سو ننانوے۔ وہ ایسا سخت وقت ہو گا کہ بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ﴿ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴾ [الحج : ٢] ''اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور تو لوگوں کو نشے میں دیکھے گا، حالانکہ وہ ہرگز نشے میں نہیں ہوں گے اور لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔'' [بخاري، كتاب الرقاق، باب ﴿ إن زلزلة الساعة شيء عظيم ﴾ ...... الخ : ٦٥٣٠۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب قوله : يقول الله لآدم أخرج بعث النار ...... الخ : ٢٢٢]

02

سیدنا ادریس علیہ السلام

قرآن مجید میں سیدنا ادریس علیہ السلام کا تذکرہ

سیدنا ادریس علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ الأنبیاء اور سورۂ مریم میں آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [الأنبياء : ۸۵، ۸٦]

''اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ ہر ایک صبر کرنے والوں سے تھا۔ اور ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ یقیناً وہ نیک لوگوں سے تھے۔''

مذکورہ آیات میں اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والا بتایا ہے، یعنی اللہ کی بندگی اور روز مرہ معاملات میں جو تکلیف ہوتی تھی اس پر صبر کرتے اور گناہوں سے بچتے تھے۔ تینوں کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا تھا، اس لیے کہ وہ صلاح وتقویٰ میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ ذوالکفل کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ وہ نبی تھے یا ولی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبیوں کے ساتھ ان کا ذکر ان کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

سورۂ مریم میں ہے:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ٥ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ [مريم : ٥٦، ٥٧]

''اور کتاب میں ادریس کا ذکر کر، بے شک وہ ایسا نہایت سچا تھا، جو نبی تھا۔ اور ہم نے اسے بہت اونچے مقام پر بلند کیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جا رہا ہے کہ آپ ادریس علیہ السلام سے متعلق قرآنی آیتوں کی تلاوت کرکے لوگوں کو سنائیے، اس لیے کہ وہ بھی قول وعمل میں بہت ہی سچے اور نبی تھے اور ہم نے ان کو بہت ہی اونچے مقام پر فائز کیا تھا، شرف نبوت سے نوازا تھا اور اپنے مقرب ترین بندوں میں سے بنایا تھا۔

اس کی وضاحت صحیحین میں مذکور معراج کی حدیث سے ہوتی ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے آسمانوں میں آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو پایا اور آدم کو آسمان دنیا پر اور ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر پایا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کو لے کر ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انھوں نے کہا: ''خوش آمدید نیک نبی اور نیک بھائی۔'' (آپ نے فرمایا کہ) میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو جبریل علیہ السلام نے کہا: ''یہ ادریس ہیں۔'' [بخاري، كتاب الصلوة، باب كيف فرضت الصلوة في الإسراء ...... الخ : ٣٤٩۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ...... الخ : ١٦٤]

سیدنا مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اس کے بعد جبریل علیہ السلام مجھے لے کر چوتھے آسمان کی طرف چل پڑے، جب وہاں پہنچ گئے تو انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے پوچھا گیا کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا، جبریل! پوچھا گیا آپ کی معیت میں کون ہے؟ کہا، محمد (ﷺ) ہیں۔ پوچھا گیا، کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ فرمایا، ہاں۔ کہنے لگے مرحبا! کیا ہی اچھے آنے والے ہیں وہ۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا اور جب میں یہاں سے فارغ ہوا تو وہاں ادریس علیہ السلام موجود تھے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا، یہ ادریس علیہ السلام ہیں، انھیں سلام کیجیے۔ میں نے انھیں سلام کیا، انھوں نے جواب دیا اور کہا، نیک بھائی اور صالح رسول کو مرحبا۔'' [بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ٣٨٨٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ١٦٢، عن أنس بن مالك رضي الله عنه]

{ 03 }

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں سیدنا نوح علیہ السلام کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سیدنا نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کا طرزِ عمل کیا تھا؟ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال فاسدہ کے نتیجے میں ان پر کس طرح عذاب بھیجا، پھر آپ کو اور کشتی والوں کو کس طرح نجات دی۔ سورۂ اعراف، سورۂ یونس، سورۂ ھود، سورۂ انبیاء، سورۂ مومنون، سورۂ شعراء، سورۂ عنکبوت، سورۂ صافات اور سورۂ قمر میں سیدنا نوح علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اور ایک مکمل سورت (سورۂ نوح) آپ کے نام سے نازل فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو پیغام ربانی دے کر ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ نے قوم کو یہ پیغام بڑے احسن انداز میں پہنچایا۔ ہم ذیل میں مختلف سورتوں میں مذکورہ قصہ نوح علیہ السلام کے اہم نکات ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

سورۂ اعراف میں سیدنا نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ

سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴾ [الأعراف : ٥٩ تا ٦٤]

’’بلاشبہ یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، بے شک میں تم پر ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس کی قوم میں سے سرداروں نے کہا بے شک ہم یقیناً تجھے کھلی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔ اس نے کہا اے میری قوم! مجھ میں کوئی

گمراہی نہیں اور لیکن میں جہانوں کے رب کی طرف سے ایک رسول ہوں۔ میں تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور کیا تم نے عجیب سمجھا کہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے تم میں سے ایک آدمی پر ایک نصیحت آئی، تاکہ وہ تمھیں ڈرائے اور تاکہ تم بچ جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ پھر انھوں نے اسے جھٹلا دیا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے، بچا لیا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔''

نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے جب ان کی قوم کے چند نیک لوگ فوت ہو گئے تو قوم نوح نے شیطان کی ترغیب پر ان کے مجسمے بنا کر انھیں ان کی مجالس میں، جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے، نصب کر دیا۔ پھر مرور زمانہ کے ساتھ لوگ بزرگوں کے ان مجسموں کی پوجا کرنے لگے اور جب ان کا شرک حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا تاکہ پھر سے انھیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیں۔ چنانچہ جب انھوں نے اپنی دعوت کا اعلان کیا تو ان کی قوم کے سرداروں نے انھیں سخت گمراہ قرار دیا۔ نوح علیہ السلام نے کہا کہ میں گمراہ نہیں بلکہ اللہ کا رسول ہوں، تمھیں اس کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور میں تمھارے لیے مخلص ہوں اور اللہ کی جانب سے میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ رسول کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ مبلغ فصیح، ناصح اور اللہ کے دین کا ایسا عالم ہوتا ہے کہ ان صفات میں اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اور پیغمبر کا مقابلہ نہیں کر سکتا، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا، جبکہ وہ بہت کثیر تعداد میں جمع تھے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' (اے لوگو!) تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟'' سب نے جواب دیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے (اللہ کا پیغام) پہنچا دیا، اپنے فرض کو ادا فرما دیا اور امت کی خیر خواہی کی، تو آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! تو گواہ رہ، اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔'' [مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ۱۲۱۸]

آخری آیت میں فرمایا کہ ان کی قوم ان کی تکذیب و مخالفت میں تیز تر ہوتی گئی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان کے مومن ساتھیوں کو بچا لیا اور ان کے دشمنوں کو طوفان کے ذریعے ہلاک کر دیا۔

سورۂ یونس میں سیدنا نوح اور آپ کی قوم کا بیان

سیدنا نوح علیہ السلام نے قوم کو دعوت حق دی تو انھوں نے اس سچی دعوت کو جھٹلا دیا، اس پر آپ نے قوم کو دلائل کی روشنی میں دعوت غور و فکر دی جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں یوں فرمایا:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَ تَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ

تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓىِٕفَ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴾

[یونس : ۷۱ تا ۷۳]

’’اور ان پر نوح کی خبر پڑھ، جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی آیات کے ساتھ میرا نصیحت کرنا تم پر بھاری گزرا ہے تو میں نے اللہ ہی پر بھروسا کیا ہے، سو تم اپنا معاملہ اپنے شرکاء کے ساتھ مل کر پکا کر لو، پھر تمھارا معاملہ تم پر کسی طرح مخفی نہ رہے، پھر میرے ساتھ کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔ پھر اگر تم منہ موڑ لو تو میں نے تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگی، میری مزدوری نہیں ہے مگر اللہ پر اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں سے ہو جاؤں۔ پس انھوں نے اسے جھٹلا دیا تو ہم نے اسے نجات دی اور ان کو بھی جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور انھیں جانشین بنایا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ سو دیکھ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جنھیں ڈرایا گیا تھا۔‘‘

چونکہ مشرکین عرب کا حال کفر و شرک میں قوم نوح جیسا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ انھیں قوم نوح کا واقعہ سنا دیجیے۔ جب ان لوگوں نے اپنے کفر و شرک پر اصرار کیا اور نوح علیہ السلام کی ہزار کوشش کے باوجود اسلام نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں طوفان کے حوالے کر دیا۔ تو اے مشرکینِ عرب! کہیں کفر و شرک اور سرکشی پر تمھارے اصرار کی وجہ سے تمھارا انجام بھی انھیں جیسا نہ ہو۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تمھارے ساتھ میرا رہنا اور دعوت الی اللہ کا کام کرنا تم پر بہت زیادہ گراں ہو گیا ہے تو میں نے بھی اب اپنی طرف سے دفاع کے لیے اللہ پر بھروسا کر لیا ہے۔ تم اور تمھارے شرکاء مجھے ہلاک کرنے کی جو چاہو تدبیر کر لو اور دیکھو! بالکل کھل کر تدبیر کرو، کوئی کسر نہ اٹھا رکھو، پھر قتل یا شہر بدر کرنے کی جو بھی کوشش کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور مجھے ایک لمحے کی مہلت نہ دو، میں نے آج تک تمھیں راہ راست پر لانے کی جتنی بھی کوشش کی اس کا مقصد کوئی دنیاوی حقیر فائدہ حاصل کرنا نہیں تھا اور نہ میں نے تم سے اس کام کی کبھی کوئی اجرت مانگی ہے کہ تم لوگ مجھے متہم کرو، میرا اجر و ثواب تو مجھے اللہ دے گا۔ چاہے تم ایمان لاؤ یا انکار کر دو۔ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ہر حال میں اللہ کا مطیع و فرماں بردار رہوں۔ جب ان تمام تر کوششوں اور نصیحتوں کے باوجود ان کی قوم نے انھیں جھٹلا دیا تو اللہ نے انھیں اور ان کے ماننے والوں کو کشتی میں سوار کرا کے طوفان سے بچا لیا، جن کی اولاد کے ذریعے پھر دنیا آباد ہو گئی اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے والے سبھی لوگ ڈبو دیے گئے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’بے شک اللہ عزوجل ظالم کو مہلت دیتا ہے (اس کی باگ ڈھیلی کرتا ہے، تاکہ وہ خوب نافرمانی کر لے اور عذاب کا مستحق ہو جائے)، پھر جب پکڑتا ہے تو

اس کو نہیں چھوڑتا۔'' [بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله : ﴿ و كذلك أخذ ربك إذا أخذ القرى ﴾ : ٤٦٨٦۔ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم : ٢٥٨٣]

سورۂ ہود میں سیدنا نوح علیہ السلام کا قصہ اور قوم کے ساتھ آپ کی گفتگو

سیدنا نوح علیہ السلام کی مدلل دعوت کا انکار کرنے کے ساتھ ساتھ گمراہ قوم نے عجیب و غریب دلائل سے غالب آنے کی سعی لاحاصل کی۔ نوح علیہ السلام نے ان کے ان باطل استدلالات کا نہایت شافی جواب دیا۔ جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہود میں ان الفاظ میں فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴾ [هود : ٢٥ تا ٢٧]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، بے شک میں تمھارے لیے صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم اللہ کے سوا (کسی کی) عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تو اس کی قوم میں سے ان سرداروں نے کہا جنھوں نے کفر کیا تھا، ہم تجھے نہیں دیکھتے مگر اپنے جیسا ایک بشر اور ہم تجھے نہیں دیکھتے کہ ان لوگوں کے سوا کسی نے تیری پیروی کی ہو جو ہمارے سب سے رذیل ہیں، سطحی رائے کے ساتھ اور ہم تمھارے لیے اپنے آپ پر کوئی برتری نہیں دیکھتے، بلکہ ہم تمھیں جھوٹے گمان کرتے ہیں۔''

آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ وہ اور ان کی اولاد سب موحد اور دین حق پر تھے، پھر شیطان کے بہکانے سے بزرگوں کی پوجا بت پرستی کی صورت میں شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین پر سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام بھیجے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قوم کو دعوت اسلام دینے کے لیے نبی بنا کر بھیجا تھا۔ قوم نوح کے کفر و شرک اور شر و فساد سے زمین بھر گئی تھی۔ نوح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں تمھیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہوں، لوگو! اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت نہ کرو، ورنہ مجھے ڈر ہے کہ اللہ کا دردناک عذاب تمھیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔ نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے ان کی دعوت کو رد کر دیا اور ان کے نبی ہونے میں تین قسم کے شبہات کا اظہار کیا۔ پہلا شبہ یہ ظاہر کیا کہ تم ہماری ہی طرح انسان ہو، تو ہمارے بجائے تم نبوت کے کیسے حق دار بن گئے؟ ان کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ قوم کے سرداروں میں سے ایک نے بھی تمھاری اتباع نہیں کی، صرف گھٹیا قسم کے لوگوں نے تمھاری پیروی کی ہے جو کم عقل اور بے وقوف ہیں اور اچھی اور گہری سوچ سمجھ نہیں رکھتے، اگر تم نبی ہوتے تو سردارانِ قوم تم پر ایمان لاتے اور تیسرا شبہ یہ تھا کہ تم میں اور تمھارے پیروکاروں میں کوئی ایسی خوبی نظر نہیں آتی جو ہم میں نہ ہو تو پھر تم نبی کیسے ہو گئے؟

کفار کے ہاں کمزور، گھٹیا اور رذیل لوگوں کا تصور

کفار نے نوح علیہ السلام سے کہا کہ اس وجہ سے بھی ہم آپ کی پیروی اختیار نہیں کر سکتے کہ کچھ لوگ جو آپ کے متبع ہو گئے ہیں وہ تو دیکھنے ہی سے نظر آتے ہیں کہ ہمارے رذیل یعنی کم تر درجے کے لوگ ہیں۔ گویا ان کی نظر میں اس شخص کے تابع ہونا، جس کے پیروکار معاشرے میں نچلے درجے کے لوگ ہوں، ان کی شان کے منافی ہے۔ بعینہٖ یہی بات مکہ کے کھاتے پیتے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ان کی پیروی ہماری قوم کے غلام اور نچلے طبقے کے لوگ کرتے ہیں۔ حالانکہ حق کی تاریخ سے ثابت ہے کہ اس کے ابتدائی پیروکار دنیوی لحاظ سے کمزور لوگ ہی ہوئے ہیں، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شاہ روم ہرقل نے جب ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ شریف لوگوں نے اس رسول کی پیروی کی ہے یا ضعیف و ناتواں لوگوں نے؟ تو اس نے یہی جواب دیا تھا کہ ضعیفوں نے۔ جس پر ہرقل نے کہا، رسولوں کے پیروکار یہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ [بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ : ٧۔ مسلم، كتاب الجهاد، باب كتب النبي ﷺ إلى هرقل : ١٧٧٣]

سیدنا نوح علیہ السلام کا مشفقانہ خطاب

سیدنا نوح علیہ السلام نے قوم کے اس درشت رویے کا جواب درشتی سے دینے کی بجائے دلیل کے ساتھ جواب دیا:

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴾ [هود : ٢٨]

”اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر (قائم) ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بڑی رحمت عطا فرمائی ہو، پھر وہ تم پر مخفی رکھی گئی ہو، تو کیا ہم اسے تم پر زبردستی چپکا دیں گے، جب کہ تم اسے ناپسند کرنے والے ہو۔“

نوح علیہ السلام نے ان کی کافرانہ بات سن کر کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ نے تو مجھے اپنے نبی ہونے کا برہان قاطع عطا فرمایا ہے۔ صفت بشریت میں میرا تمھارے ساتھ برابر ہونا اس بات سے ہرگز مانع نہیں ہے کہ وہ مجھے مقام نبوت سے نوازے۔ اسی طرح میرے ماننے والوں کا مالی اعتبار سے کمزور ہونا بھی نبوت سے مانع نہیں ہے، کیونکہ بشریت اور عقل و فہم میں وہ تمھاری طرح ہیں اور یہ نبوت تو اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہے جو اس نے مجھے دیا ہے۔ اگر تمھاری بصیرت ختم ہو گئی ہے اور تم حق کو نہیں دیکھ پا رہے ہو تو میں تمھیں اسے قبول کرنے پر مجبور تو نہیں کر سکتا۔ میرا کام تو صرف دعوت دینا ہے۔

کمزور مؤمنین کی طرف داری

سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی دعوت کا معاوضہ نہ لینے اور اپنے پیروکاروں کی طرف داری کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾
[هود : ٢٩، ٣٠]

''اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر کسی مال کا سوال نہیں کرتا، میری مزدوری اللہ کے سوا کسی پر نہیں اور میں ان لوگوں کو دور ہٹانے والا نہیں جو ایمان لائے ہیں، یقیناً وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور لیکن میں تمھیں ایسے لوگ دیکھتا ہوں جو جہالت برتتے ہو۔ اور اے میری قوم! اللہ کے مقابلے میں کون میری مدد کرے گا اگر میں انھیں دور ہٹا دوں؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''

نوح علیہ السلام نے ان سے یہ بھی کہا کہ میں دعوت و تبلیغ کے کام پر تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگتا کہ تمھیں شبہ ہو کہ میں دنیا طلبی کے لیے ایسا کر رہا ہوں اور تم جو میرے پیروکاروں کو گھٹیا کہتے ہو اور مجھ سے مطالبہ کرتے ہو کہ میں انھیں اپنے پاس سے بھگا دوں تاکہ تم لوگ آکے میری بات سنو تو میں ایسا بھی نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ ایمان لانے کے بعد اللہ کے نزدیک ان کا مقام بلند ہو گیا ہے اور جب وہ اللہ سے ملیں گے تو مجھ سے جھگڑیں گے کہ اے رب! انھوں نے ہمیں اپنی مجلس سے نکال دیا تھا۔ اے میری قوم کے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ نہایت ہی نادان ہو، اسی لیے تو یہ سوچتے ہو کہ اگر ایمان لے آؤ گے تو ہمارے کمزور اور ضعیف پیروکاروں کے برابر ہو جاؤ گے۔ اے لوگو! میں تمھیں دوبارہ بتائے دیتا ہوں کہ اگر میں نے ان کمزور مسلمانوں کو اپنی مجلس سے نکال دیا تو مجھے اللہ کے عقاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اس لیے کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کے بعد اللہ کے نزدیک ان کا مقام بلند ہو گیا ہے اور انھیں صرف اس لیے بھگا دینا کہ وہ غریب اور کمزور ہیں، سراسر ظلم ہو گا۔

قوم نوح کے بدخصلت سرداروں جیسے لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے بھی یہی کہا تھا کہ آپ کمزور صحابہ کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں اور ان کے ساتھ خصوصی مجلس کریں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چھ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، مشرکین نے کہا، ان لوگوں کو آپ اپنی مجلس سے نکال دیجیے تاکہ یہ ہم پر جرأت نہ کرسکیں، ان لوگوں میں میں تھا، عبداللہ بن مسعود، ہذیل کا ایک آدمی، بلال اور دو آدمی اور تھے جن کا نام میں نہیں لے رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے دل میں جو خیال اللہ نے چاہا وہ آیا۔ آپ ابھی سوچ ہی رہے تھے (کہ اب کیا کرنا چاہیے) کہ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ ''اور ان لوگوں کو دور نہ ہٹا جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں، اس کا چہرہ چاہتے ہیں۔'' [مسلم، کتاب الفضائل، باب في فضل سعد بن أبي وقاص : ٢٤١٣/٤٦]

نبی کے پاس خزانے ہوتے ہیں نہ وہ عالم الغیب ہوتا ہے

قوم نوح کے سرداروں کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ آپ تو ہمارے جیسے ایک انسان ہیں گویا ان کے ہاں نبی کسی فرشتے یا مافوق الفطرت ہستی کو ہونا چاہیے ان کے جواب میں سیدنا نوح علیہ السلام نے علم غیب اور اپنے فرشتے ہونے کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [هود : ۳۱]

''اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ بے شک میں ایک فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں جنھیں تمھاری آنکھیں حقیر سمجھتی ہیں، یہ کہتا ہوں کہ اللہ انھیں ہرگز کوئی بھلائی نہیں دے گا، اللہ اسے زیادہ جاننے والا ہے جو ان کے دلوں میں ہے، یقیناً میں تو اس وقت ظالموں سے ہوں گا۔''

اس آیت کریمہ میں نوح علیہ السلام نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اے لوگو! میں تمھاری طرح بشر ہوں، لیکن اللہ نے مجھے رسالت اور وحی سے نوازا ہے۔ میں ایسی باتوں کا دعویٰ نہیں کرتا جو میرے اختیار سے باہر ہیں۔ میں دعویٰ نہیں کرتا کہ اللہ کی روزی کے خزانوں کا مالک ہوں اور نہ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہوں اور نہ فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ جب میں خود ایسا دعویٰ نہیں کرتا تو پھر میرے اندر ان صفات کے مفقود ہونے پر میری نبوت کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اور جن غریب مسلمانوں کو تم حقیر جانتے ہو، ان کے بارے میں میں تمھاری طرح یہ نہیں کہتا کہ اللہ انھیں دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے ان کی غربت کی وجہ سے محروم رکھے گا۔ ان کے اندر جو خوبیاں پائی جاتی ہیں انھیں اللہ تعالیٰ مجھ سے اور تم سے زیادہ جانتا ہے، اگر میں ایسا کہوں گا تو میں ان کے حق میں ظالم ہوں گا۔ اس لیے کہ میں نے ان کی قدر و منزلت نہیں پہچانی اور ان کی شان کے خلاف بات کی۔

قوم نوح کا مطالبہ عذاب اور سیدنا نوح علیہ السلام کا جواب

سیدنا نوح کی دعوت اور مدلل نصیحت کے باوجود قوم نوح کے سرداروں کی سرکشی کم نہ ہوئی اور انھوں نے نوح علیہ السلام سے عذاب کا مطالبہ کر دیا:

﴿ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ

اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ [هود : ٣٢ تا ٣٤]

''انھوں نے کہا اے نوح! بے شک تو نے ہم سے جھگڑا کیا، پھر ہم سے بہت جھگڑا کیا، پس لے آ ہم پر جس جس کا تو ہمیں وعدہ دیتا ہے، اگر تو سچوں سے ہے۔ اس نے کہا وہ تو تم پر اللہ ہی لائے گا، اگر اس نے چاہا اور تم ہرگز عاجز کرنے والے نہیں۔ اور میری نصیحت تمھیں نفع نہ دے گی اگر میں چاہوں کہ تمھیں نصیحت کروں، اگر اللہ یہ ارادہ رکھتا ہو کہ تمھیں گمراہ کرے، وہی تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

جب قوم نوح کے پاس کفر و عناد پر قائم رہنے کی کوئی دلیل نہیں رہی اور نوح علیہ السلام کے دلائل و براہین کے آگے انھوں نے اپنے آپ کو یکسر عاجز پایا تو کہنے لگے کہ اے نوح! ہم تمھارے مناظروں سے تنگ آ گئے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کا وعدہ کرتے آئے ہو اسے لا کر دکھا دو تو نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ جب اللہ چاہے گا عذاب لے آئے گا اور اس وقت تم اسے عاجز نہیں کر سکو گے۔ یہی انداز مشرکین مکہ کے سردار ابوجہل نے اپنایا، جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا تھا: ''اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔''

[بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ و إذ قالوا اللّٰهم إن كان هذا ...... الخ ﴾ : ٤٦٤٨]

اگلی آیت میں نوح علیہ السلام نے کہا کہ اگر اللہ تمھیں گمراہ اور ہلاک کرنا چاہے گا تو میرا توحید کی طرف بلانا اور عذاب سے ڈرانا کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

نوح علیہ السلام کی صداقت کا بیان

﴿ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ﴾ [هود : ٣٥]

''یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے، کہہ دے اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو میرا جرم مجھی پر ہے اور میں اس سے بری ہوں جو تم جرم کرتے ہو۔''

قوم نوح کے اس قول کی تردید ہے کہ نوح علیہ السلام پر اللہ کی طرف سے کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ آپ ان کافروں سے کہیے کہ اگر میں نے اللہ پر افترا پردازی کی ہے تو اس کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں اور اگر میں سچا ہوں اور تم لوگ مجھے جھٹلا رہے ہو تو تم لوگ اس کی تکذیب کی سزا پانے کے لیے تیار رہو اور یہ جان لو کہ میں تمھارے جرائم سے یکسر بری ہوں۔

قوم کے انجام کے بارے میں سیدنا نوح علیہ السلام کی طرف وحی

سیدنا نوح علیہ السلام نے دن رات انتھک محنت کی اور قوم کو دعوت توحید دی مگر ساڑھے نو سو سال کی اس بے مثال

جدوجہد کے بعد بھی قوم نے دعوتِ ایمان قبول نہ کی، بلکہ الٹا عذاب کا مطالبہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ [هود : ٣٦]

''اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ تیری قوم میں سے کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر جو ایمان لا چکا، پس تو اس پر غمگین نہ ہو جو وہ کرتے رہے ہیں۔''

نوح علیہ السلام سے متعلق قرآن مجید کی تمام آیات پر مجموعی نظر ڈالیں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے بے مثال صبر کے ساتھ مسلسل صدیوں دعوت دینے کے باوجود قوم نے ان کے انکار اور ایذا رسانی میں کوئی کمی نہ کی، بلکہ ہر نسل اپنی اولاد کو وصیت کر کے مرتی رہی کہ دیکھنا اپنے بتوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نوح علیہ السلام کی بات مت ماننا۔ اس کے باوجود نوح علیہ السلام پُر امید رہ کر نہایت استقامت کے ساتھ انھیں دعوت توحید دیتے رہے، مگر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ اطلاع دی کہ اب آئندہ آپ کی قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا تو انھوں نے ان پر عذاب کے لیے بددعا کی۔

سفینۂ نوح

سیدنا نوح علیہ السلام کی بددعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں کشتی بنانے کا حکم دیا اور اطلاع دی کہ یہ لوگ اب غرق ہونے والے ہیں:

﴿ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴾ [هود : ٣٧]

''اور ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا اور مجھ سے ان کے بارے میں بات نہ کرنا جنھوں نے ظلم کیا، یقیناً وہ غرق کیے جانے والے ہیں۔''

نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے کفار پر عذاب کے وعدے کے ساتھ نوح علیہ السلام کو دو باتوں کی تاکید فرمائی، پہلی تو یہ کہ پانی کے طوفان سے بچنے کے لیے ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق ایک بحری جہاز بناؤ۔ یاد رہے کہ ''الْفُلْكَ'' کا لفظ بڑی کشتی (بحری جہاز) کے لیے استعمال ہوتا ہے اور واحد و جمع اور مذکر و مؤنث سبھی کے لیے ایک ہی لفظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں اور اس کی ہدایت کے مطابق بننے والی کشتی کتنی شان دار ہوگی، اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگوں نے اس کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی بیان کی ہے، مگر ان تمام باتوں کی کوئی پختہ دلیل نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ جب تم نے خود ہی دعا کی ہے کہ یا اللہ! زمین پر رہنے والا ایک کافر بھی باقی نہ چھوڑ، تو اب عذاب آنے پر ظلم کرنے والوں (مشرکوں) کے بارے میں مجھ سے کوئی بات (سفارش) مت کرنا، کیونکہ ان کے غرق کیے جانے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

مسخرے اپنے پیغمبر کو بھی تمسخر کا نشانہ بناتے رہے

سیدنا نوح علیہ السلام نے جب بحکم الٰہی کشتی بنانا شروع کر دی تو اس پر نافرمان لوگوں نے نوح کا مذاق اڑانا شروع کر دیا، قرآن مجید میں اس کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

﴿ وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴾ [هود : ۳۸، ۳۹]

''اور وہ کشتی بناتا رہا اور جب کبھی اس کے پاس سے اس کی قوم کے کوئی سردار گزرتے اس سے مذاق کرتے۔ وہ کہتا اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو ہم تم سے مذاق کرتے ہیں، جیسے تم مذاق کرتے ہو۔ پس تم جلد ہی جان لوگے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔''

نوح علیہ السلام کو کشتی بناتے دیکھ کر کفار کہنے لگے کہ نبی ہونے کے بعد اب بڑھئی ہو گئے ؟ کافروں نے نوح (علیہ السلام) سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے پہلے سے کشتی نہیں دیکھی تھی۔ نوح علیہ السلام نے کہا کہ یہ ہمیں لے کر پانی پر چلے گی، تو وہ ہنسنے اور مذاق اڑانے لگے۔ نوح علیہ السلام نے کہا کہ اگر آج تم میرا مذاق اڑا رہے ہو تو اڑا لو، کل طوفان میں تمھارے ڈوبنے کا نظارہ ہم سب مسلمان کریں گے۔ اگلی آیت میں فرمایا کہ اس وقت تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں رسوا کن عذاب اور آخرت میں دائمی عذابِ جہنم کا کون مستحق ہے۔

طوفان کا آغاز

آخر کار اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم نوح پر عذاب آ گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾ [هود : ٤٠]

''یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور ابل پڑا تو ہم نے کہا اس میں ہر چیز میں سے دو قسمیں (نر و مادہ) دونوں کو اور اپنے گھر والوں کو سوار کر لے، سوائے اس کے جس پر پہلے بات ہو چکی اور ان کو بھی جو ایمان لے آئے اور اس کے ہمراہ تھوڑے سے لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا۔''

جب قوم نوح کی ہلاکت کا وقت آ گیا اور پانی پوری شدت کے ساتھ ابلنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر پائے جانے والے تمام جانوروں اور پرندوں کے جوڑے کشتی میں رکھ لیں اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ اپنے صرف ان رشتہ داروں کو سوار کر لیں جو ان پر ایمان لائے ہیں۔

کشتی میں سوار ہونا اور ہولناک موجوں میں اس کا چلنا

جب قومِ نوح پر عذاب آ گیا اور آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے ابلنے لگا تو نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [ھود : ٤١]

''اور اس نے کہا اس میں سوار ہو جاؤ، اللہ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے۔ بے شک میرا رب یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

نوح علیہ السلام نے جب طوفان کو امڈتے دیکھا تو اپنے مسلمان ساتھیوں سے کہا کہ کشتی میں سوار ہو جاؤ، یہ اللہ کے نام سے چلے گی اور اس کے نام سے اس کی مرضی کے مطابق رکے گی۔ بے شک میرا رب مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، وہ ہمیں ضرور اس طوفان سے نجات دے گا۔

طوفانِ نوح کی کیفیت اور نوح علیہ السلام کے بیٹے کی غرقابی

جب ہر طرف پانی ہی پانی ہو گیا اور کشتی پانی کے اوپر تیرنے لگی تو نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارا کہ طوفان سے بچنے کے لیے ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھی نہ بنو لیکن اس نے کشتی میں سوار ہونے سے انکار کر دیا۔ قرآن مجید نے باپ بیٹے کے درمیان اس مکالمے اور بعد ازاں بیٹے کی ہلاکت کی یوں منظر کشی کی ہے:

﴿ وَ هِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَ نَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَ كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴾ [ھود : ٤٢، ٤٣]

''اور وہ انھیں لے کر پہاڑوں جیسی موج میں چلی جاتی تھی، اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور وہ ایک علیحدہ جگہ میں تھا، اے میرے چھوٹے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ (شامل) نہ ہو۔ اس نے کہا میں عنقریب کسی پہاڑ کی طرف پناہ لے لوں گا، جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ کہا آج اللہ کے فیصلے سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے اور دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی تو وہ غرق کیے گئے لوگوں میں سے ہو گیا۔''

جب نوح اور ان کے مسلمان ساتھی ''بسم اللہ'' کہہ کر سوار ہو گئے تو کشتی پہاڑوں کی مانند اونچی موجوں کے درمیان چلنے لگی۔ اس وقت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارا، جو کافر ہونے کی وجہ سے کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا کہ اے میرے بیٹے! اب بھی موقع ہے کہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ، ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ اور کافروں کا

ساتھ چھوڑ دو۔ اس نے جواب دیا کہ میں کسی پہاڑ پر جا کر پناہ لے لوں گا اور ڈوبنے سے بچ جاؤں گا تو نوح علیہ السلام نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے صرف وہی بچ سکے گا جس پر اللہ اپنا رحم و کرم فرمائے گا اور اس کا رحم آج صرف مومنوں کے ساتھ خاص ہے۔ باپ بیٹے کے درمیان اس گفتگو کے بعد ایک بڑی ہیبت ناک موج اٹھی جس نے 'کافر بیٹے' کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔

سیدنا میتب بن حزن رضی اللہ عنہ (سعید بن میتب کے والد) بیان کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا، تو آپ ﷺ ان کے پاس گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل بھی بیٹھا تھا۔ آپ نے ابو طالب سے کہا: ''چچا ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ لو، مجھے اپنے پروردگار کے ہاں تمھارے لیے ایک دلیل مل جائے گی۔'' ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ کہنے لگے، کیا تم عبد المطلب کے دین کو چھوڑ دو گے؟ دونوں برابر ہی سمجھاتے رہے۔ آخر ابو طالب نے آخری بات جو کہی وہ یہ تھی کہ میں عبد المطلب کے دین پر (مرتا) ہوں۔۔ اس وقت آپ نے فرمایا: ''میں تمھارے لیے بخشش کی دعا کرتا رہوں گا، جب تک اس کام سے منع نہ کر دیا جائے۔'' [بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب : ٣٨٨٤]

طوفان کا اختتام

جب اللہ کا امر مکمل ہو گیا، سارے کفار غرق ہو گئے تو اللہ نے زمین کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [هود : ٤٤]

''اور کہا گیا اے زمین! تو اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تو تھم جا اور پانی نیچے اتار دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور وہ جودی پر جا ٹھہری اور کہا گیا ظالم لوگوں کے لیے دوری ہو۔''

نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے علاوہ جب تمام اہل زمین ڈوب گئے اور کوئی کافر زندہ نہ رہا، تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ جو پانی اوپر ابل آیا تھا اسے اپنے اندر جذب کر لے اور آسمان کو حکم دیا کہ بارش برسانا روک دے، چنانچہ پانی خشک ہو گیا اور اللہ کا فیصلہ پورا ہو گیا۔ جس کو بچانا چاہا بچا لیا اور جسے ہلاک کرنا چاہا ہلاک کر دیا۔ جب پانی کم ہونے لگا اور پہاڑوں کی چوٹیاں ظاہر ہونے لگیں تو کشتی جودی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی جو موصل شہر کے قریب واقع ہے اور اللہ کی جانب سے اعلان ہو گیا کہ اب ظالموں سے زمین پاک ہو گئی۔

ایمان کے بغیر قرابت داری کچھ سود مند نہیں

جب سیلاب ختم ہو گیا تو نوح علیہ السلام نے بیٹے کے حوالے سے دعا کی کہ اے اللہ میرا بیٹا میرے اہل سے تھا اور تو نے

میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا تھا اور تیرا وعدہ حق ہے۔قرآن مجید میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَ نَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَہۡلِیۡ وَ اِنَّ وَعۡدَکَ الۡحَقُّ وَ اَنۡتَ اَحۡکَمُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ٭۫ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَسۡـَٔلَکَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَ تَرۡحَمۡنِیۡۤ اَکُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ﴾

[هود : ٤٥ تا ٤٧]

’’اور نوح نے اپنے رب کو پکارا، پس کہا اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔فرمایا اے نوح! بے شک وہ تیرے گھر والوں سے نہیں، بے شک یہ ایسا کام ہے جو اچھا نہیں، پس مجھ سے اس بات کا سوال نہ کر جس کا تجھے کچھ علم نہیں۔ بے شک میں تجھے اس سے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے ہو جائے۔اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے اس بات کا سوال کروں جس کا مجھے کچھ علم نہیں اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں سے ہو جاؤں گا۔‘‘

نوح علیہ السلام نے شفقت پدری سے متاثر ہو کر اپنے رب سے دعا کی اور کہا کہ اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے،تو نے کہا تھا کہ اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کر لو تاکہ سب طوفان سے بچ جائیں تو آج تو اسے توفیق دے دے کہ ایمان لے آئے اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر نوح علیہ السلام کو اپنا حتمی فیصلہ بتا دیا کہ اے نوح! وہ ایمان نہیں لائے گا، اس لیے کہ وہ آپ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے۔آپ کے گھر والے تو دین و شریعت کے پابند اور اہل اصلاح ہیں اور وہ صالح نہیں، اس لیے وہ طوفان سے نہیں بچے گا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو تنبیہ کی کہ جس مقصد کے لیے پورے طور پر صائب ہونے کا آپ کو علم نہ ہو اس کا اللہ سے سوال نہ کیجیے، اس لیے کہ ایسا کرنا نادانوں کا شیوہ ہے۔ جب نوح علیہ السلام کو اس بات کا علم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا سوال شریعت کے مطابق نہیں تھا اور یہ محض ان کا وہم تھا کہ ممکن ہے کہ 'حام' مسلمان بن کر کشتی میں سوار ہو جائے گا تو اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اللہ سے مغفرت و رحمت طلب کی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک لمبی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’چنانچہ سب لوگ سیدنا آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: آپ سب انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی طرف سے خصوصیت کے ساتھ آپ میں روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا، اس لیے آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟

سیدنا آدم علیہ السلام فرمائیں گے: بلاشبہ آج کے دن میرا رب انتہائی غیظ و غضب میں ہے۔ اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک نہیں ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہو گا۔ میرے پروردگار نے مجھے درخت سے روکا تھا لیکن میں نے اس کی نافرمانی کی، اس لیے مجھے تو اپنی فکر ہے، میں اپنی جان کی حفاظت چاہتا ہوں، لہٰذا تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم نوح کے پاس جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ سیدنا نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے نوح! آپ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جو اہل زمین کی طرف مبعوث ہوئے اور اللہ نے آپ کو ''شکر گزار بندے'' کا لقب دیا۔ آپ ہی ہمارے لیے اپنے رب کے حضور سفارش کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس حالت میں پہنچ چکے ہیں؟ (سیدنا نوح علیہ السلام) فرمائیں گے: بلاشبہ میرا رب آج بہت غضب ناک ہے، اس سے پہلے وہ کبھی ایسا غضب ناک نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد ہی اس طرح غضب ناک ہو گا۔ اللہ نے مجھے ایک دعا کی قبولیت کا یقین دلایا تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف کر لی تھی۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ آج مجھے اپنی ہی فکر ہے، لہٰذا تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ ذرية من حملنا مع نوح انه كان عبدًا شكوراً ﴾ : ٤٧١٢]

سلامتی و برکت کے ساتھ کشتی سے اترنے کا حکم

جب آسمان سے پانی برسنا ختم ہو گیا اور زمین نے سارا پانی نگل لیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کشتی سے اترنے کا حکم دیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [هود : ٤٨]

''کہا گیا اے نوح! اتر جا ہماری طرف سے عظیم سلامتی اور بہت سی برکتوں کے ساتھ، تجھ پر اور ان جماعتوں پر جو ان لوگوں سے ہوں گی جو تیرے ساتھ ہیں۔ اور کئی جماعتیں ہیں جنھیں ہم عنقریب سازوسامان دیں گے، پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔''

جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے کہا کہ اب آپ سلامتی کے ساتھ کشتی سے زمین پر اتر جائیے۔ آپ پر اور آپ کے ساتھی مسلمانوں پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا سایہ رہے گا۔ البتہ ان میں سے کچھ کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو آگے چل کر کفر کی راہ اختیار کر لیں گے اور ان کا منتہائے مقصود دنیا کا عیش و آرام ہو جائے گا تو ہم انھیں اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں گے لیکن انجام کار انھیں دردناک عذاب سے دوچار کر دیں گے۔

یہ واقعات رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہیں

اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [هود : ٤٩]

''یہ غیب کی خبروں سے ہے جنھیں ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ تو انھیں جانتا تھا اور نہ تیری قوم، پس صبر کر، بے شک اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔''

اس آیت کریمہ سے نبی کریم ﷺ کی رسالت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات کی خبر آپ کو اور آپ کی قوم کو بالکل نہیں تھی۔ یہ ساری تفصیلات آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ اس کے بعد اللہ نے نبی کریم ﷺ کو نصیحت کی کہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچے اس پر نوح علیہ السلام کی طرح صبر کیجیے اور اس یقین کے ساتھ اپنی ذمہ داری ادا کیجیے کہ دنیا میں فتح و کامرانی اور آخرت میں نعمت ابدی ہم اپنے انھی بندوں کو دیں گے جو تقویٰ کی راہ اختیار کریں گے۔

مسلمانوں کی تعداد کا کم ہونا اور مدت دراز تک اسلام کی دعوت کا کامیاب نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ دعوت ناکام ہے، بلکہ مسلسل صبر اور دعوت کے نتیجے میں آخری کامیابی اہل اسلام ہی کو ملے گی، خواہ کچھ نسلیں گزرنے کے بعد ملے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے لاتعداد لشکر ہیں، مثلاً آگ، ہوا، پانی، پہاڑ اور بے شمار مخلوق۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو بھی اشارہ کر دے تو کافروں کا نام و نشان باقی نہیں رہ سکتا۔ کافر یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان ہمیشہ مغلوب و مقہور ہی رہیں گے، بلکہ مسلمان صبر و استقامت سے کام لیں اور اپنی ہر مصیبت اور بے بسی کو صرف اللہ کریم کے سامنے پیش کرتے رہیں، جیسا کہ نوح علیہ السلام نے کہا: ﴿ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ [القمر : ١٠] ''بے شک میں مغلوب ہوں سو تو بدلہ لے۔'' تو خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کم ہو، جیسا کہ نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی دعوت کا حاصل بہت ہی کم آدمی بارہ (۱۲) یا چالیس (۴۰) یا اسی (۸۰) آدمی نکلے، مگر نوح علیہ السلام اور اہل ایمان کی محنت ناکام نہیں ہوئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی قوت کے ساتھ دنیا کو تہ و بالا کر کے ان قلیل لوگوں کو ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ ان کے دشمنوں کا نام و نشان مٹ گیا اور یہ پوری زمین کے مالک بن گئے۔ بنی اسرائیل، موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ پڑھ لیجیے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے تین سو تیرہ بے سرو سامان ساتھیوں کی ایک ہزار مسلح کفار کے مقابلے میں غیب سے فرشتے بھیج کر اللہ تعالیٰ نے ایسی مدد کی کہ وہ دن فیصلہ کن دن بن گیا کہ آئندہ کسے غالب ہو کر رہنا ہے۔ غرض اللہ کا فیصلہ ہے کہ

اچھا انجام متقین ہی کا ہے۔

سورۂ انبیاء میں سیدنا نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر

﴿وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّيۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ۝ وَ نَصَرۡنٰهُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ﴾ [الأنبیاء : ۷۶، ۷۷]

''اور نوح کو بھی جب اس نے اس سے پہلے پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کر لی، پھر اسے اور اس کے گھر والوں کو بہت بڑی گھبراہٹ سے بچا لیا۔ اور ہم نے ان لوگوں کے خلاف اس کی مدد کی جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، بے شک وہ برے لوگ تھے تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔''

نوح علیہ السلام بھی اللہ کے بڑے انبیاء میں سے تھے۔ انھیں چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ اس کے بعد سے نو سو پچاس سال تک اپنی قوم میں دعوت کا کام کرتے رہے لیکن وہ لوگ اپنے کفر و استکبار پر اڑے رہے تو نوح علیہ السلام نے ان پر بددعا کی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ﴾ [القمر : ۱۰] ''تو اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک میں مغلوب ہوں، سو تو بدلہ لے۔'' اللہ تعالیٰ نے طوفان کے ذریعے سے نوح علیہ السلام اور مسلمانوں کے سوا تمام کافروں کو ہلاک کر دیا۔ نوح علیہ السلام طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے۔ اس طرح ان کی عمر ایک ہزار پچاس سال بنتی ہے۔

سورۂ مومنون میں سیدنا نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ

﴿وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝ فَقَالَ الۡمَلَؤُا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتَفَضَّلَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِيۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِيۡنَ ۝ اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰی حِيۡنٍ﴾

[المؤمنون : ۲۳ تا ۲۵]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو اس کی قوم میں سے ان سرداروں نے کہا جنھوں نے کفر کیا، یہ نہیں ہے مگر تمھارے جیسا ایک بشر، جو چاہتا ہے کہ تم پر برتری حاصل کر لے اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور کوئی فرشتے اتار دیتا، ہم نے یہ اپنے پہلے باپ دادا میں نہیں سنا۔ یہ نہیں ہے مگر ایک آدمی، جسے ایک جنون ہے، سو ایک وقت تک اس کے بارے میں انتظار کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ہمارے رسول! ہم نے آپ سے پہلے نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تھا تو ان کی قوم نے

ان کی تکذیب کی، جس طرح آج آپ کی قوم آپ کے ساتھ کر رہی ہے۔ انھوں نے اللہ کے امر کی مخالفت کی اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرایا تو اللہ نے ان سے اپنا اور اپنے رسول کا انتقام لے لیا۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک نہ بناؤ، اس لیے کہ اس کے سوا کوئی تمھارا معبود نہیں ہے۔ تم جو اس کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے ہو تو کیا تمھیں ڈر نہیں لگتا کہ اس کا غضب تم پر نازل ہو جائے؟ یہ سن کر سردارانِ قوم نے، جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ (نوح) تو تمھارے ہی جیسا ایک انسان ہے، چاہتا ہے کہ تمھارا سردار بن بیٹھے، اسی لیے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر آسمان سے وحی آتی ہے۔ اگر اللہ اپنا پیغمبر بھیجنا چاہتا تو آسمان سے فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم نے نہیں سنا کہ گزشتہ قوموں کے پاس اللہ نے کسی انسان کو اپنا نبی بنا کر بھیجا ہو۔

اس کا یہ کہنا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے، پھر وہ بات کہنا جو ہم نے کبھی سنی ہی نہیں کہ بتوں کی عبادت مت کرو، صرف اللہ کی عبادت کرو اور دن رات اسی کی تبلیغ میں لگے رہنا، نہ کاروبار کا خیال، نہ پوری قوم کی مخالفت کی پروا، درحقیقت اسے ایک جنون لاحق ہے، دیوانگی ہے جو اس سے یہ سب کچھ کرواتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن کی نظر میں کافر جو کچھ کرتا ہے سراسر دیوانگی ہے کہ ساری جد و جہد چند روزہ زندگی کے لیے کرتا ہے۔ ہمیشہ کی زندگی کی اسے فکر ہی نہیں اور پیدا کرنے والے کے ساتھ ان لوگوں کو پکارتا اور ان کی عبادت کرتا ہے جنھوں نے نہ کچھ پیدا کیا اور نہ وہ کچھ اختیار رکھتے ہیں۔ اسی طرح کافر کی نظر میں مومن کے کام دیوانگی ہیں کہ نقد کو چھوڑ کر ادھار کے پیچھے پڑا ہے، نظر نہ آنے والے رب سے ڈر کر اپنی محبوب خواہشیں ترک کیے ہوئے ہے۔

"جِنَّةٌ" میں تنوین تنکیر کی ہے، یعنی اسے ایک قسم کا جنون لاحق ہے۔ مکمل پاگل کہنے کے بجائے کچھ جنون کہا، تاکہ ہر شخص انھیں جھٹلا نہ دے کہ بھلا اتنا کامل عقل والا شخص دیوانہ ہو سکتا ہے؟

نزول عذاب اور مومنوں کے لیے نجات

سیدنا نوح علیہ السلام نے سردارانِ قوم کی ان اذیتوں کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ﴾

[المؤمنون: ٢٦ تا ٣٠]

"اس نے کہا اے میرے رب! میری مدد کر، اس لیے کہ انھوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ تو ہم نے اس کی طرف وحی

کی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا، پھر جب ہمارا حکم آ جائے اور تنور ابل پڑے تو ہر چیز میں سے دو قسمیں (نر و مادہ) دونوں کو اور اپنے گھر والوں کو اس میں داخل کر لے، مگر ان میں سے وہ جس پر پہلے بات طے ہو چکی اور مجھ سے ان کے بارے میں بات نہ کرنا جنھوں نے ظلم کیا ہے، وہ یقیناً غرق کیے جانے والے ہیں۔ پھر جب تو اور جو تیرے ساتھ ہیں، کشتی پر چڑھ جاؤ تو کہہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی۔ اور تو کہہ اے میرے رب! مجھے اتار، ایسا اتارنا جو بابرکت ہو اور تو سب اتارنے والوں سے بہتر ہے۔ بلاشبہ اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں اور بلاشبہ ہم یقیناً آزمانے والے تھے۔''

نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کرتے رہے اور اس راہ کی ہر اذیت برداشت کرتے رہے، لیکن ان کی قوم کی سرکشی بڑھتی گئی۔ بالآخر انھوں نے اپنے رب سے دعا مانگی اور کہا، اے میرے رب! اب تو میری مدد کر اور ان کی جانب سے میری مسلسل تکذیب کی وجہ سے انھیں ہلاک کر دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ آپ میری نگرانی میں اور میری تعلیمات کے مطابق کشتی بنائیے اور جب تنور سے پانی ابلنے لگے تو تمام حیوانات کے مذکر و مؤنث جوڑے کشتی میں ڈال لیجیے، سوائے ان لوگوں کے جن کا ہلاک ہو جانا مقدر ہو چکا ہے (جیسے ان کا بیٹا اور ان کی بیوی) اور عذاب دیکھنے کے بعد آپ کو ان ظالموں پر رحم نہ آ جائے اور یہ نہ سوچیے کہ اب اگر عذاب ٹل جائے تو شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں۔ اس لیے کہ میرا یہ فیصلہ ہے کہ انھیں کفر و سرکشی کی حالت ہی میں ڈوب جانا ہے۔ جب آپ اور دیگر اہل ایمان کشتی پر سوار ہو جائیں تو اللہ کا شکر بجا لایئے کہ اس نے آپ لوگوں کو ظالموں سے نجات دے دی اور گریہ و زاری کے ساتھ دعا کیجیے کہ اے میرے رب! مجھے کسی مبارک جگہ اتار دے۔

کشتی پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد کا حکم دیا گیا اور اس کے الفاظ خود اللہ تعالیٰ نے بتائے، جیسے آدم علیہ السلام کو خود دعا سکھائی اور اسی طرح قیامت کے دن ہمارے نبی ﷺ کو حمد سکھائیں گے۔ دوسری جگہ چوپاؤں اور کشتیوں کے متعلق فرمایا: ﴿ وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴾ [الزخرف : ۱۲ تا ۱۴] ''اور تمھارے لیے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھو، پھر اپنے رب کی نعمت یاد کرو، جب ان پر جم کر بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے لیے تابع کر دیا، حالانکہ ہم اسے قابو میں لانے والے نہیں تھے۔ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ سواری پر سوار ہو کر یہ دعا پڑھتے تھے: « اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَ إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا

تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهُ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْأَهْلِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَ سُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ ›› ”اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا، حالانکہ ہم اسے ملنے والے نہیں تھے اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتے ہیں اور اس عمل کا جسے تو پسند کرے سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہمارا یہ سفر ہم پر آسان فرما دے اور ہم سے اس کی دوری کم کر دے۔ اے اللہ! تو ہی سفر میں ساتھی اور گھر والوں میں نائب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سفر کی مشقت سے اور مال اور اہل میں منظر کے غم سے اور ناکام لوٹنے کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“ اور جب رسول اللہ ﷺ سفر سے واپس آتے تو یہی دعا پڑھتے، البتہ یہ الفاظ زیادہ کہتے: ‹‹ آئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ›› ”ہم واپس لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب ہی کی حمد کرنے والے ہیں۔“ [مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الذکر إذا رکب ...... : ۱۳۴۲]

نوح علیہ السلام کو سوار ہو کر یہ دعا پڑھنے کا حکم ہوا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [المؤمنون : ۲۸] ”سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی۔“ اور انھوں نے یہ کہہ کر ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا: ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [ھود : ۴۱] ”اللہ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے۔ بے شک میرا رب یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“

ظالم لوگوں سے نجات پر اللہ کی حمد کا حکم اس لیے دیا کہ وہ نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بے شمار اذیتوں کا نشانہ بناتے تھے۔ اس کے علاوہ نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا ان میں رہنا، ان کے کفر و شرک، نجس اور غلیظ کاموں کو دیکھنا بجائے خود شدید تکلیف دہ تھا۔ اب ان سے نجات ملی، الگ رہنے کی جگہ ملی، اپنا ماحول اور اپنی مجلس بنی تو اس پر شکر ادا کرنے کا حکم ہوا۔

اسی لیے مسلمان کو دعوت یا جہاد کے مقصد کے بغیر کفار میں رہائش رکھنا حرام ہے، کیونکہ مسلسل کفر و شرک اور بدکاری و بے حیائی کا ارتکاب دیکھ دیکھ کر یا تو ہمیشہ شدید تکلیف میں رہے گا یا اس کی اپنی غیرت و حمیت بھی ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ اگر ایسی جگہ رہتا ہے تو وہاں سے ہجرت کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے۔“ [أبوداوٗد، کتاب الجهاد، باب النهي عن قتل ...... : ۲۶۴۵]

سیدنا نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ، سورۂ شعراء کی روشنی میں

بتوں کی پوجا پاٹ شروع ہونے کے بعد نوح علیہ السلام پہلے رسول تھے جنھیں اہل زمین کی طرف بھیجا گیا۔

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ٍ الْمُرْسَلِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۚ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴾

[الشعراء : ۱۰۵ تا ۱۱۰]

”نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ بے شک میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں اس پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، میری اجرت تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا، اس لیے کہ تمام انبیاء و رسل کی دعوت ایک تھی۔ سب نے شرک کی نفی کی اور لوگوں کو توحید کی طرف بلایا۔ اس لیے جس نے ایک نبی کو جھٹلایا اس نے گویا تمام انبیاء کو جھٹلا دیا۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، کیا تمھیں اللہ سے ڈر نہیں لگتا کہ بتوں کی پرستش کرتے اور اس کے رسول کو جھٹلاتے ہو؟ اللہ نے مجھے تمھارے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور جو کچھ مجھے بذریعہ وحی بتلایا جاتا ہے وہ میں پوری امانت کے ساتھ تم تک پہنچاتا ہوں۔ اس لیے اللہ کے عذاب سے ڈرو، کفر کی راہ اختیار نہ کرو، میری تکذیب نہ کرو اور جن باتوں کا میں تمھیں حکم دیتا ہوں ان پر عمل کرو۔ اللہ پر ایمان لے آؤ، شرک کرنا چھوڑ دو اور اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق زندگی گزارو۔ میں جو تمھیں اللہ کے دین کی تبلیغ کرتا ہوں تو اس کی میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میں اپنے اجر و ثواب کی امید اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہوں، اس لیے اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری بات مانو۔

قوم نوح کا جواب اور طبقاتی کشمکش

سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی اس نصیحت کو قبول کرنے کے بجائے آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا:

﴿ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۚ قَالَ وَ مَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۚ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [الشعراء : ۱۱۱ تا ۱۱۵]

”انھوں نے کہا کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں، حالانکہ تیرے پیچھے وہ لوگ لگے ہیں جو سب سے ذلیل ہیں۔ اس نے کہا اور مجھے کیا علم کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ ان کا حساب تو میرے رب ہی کے ذمے ہے، اگر تم سمجھو۔ اور میں ایمان والوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں۔ میں نہیں ہوں مگر ایک کھلم کھلا ڈرانے والا۔“

قوم نوح نے جواب دیا کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے، نہ تمھاری پیروی کریں گے اور نہ تم پر ایمان لانے والے ان گھٹیا لوگوں کو اپنے لیے نمونہ قرار دیں گے جنھوں نے تمھارا اتباع و تصدیق کی ہے، کیونکہ وہ تو ہمارے ذلیل لوگ ہیں۔ ان کے نزدیک عزت و شرف کا معیار مال و جاہ تھا نہ کہ بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق۔ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ مال و دولت

والے دنیا داروں نے اللہ کے دین اور بلند اخلاق و کردار کی پروا نہ کی اور غریبوں اور کمزوروں کو گھٹیا اور رذیل سمجھا۔ حالانکہ انھی کمزوروں نے آگے بڑھ کر اللہ کے دین کو گلے سے لگایا اور اونچے کردار اور اچھے اخلاق کو مال و دولت پر ترجیح دی۔ تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء کی پیروی کرنے والے زیادہ تر غریب اور کمزور لوگ ہوتے تھے، جبکہ دولت مند لوگ اپنے کبر و غرور کی وجہ سے پیچھے رہ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ جس دین کا اتباع حقیر و فقیر لوگ کر رہے ہیں، وہ سچا اور برحق دین کیسے ہوسکتا ہے؟

ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لانے والے بھی ایسے ہی لوگ تھے۔ حدیثِ ہرقل میں ہے کہ اس نے ابوسفیان سے سوال کیا: ''اونچے لوگ اس کی پیروی اختیار کر رہے ہیں یا کمزور لوگ؟'' ابوسفیان نے جواب دیا: ''کمزور لوگ۔'' تو ہرقل نے کہا: ''رسولوں کی پیروی کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں۔'' [بخاري، بدء كتاب الوحي، باب كيف كان بدء الوحي...... : ٧]

کیونکہ مال و جاہ والے لوگوں کو ایمان قبول کرنے میں ان کا مال و جاہ، اپنی عزت اور رتبے کا احساس اور دنیوی مفاد رکاوٹ بن جاتے ہیں، کیونکہ ایمان لانے کی صورت میں انھیں حکم منوانے کے بجائے حکم ماننا پڑتا ہے، جب کہ کمزور لوگ ان رکاوٹوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس مکالمے میں نبی ﷺ کے لیے بھی تسلی ہے، کیونکہ آپ کی قوم کے لوگ بھی اللہ کے فضل کے مستحق مال داروں ہی کو سمجھتے تھے۔ ان کی نظر میں رسول اللہ ﷺ کے بجائے مکہ یا طائف کے کسی مال دار سردار کو نبوت ملنی چاہیے تھی، سورۂ زخرف میں ہے: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ [الزخرف : ٣١] ''اور انھوں نے کہا یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟''

جب سردارانِ قوم نے نوح علیہ السلام کے پیروکاروں کو ذلیل قرار دیا تو اس پر نوح علیہ السلام نے سردارانِ قوم کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: مجھے تو اللہ کا راستہ بتانے سے غرض ہے نہ کہ ان کے پیشوں سے۔ وہ کمائی کے لیے جو بھی کام کریں یا جو بھی پیشہ اختیار کریں، اگر وہ جائز ہے تو وہ اپنے ایمان دار ہونے کی وجہ سے ان مغرور مال داروں سے افضل ہیں جو اللہ کی نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ میں کیا جانوں کہ ان کے عمل کیسے ہیں، مجھے تو ظاہری ایمان کو دیکھنا ہے۔ ان کی نیتوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہی ان کا حساب کرے گا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، اگر وہ یہ کام کریں تو انھوں نے اپنے خون اور اپنے مال مجھ سے محفوظ کر لیے مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔'' [بخاري، كتاب الإيمان، باب فإن تابوا و أقاموا الصلاة : ٢٥]

قوم کی دھمکی

سیدنا نوح علیہ السلام کی ان باتوں کے جواب میں قوم کے سرداروں نے انھیں دھمکی دیتے ہوئے کہا:

﴿ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴾ [الشعراء : ۱۱۶]

''انھوں نے کہا اے نوح! یقیناً اگر تو باز نہ آیا تو ہر صورت سنگسار کیے گئے لوگوں سے ہو جائے گا۔''

نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی یہ گفتگو دو چار مواقع کی بات نہیں بلکہ ان کے ساتھ ان کی قوم کی یہ کش مکش ساڑھے نو سو (۹۵۰) برس جاری رہی۔ جیسے جیسے آپ دعوت کے کام میں آگے بڑھتے گئے وہ بدی میں آگے بڑھتے گئے۔ آخر کار تمام ظالم و جابر لوگوں کی طرح، جو دلیل میں لاجواب ہو کر دھمکیوں اور تشدد پر اتر آتے ہیں، نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ آئندہ اگر تم اپنی دعوت سے باز نہ آئے تو ہم پتھر مار مار کر تمھیں ختم کر دیں گے، جیسا کہ ہمیشہ سے کافر و مشرک قوموں کا شیوہ رہا ہے کہ جب انھیں اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے کوئی دلیل و حجت نہ ملی تو وہ متکبرانہ انداز گفتگو اور دھمکی پر اتر آئے۔ انھوں نے کہا اے نوح! اگر تم نے ہمارے دین کی عیب جوئی اور ہمارے معبودوں کو برا کہنا بند نہ کیا تو ہم تمھیں پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔

نوح علیہ السلام کی بددعا

قوم کی ان دھمکیوں کے جواب میں نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی:

﴿ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ۚ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾

[الشعراء : ۱۱۷، ۱۱۸]

''اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔ پس تو میرے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے، کھلا فیصلہ اور مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں، انھیں بچا لے۔''

نوح علیہ السلام نو سو پچاس سال تک اپنی قوم کو دعوت توحید دیتے رہے، لیکن ظالم قوم اپنے کفر و شرک پر مصر رہی تو بالآخر انھوں نے اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رب! میری قوم نے مجھے یکسر جھٹلا دیا ہے، اب ان کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ اس لیے میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے اہل ایمان ساتھیوں کو اس عذاب سے بچا لے جس کے ذریعے سے تو ظالموں کو ہلاک کرے گا۔

قوم نوح کی ہلاکت

سیدنا نوح علیہ السلام کی اس بددعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کو عذاب سے دوچار فرمایا اور نوح علیہ السلام اور اہل ایمان کو اس

عذاب سے محفوظ رکھا:

﴿ فَأَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ [الشعراء : ۱۱۹ تا ۱۲۲]

”تو ہم نے اسے اور ان کو جو اس کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے، بچا لیا۔ پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور بلاشبہ تیرا رب، یقیناً وہی سب پر غالب، نہایت رحم والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی۔ انھیں اور ان لوگوں کو نجات دے دی جو کشتی میں سوار ہو گئے تھے جبکہ باقی تمام لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے اس واقعہ سے بہت سی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں، جن سے قوم نوح نے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا، اسی لیے ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔

سورۂ صافات میں سیدنا نوح علیہ السلام کی فریاد اور آپ کی قوم کی تباہی کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی فریاد قبول کر کے مومنوں کی نجات اور منکروں کی تباہی کا سامان کر دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴾
[الصافات : ۷۵ تا ۷۷]

”اور بلاشبہ یقیناً نوح نے ہمیں پکارا تو یقیناً ہم اچھے قبول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی۔ اور ہم نے اس کی اولاد ہی کو باقی رہنے والے بنا دیا۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی اور طویل مدت تک دعوت دینے کے باوجود ان میں سے بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے۔ آپ ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے تھے، جب ان کی مخالفت طویل اور تکذیب بہت شدید ہو گئی تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی، اس لیے کہ ہمارے علاوہ کوئی کسی پریشان حال کی پکار نہیں سن سکتا اور انھیں اور ان کے خاندان والوں کو، ان کی بیوی اور بیٹے کے سوا طوفانِ عظیم سے بچا لیا اور ان کی نسلوں کو دنیا میں باقی رکھا۔ چنانچہ قوم نوح کی ہلاکت کے بعد دوبارہ پوری دنیا نوح کی اولاد سے آباد ہوئی۔

نوح علیہ السلام پر اللہ کا انعام اور منکرین پر عذاب الٰہی

سیدنا نوح علیہ السلام کی بددعا کی قبولیت ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے حوالے سے فرمایا:

﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ إِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾ [الصافات : ٧٨ تا ٨٢]

''اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں اس کے لیے باقی رکھا۔ (یہ کہنا) کہ نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو۔ بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں سے تھا۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد آنے والی قوموں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا کہ سب ان کا نام عزت و احترام سے لیتے ہیں اور ان کے لیے سلامتی و رحمت کی دعا کرتے ہیں، تو قیامت تک ان کا ذکر خیر سب قوموں میں باقی رہے گا، پھر فرمایا کہ ہم عمل صالح کرنے والوں کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کا عمل صالح یہ تھا کہ انھوں نے اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک اللہ کے دین کی طرف بلاتے رہے۔

ساڑھے نو سو سال دعوت دیتے رہنا اور قوم کی ہٹ دھرمی کا تذکرہ

سیدنا نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کرتے رہے لیکن ان کی قوم نے ہٹ دھرمی اختیار کیے رکھی۔ نوح کی دعوت اور قوم کے طرزِ عمل کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں بیان فرمایا:

﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [العنكبوت : ١٤، ١٥]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس کم ہزار برس رہا، پھر انھیں طوفان نے پکڑ لیا، اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے اسے بچالیا اور کشتی والوں کو بھی اور اسے جہانوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے سیدنا نوح علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا کہ ہم نے انھیں ان کی قوم کے لیے نبی بنا کر بھیجا، وہ انھیں ساڑھے نو سو سال تک توحید کی دعوت دیتے رہے، لیکن انھوں نے ان کی دعوت قبول نہیں کی اور اپنے بتوں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر وغیرہ کی پرستش کرتے رہے۔ بالآخر نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے رب! میں مغلوب ہوں، تو میری مدد فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور انھیں اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو بچالیا، جبکہ کافروں کو طوفان میں ہلاک کر دیا اور دنیا والوں کے لیے انھیں نشانِ عبرت بنا دیا۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت پر قوم کا طرزِ عمل

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت کو قوم نے قبول کرنے کے بجائے نوح علیہ السلام کو دیوانہ اور مجنوں کہا اور گالیاں دیں، فرمایا:

﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّ ازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ وَ حَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَ لَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴾

[القمر : ۹ تا ۱۶]

’’ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا تو انھوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور انھوں نے کہا دیوانہ ہے اور جھڑک دیا گیا۔ تو اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک میں مغلوب ہوں، سو تو بدلا لے۔ تو ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے، ایسے پانی کے ساتھ جو زور سے برسنے والا تھا۔ اور زمین کو چشموں کے ساتھ پھاڑ دیا، تو تمام پانی مل (کر ایک ہو) گیا، اس کام کے لیے جو طے ہو چکا تھا۔ اور ہم نے اسے تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی، اس شخص کے بدلے کی خاطر جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اسے ایک نشانی بنا کر چھوڑا، تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ پھر میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟‘‘

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل قریش سے پہلے قوم نوح نے اللہ کے رسول نوح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ انھیں پاگل کہا، سب و شتم کیا اور مختلف قسم کی ایذا رسانیوں کے ذریعے سے انھیں دعوت و تبلیغ سے روکا۔ نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کی ہدایت سے بالکل مایوس ہو گئے اور کفار کی سرکشی حد سے متجاوز ہو گئی تو نوح علیہ السلام نے ان پر بددعا کر دی۔ انھوں نے اللہ سے کہا کہ اے میرے رب! میری قوم نے اپنے تمرد و سرکشی کے ذریعے سے مجھے مغلوب و عاجز بنا دیا ہے اور مجھے تبلیغ رسالت سے سختی سے روک دیا ہے، اب تو ہی ان سے نمٹ اور ان پر اپنا عذاب بھیج۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما لی اور کفار کو عذاب دینے کے لیے آسمان سے موسلا دھار بارش کے تمام دروازے کھول دیے اور زمین کے ہر گوشے سے اس طرح پانی ابل پڑا کہ گویا ساری زمین چشموں میں بدل گئی۔ دونوں جہت کا پانی قوم نوح کو ہلاک کرنے کے لیے اکٹھا ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ نوح علیہ السلام اس کشتی پر سوار ہو گئے جو انھوں نے اسی دن کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشادہ تختوں اور بڑی بڑی کیلوں کی مدد سے بنائی تھی۔ وہ کشتی طوفان میں اللہ کی حفظ و امان میں چلتی رہی اور یہ جو کچھ ہوا ناشکروں کو ان کے کفر کا بدلا دینے کے لیے ہوا۔ اس لیے کہ نوح علیہ السلام کی بعثت ان کے لیے اللہ کی ایک عظیم نعمت تھی جس کی انھیں قدر دانی کرنی چاہیے تھی، لیکن انھوں نے ناشکری کی تو اللہ نے نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا اور باقی پوری قوم کو طوفان کے ذریعے سے ہلاک کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کی ہلاکت کے قصے کو آنے والی نسلوں کے لیے ایک نشانِ عبرت بنا دیا، جس سے لوگوں کو نصیحت

حاصل کرنی چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ جب قوم نوح نے اللہ سے سرکشی کی تو عذاب الٰہی نے کیسے انھیں گرفت میں لے لیا، یہی حال دیگر کافر و مشرک قوموں کا بھی ہو سکتا ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت، سورۂ نوح کی روشنی میں

نوح علیہ السلام نے قوم کو دن رات دعوت توحید پہنچائی۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں۔ نظام کائنات میں غور و فکر کی دعوت دی مگر قوم نے دعوتِ حق قبول کرنے کے بجائے دشمنی کی راہ اختیار کی اور اپنے نبی کو سنگین دھمکیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوح میں اس کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ ہم ذیل میں اس پر چند گزارشات قلم بند کرتے ہیں۔

﴿ إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [نوح : ١]

”بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا، اس سے پہلے کہ ان پر ایک دردناک عذاب آ جائے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے نوح کو ان کی قوم پر رحم کرتے ہوئے رسول بنا کر مبعوث کیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو دعوتِ توحید دیں، شرک سے ڈرائیں اور انھیں بتائیں کہ اگر وہ شرک سے باز نہیں آئیں گے تو اللہ کا دردناک عذاب انھیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔

﴿ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ۝ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ [نوح : ٢ تا ٤]

”اس نے کہا اے میری قوم! بلاشبہ میں تمھیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ وہ تمھیں تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور ایک مقرر وقت تک تمھیں مہلت دے گا۔ یقیناً اللہ کا مقرر کردہ وقت جب آ جائے تو مؤخر نہیں کیا جاتا، کاش کہ تم جانتے ہوتے۔“

نوح علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی فوراً تعمیل کی اور اپنی قوم سے کہا کہ میں اللہ کی جانب سے تمھیں کفر و شرک سے پوری صراحت کے ساتھ ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں، میری دعوت واضح ہے اور اللہ کے عذاب سے تمھیں کیسے نجات ملے گی، وہ بھی میں تمھیں صراحت کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں۔

میری دعوت یہ ہے کہ تم سب صرف اللہ کی بندگی کرو۔ اس کی عبادت میں غیروں کو شریک نہ بناؤ اور ہر حال میں اس سے ڈرتے رہو۔ جس کام کا میں تمھیں حکم دیتا ہوں اور جس سے منع کرتا ہوں، ان سب میں میری اطاعت کرو۔ اگر تم میری دعوت قبول کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور تمھیں تمھاری مقرر عمر تک زندہ رہنے دے گا، یعنی عذاب دینے میں جلدی نہیں کرے گا۔ یاد رکھو کہ جب تمھارے عذاب کا وقت آ جائے گا تو اسے ٹالا نہیں

جا سکے گا۔ کاش! تم ان باتوں کو سمجھتے تو اللہ کی طرف رجوع کرتے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے اور اس سے مغفرت طلب کرتے۔

نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کا شکوہ کرنا

سیدنا نوح علیہ السلام کے اپنی قوم کو مسلسل دعوت دینے کے باوجود جب ان کی قوم نے دعوت حق کو قبول کرنے سے اعراض کیا تو سیدنا نوح علیہ السلام نے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا ۙ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْۤ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَ اِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾ [نوح : ۵ تا ۷]

”اس نے کہا اے میرے رب! بلاشبہ میں نے اپنی قوم کو رات اور دن بلایا۔ تو میرے بلانے نے دور بھاگنے کے سوا ان کو کسی چیز میں زیادہ نہیں کیا۔ اور بے شک میں نے جب بھی انھیں دعوت دی، تاکہ تو انھیں معاف کردے، انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ گئے اور تکبر کیا، بڑا تکبر کرنا۔“

نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ سیکڑوں برس کی تبلیغ کے باوجود جب چند اشخاص کے علاوہ کسی نے ایمان قبول نہ کیا اور نوح علیہ السلام ان سے ہر طرح سے مایوس ہو گئے تو تب انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ درخواست پیش کی۔ نوح علیہ السلام نے عرض کی، اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی، یعنی کوئی وقت نہیں چھوڑا جس میں دعوت نہ دی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے جتنا لمبا عرصہ مسلسل دعوت میں گزارا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، مگر ان کی قوم کی نفرت اور تکبر بڑھتا ہی گیا۔ وہ اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ڈال لیتے تاکہ حق کی آواز کہیں ان پر اثر انداز نہ ہو جائے اور اس دعوت سے شدید نفرت کی وجہ سے اپنے چہروں پر کپڑے ڈال لیتے تاکہ نوح علیہ السلام کی ان پر نگاہ نہ پڑے۔ انھوں نے محض عناد کی وجہ سے اپنے کفر و شرک پر اصرار کیا اور حق کا انکار کردیا اور یہی تکبر ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ ایک شخص نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! بے شک آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو (تو کیا یہ بھی تکبر ہے)؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، (یہ تکبر نہیں) تکبر تو حق بات کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔“ [مسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم الکبر وبیانه : ۹۱]

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت کی متنوع جہات

سیدنا نوح علیہ السلام نے اللہ سے عرض کی اے اللہ! میں نے ہر طریقے سے اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ میں نے انھیں اعلانیہ دعوت بھی دی ہے اور تنہائی میں بیٹھ کر بھی سمجھایا ہے۔ اسی طرح تجھ سے استغفار کرنے کے نتیجے میں ہونے والے انعامات کا تذکرہ بھی کیا ہے:

﴿ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾

[نوح : ۸ تا ۱۲]

''پھر بے شک میں نے انھیں بلند آواز سے دعوت دی۔ پھر بے شک میں نے انھیں کھلم کھلا دعوت دی اور میں نے انھیں چھپا کر دعوت دی، بہت چھپا کر۔ تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگ لو، یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر بہت برستی ہوئی بارش اتارے گا۔ اور وہ مالوں اور بیٹوں کے ساتھ تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں باغات عطا کرے گا اور تمھارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔''

میرے پروردگار! میں نے انھیں برملا توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا۔ میں نے ان کے ساتھ دعوت کے مختلف اسالیب اختیار کیے، کبھی سب کو اکٹھا کر کے اپنی دعوت کا اعلان کیا اور کبھی ایک ایک سے مل کر تنہائی میں ان کے سامنے اپنی دعوت رکھی اور ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے گزشتہ گناہوں کی صدق دل سے اپنے رب سے مغفرت طلب کرو۔ وہ اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور اپنے حضور توبہ کرنے والوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والا ہے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ تمھاری زمینوں پر خوب بارش برسائے گا۔ تمھاری کھیتیاں لہلہا اٹھیں گی۔ خوب اناج پیدا ہوگا اور تمھاری روزی میں خوب برکت ہوگی۔ وہ تمھارے مال اور اولاد میں برکت دے گا اور تمھیں باغات دے گا اور ان باغوں اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے نہریں جاری کر دے گا۔

خالق کی عظمت کا خیال نہ کرنے پر تعجب

سیدنا نوح علیہ السلام نے اللہ کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد قوم کو جھنجھوڑتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی، فرمایا:

﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا﴾ [نوح : ۱۳، ۱۴]

''تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت سے نہیں ڈرتے۔ حالانکہ یقیناً اس نے تمھیں مختلف حالتوں میں پیدا کیا۔''

نوح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی تمام نصیحتوں کا ان کی قوم پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑ رہا، تو اندازِ سخن بدلتے ہوئے کہا کہ تمھیں کیا ہے کہ اپنے بتوں کی عظمت تو تمھارے دل میں بہت ہے مگر تم اللہ کی عظمت کا عقیدہ نہیں رکھتے؟

حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دلائل خود تمھاری ذات میں موجود ہیں، اس نے تمھیں مختلف اطوار میں پیدا فرمایا ہے۔ پہلے مٹی، پھر نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں، پھر ان پر گوشت، پھر بہترین شکل وصورت کا انسان، جس کا ہر روز نئے سے نیا طور (انداز) ہوتا ہے، بچپن، جوانی، بڑھاپا، پھر موت، اتنے اطوار کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے!؟ اگر تم ایسے خالق کی عظمت کا خیال نہ کرو اور اس کے حضور پیش ہونے کو محال سمجھتے رہو تو کتنے تعجب کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر مزید دلائل

﴿ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴾ [نوح : ۱۵ تا ۲۰]

”اور اس نے ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنا دیا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کس طرح اللہ نے سات آسمانوں کو اوپر تلے پیدا فرمایا۔ اور اللہ نے تمھیں زمین سے اگایا، خاص طریقے سے اگانا۔ پھر دوبارہ وہ تمھیں اس میں لوٹائے گا اور تمھیں نکالے گا، خاص طریقے سے نکالنا۔ اور اللہ نے تمھارے لیے زمین کو ایک فرش بنا دیا۔ تاکہ تم اس کے کھلے راستوں پر چلو۔“

نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ارض وسما اور شمس وقمر کی تخلیق سے استدلال کرتے ہوئے کہا، لوگو! کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ماہتاب کو آسمانِ دنیا میں رکھا ہے، جس کی روشنی سے زمین روشن رہتی ہے، جبکہ آفتاب کو اہل زمین کے لیے چراغ کی حیثیت دی ہے، تاکہ لوگ دن کی روشنی میں حصول معاش کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے تمھیں زمین سے اگایا ہے، یعنی تمھاری اصل مٹی ہے۔ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے اور نطفہ بھی اس غذا سے تیار ہوتا ہے جو مٹی میں سے پیدا ہوتی ہے۔ تمھاری نشوونما ہوتی ہے، پھر مر جاتے ہو تو اسی میں دفن کر دیے جاتے ہو اور جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ تمھیں زندہ کر کے دوبارہ اسی مٹی سے باہر نکالے گا۔ نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے زمین کو فرش کی مانند برابر بنایا ہے تاکہ تم اس پر زندگی گزار سکو اور اس میں بنے ہوئے کشادہ راستوں پر بآسانی چل سکو۔ اگر اللہ زمین کو برابر نہ بناتا تو اس پر زندگی گزارنا ناممکن ہوتا، کھیتی باڑی کرنا، پودے لگانا، مکانات تعمیر کرنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا اور انسانی زندگی کے دیگر وسائل کو زیر استعمال لانا ناممکن ہوتا۔

نوح علیہ السلام کا اپنے رب کے پاس شکوہ

سیدنا نوح علیہ السلام کی تمام تر تدابیر کے باوجود جب قوم نے دعوت حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو نوح علیہ السلام اللہ کے سامنے شکوہ کناں ہوئے:

﴿ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَا لُهٗ وَ وَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴾
[نوح : ۲۱، ۲۲]

''نوح نے کہا اے میرے رب! بے شک انھوں نے میری بات نہیں مانی اور اس کے پیچھے چل پڑے جس کے مال اور اولاد نے خسارے کے سوا اس کو کسی چیز میں زیادہ نہیں کیا۔ اور انھوں نے خفیہ تدبیر کی، بہت بڑی خفیہ تدبیر۔''

یہ نوح علیہ السلام کی دوسری شکایت ہے کہ اے میرے رب! انھوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ان سرداروں اور مال داروں کے پیچھے لگ گئے جنھیں تو نے مال اور اولاد عطا فرمائی، مگر وہ مال و اولاد انھیں کوئی فائدہ پہنچانے کے بجائے ان کے لیے اور زیادہ خسارے کا باعث بن گئے، کیونکہ اس مال و اولاد کے غرور ہی کی وجہ سے انھوں نے حق کو ٹھکرایا اور اسی مال و اولاد کو اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کر کے قوم کو بہکایا اور یہی مال خرچ کر کے لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کافروں کو جتنا مال و اولاد یا نعمتیں ملیں درحقیقت ان کے لیے عذاب ہی کا سامان ہے، کیونکہ اس سے وہ مزید غفلت و سرکشی اختیار کر کے جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔

انھوں نے بہت ہی بڑی بڑی خفیہ تدبیریں کیں۔ "مَكْرًا" جنس ہے، اس سے صرف ایک ہی مکر مراد نہیں۔ یہ اسی قسم کے حربے تھے جو ہمیشہ کسی قوم کے چودھری اور مال دار لوگ اپنے اقتدار کی خاطر اہلِ حق کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ قرآن میں ان میں سے کئی حربے مذکور ہیں، مثلاً یہ کہ اگر نوح (علیہ السلام) اللہ کا نبی ہوتا تو فرشتہ ہوتا، یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے۔ اس کے پیروکار نیچ لوگ ہیں، اگر یہ رسول ہوتا تو اس کے پاس خزانے ہوتے۔ بڑے بڑے لوگ اس کے ساتھ ہوتے۔ یہ غیب جانتا ہوتا۔ یہ تو بس سرداری چاہتا ہے، یہ دیوانہ ہے وغیرہ۔

قوم نوح کے بت اور دنیا میں بت پرستی کا آغاز

سردارانِ قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی دعوت توحید پر لبیک کہنے کے بجائے اپنے عوام کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا۔ قرآن مجید ان کے اس کلام کو نقل کرتا ہے:

﴿ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴾ [نوح : ۲۳]

''اور انھوں نے کہا تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ کبھی وَدّ کو چھوڑنا اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔''

قوم کے ان سرغنوں نے عوام الناس کو شرک پر ابھارتے ہوئے کہا کہ جن معبودوں کی ہمارے اور آپ کے آباء

پرستش کرتے آئے ہیں، انھیں ہرگز نہ چھوڑو اور ان کی عبادت پر سختی کے ساتھ جمے رہو۔ تم لوگ اپنے معبودوں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو کسی حال میں فراموش نہ کرو۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جو بت سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم میں پوجے جاتے تھے، بعد میں انھی کی عرب کے ہاں عبادت ہونے لگی، چنانچہ ود، دومۃ الجندل میں بنوکلب کا بت تھا۔ سواع، بنو ہذیل کا اور یغوث مراد قبیلے کی شاخ بنوغطیف کا بت تھا جو وادیٔ جرف میں قوم سبا کے پاس رہتے تھے۔ یعوق، بنو ہمدان کا بت تھا اور نسر کی قوم حمیر عبادت کرتی تھی جو ذوالکلاع کی اولاد سے تھے۔ یہ پانچوں بت ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے قوم کے دلوں میں بات ڈالی کہ ان کی مجالس میں جن میں وہ بیٹھا کرتے تھے ان کے مجسمے نصب کر دو اور ان کے نام پر ان کے نام رکھ دو۔ انھوں نے ایسے ہی کیا اور ان کی عبادت نہیں کی جاتی تھی، یہاں تک کہ جب وہ نسل فوت ہو گئی اور علم مٹ گیا تو ان کی عبادت شروع ہو گئی۔ [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ وداً ولا سواعا ......الخ ﴾ : ٤٩٢٠]

رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کو شرک سے بچانے کے لیے ان دروازوں کو بھی بند کرنے کا حکم دیا جہاں سے شرک داخل ہو سکتا ہے۔ قبر پرستی کے فتنے کی ابتدا قبروں پر عمارتیں اور مسجدیں بنانے سے ہوتی ہے، جبکہ بت پرستی کی ابتدا تصویریں اور مجسمے بنانے سے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں چیزوں سے منع فرمایا اور اونچی قبروں کو دوسری قبروں کے برابر کر دینے اور ہر تصویر مٹا دینے کا حکم دیا۔ ابو الہیاج اسدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمھیں اس کام پر مقرر کر کے نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا؟ وہ یہ تھا کہ کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر اسے مٹا دو اور نہ کوئی اونچی قبر چھوڑو مگر اسے برابر کر دو۔ [مسلم، كتاب الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر : ٩٦٩]

نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کے لیے بد دعا

جب قوم نوح کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو نوح علیہ السلام نے ان کے خلاف بد دعا فرمائی:

﴿ وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۚ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴾ [نوح : ٢٤، ٢٥]

”اور بلاشبہ انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا اور تو ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھا۔ اپنے گناہوں ہی کی وجہ سے وہ غرق کیے گئے، پس آگ میں داخل کیے گئے، پھر انھوں نے اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی مدد کرنے والے نہ پائے۔“

یعنی ان مال داروں اور عیش پرستوں نے اپنی اس گمراہ کن دعوت کے ذریعے سے بہت سوں کو گمراہ کیا ہے۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی سرکشی اور ان کا کفر و شرک اللہ کے سامنے بیان کرنے کے بعد ان پر بد دعا بھیج دی اور کہا کہ اے میرے رب! اب تو ان ظالموں کو مزید گمراہ کر دے۔ اس لیے کہ صلاح وتقویٰ کی قابلیت ان کے اندر سے معدوم ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور ان کی قوم کو طوفان کے ذریعے سے ہلاک کر دیا۔ ان کا یہ انجام ان گناہوں کی وجہ سے ہوا جن کے انجام بد سے نوح علیہ السلام نے ان کو ڈرایا تھا، لیکن انھوں نے ان کی ایک نہ مانی۔ چنانچہ اللہ کے عذاب نے انھیں گھیر لیا اور سب کے سب ہلاک ہو کر ہمیشہ کے لیے جہنم رسید ہو گئے اور کوئی انھیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکا۔

سنتِ الٰہی کا اتمام اور کافروں پر بد دعا کا جواز

چونکہ قوم نوح کے سردار نوح کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے، اس لیے سیدنا نوح علیہ السلام نے ان کے خلاف ان الفاظ میں بد دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کی زندگی اب لوگوں کی گمراہی کا سبب ہے، اس لیے تو انھیں ہلاک کر دے:

﴿وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ [نوح: ٢٦، ٢٧]

”اور نوح نے کہا اے میرے رب! زمین پر ان کافروں میں سے کوئی رہنے والا نہ چھوڑ۔ بے شک تو اگر انھیں چھوڑے رکھے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور کسی نافرمان، سخت منکر کے سوا کسی کو نہیں جنیں گے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر کیا ہے جس کے سبب طوفان آیا اور تمام اہل کفر ہلاک ہو گئے۔ انھوں نے کہا، اے میرے رب! اب زمین پر کسی بھی کافر کو نہ رہنے دے، اس لیے کہ اگر تو انھیں چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور انھیں توحید کی راہ سے ہٹا کر شرک کی راہ پر لگا دیں گے، پھر ان کی نسل میں بھی کافر و فاجر لوگ ہی پیدا ہوں گے۔ نوح علیہ السلام نے یہ بات اپنی قوم کا طویل تجربہ کرنے کے بعد کہی تھی۔ انھیں ان کے اخلاق و کردار کی پوری خبر تھی اور یقین ہو گیا تھا کہ اب یہ قوم ہرگز نہیں سدھرے گی۔

اللہ کے مومن بندوں کے لیے نوح علیہ السلام کی دعا

سیدنا نوح علیہ السلام نے کافروں کی ہلاکت اور بربادی کی بد دعا کے ساتھ مومنوں کے لیے دعا بھی فرمائی:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا﴾ [نوح: ٢٨]

”اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اس کو جو مومن بن کر میرے گھر میں داخل ہو اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو اور ظالموں کو ہلاکت کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھا۔“

اس آیت میں نوح علیہ السلام کی اس دعائے مغفرت کا ذکر ہے جو انھوں نے اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے اور ان اہل ایمان کے لیے کی جو عذاب کی پیش گوئی سچ مان کر اس سے بچنے اور کشتی میں سوار ہونے کے لیے ان کے گھر جمع ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے پہلے تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی مغفرت کی دعا کی اور کافروں کے لیے مزید ہلاکت کی بددعا کی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کے والدین موحد تھے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک اور دعا بھی سکھائی ہے، جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے: ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [الحشر : ١٠] ”اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“

سیدنا نوح علیہ السلام کی وفات اور بیٹے کو وصیت

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک بدو آیا، اس نے سیجان (شام کے ایک شہر) کا بنا ہوا جبہ پہنا ہوا تھا۔ جس کو ریشم کے بنے ہوئے بٹن لگے ہوئے تھے۔ اس نے کہا: ”تم لوگوں کا ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) شہسواروں کی اولاد شہسواروں کو (جدی پشتی معزز لوگوں کو) ذلیل کر دینا چاہتا ہے اور گڈریوں کی اولاد گڈریوں کو بلند کر دینا چاہتا ہے۔“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جبہ، گریبان سے پکڑ کر فرمایا: ”میں تجھے بے عقلوں کا لباس پہنے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔“ پھر فرمایا: ”جب نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ”میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں۔ میں تجھے دو کام کرنے کا حکم دیتا ہوں اور دو کاموں سے منع کرتا ہوں۔ میں تجھے [لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ] اختیار کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں رکھ دی جائیں اور دوسرے پلڑے میں [لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ] رکھا جائے تو (لا الہ الا اللہ) والا پلڑا (زیادہ وزنی ہونے کی وجہ سے) جھک جائے گا۔ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک بند حلقہ بن جائیں تو (لا الہ الا اللہ) انھیں جدا جدا کر دے گا۔ اور میں تجھے [سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ] پڑھنے کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ یہ ہر مخلوق کی تسبیح ہے اور اسی کی برکت سے ہر مخلوق کو رزق ملتا ہے اور میں تجھے شرک اور تکبر سے منع کرتا ہوں۔“ میں نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول! اس شرک سے تو ہم واقف ہیں، لیکن تکبر کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ تکبر ہے کہ کسی کے جوتے اچھے ہوں، جن کے تسمے خوبصورت ہوں؟“ فرمایا: ”نہیں!“ میں نے کہا: ”کیا یہ تکبر ہے کہ کسی کے پاس حلہ (چادروں کا جوڑا) ہو اور وہ اسے پہن لے؟“ فرمایا: ”نہیں!“ میں نے کہا: ”یا یہ ہے کہ کسی کے پاس سواری کے لیے جانور ہو؟“ فرمایا: ”نہیں!“ میں نے کہا: ”یہ ہے کہ کسی کے دوست ہوں جو اس کے پاس بیٹھتے ہوں؟“ فرمایا: ”نہیں!“ میں نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول! پھر تکبر ہوتا کیا ہے؟ فرمایا: ”حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔“ [مسند أحمد : ۲/ ۱۷۰، ح : ٦٥٨٣]

04

سیدنا ہود علیہ السلام
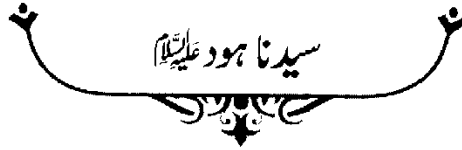
سیدنا ہود علیہ السلام کی بعثت

سیدنا ہود علیہ السلام قبیلہ ''عاد'' سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ ایک عربی قبیلہ تھا جن کی رہائش عمان اور حضر موت کے درمیان ریت کے ٹیلوں والے علاقے (احقاف) میں تھی۔ یہ علاقہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا۔ یہ لوگ زیادہ تر لمبے لمبے ستونوں والے خیموں میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مضبوط اور قوی اجسام سے نوازا تھا۔ سخت اور بلند و بالا پہاڑوں کو تراش کر خوبصورت محلات تعمیر کرنے میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا۔ ان کی زمینیں سرسبز و شاداب اور ہر قسم کے باغات سے آراستہ تھیں۔ ان کے اکثر قبائل عمان سے حضر موت اور یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کا مسکن یمن تھا جبکہ ان کی اکثر آبادی حضر موت اور یمن کے سواحل کے آس پاس تھی۔ طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلے قوم عاد نے جنھیں ''عاد اولیٰ'' بھی کہا جاتا ہے، بت پرستی اختیار کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر معبوث فرمایا۔ انھوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں سیدنا ہود علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا:

﴿ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾

[الأعراف : ٦٥ تا ٧٢]

''اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (بھیجا)، اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا

کوئی معبود نہیں، تو کیا تم نہیں ڈرتے؟ اس کی قوم میں سے ان سرداروں نے جنھوں نے کفر کیا، کہا بے شک ہم یقیناً تجھے ایک طرح کی بے وقوفی میں (مبتلا) دیکھ رہے ہیں اور بے شک ہم یقیناً تجھے جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔ اس نے کہا اے میری قوم! مجھ میں کوئی بے وقوفی نہیں اور لیکن میں سارے جہانوں کے رب کی طرف سے ایک رسول ہوں۔ میں تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمھارے لیے ایک امانت دار، خیر خواہ ہوں۔ اور کیا تم نے عجیب سمجھا کہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے تم میں سے ایک آدمی پر ایک نصیحت آئی، تاکہ وہ تمھیں ڈرائے اور یاد کرو جب اس نے تمھیں نوح کی قوم کے بعد جانشین بنایا اور تمھیں قد وقامت میں زیادہ پھیلاؤ دیا۔ سو اللہ کی نعمتیں یاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ انھوں نے کہا، کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اس اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور انھیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟ تو جس کی دھمکی تو ہمیں دیتا ہے وہ ہم پر لے آ، اگر تو سچوں میں سے ہے۔ اس نے کہا یقیناً تم پر تمھارے رب کی طرف سے ایک عذاب اور غضب آ پڑا ہے، کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، جن کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ تو انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے، اپنی رحمت سے نجات دی اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ایمان والے نہ تھے۔‘‘

ان آیات میں ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ لوگ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے۔ زبردست جسمانی قوت کے مالک تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ہود علیہ السلام اسی قوم کے ایک شریف خاندان سے تھے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی ہدایت کے لیے نبی بنا کر بھیجا تھا۔ لیکن جس طرح وہ لوگ جسمانی طور پر بڑے سخت تھے، اسی طرح ان کے دل بھی بہت سخت تھے۔ انھوں نے ہود علیہ السلام کو احمق اور بے وقوف قرار دیا اور جھوٹا بتایا اور ہزار کوششوں کے باوجود راہِ راست پر نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا۔ قرآن کریم میں کئی جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں طوفانی ہوا کے ذریعے ہلاک کیا تھا جو آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی تھی۔ وہ آندھی اس قدر تند و تیز تھی کہ جس چیز پر سے گزرتی اسے چورا کر ڈالتی، حتیٰ کہ اس نے انھیں پٹخ پٹخ کر ہلاک کر ڈالا، ان کی لاشیں اس طرح دکھائی دیتیں جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔

سیدنا ہود علیہ السلام نے قوم عاد کی اذیتوں پر صبر کیا اور انھیں بتایا کہ مجھ میں بے وقوفی نہیں بلکہ میں تو تمھارے لیے امانت دار اور خیر خواہ ہوں۔ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’دین خیر خواہی کرنے (کا نام) ہے۔‘‘ ہم نے پوچھا، کس کی خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا: ’’اللہ کی، اس کی کتاب کی،

اس کے رسول کی، مسلمانوں کے حکمرانوں کی اور عام مسلمانوں کی۔“ [مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة : ٥٥]

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔ [بخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ : الدين النصيحة : ٥٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة : ٥٦]

ان روایات سے پتا چلتا ہے کہ ہر مومن کو خیر خواہ ہونا چاہیے۔

تلخی کا جواب نرمی سے، بدتہذیبی کا جواب اخلاق سے

سیدنا ہود علیہ السلام نے قوم کی سرکشی، تلخی اور بدتہذیبی کا جواب اسی لہجے میں دینے کی بجائے ان کی ایذا دہی پر صبر کیا اور فقط اتنا کہا کہ تم تو محض جھوٹ باندھتے ہو۔

﴿ وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ [هود : ٥٠، ٥١]

”اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (بھیجا)۔ اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ تم تو محض جھوٹ باندھنے والے ہو۔ اے میری قوم! میں تم سے اس پر کسی مزدوری کا سوال نہیں کرتا، میری مزدوری اس کے سوا کسی پر نہیں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے؟“

اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی ہدایت کے لیے ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا تھا جو انھی میں سے تھے۔ یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ہود علیہ السلام نے ان سے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے اور تم جو اسے چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہو تو یہ بہت بڑی افترا پردازی ہے، اس لیے کہ اللہ نے تمھیں کبھی نہیں کہا کہ تم اللہ کے بجائے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرو اور اے میری قوم کے لوگو! اس دعوت و تبلیغ کے کام پر میں تم سے کوئی اجرت بھی نہیں مانگتا کہ تمھیں شبہ ہو کہ میں کسی دنیاوی غرض کی خاطر تمھیں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں۔ میرا اجر تو وہ اللہ دے گا جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا تمھیں اتنی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ میری بے لوث دعوت میری صداقت کی دلیل ہے۔

توبہ و استغفار کے فوائد و ثمرات

سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو مزید نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ۔

﴿ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴾ [ھود : ۵۲]

''اور اے میری قوم! اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف پلٹ آؤ، وہ تم پر بادل بھیجے گا، جو خوب برسنے والا ہوگا اور تمھیں تمھاری قوت کے ساتھ اور قوت زیادہ دے گا اور مجرم بنتے ہوئے منہ نہ موڑو۔''

دعوت توحید کے بعد ہود علیہ السلام نے انھیں اللہ کے حضور توبہ و استغفار کی دعوت دی اور کہا کہ اگر تم لوگ شرک سے توبہ کر لو گے اور اللہ کے دین پر عمل پیرا ہو جاؤ گے تو وہ تمھارے کھیتوں اور باغات کے لیے خوب بارش برسائے گا اور مال اور اولاد کے ذریعے تمھاری قوت میں مزید اضافہ کرے گا۔ یہ لوگ کھیتوں اور باغات والے تھے اور بڑی زبردست جسمانی قوت کے مالک تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں کثرت باراں اور قوت میں اضافے کا وعدہ کر کے ایمان کی ترغیب دلائی۔ اس کے بعد کہا کہ دیکھو! اگر تم لوگ میری دعوت سے اعراض کرو گے اور اپنے کفر پر اصرار کرو گے تو اللہ کی نگاہ میں تم بڑے مجرموں میں سے ہو جاؤ گے۔

سیدنا ہود علیہ السلام اور قوم عاد کی گفتگو

سیدنا ہود علیہ السلام نے بتوں کی پجاری قوم کو ہر طرح کے دلائل و براہین سے توحید کی دعوت دی اور انھیں ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت پر یکسو کرنے کی کوشش کی مگر بتوں کی پوجا میں غرق اور آباء و اجداد کے رسوم و رواج کی تقلید میں اندھی قوم نے طرح طرح کے دلائل سننے کے باوجود آپ کو جواب دیا:

﴿ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ [ھود : ۵۳ تا ۵۵]

''انھوں نے کہا اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آیا اور ہم اپنے معبودوں کو تیرے کہنے سے ہرگز چھوڑنے والے نہیں اور نہ کسی طرح تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تجھے کوئی آفت پہنچا دی ہے۔ اس نے کہا میں تو اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک بناتے ہو۔ اس کے سوا۔ سو تم سب میرے خلاف تدبیر کر لو، پھر مجھے مہلت نہ دو۔''

قوم ہود نے کبر و عناد کی وجہ سے تمام دلائل و براہین کا یکسر انکار کر دیا اور دانستہ جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ اے ہود! چونکہ تم اپنی صداقت پر اب تک کوئی دلیل نہیں پیش کر سکے، اس لیے ہم صرف تمھاری باتوں میں آ کر اپنے

معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے اور تم پر ایمان نہیں لا سکتے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تم ہمارے معبودوں کی عیب جوئی کرتے رہتے ہو، اسی لیے ہمارے کسی معبود نے تمھیں جنون میں مبتلا کر دیا ہے، جس کی وجہ سے تم ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ ہود علیہ السلام نے انھیں ایسا جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ان کافروں کی باتوں کی کوئی پروا نہیں کی اور کہا کہ ان کا اعتماد صرف اللہ پر ہے، وہی ان کی حفاظت کرے گا اور وہ سب مل کر بھی ان کا بال بیکا نہ کر سکیں گے۔ اس کے بعد کہا، میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم لوگ بھی گواہ رہو کہ میں تمھارے شرک سے بالکل بری ہوں۔ اب تم لوگ اپنی پوری طاقت لگا لو اور میرے خلاف جو سازش کرنا چاہو کرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔

سیدنا ہود علیہ السلام کا کمال توکل

سیدنا ہود علیہ السلام نے قوم کو کہا کہ میں اپنے رب پر توکل کرتا ہوں جو میرا بھی رب ہے اور آپ کا بھی۔

﴿إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

[هود : ٥٦]

''بے شک میں نے اللہ پر بھروسا کیا، جو میرا رب ہے اور تمھارا رب ہے۔ کوئی چلنے والا (جاندار) نہیں مگر وہ اس کی پیشانی کے بالوں کو پکڑے ہوئے ہے۔ بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے۔''

ہود علیہ السلام نے کہا کہ میں نے تو اس اللہ پر بھروسا کر لیا ہے جو میرا اور تمھارا رب ہے۔ اس لیے تم مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکو گے۔ زمین پر پائے جانے والے ہر ذی روح کا وہی مالک ہے۔ وہ ہر ایک پر قدرت رکھتا ہے، جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے۔ میرا رب اپنے ملک و سلطنت میں بڑے عدل و انصاف کے ساتھ تصرف کرتا ہے اور میں نے اس کی جناب میں پناہ لے لی ہے۔ وہ ظلم کو گوارا نہیں کرتا ہے اور تم ظالم ہو، اس لیے وہ تمھیں مجھ پر غالب نہیں ہونے دے گا۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرعی عقیدے اور شرعی احکام میں تمھیں اختیار دیا ہے کہ مانو گے تو انعام پاؤ گے، نہ مانو گے تو مارے جاؤ گے۔ اس پر تم اکڑ گئے اور اپنے آپ کو ہر طرح مرضی کا مالک سمجھ لیا۔ سب سے پہلے تو شرعی احکام پر عمل میں اختیار دینے والے مالک کی غداری کر کے اس کی مخلوق کو اس کے شریک بنا بیٹھے، پھر اس کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی۔ اس کے رسول کو جھٹلایا۔ یہ نہ سوچا کہ تھوڑا سا اختیار رکھنے کے باوجود صرف تم ہی نہیں بلکہ پوری مخلوق مکمل طور پر اس کی گرفت میں ہے اور اس کی پیشانی کے بال اس نے پکڑ رکھے ہیں۔ وہ اس کی مرضی کے بغیر ہل بھی نہیں سکتے۔ اب تم جس طرح شرعی احکام میں اپنا اختیار غلط استعمال کرتے ہوئے اکڑ کر کہتے ہو، ہم اللہ کو نہیں مانتے، ہمارا داتا فلاں اور دستگیر فلاں ہے، ہم رسول کو نہیں مانتے، ہمارا سائیں مرشد فلاں ہے، اگر واقعی تم ایسے ہی آزاد ہو تو

ان احکام پر بھی اکڑ کر دکھاؤ جن میں وہ ”کُنْ“ کہتا ہے تو وہ فوراً واقع ہو جاتے ہیں۔ جب بیمار ہوتے ہو تو یہ کہہ کر دکھاؤ کہ کوئی ہمیں بیمار نہیں کر سکتا، کوئی ہمیں بوڑھا نہیں کر سکتا، کوئی ہمارے بال سفید نہیں کر سکتا۔ اگر تم اور تمھارے خدا ایسے ہی زبردست ہیں تو اللہ کے حکم سے دل کی حرکت رکنے پر اسے چالو کر کے دکھاؤ۔ اسی طرح موت کے وقت بھی اکڑ جاؤ کہ جاؤ ہم نہیں مرتے۔ یا تمھارے شریک کہیں ہم اپنے بندے کو مرنے نہیں دیں گے۔ معلوم ہوا کہ تم اس تھوڑے سے اختیار کے باوجود مکمل طور پر میرے رب کے مکمل قبضے میں ہو، پھر جب خود اس نے مجھے بھیجا ہے اور وہ میرا پشت پناہ ہے اور اسی پر میرا بھروسا ہے، تو مجھے تمھارا کیا ڈر ہے، جاؤ جو مرضی کر لو۔

سیدنا ہود علیہ السلام کی قوم کو وارننگ

سیدنا ہود علیہ السلام نے جب ہر طرح سے تبلیغ کر کے دیکھ لیا اور قوم نے توحید کو قبول نہ کیا تو ہود علیہ السلام نے انھیں وارننگ دیتے ہوئے کہا:

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ﴾ [هود : ٥٧]

”پھر اگر تم پھر جاؤ تو بلاشبہ میں تمھیں وہ پیغام پہنچا چکا جسے دے کر مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا ہے۔ اور میرا رب تمھارے سوا کسی اور قوم کو تمھاری جگہ لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نقصان نہ کرو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر اچھی طرح نگہبان ہے۔“

ہود علیہ السلام نے ان سے مزید کہا کہ میں نے تمھیں دعوت توحید پہنچا دی ہے، اس لیے اگر تم لوگوں نے اعراض سے کام لیا تو اب تمھارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ تمھیں ہلاک کر دے گا اور کسی دوسری قوم کو لائے گا جو تمھاری اراضی اور اموال کی مالک بن جائے گی اور تمھارے کفر و عناد یا تمھاری ہلاکت سے اللہ کی سلطنت یا حکومت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ جو کچھ نقصان ہوگا تمھارا ہوگا اور میرا رب تو ہر چیز کی نگرانی کر رہا ہے۔ کوئی بھی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں ہے۔ اس لیے تمھارے سارے اعمال اس کی نگاہ میں ہیں اور وہ تمھیں ان کی سزا ضرور دے گا۔

قوم عاد کی تباہی اور مومنوں کی نجات

قوم عاد کی اس سرکشی پر آخر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیج دیا جس سے نافرمان ہلاک ہو گئے اور اہل ایمان کو اللہ نے اپنی رحمت سے نجات دے دی۔

﴿وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَ تِلْكَ عَادٌ ۟ۙ

جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴾ [هود : ۵۸ تا ۶۰]

”اور جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ہمراہ ایمان لائے تھے، اپنی طرف سے عظیم رحمت کے ساتھ نجات دی اور انھیں ایک بہت سخت عذاب سے بچالیا۔ اور یہ عاد تھے جنھوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر زبردست جابر، سخت عناد والے کے حکم کی پیروی کی۔ اور ان کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ سن لو! بے شک عاد نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سن لو! عاد کے لیے ہلاکت ہے، جو ہود کی قوم تھی۔“

اللہ کا عذاب ایک ایسی شدید اور خوفناک آندھی کی شکل میں آیا جس میں کوئی خیر نہیں تھی، جو سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور تمام کفار ہلاک ہو گئے۔ اللہ نے ہود علیہ السلام اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو بچا لیا اور انھیں قیامت کے دن عذاب جہنم سے بھی نجات دے گا۔ اگلی آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ قومِ عاد کے نام سے جانے جاتے تھے۔ انھوں نے اللہ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کیا تھا اور آفاق میں موجود ان نشانیوں کا انکار کر دیا تھا جو اللہ کی وحدانیت پر دلیل تھیں اور مشرکانہ اعمال میں اپنے ان متکبر سرداروں کی پیروی کی تھی جو اللہ کے بندوں کو رسولوں کی تکذیب پر ابھارتے تھے۔ چونکہ انھوں نے اپنے متکبر و مغرور سرداروں کی پیروی میں کفر و شرک کی راہ اختیار کی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بطور سزا ان پر اس دنیا میں لعنت بھیج دی اور آخرت میں بھی دائمی لعنت کے طور پر جہنم کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ گویا لعنت اور اللہ کی رحمت سے دوری ان کے لیے ہر حال میں لازم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیج دینے کا سبب بیان کرتے ہوئے دوبارہ فرمایا کہ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ انھوں نے اپنے رب کا انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمیشہ کے لیے ہلاکت و بربادی بھیج دی۔ یہ آیت خبر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قومِ عاد سے بہت زیادہ غضبناک تھا اور ان سے اس کی نفرت شدید تھی۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ ظالم کو مہلت دیتا ہے، لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر ہلاک کر دیتا ہے صحیح بخاری کی روایت ہے، سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ عزوجل ظالم کو مہلت دیتا ہے (اس کی باگ ڈھیلی کرتا ہے، تاکہ وہ خوب نافرمانی کر لے اور عذاب کا مستحق ہو جائے) پھر جب پکڑتا ہے تو اس کو نہیں چھوڑتا۔“ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله : ﴿ و كذلك أخذ ربك إذا أخذ القرى ﴾ : ٤٦٨٦۔ مسلم، كتاب البر و الصلة، باب تحريم الظلم : ٢٥٨٣]

عاد یا ثمود کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اس نے قوم نوح کے بعد ایک اور جماعت پیدا فرما دی ایک قول کے مطابق اس جماعت سے مراد قوم عاد ہے کیونکہ قوم نوح کے بعد یہی لوگ تھے اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد قوم ثمود ہے، کیونکہ انھیں ہی اللہ تعالیٰ نے چنگھاڑ کے ساتھ پکڑا تھا۔

﴿ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَ لَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [المؤمنون : ۳۱ تا ۴۱]

’’پھر ان کے بعد ہم نے اور زمانے کے لوگ پیدا کیے۔ پھر ان میں انھی سے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ اور اس کی قوم میں سے ان سرداروں نے جنھوں نے کفر کیا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے انھیں دنیا کی زندگی میں خوشحال رکھا تھا، کہا یہ نہیں ہے مگر تمھارے جیسا ایک بشر، جو اس میں سے کھاتا ہے جس میں سے تم کھاتے ہو اور اس میں سے پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اور بلاشبہ اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کا کہنا مان لیا تو یقیناً تم اس وقت ضرور خسارہ اٹھانے والے ہو گے۔ کیا یہ تمھیں وعدہ دیتا ہے کہ بے شک جب تم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں بن گئے تو تم یقیناً نکالے جانے والے ہو۔ دوری ہے، دوری ہے اس کے لیے جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔ نہیں ہے یہ (زندگی) مگر ہماری اس دنیا کی زندگی، ہم (یہیں) مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں۔ یہ نہیں ہے مگر ایک آدمی، جس نے اللہ پر ایک جھوٹ گھڑ لیا ہے اور ہم ہرگز اسے ماننے والے نہیں ہیں۔ اس نے کہا اے میرے رب! میری مدد کر، اس کے بدلے کہ انھوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ فرمایا بہت تھوڑی مدت ہی میں یہ ضرور پشیمان ہو جائیں گے۔ تو انھیں چیخ نے حق کے ساتھ آ پکڑا۔ پس ہم نے انھیں کوڑا کرکٹ بنا دیا۔ سو ظالم لوگوں کے لیے دوری ہو۔‘‘

’’ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ‘‘ سے مراد قوم عاد یا قوم ثمود ہے، اس لیے کہ یہاں بتایا گیا ہے کہ اس قوم کو چیخ کے ذریعے سے

ہلاک کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے انھی کے ایک فرد کو اپنا رسول بنا کر ان کے پاس بھیجا، جس نے انھیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی، اس لیے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور کہا کہ تم جو اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہو تو کیا تمھیں ڈر نہیں لگتا کہ اس کا غضب تم پر نازل ہو جائے؟ تو سردارانِ قوم، جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور روز محشر میں اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا انکار کیا تھا اور جو دنیا کے ناز ونعم میں مست تھے، انھوں نے کہا کہ یہ (ہود یا صالح) تو تمھارے ہی جیسا ایک انسان ہے، تمھاری ہی طرح کھاتا پیتا ہے، پھر تم لوگ کیسے راضی ہو جاؤ گے کہ وہ تمھارا سردار بن بیٹھے؟ اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت قبول کر لی تو اپنی عزت کھو بیٹھو گے اور بڑے خسارے میں رہو گے۔ پھر انھوں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا، اس کی یہ بات کتنی تعجب خیز ہے کہ جب تم لوگ مر کر مٹی بن جاؤ گے اور صرف تمھاری ہڈیاں رہ جائیں گی تو دوبارہ تمھیں زندہ کیا جائے گا۔ یہ بڑی انہونی اور بعید از عقل بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیاوی زندگی جب ختم ہو جائے گی تو ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ آدمی اللہ کے بارے میں جھوٹ بول رہا ہے کہ اللہ تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا اور تمھارے اعمال کا حساب لے کر تمھیں جزا وسزا دے گا۔ اس لیے ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ جب انھوں نے اپنے پیغمبر کی کھلے عام تکذیب کر دی، اپنے کفر کا اعلان کر دیا اور اللہ کے نبی ان کی جانب سے بالکل ناامید ہو گئے تو بالآخر انھوں نے اپنے رب سے مدد مانگی اور کہا، اے میرے رب! اب تو میری مدد فرما اور ان کی جانب سے مسلسل میری تکذیب کی وجہ سے انھیں ہلاک فرما۔ اللہ نے ان سے کہا کہ کچھ ہی عرصے کے بعد یہ لوگ اپنے کفر وسرکشی پر نادم ہوں گے۔ چنانچہ ایک روح فرسا چیخ نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا جس کے وہ حق دار تھے۔ وہ سیلاب کے کیڑے مکوڑوں کی مانند حقیر ترین شے بن گئے اور ظالموں کا ان کے کفر وعناد اور اللہ کے رسول کی مخالفت کی وجہ سے ایسا صفایا ہو گیا کہ دنیا ان کے بدترین وجود ہی سے پاک ہو گئی۔

سورۂ شعراء میں سیدنا ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ

﴿كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعراء: ۱۲۳ تا ۱۲۷]

”عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بے شک میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں اس پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، میری اجرت تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول ہود علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے بھی اپنی قوم عاد کو دعوت دی،

آپ کی قوم سرزمین احقاف میں رہتی تھی۔ احقاف حضرموت کے قریب بلاد یمن سے ملے ہوئے ریت کے پہاڑ تھے۔ ان کا زمانہ قوم نوح کے بعد ہے۔ قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی تکذیب کر کے گویا تمام انبیاء کی تکذیب کر دی۔ اس لیے کہ سب کی دعوت ایک تھی۔ ان کے بھائی ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کہ کیا تمھیں اللہ کے عذاب کا ڈر نہیں کہ اس کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہو اور معاصی کا ارتکاب کرتے ہو؟ مجھے اللہ نے تمھارے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تا کہ اس کا دین تم کو پہنچا دوں اور میں اس بارے میں پورے طور پر امانت دار ہوں۔ اپنی طرف سے کچھ گھٹاتا بڑھاتا نہیں ہوں۔ اس لیے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو اور دیکھو! میں دعوت وتبلیغ کے کام کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ مجھے اپنے اجر وثواب کی امید رب العالمین سے ہے۔ اس لیے کہ اسی نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اسی نے مجھے یہ ذمہ داری سونپی ہے۔

لاحاصل کاموں سے بچنے کی نصیحت

سیدنا ہود علیہ السلام نے پہلے تو قوم کو اللہ پر ایمان، تقویٰ اور اطاعت کا درس دیا۔ اس کے بعد بے فائدہ اور لاحاصل کاموں سے بچنے کی نصیحت کی۔

﴿ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَ اتَّقُوا الَّذِيْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ۝ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ [الشعراء : ١٢٨ تا ١٣٥]

”کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار بناتے ہو؟ اس حال میں کہ لاحاصل کام کرتے ہو۔ اور بڑی بڑی عمارتیں بناتے ہو، شاید کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم پکڑتے ہو تو بہت بے رحم ہو کر پکڑتے ہو۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمھاری مدد کی جنھیں تم جانتے ہو۔ اس نے چوپاؤں اور بیٹوں کے ساتھ تمھاری مدد کی۔ اور باغوں اور چشموں کے ساتھ۔ یقیناً میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔“

ہود علیہ السلام نے نصیحت جاری رکھتے ہوئے کہا، تم آخرت سے کتنے غافل اور دنیا میں کس قدر منہمک ہو گئے ہو کہ آپس میں فخر ومباہات اور محض لہو ولعب کی نیت سے ہر اونچی جگہ اونچے اونچے مکانات اور محلات تعمیر کرتے ہو۔ وقت، قوتِ جسمانی اور اپنی دولت کا زیاں کرتے ہو۔ تمھاری کوتاہ بینی کا یہ حال ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہو۔ اسی لیے تو اونچے اونچے مکانات ومحلات بناتے ہو اور دل میں ہیشگی کی زندگی کی امید لگا کر فکر آخرت اور اپنے انجام سے بالکل غافل ہو۔ تمھارے دل کی سختی کا یہ عالم ہے کہ دوسروں پر بے رحم ظالموں اور جابروں کی طرح چڑھ دوڑتے ہو۔ کمزوروں اور ناتوانوں پر تمھیں رحم کرنا نہیں آتا۔ اس لیے اگر تم دنیا وآخرت کی بھلائی چاہتے ہو تو ان قبیح اور برے

اوصاف سے اپنے آپ کو پاک کرو۔ ظلم و بربریت، تمرد و سرکشی اور کبر و غرور سے تائب ہو جاؤ۔ اللہ کی گرفت سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اس اللہ سے ڈرو جس نے تمھیں وہ سب کچھ دیا ہے جس کا تمھیں علم ہے۔ اس نے تمھیں اونٹ، گائے اور بکریاں دی ہیں، اولاد عطا کی ہے، باغات دیے ہیں اور پانی کے چشمے دیے ہیں جن کا پانی پیتے ہو، اس سے طہارت حاصل کرتے ہو اور اپنے کھیتوں کو سیراب کرتے ہو۔ اے میری قوم کے لوگو! واقعہ یہ ہے کہ تمھارے شرک و معاصی کی وجہ سے میں تمھارے بارے میں دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ دنیا میں وہ لوگ ہلاک کر دیے گئے اور آخرت کا عذاب ان کا انتظار کر رہا ہے۔

قوم ہود کا جواب اور ان پر عذاب

سیدنا ہود علیہ السلام کی ان نصیحتوں پر قوم نے اطاعت کی بجائے سرکشی کا راستہ اختیار کیا اور بالآخر عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔

﴿ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾

[الشعراء : ١٣٦ تا ١٤٠]

”انھوں نے کہا ہم پر برابر ہے کہ تو نصیحت کرے، یا نصیحت کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ نہیں ہے یہ مگر پہلے لوگوں کی عادت۔ اور ہم قطعاً عذاب دیے جانے والے نہیں۔ پس انھوں نے اسے جھٹلا دیا تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا، بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور بلاشبہ تیرا رب، یقیناً وہی سب پر غالب، نہایت رحم والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ہود علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو ڈرایا، ترغیب و ترہیب کے ساتھ ہر طرح سمجھایا اور ان کے سامنے حق کو بالکل واضح اور نمایاں کر دیا تو انھوں نے ہود علیہ السلام کو جواب دیا کہ تم ہمیں چاہے نصیحت کرو یا نہ کرو، ہم اپنے دین و مذہب سے پھرنے والے نہیں ہیں۔ بتوں کی پرستش کرنا، اونچے مکانات بنانا اور ہماری دوسری عادتیں، ہمیں اپنے آبا و اجداد سے ملی ہیں۔ ان کی وجہ سے ہم پر کوئی عذاب نہیں اترے گا اور مرنے کے بعد دوسری زندگی کا ہم تصور کرنے سے عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی تکذیب، مخالفت اور دشمنی کو جاری رکھا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا۔ بے شک ان کی اس پوری کہانی میں مشرکین مکہ کے لیے درس عبرت ہے کہ اگر وہ بھی اپنے کفر پر مصر رہے اور نبی آخر الزماں کی تکذیب کرتے رہے تو کہیں ان کا انجام بھی قوم عاد جیسا نہ ہو۔ آخری آیت میں فرمایا کہ اللہ ہر حال میں غالب ہے، اسی لیے اس نے ظالموں کو پکڑ لیا اور انھیں دردناک عذاب کے ذریعے سے

ہلاک کر دیا۔ وہ چونکہ مہربان بھی ہے، اس لیے اس عذاب سے اپنے نیک بندوں کو نجات دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو پانی کے ذریعے سے عذاب دیا اور جن لوگوں کو اپنی قوت و طاقت کا بہت زعم تھا، اللہ تعالیٰ نے انھیں ہوا کے ذریعے سے عذاب دیا جو پانی سے کہیں بڑھ کر قوت و طاقت رکھتی ہے۔ یہ عذاب آندھی کی صورت میں تھا جو سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل ان پر چلی اور اس نے ان کی ہر چیز کو تباہ کر ڈالا۔

سورۂ فجر میں قوم عاد کی تباہی و بربادی کا ذکر

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴾ [الفجر : ٦ تا ٨]

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کس طرح کیا۔ (وہ عاد) جو ارم (قبیلہ کے لوگ) تھے، ستونوں والے۔ وہ کہ ان جیسا کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔''

ان آیات میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ کیا آپ نے قرآن کریم میں مذکور تاریخی جھروکوں سے جھانک کر نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قومِ عاد کا کیا حال بنایا، جن کا لقب ''ارم'' تھا؟ ان لوگوں کے جسم بہت لمبے چوڑے ہوتے تھے اور انھیں اللہ تعالیٰ نے بڑا قوی اور تنومند بنایا تھا۔ وہ لوگ جسمانی قوت و جبروت میں دوسری قوموں سے بہت بڑھے ہوئے تھے اور عزت و شرف میں بھی اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے تھے، اس لیے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جب ہود علیہ السلام کو ان کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا تو انھوں نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور کفر کی راہ اختیار کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت ہی تند و تیز آندھی سے ان کو ہلاک کر دیا۔

سورۂ احقاف میں قوم عاد کا قصہ

﴿ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴾

[الأحقاف : ٢١ تا ٢٣]

''اور عاد کے بھائی کو یاد کر جب اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا، جب کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کئی ڈرانے والے گزر چکے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، بے شک میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ انھوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دے، سو ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے، اگر تو سچوں سے ہے۔ اس نے کہا یہ علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تمھیں وہ پیغام پہنچاتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور لیکن میں تمھیں ایسے لوگ دیکھتا ہوں کہ تم

جہالت برتتے ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اہل قریش کو ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ سنا دیجیے تا کہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ ہود علیہ السلام نے انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور کہا کہ لوگو! اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، اگر تم نے میری بات نہ مانی تو مجھے ڈر ہے کہ ایک بڑے ہی خطرناک دن کا عذاب تمھیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔قوم عاد نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور ان سے کہا، کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں کی عبادت سے روکو تو سن لو کہ ہم تمھاری بات نہیں مانیں گے اور تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ ہم پر اللہ کا عذاب ٹوٹ پڑے گا تو وہ کر دکھاؤ۔ ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ وہ عذاب آ کر رہے گا، لیکن اس کا وقت مجھے معلوم نہیں ہے۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ میرا کام تو صرف پیغام رسانی ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ تم صریح جاہل اور نادان لوگ ہو۔ ہود علیہ السلام کی قوم کی پہلی نادانی تو یہ تھی کہ وہ عذاب کی جلدی کر رہے تھے، حالانکہ عذاب کا مؤخر ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مہلت کے زمانہ میں قوم کے لوگ ایمان لے آئیں اور عذاب سے بچ جائیں۔

عذاب کی آمد اور قوم عاد کا ردّ یہ

﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ [الأحقاف : ٢٤، ٢٥]

"تو جب انھوں نے اسے ایک بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کا رخ کیے ہوئے دیکھا تو انھوں نے کہا یہ بادل ہے جو ہم پر مینہ برسانے والا ہے۔ بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جو تم نے جلدی مانگا تھا، آندھی ہے، جس میں دردناک عذاب ہے۔ جو ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے برباد کر دے گی، پس وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے رہنے کی جگہوں کے سوا کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی، اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو بدلہ دیتے ہیں۔"

قوم عاد نے جب افق آسمان پر ایک بادل کو پھیلا دیکھا جو ان کی وادیوں کی طرف آ رہا تھا اور جو درحقیقت عذاب الٰہی تھا، تو دل کے اندھے خوشی سے کہنے لگے کہ یہ برسنے والا بادل ہے۔ ہود علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کی تمھیں جلدی تھی، یہ ایک تیز ہوا ہے جو اپنے اندر دردناک عذاب لیے ہوئے ہے۔ یہ ہوا اپنے رب کے حکم سے تمھاری جان اور مال ہر چیز کو تباہ کر دے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس آندھی نے تمام کافروں کو ہلاک کر دیا، صرف ہود علیہ السلام اور ان کے مسلمان ساتھی بچ گئے اور قوم عاد کے خالی اور ویران مکانات پیچھے رہ گئے۔ آخر میں فرمایا کہ یہ انجامِ بد قوم عاد ہی

کے ساتھ خاص نہیں تھا، بلکہ جو لوگ بھی کفر و معاصی کا ارتکاب کریں گے اور سرکشی کی راہ اختیار کریں گے۔ ان کا بھی ایسا ہی انجام ہوگا۔

حدیث مبارکہ میں قوم عاد کی ہوا کے ذریعے تباہی کی خبر موجود ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے مشرق سے آنے والی ہوا سے مدد دی گئی اور عاد کو مغرب سے آنے والی ہوا سے ہلاک کیا گیا۔'' [بخاري، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في قوله : (و هو الذي يرسل الرياح نشرًا بين ......) : ۳۲۰۵]

قومِ عاد آندھی والے بادلوں کو بارش برسانے والے سمجھتے رہے، حالانکہ وہ ان پر آنے والا عذاب تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل اٹھتے یا ہوا تیز چلتی تو پریشان ہو جاتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ مجھے آپ کا تالو میں لٹکا ہوا گوشت کا ٹکڑا نظر آ جائے، آپ صرف مسکراتے تھے۔'' فرماتی ہیں: ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل یا ہوا دیکھتے تو وہ آپ کے چہرے میں پہچانی جاتی۔'' انھوں نے کہا: ''یا رسول اللہ! لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں، اس امید پر کہ اس میں بارش ہوگی اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ جب اسے دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرے میں ناگواری پہچانی جاتی ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! مجھے اس سے کیا چیز بے خوف کرتی ہے کہ اس میں کوئی عذاب ہو؟ ایک قوم کو آندھی کے ساتھ عذاب دیا گیا اور ایک قوم نے عذاب دیکھا تو کہنے لگے: ﴿ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ﴾ ''یہ بادل ہم پر بارش برسانے والا ہے۔'' [بخاري، التفسير، تفسير سورة الأحقاف : ۴۸۲۸، ۴۸۲۹]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں: ''جب ہوا اور بادل والا دن ہوتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں پہچانا جاتا اور آپ (بے چینی کے عالم میں) کبھی اندر آتے کبھی باہر جاتے، جب بارش برسنے لگتی تو خوش ہو جاتے اور آپ کی وہ کیفیت ختم ہو جاتی۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، میں نے آپ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ڈرتا ہوں کہیں وہ عذاب نہ ہو جو میری امت پر مسلط کیا گیا ہو۔'' اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارش کو دیکھتے تو کہتے: ''(یا اللہ! اسے) رحمت (بنا)۔'' [مسلم، صلاة الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤية الريح...... : ۸۹۹]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان پر ابر دیکھتے تو (پریشانی کے عالم میں) ادھر ادھر چکر لگاتے، کبھی اندر آتے، کبھی باہر جاتے اور آپ کے چہرے کی رنگت بدل جاتی، پھر جب بارش ہونے لگتی تو آپ کی وہ کیفیت دور ہو جاتی۔ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات پہچان کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: ''میں نہیں جانتا، ممکن ہے کہ یہ (بادل بھی ویسا ہی ہو) جس کے بارے میں) قوم عاد نے کہا تھا: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [الأحقاف : ۲۴]

''تو جب انھوں نے اسے ایک بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کا رخ کیے ہوئے دیکھا تو انھوں نے کہا یہ بادل ہے جو ہم پر مینہ برسانے والا ہے۔ بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جو تم نے جلدی مانگا تھا، آندھی ہے، جس میں دردناک عذاب ہے۔'' [بخاري، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في قوله : (وهو الذي يرسل الرياح نشرًا بين يدي رحمته) : ٣٢٠٦۔ مسلم، كتاب صلاة الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤية الريح ...... الخ : ٨٩٩]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کبھی آسمان کے کناروں میں سے کسی کنارے سے ابر اٹھتا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے، اگرچہ آپ (نفل) نماز پڑھ رہے ہوتے (وہ بھی چھوڑ دیتے) اور یہ دعا پڑھتے: « اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ » ''اے اللہ! میں تجھ سے اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے۔'' پھر اگر بادل چھٹ جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے: « اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا » ''اے اللہ! اس بارش کو فائدہ مند بنا دے۔'' [مسند أحمد : ١٩٠/٦، ح : ٢٥٦٢٥]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہوائیں چلتیں تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے: « اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَ خَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ وَ أُعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيْهَا وَ شَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ » ''اے اللہ! میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔'' [مسلم، كتاب صلوة الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤية الريح والغيم والفرح بالمطر : ٨٩٩/١٥]

مغرور قوم کا انجام سورۂ حم السجدہ کی روشنی میں

﴿ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴾ [حٰمٓ السجدة : ١٥]

''پھر جو عاد تھے وہ زمین میں کسی حق کے بغیر بڑے بن بیٹھے اور انھوں نے کہا ہم سے قوت میں کون زیادہ سخت ہے؟ اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ اللہ جس نے انھیں پیدا کیا، قوت میں ان سے کہیں زیادہ سخت ہے اور وہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔''

قوم عاد نے اللہ کی سرزمین پر ناحق تکبر اور سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اپنی جسمانی قوت اور مادی طاقت کے نشے میں ہود علیہ السلام کی دعوت کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ کون ہے ہم سے زیادہ طاقت ور؟ ہم سب کو دیکھ لیں گے۔ وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہو گئے کہ وہ اپنی طاقت کے ذریعے سے اللہ کے عذاب کو بھی روک لیں گے۔ چونکہ ان کے رویے میں اللہ کے خلاف ایک قسم کا چیلنج تھا، اسی لیے اللہ نے اپنی طاقت کا ذکر کیا اور کہا کہ جس نے انھیں پیدا کیا ہے وہ یقیناً ان سے زیادہ طاقت ور ہے۔ اس نے جب انسان کو پیدا کیا تو وہ بے حد کمزور تھا، پھر اللہ نے اسے آہستہ آہستہ قوی اور

تنومند بنایا، پھر اللہ کے مقابلے میں وہ اپنی طاقت پر کیوں نازاں ہیں اور کیسے ان معجزات کا انکار کرتے ہیں جنھیں ہود علیہ السلام ان کے سامنے پیش کرتے ہیں؟

بادِ صرصر اور نحوست کے ایام

﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَ هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴾ [حٰمٓ السجدة : ١٦]

''تو ہم نے ان پر ایک سخت تند ہوا چند منحوس دنوں میں بھیجی، تاکہ ہم انھیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھائیں اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔''

یعنی جب وہ اپنے کفر و سرکشی سے باز نہیں آئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کرنے کے لیے ان پر ایک تیز اور ٹھنڈی ہوا کو مسلط کر دیا، جو سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلسل چلتی رہی۔ اس ہوا نے ان میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ یہ ان کے لیے بڑے ہی برے دن ثابت ہوئے۔ اس عذاب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں رسوا کیا اور آخرت میں جو عذاب انھیں دیا جائے گا وہ بہت ہی رسوا کن ہوگا اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوگا۔

آندھی کا عذاب

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴾ [الحاقة : ٤ تا ٨]

''ثمود اور عاد نے اس کھٹکھٹانے والی (قیامت) کو جھٹلا دیا۔ سو جو ثمود تھے وہ حد سے بڑھی ہوئی (آواز) کے ساتھ ہلاک کر دیے گئے۔ اور جو عاد تھے وہ سخت ٹھنڈی، تند آندھی کے ساتھ ہلاک کر دیے گئے، جو قابو سے باہر ہونے والی تھی۔ اس نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلائے رکھا۔ سو تو ان لوگوں کو اس میں اس طرح (زمین پر) گرے ہوئے دیکھے گا جیسے وہ کھجوروں کے گرے ہوئے تنے ہوں۔ تو کیا تو ان کا کوئی بھی باقی رہنے والا دیکھتا ہے؟''

کفار قریش کی طرح قوم ثمود اور قوم عاد نے بھی روزِ قیامت کو جھٹلایا تو قوم ثمود کے لوگ ایک شدید ترین چیخ کے ذریعے سے ہلاک کر دیے گئے، جبکہ قومِ عاد ایک شدید ترین ٹھنڈی اور تیز و تند آندھی کے ذریعے سے ہلاک کر دی گئی۔ یہ لوگ ''احقاف'' میں آباد تھے جو عمان اور حضر موت (یمن) کے درمیان ریگستانی علاقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آندھی کو ان پر سات راتوں اور آٹھ دنوں کے لیے مسلط کر دیا تھا، جو مسلسل چلتی رہی اور ان کو بیخ و بن سے ختم کرتی رہی۔ چنانچہ ان

کی لاشوں کے اس طرح ڈھیر لگ گئے جیسے کھجور کے کھوکھلے درخت جڑ سے اکھڑ کر زمین پر گرے پڑے ہوتے ہیں۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں (خام) سونے کا ایک ٹکڑا بھیجا تو آپ نے اسے چار اشخاص میں تقسیم کر دیا: اقرع بن حابس حنظلی مجاشعی، عیینہ بن بدر فزاری، زید طائی جو بنونبہان کا ایک آدمی تھا اور علقمہ بن علاثہ عامری جو بنوکلاب کا ایک فرد تھا۔ اس تقسیم پر قریش اور انصار غصے سے بھر گئے کہ آپ اہل نجد کے سرداروں کو عطیات دیتے ہیں اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں انھیں تالیف قلوب کے لیے دیتا ہوں۔'' اس دوران میں ایک آدمی سامنے آیا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی، رخسار ابھرے ہوئے، پیشانی اونچی، ڈاڑھی گھنی اور سر منڈا ہوا تھا۔ اس نے کہا: اے محمد! اللہ سے ڈریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگوں تو اور کون فرماں برداری کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اہل زمین پر امین بنایا ہے لیکن تم مجھے امین نہیں سمجھتے۔'' ایک شخص نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ میرے خیال میں وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے انھیں روک دیا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس شخص کی نسل یا اس کے نسب سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کریم تو پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں نے ان کا دور پایا تو ضرور انھیں قوم عاد کی طرح قتل کروں گا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ و إلى عاد اخاهم هودًا ﴾ : ٣٣٤٤]

05

سیدنا صالح علیہ السلام

ثمود ایک مشہور قبیلے کا نام ہے۔ یہ دورِ قدیم کی خالص عربی قوم کے لوگ تھے۔ ان کی رہائش تبوک اور حجاز کے درمیان حجر کے مقام پر تھی، جسے مدائن صالح بھی کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ خلیج عقبہ کے مشرق میں واقع شہر مدین کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ قوم ثمود کے مکانات اس علاقے میں پہاڑوں میں کھدے ہوئے صاف نظر آتے ہیں، سیدنا صالح اور ان کی قوم کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے متعدد سورتوں میں کیا ہے۔ سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ﴾

[الأعراف : ۷۳ تا ۷۹]

”اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا)، اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ بے شک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے ایک نشانی کے طور پر ہے، سو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے کسی برے طریقے سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ تمھیں ایک دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور یاد کرو جب اس نے تمھیں عاد کے بعد جانشین بنایا اور تمھیں زمین میں جگہ دی، تم اس کے میدانوں میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو مکانوں کی صورت

میں تراشتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے دنگا نہ مچاؤ۔اس کی قوم میں سے ان سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے، ان لوگوں سے کہا جو کمزور گنے جاتے تھے، ان میں سے انھیں (کہا) جو ایمان لے آئے تھے، کیا تم جانتے ہو کہ واقعی صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا بے شک ہم جو کچھ دے کر اسے بھیجا گیا ہے اس پر ایمان لانے والے ہیں۔ وہ لوگ جو بڑے بنے ہوئے تھے، انھوں نے کہا بے شک ہم جس پر تم ایمان لائے ہو، اس کے منکر ہیں۔ تو انھوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرکش ہو گئے اور انھوں نے کہا اے صالح! لے آ ہم پر جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے، اگر تو رسولوں سے ہے۔ تو انھیں زلزلے نے پکڑ لیا تو انھوں نے اپنے گھر میں اس حال میں صبح کی کہ گرے پڑے تھے۔ تو وہ ان سے واپس لوٹا اور اس نے کہا اے میری قوم! بلاشبہ یقیناً میں نے تمھیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمھاری خیر خواہی کی اور لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔“

ان آیات میں صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ثمود عربوں کا ایک قبیلہ تھا، یہ لوگ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے۔ ان کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اور قوم عاد کے بعد تھا۔ یہ بہت ہی طاقت ور لوگ تھے۔ اپنی جسمانی طاقت اور قوت بازو کے زور سے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر اپنے مکانات بنایا کرتے تھے۔ صالح علیہ السلام اسی قوم کے ایک شریف خاندان سے تھے۔ اللہ نے انھیں اس قوم کی ہدایت کے لیے نبی بنا کر بھیجا تھا۔ انھوں نے اپنی قوم کو تمام انبیاء کی طرح توحید کی دعوت دی، لیکن بہت کم اور کمزور لوگوں نے ان کی بات مانی۔ جب صالح علیہ السلام نے انھیں مزید ڈرایا اور اللہ کا خوف دلایا تو انھوں نے ایک نشانی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ وہ نشانی ایک اونٹنی ہو جو پہاڑ سے نکل کر سامنے آ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، لیکن پھر بھی بہت ہی کم لوگ ایمان لائے اور اکثر و بیشتر نے تمرد اور سرکشی کی راہ اختیار کی اور اس اونٹنی کو قتل کر دیا۔ صالح علیہ السلام نے کہا کہ اب تم لوگ اللہ کے عذاب کا انتظار کرو اور تین دن تک اپنے گھروں میں فائدہ اٹھا لو۔ تیسرے دن صبح کے وقت ایک عظیم فرشتے نے ان کے درمیان ایسی چیخ ماری کہ ان کے دل اور ان کی روحیں ہل گئیں اور سب کے سب مر گئے۔ اس کے بعد صالح علیہ السلام نے لاشوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا کہ اے میری قوم! میں نے تمھیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور تمھاری خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں کی تھی، لیکن تم لوگ اپنے خیر خواہوں کو کبھی پسند نہیں کرتے تھے، پھر وہاں سے چلے گئے۔

نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر کے بعد مقتولین قریش کے سامنے، جن کی لاشیں کنویں میں ڈال دی گئی تھیں، ایسا ہی کہا تھا، سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اہل بدر پر فتح و نصرت حاصل ہو گئی تو آپ نے وہاں تین دن قیام فرمایا، پھر آپ نے حکم دیا اور تیسرے دن کے آخری پہر میں آپ کی سواری تیار کر دی گئی تو آپ اس پر سوار ہو کر چل پڑے، پھر آپ بدر کے کنویں کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ”اے ابوجہل بن ہشام! اے عتبہ بن

ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے سچ پایا ہے؟ مجھ سے تو میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا میں نے تو اسے سچ پا لیا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! یہ کیسے سنیں گے اور کیونکر جواب دیں گے، یہ تو مردہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اس وقت ان سے جو بات کر رہا ہوں، تم اسے ان کی نسبت زیادہ نہیں سن رہے، لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔'' [بخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل : ۳۹۷۶۔ مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب عرض مقعد من الجنة والنار : ۲۸۷٤]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک میں لوگوں کے پاس فروکش ہوئے تو آپ ثمود کے گھروں کے پاس مقام حجر میں قیام پذیر ہوئے۔ لوگوں نے ان کنوؤں سے پانی پیا جہاں سے ثمود پیتے تھے، اسی پانی کے ساتھ آٹا بھی گوندھا اور ہانڈیاں بھی پکا لی تھیں، تاہم نبی کریم ﷺ کے حکم پر انھوں نے ہانڈیوں کو گرا دیا اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا، پھر آپ وہاں سے روانہ ہو گئے اور اس کنویں کے پاس پڑاؤ ڈالا جس سے (صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پانی پیتی تھی۔ آپ نے ان لوگوں کے گھروں میں جانے سے منع فرما دیا، جن پر عذاب نازل ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''بے شک میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو ان پر نازل ہوا تھا، لہٰذا ان کے گھروں میں نہ جاؤ۔'' [مسند أحمد : ۲/ ۱۱۷، ح : ۵۹۸۹۔ مسلم، كتاب الزهد، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر : ۲۹۸۱]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام حجر میں فرمایا تھا: ''ان لوگوں کے گھروں میں نہ جاؤ جن پر عذاب نازل ہوا تھا، الا یہ کہ روتے ہوئے اور اگر تمھیں رونا نہ آئے تو پھر وہاں نہ جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہو جائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔'' [مسند أحمد : ۲/ ۷٤، ح : ۵٤٤۰۔ بخاري، كتاب الصلاة، باب الصلوة في مواضع الخسف والعذاب : ٤۳۳۔ مسلم، كتاب الزهد، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر : ۲۹۸۰]

صالح علیہ السلام کی قوم کو توبہ کی تلقین

﴿ وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴾ [هود : ٦١]

''اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا)، اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور تمھیں اس میں آباد کیا، سو اس سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف پلٹ آؤ، یقیناً میرا رب قریب ہے، قبول کرنے والا ہے۔''

قوم ثمود مقام حجر میں رہتے تھے۔ یہ جگہ حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تک پھیلی ہوئی ہے۔ آج کل یہ علاقہ مدینہ اور تبوک کے درمیان ہے، جہاں ابھی تک ان لوگوں کے پہاڑوں کے اندر تراش کر بنائے ہوئے مکانات، جن

میں وہ رہتے تھے، موجود ہیں اور یہ علاقہ مدائن صالح کہلاتا ہے۔ صالح علیہ السلام کا قبیلہ عرب قبیلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ تبوک (شام) کی طرف جاتے ہوئے یہاں سے گزرے تھے۔

صالح علیہ السلام قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور صرف اسی کے معبود برحق ہونے کی دعوت دی اور ساتھ یہ دلیل دی کہ اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا۔ زمین کو بھی اسی نے بنایا۔ تمھاری ضرورت کی ہر چیز زمین سے اسی نے پیدا کی۔ اپنی زمین پر اس نے تمھیں خوب آباد کیا۔ پہاڑوں کو تراشنے کی صلاحیت اور عقل عطا فرمائی۔ نہایت ترقی یافتہ زراعت اور اس کے اسباب، زرخیز زمین اور چشمے عطا فرمائے۔ اب تک اس کی جو ناشکری اور اس کے ساتھ شرک کر چکے ہو اس کی معافی مانگ کر اس پر ایمان لے آؤ اور آئندہ کے لیے اس کے ساتھ کفر و شرک سے توبہ کرو۔ ساتھ ہی ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہونے کی امید دلانے کے لیے رب تعالیٰ کی دو صفات بیان کیں کہ وہ ''قریب'' بھی ہے اور ''مجیب'' بھی۔ کوئی اسے پکارے تو اسے کسی واسطے کی ضرورت نہیں۔ آہستہ پکارے یا بلند آواز سے، اکیلا پکارے یا مجلس میں، میرا رب قریب بھی ہے اور قبول کرنے والا بھی۔ جب اس کے سوا یہ اوصاف کسی میں بھی نہیں تو کسی اور کی عبادت کیوں؟

سیدنا صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کی گفتگو

صالح علیہ السلام کی قوم نے آپ کی دعوت قبول کرنے کی بجائے یہ اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ کیا تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔

﴿ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴾ [هود : ٦٢]

''انھوں نے کہا اے صالح! یقیناً تو ہم میں وہ تھا جس پر اس سے پہلے امیدیں رکھی گئی تھیں، کیا تو ہمیں منع کرتا ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں اور بے شک ہم اس بات کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے، یقیناً ایک بے چین رکھنے والے شک میں ہیں۔''

صالح علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو ان لوگوں نے رد کرتے ہوئے کہا کہ اے صالح! بچپن سے تمھارے عادات و اطوار کو دیکھ کر ہم نے امید لگا رکھی تھی کہ تم ہمارے سردار بنو گے اور ہمیں تم سے فائدہ پہنچے گا۔ ہم اپنے انفرادی و اجتماعی امور میں تم سے مشورہ لیا کریں گے، لیکن تمھاری باتیں سن کر ہماری امیدوں پر پانی پھر گیا اور ہمیں یقین ہو گیا کہ تم میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اسی لیے تو تم ہمیں ان معبودوں کی عبادت سے روکتے ہو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ تم جس توحید کی دعوت ہمیں دے رہے ہو اس کی صداقت کے بارے میں ہمارے دلوں میں بڑا قوی شک و شبہ پایا جاتا ہے۔ صالح علیہ السلام کی دلیل اور حجت پر مبنی دعوت نے ان کے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی تھی۔ اگرچہ انھوں نے

اسے نہیں مانا مگر اس دعوت نے انھیں اپنے بارے میں ایک بے چین رکھنے والے شک میں مبتلا کر دیا تھا۔ اگر تقلید آباء کی شامت نہ ہوتی تو وہ لوگ چند لمحوں میں ہر طرح کے شک اور بے چینی سے نکل کر ایمان و یقین کی ٹھنڈک اور اطمینان سے سرفراز ہو چکے ہوتے۔ مگر دیکھیے کتنی بڑی حماقت تھی کہ شرک پر نہ تو مطمئن تھے اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہی تھی، مگر پھر بھی آبائی تقلید کی وجہ سے شرک کو چھوڑ کر توحید کی راہ اختیار کرنے کو تیار نہ تھے۔

اونٹنی کا بطورِ نشانی ظہور

صالح علیہ السلام نے قوم کا یہ رویہ دیکھ کر کہا کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے واضح دلائل پر ہوں پھر میں کیسے اللہ کی نافرمانی کر سکتا ہوں۔ چنانچہ قوم نے صالح علیہ السلام سے نشانی طلب کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو کوئی نشانی دکھاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴾ [هود : ٦٣، ٦٤]

”اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی جناب سے عظیم رحمت عطا کی ہو تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کرے گا، اگر میں اس کی نافرمانی کروں، پھر خسارہ پہنچانے کے سوا تم مجھے کیا زیادہ دو گے؟ اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے، تمھارے لیے عظیم نشانی، پس اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ، ورنہ تمھیں ایک قریب عذاب پکڑ لے گا۔“

صالح علیہ السلام نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! میں اپنے رب کی جانب سے نازل کیے گئے دین حق پر قائم ہوں اور اس نے مجھے نبوت سے نوازا ہے۔ اب ذرا بتاؤ تو سہی کہ اگر تمھیں خوش کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کروں، تو مجھے اس کے عذاب سے کون بچائے گا؟ تم جو میری ہمت پست کر رہے ہو اور چاہتے ہو کہ دعوت کا کام چھوڑ دوں، تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ میں خائب و خاسر ہو جاؤں اور اللہ کے عذاب کا مستحق ہو جاؤں؟ صالح علیہ السلام نے جب انھیں دعوت توحید دی، تو انھوں نے کہا کہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو اللہ سے کہو کہ بطور نشانی اس پہاڑ سے ایک اونٹنی نکال دے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی اور پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی۔ تب انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اللہ نے بطور معجزہ تمھارے مطالبہ کے مطابق اونٹنی بھیج دی ہے، تم لوگ اسے نہ چھیڑو، یہ اللہ کی زمین پر جہاں چاہے گی جائے گی، کھائے گی، پیے گی، کوئی اسے نہ چھیڑے اور نہ تکلیف پہنچائے، ورنہ تم پر

بہت جلد اللہ کا عذاب آ جائے گا۔

اور قوم ثمود پر عذاب کا کوڑا برس پڑا

﴿ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ۝ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴾

[هود : ٦٥ تا ٦٨]

”تو انھوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں، تو اس نے کہا اپنے گھروں میں تین دن خوب فائدہ اٹھالو، یہ وعدہ ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں بولا گیا۔ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی طرف سے عظیم رحمت کے ساتھ بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی۔ بے شک تیرا رب ہی بے حد قوت والا، سب پر غالب ہے۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں چیخ نے پکڑ لیا، تو انھوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں صبح کی کہ گرے پڑے تھے۔ جیسے وہ ان میں رہے ہی نہ تھے۔ سن لو! بے شک ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سن لو! ثمود کے لیے ہلاکت ہے۔“

قوم کے بدبختوں نے صالح علیہ السلام کی ایک نہ سنی اور اس اونٹنی کو قتل کر دیا۔ جب ان کی سرکشی انتہا کو پہنچ گئی تو صالح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ان سے کہا کہ اب تم لوگ تین دن تک اپنے گھروں میں رہ کر اپنے انجام کا انتظار کرو۔ یہ اللہ کا قطعی اور حتمی فیصلہ ہے۔ انھوں نے اونٹنی کو بدھ کے دن قتل کیا تھا۔ اس کے بعد (جمعرات، جمعہ اور ہفتہ) تین دن تک زندہ رہے۔ اتوار کے دن صبح کے وقت اللہ کا عذاب ان پر نازل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو اس عذاب سے بچا لیا۔ یہ عذاب ایک ہیبت ناک اور خطرناک چیخ تھی جو آسمان سے آئی تھی، جس کی شدت تاثیر سے تمام کافروں کے جسموں پر کپکپی طاری ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سبھی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ان کی بستیاں ایسی ویران اور سنسان ہو گئیں کہ جیسے پہلے سے وہاں کوئی رہتا ہی نہیں تھا اور ان کے ساتھ ایسا اس لیے ہوا کہ انھوں نے اپنے رب کا انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمیشہ کے لیے لعنت و بربادی مسلط کر دی۔ یہ آیت خبر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوم عاد کی طرح قوم ثمود سے بھی بہت زیادہ غضبناک تھا اور ان سے اس کی نفرت شدید تھی۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجر (مقام) پر سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ظالموں کے گھروں میں مت جاؤ، مگر روتے ہوئے اور بچو کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو ان پر آیا تھا۔“ پھر آپ نے اپنی سواری کو ڈانٹا اور جلدی چلایا، یہاں تک کہ حجر پیچھے رہ گیا۔ [مسلم، کتاب الزھد، باب النھي

عن الدخول...... الخ : ۳۹/ ۲۹۸۰]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجر یعنی ثمود کے علاقہ میں گئے تو انھوں نے وہاں کے کنوؤں کا پانی پینے کے لیے لیا اور اس پانی سے آٹا گوندھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس پانی کے بہا دینے اور آٹا اونٹوں کو کھلا دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ پینے کا پانی اس کنویں سے لیں جس پر صالح علیہ السلام کی اونٹنی آتی تھی۔[مسلم، کتاب الزھد، باب النھي عن الدخول...... الخ : ۲۹۸۱]

سورۂ شعراء میں قوم ثمود اور صالح علیہ السلام

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۚ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الشعراء : ۱۴۱ تا ۱۴۵]

’’ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بے شک میں تمھارے لیے ایک امانتدار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں اس پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، میری اجرت تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں صالح علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انھیں ان کی قوم ثمود کی طرف بھیجا۔ انھوں نے انھیں دعوت دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں جو پیغام ملے اس کی اطاعت کریں۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا اور ان کی تکذیب ومخالفت شروع کر دی۔ صالح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تمھیں اللہ کے عذاب سے ڈر نہیں لگتا کہ اس کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہو اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرتے ہو؟ مجھے اللہ نے تمھارے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم تک اس کا دین پہنچاؤں اور میں اس بارے میں پورے طور پر امانت دار ہوں۔ اپنی طرف سے کچھ گھٹاتا بڑھاتا نہیں ہوں۔ اس لیے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو اور دیکھو، میں دعوت وتبلیغ کے کام کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ مجھے اپنے اجر وثواب کی امید رب العالمین سے ہے، اس لیے کہ اسی نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاددہانی

صالح علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاددہانی کروائی اور انھیں اللہ کے خوف اور اپنی اطاعت کی نصیحت کی:

﴿ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِيْنَ ۙ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۚ وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۚ وَ لَا تُطِيْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ﴾ [الشعراء : ۱۴۶ تا ۱۵۲]

''کیا تم ان چیزوں میں جو یہاں ہیں، بے خوف چھوڑ دیے جاؤ گے۔ باغوں اور چشموں میں۔اور کھیتوں اور کھجوروں میں، جن کے خوشے نرم و نازک ہیں۔ اور تم پہاڑوں سے تراش کر گھر بناتے ہو، اس حال میں کہ خوب ماہر ہو۔پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔اور حد سے بڑھنے والوں کا حکم مت مانو۔وہ جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔''

صالح علیہ السلام نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، کیا تمھارا گمان ہے کہ تم ہمیشہ یونہی امن وسکون کے ساتھ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہو گے؟ باغوں، چشموں، کھیتوں اور کھجوروں سے فائدہ اٹھاتے رہو گے؟ اور پہاڑوں کو کاٹ کر مکانات بناتے رہو گے؟ یہ تمھاری بھول ہے، ہمیشہ کے لیے اس حال میں نہیں رہو گے۔ ایک دن آئے گا کہ موت تمھیں آ دبوچے گی اور اس کے بعد قیامت آئے گی۔ جس دن ہر انسان کی طرح تمھیں اپنے کرتوتوں کا حساب چکانا ہوگا۔ اس لیے اللہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرو اور میری بات مانو، ان لوگوں کی بات نہ مانو جو حد سے تجاوز کر گئے ہیں اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور بھلائی کا کوئی کام نہیں کرتے۔ مراد ان کے وہ سردار اور امراء ہیں جو شرک وکفر کے داعی اور حق کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور جن کی زیرِ قیادت ان کا بگڑا ہوا نظامِ زندگی چل رہا تھا، ایسے لوگ ہمیشہ زمین میں فساد ہی پھیلاتے ہیں، ان کے ہاتھوں اصلاح کبھی نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید کے دوسرے مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ''الْمُسْرِفِيْنَ'' میں سب سے پیش پیش وہ نو (۹) بدمعاش تھے جنھوں نے ملک میں فساد مچا رکھا تھا اور آخر کار قوم کی تباہی کا سبب بنے، فرمایا: ﴿ وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴾ [النمل : ٤٨] ''اور اس شہر میں نو (۹) شخص تھے، جو اس سرزمین میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔''

ثمود کا جواب، نشانی کا مطالبہ اور عذاب کی آمد

قوم ثمود نے اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنے کی بجائے صالح علیہ السلام کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم پر جادو کیا گیا ہے اور تم اگر سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ۔

﴿ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾
[الشعراء : ١٥٣ تا ١٥٦]

''انھوں نے کہا تو تو انھی لوگوں سے ہے جن پر زبردست جادو کیا گیا ہے۔تو نہیں ہے مگر ہمارے جیسا ایک آدمی، پس کوئی نشانی لے آ، اگر تو سچوں سے ہے۔اس نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے، اس کے لیے پانی پینے کی ایک باری ہے اور تمھارے لیے ایک مقرر دن کی باری ہے۔ اور اسے کسی برائی سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ تمھیں ایک بڑے دن کا

عذاب پکڑ لے گا۔‘‘

صالح علیہ السلام کی اس طویل دعوت کا ان کی قوم پر کوئی اثر نہ ہوا، انھوں نے جواب میں کہا کہ تم پر تو جادو کر دیا گیا ہے جس کے زیرِ اثر تمھاری عقل ماری گئی ہے اور ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ تم ہمارے ہی جیسے ایک انسان ہو اور دعویٰ کر بیٹھے ہو کہ اللہ نے تمھیں ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس لیے زبانی دعویٰ سے کام نہیں چلے گا، اپنی صداقت پر کوئی دلیل پیش کرو۔ کہا جاتا ہے کہ صالح علیہ السلام نماز پڑھتے رہے اور دعا کرتے رہے۔ لوگ دیکھتے رہے کہ اچانک پہاڑ پھٹا اور اس سے ایک عظیم الخلقت اونٹنی برآمد ہوئی۔ صالح علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ اونٹنی میری صداقت کی دلیل ہے اور چشمے سے اس کے پانی پینے کا ایک دن مقرر ہے۔ اس دن تم اس چشمہ سے نہیں پیو گے اور تمھارے پینے کا ایک دوسرا دن مقرر ہے۔ اس دن اس سے صرف تم لوگ پانی پیو گے۔ یہ اونٹنی نہیں پیے گی اور تم لوگ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا، نہ مارنا، نہ ذبح کرنا اور نہ اسے اس کے مقرر دن میں پانی پینے سے روکنا۔ اگر ان باتوں میں سے کسی ایک کی بھی خلاف ورزی کرو گے تو تم پر اللہ کا بڑا عذاب نازل ہو جائے گا۔

قوم ثمود نے معجزہ دیکھ کر تائب ہونے کی بجائے اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ دیں، جس کی وجہ سے پھر انھیں عذابِ الٰہی نے آ لیا۔

﴿ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۙ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ [الشعراء : ۱۵۷ تا ۱۵۹]

’’تو انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں، پھر پشیمان ہوگئے۔ تو انھیں عذاب نے پکڑ لیا۔ بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور بلاشبہ تیرا رب، یقیناً وہی سب پر غالب، نہایت رحم والا ہے۔‘‘

قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی بات نہیں مانی۔ ان کو جھٹلا دیا اور ان کی نافرمانی کرتے ہوئے پہلے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیے اور جب بیٹھ گئی تو اسے ہلاک کر دیا۔ تب صالح علیہ السلام نے کہا کہ اب تمھاری ہلاکت و بربادی یقینی ہوگئی۔ تین دن تک اپنے گھروں میں مزے کر لو۔ یہ سن کر اور عذاب کے آثار دیکھ کر لوگ اپنی ندامت کا اظہار کرنے لگے، لیکن ایسی ندامت کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ان کی زمین پر بہت زبردست زلزلہ طاری ہوگیا اور زبردست چیخ پیدا ہوئی جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور انھیں ایسی صورت حال پیش آئی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ مرے پڑے رہ گئے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر سے گزرے تو فرمایا: ’’معجزات کا مطالبہ نہ کرو،

صالحؑ کی قوم نے معجزے کا مطالبہ کیا تھا تو وہ (اونٹنی کی صورت میں) ظاہر ہو گیا۔ وہ اس راہ سے پانی پینے آتی تھی اور اس راہ سے واپس جاتی تھی۔ انھوں نے اپنے رب کا حکم نہ مانتے ہوئے سرکشی کی اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ ایک دن وہ اونٹنی ان کا پانی پیتی تھی اور دوسرے دن وہ اس کا دودھ پیتے تھے۔ جب انھوں نے اس کو مار ڈالا تو ان پر ایسی سخت چیخ کا عذاب آیا جس سے وہ تمام لوگ ہلاک ہو گئے، صرف ایک آدمی بچا جو اس وقت اللہ عزوجل کے حرم میں تھا۔'' صحابہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! وہ کون تھا؟ فرمایا: ''وہ ابو رغال تھا، لیکن جب وہ حرم کی حدود سے نکلا تو وہ بھی اسی عذاب کی لپیٹ میں آ گیا جو اس کی قوم پر آیا تھا۔'' [مسند أحمد : ۳/۲۹۶، ح : ۱٤۱٦۸]

سیدنا عبداللہ بن زمعہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے دوران میں صالحؑ کی اونٹنی کا اور اسے قتل کرنے والے کا ذکر کیا اور فرمایا: ''اسے قتل کرنے کے لیے ایک مفسد و بدبخت (قدار نامی) شخص اٹھا، جو اپنی قوم میں غالب و طاقتور تھا، جیسے (قریش میں) ابو زمعہ ہے۔'' [بخاری، کتاب التفسیر، باب سورۃ ﴿ والشمس و ضحاھا ﴾ : ٤٩٤۲]

قوم کی بدشگونی

سیدنا صالحؑ نے جب قوم کو دعوت دی تو یہ لوگ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ نے صالحؑ کی دعوت کو قبول کر لیا جبکہ دوسرا اپنی سرکشی پر ڈٹا رہا اور نشانیاں طلب کرنا شروع کر دیں۔ اس گروہ کا یہ رویہ دیکھ کر صالح نے پھر انھیں سمجھایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اس پر یہ کہنے لگے کہ ہم نے تمھارے اور تمھارے ساتھیوں سے بدشگونی پکڑی ہے۔ سورۃ النمل میں اس کی تفصیل موجود ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴾ [النمل : ٤٥ تا ٤٧]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو اچانک وہ دو گروہ ہو کر جھگڑ رہے تھے۔ کہا اے میری قوم! تم بھلائی سے پہلے برائی کیوں جلدی مانگتے ہو، تم اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ انھوں نے کہا ہم نے تیرے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو تیرے ہمراہ ہیں، بدشگونی پکڑی ہے۔ کہا تمھاری بدشگونی اللہ کے پاس ہے، بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو آزمائے جا رہے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح کو نبی بنا کر بھیجا، جنھوں نے ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو، تو ایک گروہ نے ان کی دعوت قبول کر لی اور ان پر ایمان لے آیا، جبکہ دوسرے گروہ نے ان کی

دعوت کو ٹھکرا دیا اور بتوں کی پرستش پر مصر رہا اور صالح علیہ السلام سے کہا کہ اگر تم لوگ سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو، چونکہ نشانی آ جانے کے بعد اگر ایمان نہ لاتے تو ہلاک کر دیے جاتے، اسی لیے انھوں نے ان کے حال پر رحم کھاتے ہوئے کہا، بجائے اس کے کہ تم ایمان لا کر اللہ کی رحمت کے طالب بنو، عذاب طلب کرنے پر کیوں اصرار کر رہے ہو؟ اللہ سے مغفرت کیوں طلب نہیں کرتے، تا کہ وہ تم پر رحم فرمائے؟

لیکن صالح علیہ السلام کی اس گفتگو کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور انھوں نے جواب میں کہا کہ اے صالح! ہم لوگ تو تم سے اور تمھارے ماننے والوں سے بدشگونی ہی لیتے ہیں، یعنی جب سے تم نے یہ نئی بات شروع کی ہے ہمیں نقصان ہی پہنچتا آیا ہے۔ صالح علیہ السلام نے جواب میں ان سے کہا کہ تمھیں جو بھی خیر و شر پہنچتا ہے وہ اللہ کی تقدیر سے پہنچتا ہے۔ وہ چاہتا ہے تو تمھیں روزی دیتا ہے، نہیں چاہتا تو محروم رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم پر تمھارے کفر اور گمراہی کا جادو چل گیا ہے۔ جو بات تمھاری خواہش نفس کے مطابق ہوتی ہے اسے اپنے لیے اچھا سمجھتے ہو اور جو تمھاری خواہش اور مرضی کے موافق نہیں ہوتی اسے اپنے لیے بدشگونی سمجھتے ہو۔

فساد کرنے والے گروہ کی چال اور قوم ثمود کا انجام

﴿وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ [النمل : ٤٨ تا ٥٣]

’’اور اس شہر میں نو (۹) شخص تھے، جو اس سرزمین میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے کہا آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور ہی اس پر اور اس کے گھر والوں پر رات حملہ کریں گے، پھر ضرور ہی اس کے وارث سے کہہ دیں گے ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور بلاشبہ ہم ضرور سچے ہیں۔ اور انھوں نے ایک چال چلی اور ہم نے بھی ایک چال چلی اور وہ سوچتے تک نہ تھے۔ پس دیکھ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا کہ بے شک ہم نے انھیں اور ان کی قوم، سب کو ہلاک کر ڈالا۔ تو یہ ہیں ان کے گھر گرے ہوئے، اس کے باعث جو انھوں نے ظلم کیا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک نشانی ہے جو جانتے ہیں۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور بچتے رہے تھے۔‘‘

قوم ثمود کے شہر حجر میں نو (۹) آدمی ایسے تھے جو پوری قوم کو خراب کرتے تھے اور صالح علیہ السلام کی تکذیب پر لوگوں کو ابھارتے تھے۔ انھی کی سفارش کے نتیجہ میں قدار بن سالف نے، جو ان میں سے ایک تھا، صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کر

دیا اور خود انھیں بھی رات کے وقت قتل کر دینے کی سازش کی اور اللہ کے نام کی قسم کھائی کہ ہم سب مل کر صالح اور اس کے ماننے والوں کو قتل کر کے ان کے رشتہ داروں سے کہہ دیں گے کہ ان کے قتل کیے جانے کی ہمیں کوئی خبر نہیں ہے اور ہم اپنی بات میں سچے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھوں نے ہمارے نبی اور ان کے پیروکاروں کے قتل کی ناکام سازش کی اور ہم انھیں اس طرح کشاں کشاں ان کے مقتل کی طرف لے گئے۔ چنانچہ اے میرے نبی! ان کی سازش ان کے گلے کا پھندا بن گئی اور ہم نے ان تمام کو ان کے ظلم و کفر کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور اب ان کے مکانات خالی اور گرے پڑے ہیں۔ کوئی نہیں جو انھیں آباد کرے۔ بے شک سمجھ دار لوگوں کے لیے ان کے اس واقعہ میں بڑی عبرت کی باتیں ہیں۔ اس کے مقابلے میں جو لوگ صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے اور تقویٰ کی راہ اختیار کی تھی، ہم نے انھیں اس عذاب سے بچا لیا۔

نبی علیہ السلام پر رکیک حملے

سیدنا صالح علیہ السلام کی قوم اپنی ضد پر اڑی رہی اور دعوتِ توحید کو قبول کرنے کی بجائے اپنے نبی کی ذات پر رکیک حملے شروع کر دیے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَ اصْطَبِرْ ۝ وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ [القمر : ۲۳ تا ۳۲]

’’ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلا دیا۔ پس انھوں نے کہا کیا ایک آدمی جو ہمیں سے ہے اکیلا، ہم اس کے پیچھے لگ جائیں؟ یقیناً ہم تو اس وقت بڑی گمراہی اور دیوانگی میں ہوں گے۔ کیا یہ نصیحت ہمارے درمیان میں سے اسی پر نازل کی گئی ہے؟ بلکہ وہ بہت جھوٹا ہے، متکبر ہے۔ عنقریب وہ کل جان لیں گے کہ بہت جھوٹا، متکبر کون ہے؟ بے شک ہم یہ اونٹنی ان کی آزمائش کے لیے بھیجنے والے ہیں، سو ان کا انتظار کر اور اچھی طرح صبر کر۔ اور انھیں بتا دے کہ بے شک پانی ان کے درمیان تقسیم ہوگا، پینے کی ہر باری پر حاضر ہوا جائے گا۔ تو انھوں نے اپنے ساتھی کو پکارا، سو اس نے (اسے) پکڑا، پس کونچیں کاٹ دیں۔ تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ بے شک ہم نے ان پر ایک ہی چیخ بھیجی تو وہ باڑ لگانے والے کی کچلی، روندی ہوئی باڑ کی طرح ہو گئے۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟‘‘

قوم ثمود نے بھی رسولوں کی تکذیب کی۔ اس لیے کہ صالح علیہ السلام کی تکذیب گویا سارے انبیاء کی تکذیب تھی یا اس

سے مراد ان نشانیوں کی تکذیب ہے کہ جنھیں پیش کر کے صالح علیہ السلام نے انھیں دعوت توحید دی تھی۔ انھوں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی ہی قوم کے ایک فرد کو رسول مان لیں اور پوری جماعت کو چھوڑ کر اس کی پیروی کرنے لگیں۔ اللہ کے رسول کو تو انسانوں سے اعلیٰ جنس یعنی فرشتہ ہونا چاہیے۔ اس لیے اگر ہم صالح کی بات مان کر اس کی پیروی کرنے لگیں گے تو حق سے دور اور مجنونوں کی صف میں آ جائیں گے۔ صالح میں کون سی بڑائی اور خوبی پائی جاتی ہے کہ اللہ نے ہمارے بڑے بڑے سرداروں اور مال داروں کو چھوڑ کر اسے اپنا نبی بنا لیا ہے؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ وہ بڑا جھوٹا اور متکبر ہے۔ اس کے تکبر و غرور نے اسے ابھارا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرے اور ہمیں اپنی پیروی کا حکم دے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ جب دنیا میں ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور پھر قیامت کے دن جہنم میں ڈال دیے جائیں گے تو انھیں خوب معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا، حق سے اعراض کرنے والا اور تکبر و نخوت میں مبتلا کون تھا؟

اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام سے کہا کہ وہ لوگ آپ سے نبی ہونے کی نشانی کا مطالبہ کرتے ہیں تو ہم سخت چٹان کے بیچ سے ایک اونٹنی نکال کر انھیں دکھاتے ہیں، جو آپ کی صداقت کی نشانی اور ان کی آزمائش کا ذریعہ ہوگی، یعنی اگر انھوں نے اس معجزے کا انکار کر دیا تو ان کے لیے بڑی خطرناک بات ہوگی۔ پس آپ اونٹنی ظاہر ہونے کا انتظار کیجیے اور دیکھیے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اگر آپ کو ان کی طرف سے دعوت کی راہ میں تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کیجیے، کیونکہ یہ راہ ہی ایسی ہے جس کا مسافر بغیر صبر و استقامت کے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اللہ نے فرمایا کہ آپ انھیں بتا دیجیے کہ جس کنویں کا پانی وہ لوگ پیتے ہیں۔ اب وہ ان کے اور اونٹنی کے درمیان برابر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک دن اونٹنی پیے گی اور دوسرے دن وہ لوگ پییں گے۔ ہر باری والا صرف اپنی باری کے دن آئے گا اور اپنے حصے کا پانی پیے گا۔ انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور قدار بن سالف نامی شخص کو اونٹنی کے قتل کر دینے پر ابھارا، جو قوم ثمود کا بڑا ہی برا آدمی تھا۔ چنانچہ اس نے پہلے تیر سے اس کی پنڈلی کو زخمی کر دیا، پھر اس پر تلوار سے حملہ کر کے اس کے دونوں پاؤں کو مزید زخمی کر دیا، پھر اسے ذبح کر دیا۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے اس شخص کا ذکر کیا جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو مارا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اس قوم کے ایک عزت دار، زور دار اور صاحبِ قوت شخص نے اس کے مارنے کا ذمہ لیا (اور وہ ایسا ہی تھا) جیسا کہ (ہمارے زمانے میں) ابوزمعہ ہے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ و إلى ثمود أخاهم صالحا ﴾ : ٣٣٧٧ بعد حديث : ٣٣٤٥]

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے ان کے درمیان ایسی سخت چیخ پیدا کی کہ وہ مر کر اپنے گھروں

میں ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی باڑ کثرت استعمال اور مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا ہو جاتی ہے۔

معجزے کی بے حرمتی

قومِ ثمود کے مطالبے پر جب اللہ تعالیٰ نے چٹان سے اونٹنی نکال دی اور حکم دیا کہ اس کو تکلیف نہیں دینی اور ایک دن کنویں سے تم پانی پیو گے اور ایک دن یہ اونٹنی، تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی بجائے اس معجزے کی بے حرمتی کی اور رسول کی بات کو جھٹلاتے ہوئے اس اونٹنی کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے عذابِ الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَاۤ ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۝ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴾ [الشمس : ۱۱ تا ۱۵]

”(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلا دیا۔ جب اس کا سب سے بڑا بد بخت اٹھا۔ تو ان سے اللہ کے رسول نے کہا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری (کا خیال رکھو)۔ تو انھوں نے اسے جھٹلا دیا، پس اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں، تو ان کے رب نے انھیں ان کے گناہ کی وجہ سے پیس کر ہلاک کر دیا، پھر اس (بستی) کو برابر کر دیا۔ اور وہ اس (سزا) کے انجام سے نہیں ڈرتا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قومِ ثمود نے اللہ کے نبی صالح علیہ السلام کو سرکشی و بغاوت کی وجہ سے جھٹلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب قومِ ثمود کی طلب کے مطابق صالح علیہ السلام کی صداقت کی دلیل کے طور پر پہاڑ سے ایک اونٹنی نکال دی تو صالح علیہ السلام نے انھیں نصیحت کی کہ کوئی آدمی اسے ایذا نہ پہنچائے۔ یہ آزادی کے ساتھ جہاں چاہے گی جائے گی۔ لیکن انھوں نے صالح علیہ السلام کی بات نہ مانی اور بد بخت قدار بن سالف نے ان کے ایما پر اونٹنی کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گناہ کے سبب پوری قوم کو ہلاک کر دیا اور ان میں سے ایک فرد بھی نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے ان کی ہلاکت و بربادی کے سبب کسی کا خوف نہیں ہے، اس لیے کہ وہ سب کا مالک اور سب کا رب ہے اور وہ اپنے بندوں پر غالب و قاہر ہے۔

﴿ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴾: قبیلے کا سب سے بڑا بد بخت، اس سے مراد قدار بن سالف ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں۔ یہ آدمی اپنی قوم میں بڑا معزز اور سردار تھا۔ اس کی بات مانی جاتی تھی، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ نے (صالح علیہ السلام کی) اونٹنی کا اور اس آدمی کا ذکر فرمایا، جس نے اس کی کونچیں کاٹ دی تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی: ”﴿ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴾ [الشمس : ۱۲] ”جب اس کا سب سے بڑا بد بخت اٹھا۔“ پھر فرمایا: ”اس (اونٹنی) کو مارنے کے لیے ایک شخص اٹھا جو بد خلق، زور آور اور ابو زمعہ کی طرح اپنی قوم میں بڑا طاقتور تھا۔“ [بخاري، كتاب التفسير، سورة ﴿ والشمس وضحٰها ﴾ : ۴۹۴۲۔ مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب النار يدخلها

الجبارون ...... الخ : ۲۸۵۵]

ابو سنان الدؤلی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیماری میں ان کی عیادت کے لیے ان کے پاس گیا، تو میں نے انھیں کہا: ''اے امیر المومنین! ہم آپ کی اس تکلیف کی وجہ سے (آپ کے بارے میں) ڈر رہے ہیں، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لیکن اللہ کی قسم! مجھے اس (بیماری یا اس تکلیف) سے اپنے بارے میں کوئی ڈر نہیں ہے، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو صادق و مصدوق ہیں، وہ فرما رہے تھے: ''عنقریب تمھیں تلوار کی ایک ضرب یہاں لگائی جائے گی اور ایک یہاں۔'' اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں کنپٹیوں کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ''اس جگہ سے بہنے والا خون تمھاری ڈاڑھی کو رنگ دے گا اور حملہ کرنے والا اسی طرح سب سے بڑا بد بخت ہوگا جس طرح اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے والا قوم ثمود میں سے سب سے بڑا بد بخت تھا۔'' [مستدرك حاكم : ۱۱۳/۳، ح : ۴۵۹۰۔ السنن الكبرىٰ للبيهقي : ۱۰۳/۸ ، ح : ۱۶۰۶۹۔ الآحاد و المثاني لابن أبي عاصم : ۱۴۶/۱، ح : ۱۷۔ المعجم الكبير للطبراني : ۱۰۶/۱ ، ح : ۱۷۳]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صاف کیے ہوئے چمڑے (کے ایک تھیلے) میں تھوڑا سا سونا بھیجا، جو ابھی مٹی سے علیحدہ نہیں کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چار آدمیوں عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید الخیل اور چوتھے علقمہ بن علاثہ عامری یا عامر بن طفیل رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا: ''ہم ان لوگوں سے زیادہ اس سونے کے حق دار تھے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں اس ہستی کا امین ہوں جو آسمان پر ہے اور صبح و شام میرے پاس آسمان کی خبر آتی ہے۔'' راوی بیان کرتے ہیں کہ اس دوران ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئیں، رخسار پھولے ہوئے، پیشانی ابھری ہوئی، گھنی ڈاڑھی، سر منڈا اور اونچی ازار باندھے ہوئے تھا، کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! آپ اللہ سے ڈریے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افسوس تجھ پر، کیا میں اس روئے زمین پر اللہ سے ڈرنے کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں۔'' پھر وہ شخص چلا گیا، تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! کیا میں اس شخص کی گردن نہ اڑا دوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔'' اس پر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بہت سے نماز پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں جو زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے کسی کے دل ٹٹولنے یا پیٹ چیرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی طرف دیکھا، وہ پیٹھ پھیر کر جا رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً اس شخص کی نسل سے (یعنی جس قبیلے سے اس کا تعلق ہے اس سے) ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ کتاب اللہ کی تلاوت سے ان کی زبانیں تر ہوں گی، حالانکہ وہ (کتاب اللہ) ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی۔ وہ دین سے اس

طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے پار نکل جاتا ہے۔'' (راوی بیان کرتا ہے) میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''اگر میں ان کو پاؤں تو ضرور بالضرور انھیں قوم ثمود کی طرح قتل کروں۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب بعث علي بن أبي طالب...... الخ : ٤٣٥١ـ مسلم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم: ١٠٦٤]

﴿ 06 ﴾

قرآنِ کریم میں جو قصص انبیاء بیان کیے گئے ہیں ان میں ایک اہم ترین قصہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ ابراہیم کا واقعہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی ایک مکمل سورت آپ کے نام پر ہے۔ ہم ذیل میں ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کے چیدہ چیدہ گوشے نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی شکل و شباہت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ یہ تذکرہ فرمایا کہ میں نے مختلف انبیاء کو دیکھا، پھر آپ نے ان انبیاء کے حلیے بھی بیان فرمائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار پر آپ نے ابراہیم علیہ السلام کے حلیے کے بارے فرمایا کہ ان کا حلیہ جاننا ہو تو مجھے دیکھ لو۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''معراج کی رات جب میں موسیٰ علیہ السلام سے ملا تو میں نے ملاحظہ کیا کہ وہ لمبے، کم گوشت اور سیاہ بالوں والے شخص تھے، جیسے کہ شنوءہ (قبیلہ) کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملا، وہ میانہ قامت تھے اور سرخ رنگ گویا وہ ابھی حمام سے نکلے ہیں (یعنی تر و تازہ اور خوش رنگ تھے)۔ پھر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔'' [مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ١٦٨]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے عیسیٰ بن مریم، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام سرخ فام، گھنگریالے بالوں والے اور چوڑے سینے والے تھے اور موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے فربہ بدن تھے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اور ابراہیم علیہ السلام؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لو۔''
[مسند أحمد : ٢٩٦/١، ح : ٢٧٠١]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام (کا حلیہ معلوم کرنے) کے لیے اپنے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لو، موسیٰ علیہ السلام گھنگریالے بالوں والے، گندمی رنگت کے تھے، سرخ اونٹ پر سوار تھے، جس کی نکیل کھجور کے پتوں کی تھی۔ (وہ منظر میرے تصور میں محفوظ ہے) گویا میں انھیں دیکھ رہا ہوں کہ وادی کے نشیب میں

اتر رہے ہیں۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ واتخذ الله إبراهيم خليلا ﴾ : ٣٣٥٥]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انبیائے کرام میرے سامنے لائے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام پھرتیلے بدن کے آدمی تھے، جیسے وہ قبیلۂ شنوءہ کے مردوں میں سے ایک ہوں اور میں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو دیکھا، مجھے ان کے ساتھ سب سے قریبی مشابہت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں نظر آتی ہے، میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، مجھے ان کے ساتھ سب سے قریبی مشابہت تمھارے صاحب (نبی ﷺ) میں نظر آئی، یعنی آپ خود۔ اور میں نے جبریل علیہ السلام کو (انسانی شکل میں) دیکھا، میں نے ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت دحیہ رضی اللہ عنہ میں دیکھی۔''

[مسلم، كتاب الإيمان ، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ١٦٧]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے آپ کو حجر (حطیم) میں دیکھا، قریش مجھ سے میرے رات کے سفر کے بارے میں سوال کر رہے تھے، انھوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزوں کے بارے میں پوچھا جو میں نے غور سے نہ دیکھی تھیں، میں اس قدر شدید پریشانی میں مبتلا ہوا کہ کبھی اتنا پریشان نہ ہوا تھا، آپ نے فرمایا: ''اس پر اللہ تعالیٰ نے اس (بیت المقدس) کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی پوچھتے، میں انھیں بتا دیتا اور میں نے خود کو انبیاء کی ایک جماعت میں دیکھا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام تھے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، وہ گٹھے ہوئے پھرتیلے بدن کے گھنے بالوں والے شخص تھے، جیسے قبیلہ شنوءہ کے آدمیوں میں سے ایک ہوں۔ اور عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کو دیکھا، وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور (وہاں) ابراہیم علیہ السلام بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، لوگوں میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ تمھارے صاحب ہیں، آپ نے اپنی ذات مراد لی، پھر نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو ایک کہنے والے نے کہا: اے محمد! یہ مالک ہیں، جہنم کے داروغے، انھیں سلام کہیے: میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو انھوں نے پہل کر کے مجھے سلام کیا۔''

[مسلم، كتاب الإيمان ، باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجال : ١٧٢]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے لیے دم

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو (تکلیف دینے والی اشیاء سے) ان کلمات کے ذریعے پناہ طلب کیا کرتے تھے اور فرماتے: ''تمھارے باپ (ابراہیم علیہ السلام بھی)اپنے بیٹوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کو ان الفاظ سے دم کیا کرتے تھے: ((أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ)) ''میں اللہ کے تمام کلمات کے ساتھ (تم دونوں کے لیے) ہر شیطان سے اور اس مخلوق سے جو بدی کا ارادہ

کرے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے پناہ مانگتا ہوں۔'' [بخاري، کتاب أحاديث الأنبياء، باب : ۳۳۷۱]

مشرکین مکہ کا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے بت بنانا

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن بتوں کی موجودگی میں بیت اللہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ آپ نے ان سب کو نکالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انھیں باہر نکال دیا گیا۔ ان میں ایک ابراہیم علیہ السلام کی اور ایک اسماعیل علیہ السلام کی تصویر تھی۔ ان کے ہاتھوں میں فال کے تیر پکڑائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ ان مشرکوں کو ہلاک کرے، اللہ کی قسم! ان مشرکوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے کبھی ان تیروں کے ذریعے سے قسمت معلوم کرنے کے لیے فال نہیں نکالی (اس کے باوجود ان لوگوں نے ان کے ہاتھوں میں فال کے تیر پکڑا دیے ہیں)۔'' [بخاري، کتاب المغازي، باب أين ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح ؟ : ۴۲۸۸۔ مسند أحمد : ۳۳۴/۱، ح : ۳۰۹۲]

سورۂ مریم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کو وعظ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا والد بتوں کو پوجتا تھا، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اسی کو توحید کی دعوت دی، کیونکہ سب سے زیادہ وہی اس بات کا حق رکھتا تھا کہ پورے خلوص کے ساتھ اس کی خیر خواہی کی جائے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعوت توحید کا آغاز اپنے گھر سے کیا اور اپنے مشرک باپ کو بڑے پیار اور ادب سے تبلیغ کی مگر باپ نے اتنا سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کو سخت دھمکی دی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴾ [مریم : ۴۱ تا ۴۴]

''اور اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کر، بے شک وہ بہت سچا تھا، نبی تھا۔ جب اس نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! تو اس چیز کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور نہ تیرے کسی کام آتی ہے؟ اے میرے باپ! بے شک میں، یقیناً میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا، اس لیے میرے پیچھے چل، میں تجھے سیدھے راستے پر لے جاؤں گا۔ اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کر، بے شک شیطان ہمیشہ سے رحمان کا نافرمان ہے۔''

مذکورہ آیات میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے کافر باپ آزر کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں، ذرا انھیں آپ قرآن کریم میں درج

ان کی دعوت تو سنا دیجیے جو انھوں نے اپنے باپ آزر کو پیش کی تھی، جو مکہ کے بت پرستوں کی طرح بت پرست تھا، جبکہ ابراہیم علیہ السلام بہت صدق و صفا والے اور اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو بت پرستی سے روکنے کے لیے نہایت ادب کے ساتھ کہا، اے میرے باپ! آپ ایسے بت کی کیوں پوجا کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کو کوئی نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے؟ یعنی عبادت تو بہت بڑی تعظیم ہے، یہ بے جان اصنام تو اس لائق بھی نہیں کہ کوئی صاحب عقل انسان انھیں کوئی حیثیت بھی دے، پھر آپ کیوں ان کی عبادت کرتے ہیں؟ انھوں نے دوبارہ نہایت نرمی اور ادب کے ساتھ اپنے باپ کو حق کی طرف بلایا اور کہا، ابا جان! میرے پاس کچھ ایسا علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، اس لیے آپ ناراض نہ ہوں اور میری بات مان لیجیے، تاکہ میں آپ کو اس راہ پر لے چلوں جو اعتدال کی راہ ہے، نہ اس میں افراط ہے کہ جو عبادت کا مستحق نہیں ہے اس کی عبادت کی جائے اور نہ تفریط ہے کہ جو عبادت کا مستحق ہے اس کی عبادت چھوڑ دی جائے۔ یہی حال اخلاق و اعمال کے باب میں بھی ہے کہ یہ راہ ہر اچھے اخلاق و اعمال کی طرف لے جاتی ہے اور برے اخلاق و اعمال سے دور رکھتی ہے اور یہ بھی سکھاتی ہے کہ اگرچہ عرف عام میں بیٹا باپ کی پیروی کرتا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ حق کی اتباع کی جائے اور جو محتاج ہدایت ہے وہ انسان کامل کی پیروی کرے۔

تیسری بار بھی انھوں نے اپنے باپ کو نرمی اور ادب کے ساتھ ہی مخاطب کیا، لیکن جس بت پرستی میں وہ مبتلا تھا اس کی قباحت انھوں نے کھول کر بیان کی اور اس سے روکنے کی کوشش کی۔ کہا، ابا جان! آپ شیطان کی عبادت نہ کیجیے، یعنی انسان بت کی پوجا شیطان کے حکم ہی سے کرتا ہے اور شیطان ہی اس کام کو اس کی نظر میں اچھا بنا کر پیش کرتا ہے، اس لیے بت کی پوجا درحقیقت شیطان کی پوجا ہوتی ہے۔ اس نہی و انکار میں تاکید پیدا کرنے کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے مزید کہا کہ شیطان تو اللہ کا سرکش و نافرمان ہے۔

﴿ يَٰٓأَبَتِ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ ٱلرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَٰنِ وَلِيًّا ﴾ [مریم : ٤٥]

”اے میرے باپ! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تجھ پر رحمان کی طرف سے کوئی عذاب آ پڑے، پھر تو شیطان کا ساتھی بن جائے۔“

چوتھی بار بھی انھوں نے اپنے باپ کو حسن ادب کے ساتھ پکار کر بت پرستی کے برے انجام سے ڈرایا اور کہا کہ اگر اس نے ان کی بات نہ مانی تو ڈر ہے کہ اللہ کا کوئی عذاب اس پر نازل ہو جائے، اس لیے کہ جو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اس کے دشمن کو اپنا دوست بنائے گا، اسے وہ اپنی رحمت سے دور کر دے گا، جیسا کہ شیطان کے ساتھ ہوا ہے۔ پھر وہ عذاب و لعنت میں شیطان کا ساتھی اور اس کا شریک ہو جائے گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کا جواب

﴿ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴾ [مريم : ٤٦]

''اس نے کہا کیا تو میرے معبودوں سے بے رغبتی کرنے والا ہے اے ابراہیم!؟ یقیناً اگر تو باز نہ آیا تو میں ضرور ہی تجھے سنگسار کردوں گا اور مجھے چھوڑ جا، اس حال میں کہ تو صحیح سالم ہے۔''

آزر نے ان پیغمبرانہ نصیحتوں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا اور سختی کے ساتھ توحید کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ پھر دھمکی دیتے ہوئے کہا، اے ابراہیم ! کیا تمھیں میرے معبودوں سے نفرت ہے کہ تم ان کی عیب جوئی کر رہے ہو؟ یاد رکھو! اگر تم انھیں برا کہنے سے باز نہ آئے اور اپنی نصیحتیں بند نہ کیں تو میں تمھیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ تم مجھ سے دور ہو جاؤ، قبل اس کے کہ تمھارا صحیح سالم جسم میرے ہاتھوں بے کار نہ ہو جائے۔

اس واقعہ میں ہمارے نبی کریم ﷺ کے لیے تسلی کا سامان موجود ہے، کیونکہ آپ کو بھی اپنے اقارب کی طرف سے ایسے ہی سلوک کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح حق کے ہر داعی کے لیے بھی تسلی ہے کہ اعلان حق پر اسے اپنے قریب ترین عزیزوں کی طرف سے شدید مخالفت کے سامنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ خصوصاً جب کفار دلیل کے سامنے لاجواب ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا غیظ و غضب حد سے گزر جاتا ہے، جیسے یہاں ابراہیم علیہ السلام سے لاجواب ہو کر باپ نے سنگسار کرنے کی دھمکی دے کر گھر سے نکال دیا۔ بتوں کو توڑنے کے بعد ان کے پروہت لاجواب ہوئے تو انھوں نے کہا: ﴿ حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ ﴾ [الأنبياء : ٦٨] ''اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔'' لوط علیہ السلام کی قوم لاجواب ہوئی تو کہا: ﴿ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ﴾ [الأعراف : ٨٢] ''انھیں اپنی بستی سے نکال دو۔'' نوح علیہ السلام کی قوم نے لاجواب ہو کر کہا: ﴿ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴾ [الشعراء : ١١٦] ''اے نوح! یقیناً اگر تو باز نہ آیا تو ہر صورت سنگسار کیے گئے لوگوں میں سے ہو جائے گا۔'' فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے دلائل کے سامنے بے بس ہونے پر کہا تھا: ﴿ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴾ [الشعراء : ٢٩] ''یقیناً اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور ہی قید کیے ہوئے لوگوں میں شامل کر دوں گا۔'' کفار کی ان تمام دھمکیوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے دلائل ذکر فرمائے ہیں جو قابل دید ہیں اور ان کے جواب میں کفار کی بے بسی بالکل واضح ہے۔ ہمارے پیارے پیغمبر کے سامنے بھی جب کفار کی کوئی پیش نہ گئی تو انھوں نے آپ کو قتل، قید یا جلا وطن کرنے کی سازش کی، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ﴾ [الأنفال : ٣٠] ''اور جب وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، تیرے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے، تاکہ تجھے قید کر دیں، یا تجھے قتل کر دیں، یا تجھے نکال دیں۔''

خلیل اللہ علیہ السلام کا جواب

﴿ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴾ [مريم : ٤٧]
''کہا تجھ پر سلام ہو، میں اپنے رب سے تیرے لیے ضرور بخشش کی دعا کروں گا، بے شک وہ ہمیشہ سے مجھ پر بہت مہربان ہے۔''

ابراہیم علیہ السلام اپنے کافر باپ کا سخت جواب سن کر بھی حدِ ادب سے نہیں نکلے اور اس کے لیے سلامتی کی دعا کی، گویا یہ کہنا چاہا کہ اگرچہ آپ مجھے سنگسار کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں، لیکن میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ میں اپنے رب سے آپ کی مغفرت کی دعا کروں گا۔ وہ مجھ پر بہت ہی کرم فرما ہے، اس لیے مجھے مایوس نہیں کرے گا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جاہل باپ کے اس سنگ دلانہ جواب کے مقابلے میں پھر انتہائی نرمی کا مظاہرہ کیا اور اسے ''سَلٰمٌ عَلَيْكَ'' کہا کہ آپ سلامت رہیں۔ جاہلوں کے جواب میں ہمیں بھی یہی کہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ [الفرقان : ٦٣] ''اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام ہے۔'' اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴾ [القصص : ٥٥] ''اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ سلام ہے تم پر، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔''

جب کوئی ضد اور عناد پر تل جائے تو یہ رخصت ہونے اور ترک تعلق کا سلام ہے اور یہ جائز ہے، البتہ عام حالات میں کفار کو سلام میں پہل جائز نہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل مت کرو۔'' [مسلم، كتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب...... : ٢١٦٧]

مشرک باپ کے لیے دعا کا مسئلہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام ابتدا میں اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے، جیسا کہ آپ کی درج ذیل دعا سے ثابت ہے: ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴾ [إبراهيم : ٤١] ''اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور ایمان والوں کو، جس دن حساب قائم ہوگا۔''

ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلمان بھی ابتدائے اسلام میں اپنے مشرک رشتہ داروں اور اہل و عیال کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی، ارشاد فرمایا: ﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؗ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ [الممتحنة : ٤] ''یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ تھا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے بری ہیں جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا، یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ، مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا (تمھارے لیے نمونہ نہیں) کہ بے شک میں تیرے لیے بخشش کی دعا ضرور کروں گا اور میں تیرے لیے اللہ سے کسی چیز (کے دلوانے) کا مالک نہیں ہوں۔'' ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا کہ میں آپ کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو اپنے لیے نمونہ قرار نہ دو اور اس میں ان کی پیروی نہ کرو، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ خود ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسے ترک کر دیا تھا، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴾ [التوبة : ۱۱۳، ۱۱٤] ''اس نبی اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، کبھی جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ قرابت دار ہوں، اس کے بعد کہ ان کے لیے صاف ظاہر ہو گیا کہ یقیناً وہ جہنمی ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا نہیں تھا مگر اس وعدہ کی وجہ سے جو اس نے اس سے کیا تھا، پھر جب اس کے لیے واضح ہو گیا کہ بے شک وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گیا۔ بے شک ابراہیم یقیناً بہت نرم دل، بڑا بردبار تھا۔''

ابراہیم نے باپ اور اس کے معبودوں سے کنارہ کشی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴾ [مریم : ٤٨]

''اور میں تم سے اور ان چیزوں سے جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، کنارہ کرتا ہوں اور اپنے رب کو پکارتا ہوں، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکارنے میں بے نصیب نہیں ہوں گا۔''

ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں آپ کا یہ گھر بار اور شہر چھوڑ کر کہیں اور جا رہا ہوں اور اللہ کے سوا جن معبودوں کی آپ لوگ عبادت کرتے ہیں، میں ان سے اپنی دوری کا اعلان کرتا ہوں اور میں صرف اپنے رب کی عبادت کروں گا، مجھے امید ہے کہ میرا رب میری دعا ضائع نہیں کرے گا اور مجھے اہل و عیال عطا کرے گا جو تنہائی میں میرے لیے انس و سکون کا باعث بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے

وطن سے ہجرت اور مشرکین سے کنارہ کشی کے عوض اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ انھیں بڑی شان والا بیٹا اور پوتا یعنی اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے۔

﴿ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴾ [مريم : ٤٩، ٥٠]

”تو جب وہ ان سے اور ان چیزوں سے جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، الگ ہوگیا تو ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا۔ اور ہم نے انھیں اپنی رحمت سے حصہ عطا کیا اور انھیں سچی ناموری عطا کی، بہت اونچی۔“

ابراہیم علیہ السلام جب اللہ کی خاطر اپنے خاندان، گھر بار اور شہر کو چھوڑ کر بیت المقدس چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اسحاق علیہ السلام جیسا بیٹا اور یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا کیا۔ دونوں ہی ان کی زندگی میں نبی ہوئے اور جنھیں پا کر ان کی تنہائی دور ہوئی اور آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی اور سب کو یعنی ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت کا وافر حصہ عطا کیا، نبوت دی، اولاد صالح دی، روزی دی اور بیت المقدس کی سرزمین کا وارث و مالک بنایا اور اقوام عالم میں ان سب کو نیک نامی دی، چنانچہ تمام اصحاب ملل وادیان ابراہیم اور اولاد ابراہیم کی تعریف کرتے ہیں اور ان کی جانب اپنی نسبت کرتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھی کہ بیٹا اور پوتا عطا فرمایا۔ بیٹے اور پوتے کی خوشی ہی کچھ کم نہیں ہوتی کجا یہ کہ ان کی پہلے ہی خوش خبری بھی مل جائے اور اپنی آنکھوں سے انھیں نبوت کے عالی مقام پر فائز بھی دیکھ لیا جائے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”سب سے بہتر اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام ہیں، جو اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے نبی اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔“ [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ﴿ أم كنتم شهداء إذ حضر ...... الخ ﴾ : ٣٣٧٤۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل يوسف عليه السلام : ٢٣٧٨]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام تھے۔“ [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ و يتم نعمته عليك و على آل يعقوب ﴾ : ٤٦٨٨]

سورۂ عنکبوت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام آزر کے گھر بابل کے شہر میں پیدا ہوئے۔ یہاں کے لوگ ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے

تھے۔ ان کے نام کی عیدیں مناتے اور قربانیاں دیتے تھے۔ بلکہ سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام، ان کی زوجہ محترمہ سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا اور بھتیجے سیدنا لوط علیہ السلام کے سوا دنیا بھر میں لوگ کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا براہیم علیہ السلام کے ذریعے سے اس باطل اور گمراہی کو ختم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بچپن ہی سے عقل سلیم اور رشد و ہدایت سے نواز دیا تھا اور جب وہ بڑے ہوئے تو انھیں رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ انھوں نے اپنی قوم کو دعوت دی۔

﴿ وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴾ [العنكبوت: ١٦ تا ١٨]

”اور ابراہیم کو جب اس نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ تم اللہ کے سوا چند بتوں ہی کی تو عبادت کرتے ہو اور تم سراسر جھوٹ گھڑتے ہو۔ بلاشبہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو تمھارے لیے کسی رزق کے مالک نہیں ہیں، سو تم اللہ کے ہاں ہی رزق تلاش کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر کرو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کئی امتیں جھٹلا چکی ہیں اور رسول کے ذمے تو کھلم کھلا پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں۔“

ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ بابل کے لیے نبی بنا کر بھیجا۔ آپ نے انھیں صرف ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دی، شرک و معاصی سے ڈرایا اور کہا کہ تم لوگ اللہ کے سوا جن بتوں کی پرستش کرتے ہو اور افترا پردازی کرتے ہوئے انھیں اپنا معبود سمجھتے ہو تو یہ تمھارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ تمھاری روزی اور نفع و نقصان کا مالک تو صرف اللہ ہے، اس لیے عبادت بھی صرف اسی کی کرو۔ اس نے تمھیں بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں۔ اس لیے شکر بھی صرف اسی کا ادا کرو۔ یاد رکھو کہ مرنے کے بعد تمھیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اپنے اعمال کا حساب اسی کو دینا ہوگا۔ اس لیے صرف اسی کی عبادت کرو اور اسی کو راضی کرو۔ اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے تو گزشتہ قوموں نے بھی اپنے انبیاء کو جھٹلایا تھا۔ ان کا جو انجام ہوا تاریخ کے صفحات اس کے شاہد ہیں۔ رسول کا کام تو صرف اللہ کا پیغام پوری صراحت کے ساتھ پہنچا دینا ہے۔

گزشتہ آیات میں ابراہیم علیہ السلام نے شرک کے ابطال پر تین دلائل قوم کے سامنے رکھے۔ ایک یہ کہ یہ بت تمھارے اپنے گھڑے ہوئے ہیں، گویا تم اللہ کی مخلوق ہو اور یہ تمھاری مخلوق ہیں اور الٰہ کی سب سے اہم صفت یہ ہے کہ وہ خالق ہے باقی سب اس کی مخلوق ہے اور جو مخلوق ہے وہ الٰہ نہیں ہوسکتا اور یہ الٰہ تو مخلوق در مخلوق ہیں، یہ الٰہ کیسے بن گئے؟ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان بتوں کے نفع یا نقصان سے متعلق تمھیں خود ہی داستانیں اور قصے کہانیاں تراشنا پڑتی ہیں۔ اگر

تمھارے ان قصے کہانیوں کو ان سے علیحدہ کر دیا جائے تو باقی یہ پتھر کے پتھر یا بے جان مادے ہی رہ جاتے ہیں اور ایسے مادے الٰہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ تیسری دلیل یہ ہے کہ یہ تمھیں رزق کیا دیں گے، رزق تو تم خود ان کے آگے چڑھاووں اور نذروں نیازوں کی صورت میں رکھتے ہو، چاہو تو تم ان کے آگے رزق رکھ دو، چاہو تو اٹھا لو اور چاہو تو ان کے اوپر مل دو۔ لہٰذا ایسے غلط عقائد ان سے منسوب نہ کرو اور رزق مانگنا ہے تو اللہ سے مانگو اور جس کا کھاؤ اسی کا گن گاؤ، اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر بجا لاؤ۔

حیات بعد الممات کے دلائل

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ [العنكبوت : ١٩]

''اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ خلق کی ابتدا کرتا ہے، پھر اسے دہرائے گا، بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ ان کی قوم آخرت کی منکر تھی۔ انھوں نے اس کے بارے میں اپنی قوم کی راہنمائی اس طرح فرمائی کہ دیکھو ایک وقت تھا کہ تمھارا کوئی ذکر نہ تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے تمھیں پیدا کیا اور تمھیں دیکھنے اور سننے والے انسان بنا دیا تو جس ذات پاک نے تمھیں پہلی دفعہ پیدا کیا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تمھیں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے۔ یہ اس کے لیے بہت آسان ہے، کچھ مشکل نہیں۔

مظاہر فطرت کا مشاہدہ کرنے کی دعوت

﴿ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌۚ۝ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ اِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ۝ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴾ [العنكبوت : ٢٠ تا ٢٢]

''کہہ زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی، پھر اللہ ہی دوسری پیدائش پیدا کرے گا، یقیناً اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم کرتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور نہ تم کسی طرح زمین میں عاجز کرنے والے ہو اور نہ آسمان میں اور نہ اللہ کے سوا تمھارا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔''

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو زمین میں چل پھر کر مختلف الانواع انسانوں کا مشاہدہ کرنے اور ان میں غور و فکر کی دعوت دیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے گوناگوں انسانوں کو پیدا کیا ہے، جن کے رنگ، طبائع اور زبانیں الگ الگ ہیں، اسی طرح قیامت کے دن انھیں دوبارہ پیدا کرے گا، اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اس

دن کافروں اور منکرین آخرت کو عذاب دے گا اور مومنوں اور اپنے اوامر ونواہی کی پیروی کرنے والوں کو اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کرے گا۔ اے انسانو! تمھیں بہر حال اپنے رب ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور تم اللہ کو کسی حال میں عاجز نہیں کر سکو گے، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے وہ تمھیں دوبارہ زندہ کر کے میدانِ محشر میں جمع کرے گا اور اس کے سوا تم اپنا کوئی یار و مددگار نہیں پاؤ گے۔

قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے دلائل کے بعد فرمایا کہ پھر وہ جسے چاہے گا اپنے عدل کے ساتھ عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا اپنے فضل کے ساتھ رحم فرمائے گا۔ جیسا کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ اپنے تمام آسمان والوں اور اپنے تمام زمین والوں کو عذاب دینا چاہے تو دے سکتا ہے، یہ اس کا ان پر ظلم نہیں ہو گا (کیونکہ سبھی اسی کی ملکیت ہیں)۔'' [ابن ماجه، المقدمة، باب في القدر : ۷۷۔ أبو داوٗد، كتاب السنة، باب في القدر : ۴۶۹۹۔ مسند أحمد : ۱۸۲/۵، ح : ۲۱۷۴۴]

﴿ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ لِقَآىِٕهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

[العنكبوت : ۲۳]

''اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا وہ میری رحمت سے ناامید ہو چکے اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں عام ہے، جس سے کافر اور مومن، منافق اور مخلص، نیک اور بد یکساں طور پر مستفید ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دنیا کے وسائل، آسائش اور مال و دولت عطا کر رہا ہے۔ یہ رحمت الٰہی کی وہ وسعت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ [الأعراف : ۱۵۶] ''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔'' لیکن آخرت چونکہ دار الجزاء ہے۔ انسان نے دنیا کی کھیتی میں جو کچھ بویا ہو گا اسی کی فصل اسے وہاں کاٹنا ہو گی۔ جیسے عمل کیے ہوں گے ویسی ہی جزا اسے وہاں ملے گی۔ اللہ کی بارگاہ میں بے لاگ فیصلے ہوں گے۔ دنیا کی طرح اگر آخرت میں بھی نیک و بد کے ساتھ یکساں سلوک ہو اور مومن و کافر دونوں ہی رحمت الٰہی کے مستحق قرار پائیں تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل پر حرف آتا ہے اور دوسرے قیامت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ قیامت کا دن تو اللہ نے رکھا ہی اس لیے ہے کہ وہاں نیکوں کو ان کی نیکیوں کے صلے میں جنت اور بدوں کو ان کی بدیوں کی جزا میں جہنم دی جائے۔ اس لیے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے لیے خاص ہو گی۔ جیسے یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ان آیات کا انکار کرتے ہیں جو اس نے اپنے انبیاء پر نازل کی ہیں اور قیامت کے دن اس سے ملاقات کے منکر ہیں، وہ لوگ اس دن جب سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنے کرتوتوں کو سوچ سوچ کر اللہ کی رحمتِ اور جنت سے بالکل ناامید ہو جائیں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا جس میں انھیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو برا سمجھتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملنا برا سمجھتا ہے۔'' ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اور زوجہ محترمہ نے عرض کی کہ موت کو تو ہم بھی پسند نہیں کرتے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا یہ مطلب نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت ہوتا ہے تو اس کو اللہ کی (طرف سے) رضا مندی اور اعزاز کی بشارت دی جاتی ہے، اس وقت اس کو اس چیز سے جو اس کے آگے ہے (یعنی اللہ سے ملاقات کی نسبت) اور کوئی چیز اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ تب وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملنا پسند کرتا ہے، لیکن جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور عقوبت کی خبر دی جاتی ہے، پس جو کچھ اس کے آگے (یعنی عذاب اور عقوبت) ہے، اس سے زیادہ کوئی چیز اس کو بری معلوم نہیں ہوتی اور وہ اللہ سے ملنے کو برا سمجھتا ہے اور اللہ اس سے ملنے کو برا سمجھتا ہے۔'' [بخاري، كتاب الرقاق، باب من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه : ٦٥٠٧]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب

ابراہیم علیہ السلام کی قوم آپ کی نصیحت کو قبول کرنے اور آپ پر ایمان لانے کی بجائے آپ کی جان کی دشمن بن گئی اور آپ کو جلانے یا قتل کرنے کی تدبیریں کرنے لگی۔

﴿ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ [العنكبوت : ٢٤]

''پھر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا اسے قتل کر دو، یا اسے جلا دو، تو اللہ نے اسے آگ سے بچالیا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔''

ابراہیم علیہ السلام کے اس وعظ و نصیحت اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے دھمکانے کا ان کی قوم پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کی آئے دن کی ان نصیحتوں سے چھٹکارا پانے کے لیے اسے سب مل کر قتل کر دیں یا آگ میں جلا دیں، چنانچہ انھیں آگ میں ڈال دیا گیا، لیکن ان کے رب نے اس سے نجات دی اور وہ آگ ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت، بے پایاں رحمت اور عظیم حکمت کے بڑے دلائل پائے جاتے ہیں، لیکن ان نشانیوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو اہل ایمان ہوں گے۔ بے ایمان لوگ تو مُردوں کی مانند ہیں، فکر و نظر سے محروم ہیں، اس لیے انھیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کی باتیں سن کر انھیں مار ڈالنے یا جلا دینے کا ارادہ کیا۔ جب ان لوگوں نے اپنے ارادے کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل پر ایک عظیم انعام کرتے ہوئے انھیں دنیا

میں اس آگ سے بچا لیا۔ قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام پر عظیم انعام یہ ہوگا کہ انھیں سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم (قیامت کے دن) ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کیے جاؤ گے۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ١٠٤] ''جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کی ابتدا کی (اسی طرح) ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، یقیناً ہم ہمیشہ (پورا) کرنے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ''پھر سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ كما بدأنا أول خلق نعيده وعدا علينا ﴾ : ٤٧٤٠۔ مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة : ٥٨ / ٢٨٦٠]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں نشانیاں

ان نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کرتا ہے اور جو جتنا مقرب ہو آزمائش اتنی ہی سخت ہوتی ہے۔ اس واقعہ ہی کو دیکھ لیجیے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کو ان پر ہاتھ ڈالنے ہی نہ دیتا، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿ فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ﴾ [القصص : ٣٥] ''کہ یہ لوگ تم دونوں تک نہیں پہنچیں گے۔'' اور یہ بھی ممکن تھا کہ ان کی قوم میں سے ان کا کوئی ہمدرد کھڑا کر دیتا، جیسا کہ ہمارے رسول کریم ﷺ کے لیے ابوطالب کو کھڑا کر دیا، جس نے مشرک ہونے کے باوجود کہا ؎

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِيْنَا

''اللہ کی قسم! یہ لوگ اپنی جماعت کے ساتھ بھی تم تک نہیں پہنچیں گے، حتیٰ کہ مجھے مٹی میں دفن کر دیا جائے۔''

مگر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے دنیا کا کوئی سبب یا ذریعہ نہیں رہنے دیا جس کے ساتھ وہ آگ میں جلنے سے بچ جائیں۔ یہاں آزمائش اور امتحان میں ابراہیم علیہ السلام کی کمال کامیابی ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا کا ہر سہارا ختم ہونے اور شعلے مارتی ہوئی آگ سامنے دیکھنے کے باوجود انھوں نے نہ اللہ کی توحید کا دامن چھوڑا۔ نہ قوم کے سامنے جھکے، نہ کسی غیر کو پکارا، زبان سے نکلا تو یہی نکلا: ((حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ)) ''مجھے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔''

[بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ الذين قال لهم الناس...... ﴾ : ٤٥٦٤]

دوسری نشانی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا صدق آزما لیا تو آگ کو ان کے لیے برد و سلام بنا دیا، حالانکہ اس کا کام ہی جلانا ہے اور دنیا کے تمام ظاہری اسباب ختم ہونے کے باوجود کلمہ کن (كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا) کے ساتھ انھیں بچا لیا۔ تیسری نشانی یہ کہ جس اللہ نے دنیا کی تمام چیزوں میں مختلف خاصیتیں رکھی ہیں۔ وہ اپنے خاص بندوں کے لیے ان میں ان کے الٹ خاصیتیں پیدا کر دیتا ہے۔ پانی کا کام بہنا ہے۔ وہ اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام اور

بنی اسرائیل کی نجات کے لیے الگ الگ پہاڑوں کی شکل میں کھڑا ہو گیا۔ آگ کا کام جلانا ہے لیکن اللہ کے حکم سے وہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے گلزار بن گئی۔

چوتھی نشانی یہ کہ وہی مشرکین جنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو پکڑا، باندھا اور آگ میں پھینک دیا۔ آگ سے نکلنے کے بعد انھیں ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکے، حالانکہ کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ انھیں قید کر دیتے یا قتل کر دیتے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کا زبردست ہاتھ تھا جس کے زیرِ حفاظت وہ ان کا بال بیکا نہ کر سکے۔ پانچویں نشانی یہ کہ اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے باوجود ان کی قوم کے لوگ کفر پر اڑے رہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب کوئی قوم انکار پر اڑ جاتی ہے تو بڑے سے بڑا معجزہ بھی انھیں نفع نہیں دیتا۔

قوم کو دوبارہ نصیحت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نکلنے کے بعد بھی قوم کو نصیحت ترک نہیں کی بلکہ انھیں سمجھایا کہ تمھارے ان بتوں کو شریک بنانے کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے۔

﴿ وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ [العنکبوت : ٢٥]

”اور اس نے کہا بات یہی ہے کہ تم نے اللہ کے سوا بت بنائے ہیں، دنیا کی زندگی میں آپس کی دوستی کی وجہ سے، پھر قیامت کے دن تم میں سے بعض بعض کا انکار کرے گا اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کرے گا اور تمھارا ٹھکانا آگ ہی ہے اور تمھارے لیے کوئی مدد کرنے والے نہیں۔“

ابراہیم علیہ السلام نے اہل بابل سے یہ بھی کہا کہ تم نے اگرچہ ان بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے، لیکن ان کی عبادت کے نام پر تم لوگ اپنے دنیوی مصالح و مقاصد کی خاطر اکٹھا ہوتے ہو، ڈرتے ہو کہ اگر ان کی عبادت چھوڑ دی تو تمھارا آپس کا تعلق ختم ہو جائے گا، تمھارا شیرازہ بکھر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ قیامت کے دن میدانِ محشر میں جب وہ لوگ جمع ہوں گے تو دنیا میں معبودانِ باطلہ کی عبادت پر ان کا آپس کا اتحاد ختم ہو جائے گا اور ان کے سردارانِ کفر اپنے پیروکاروں سے اظہار براءت کر دیں گے۔ وہ پیروکار بھی ان سرداروں کی سرداری کا انکار کر دیں گے اور ہر ایک دوسرے کو خوب لعن طعن کرے گا، یہاں تک کہ سبھی جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور کوئی ان کی مدد کے لیے آگے نہیں آئے گا۔

سیدنا لوط علیہ السلام کا ایمان و ہجرت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب آگ سے صحیح سلامت باہر نکل آئے اور انھوں نے یہ نصیحت کی تو لوط علیہ السلام فوراً ہی ان پر ایمان لے آئے اور ان کے تابع فرمان ہو گئے۔

﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾

[العنکبوت : ۲۶، ۲۷]

’’تو لوط اس پر ایمان لے آیا اور اس نے کہا بے شک میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، یقیناً وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور ہم نے اسے اس کا اجر دنیا میں دیا اور بے شک وہ آخرت میں یقیناً صالح لوگوں سے ہے۔‘‘

ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو ان کی قوم میں سے صرف ان کے بھتیجے لوط اور ان کی بیوی سارہ علیہما السلام نے قبول کیا۔ اس کے بعد وہ اپنا وطن چھوڑ کر ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے، تاکہ وہاں پوری آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور دوسروں کو اللہ کے دین کی طرف بلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی راہ میں اذیتیں برداشت کرنے اور ہجرت کے صلہ میں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب (علیہ السلام) جیسا پوتا عطا کیا اور ہمیشہ کے لیے نبوت اور آسمانی کتابوں کا نزول ان کی اولاد کے ساتھ خاص کر دیا، چنانچہ ان کے بعد تمام انبیاء انھی کی اولاد میں سے پیدا ہوئے اور تمام آسمانی کتابیں انھی پر نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں اولاد، روزی اور اس بشارت سے نوازا کہ اب سارے انبیاء انھی کی اولاد میں پیدا ہوں گے اور آخرت میں انھیں اکابرین اور صالحین کے ساتھ جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا۔

اس آیت میں ایک لطیف فائدہ ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ابراہیم علیہ السلام پر آنے والے تمام مشکل حالات کو ایسے بہترین حالات کے ساتھ بدل دیا جو پہلے حالات کے بالکل الٹ تھے، یعنی قوم نے انھیں توحید کی دعوت کی وجہ سے آگ میں پھینکا، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے خیریت و سلامتی کے ساتھ بچا لیا۔ وہ پوری قوم میں تنہا تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں انھیں اتنی اولاد عطا فرمائی جس سے دنیا بھر گئی۔ ان کے رشتے دار خود گمراہ اور مشرک تھے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے اور شرک کی دعوت دینے والے تھے، جن میں ان کا باپ آزر بھی تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان رشتہ داروں کے بدلے میں ایسے رشتہ دار دیے جو خود ہدایت یافتہ اور دوسروں کو ہدایت دینے والے تھے۔ یہ ان کی وہ اولاد تھی جن میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور کتاب رکھ دی۔ وہ اپنے وطن میں بے وطن تھے، تو اللہ تعالیٰ نے بابرکت زمین شام میں انھیں ٹھکانا عطا فرمایا۔ ان کے پاس مال و جاہ نہیں تھا، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنا مال عطا فرمایا کہ وہ اچانک آنے والے چند مہمانوں کے لیے تھوڑی دیر میں بھنا ہوا بچھڑا لے آتے ہیں اور جاہ و مرتبہ اتنا عطا فرمایا کہ قیامت تک آخری رسول محمد ﷺ پر درود کے ساتھ ان پر بھی درود بھیجا جاتا رہے گا۔ ایک وقت تھا کہ وہ اپنی قوم میں اس قدر بے حیثیت تھے کہ انھیں ایک بے نام شخص سمجھا جاتا تھا، جیسا کہ سورۂ انبیاء میں ہے: ﴿ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ

لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ﴾ [الأنبياء : ٦٠] ''انھوں نے کہا ہم نے ایک جوان سنا ہے جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔'' اور دعوت توحید کی وجہ سے ان کی قوم ان کی دشمن تھی، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں قیامت تک آنے والوں میں ایسی لسان صدق (سچی شہرت اور ناموری) عطا فرمائی کہ اب کم ہی کوئی شخص ہوگا جو انھیں نہ جانتا ہو۔ یہودی ہوں یا عیسائی یا مسلمان سب ان سے محبت کرتے ہیں۔ ان کا ذکر اچھے سے اچھے طریقے سے کرتے ہیں اور ان کی طرف نسبت پر فخر کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اس بات کی بلا ریب شہادت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی چیز ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے کہیں بہتر چیز عطا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دیے جانے والے اعزاز ذکر کرتے ہوئے فرمایا، ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد کے سوا کسی کو نبوت اور آسمانی کتاب نہیں دی گئی، جتنے انبیاء ہوئے ان کی اولاد سے ہوئے، اس لیے انھیں ابو الانبیاء کہا جاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ایک سلسلہ اسحاق و یعقوب علیہما السلام کا ہے، جس میں عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے حضرات کو نبوت ملی۔ دوسرا سلسلہ اسماعیل علیہ السلام کا ہے جس میں آخری نبی سید ولد آدم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ اعزاز بھی عطا کیا گیا کہ دنیا میں دیے جانے والے اجر سے ان کے آخرت کے درجات میں کوئی کمی نہیں ہوئی، بلکہ انھیں صالحین میں شمولیت کا شرف عطا کیا گیا جس کے حصول کی دعا اللہ کے جلیل القدر پیغمبر بھی کرتے رہے، جیسے سلیمان علیہ السلام نے دعا کی: ﴿ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [النمل : ١٩] ''اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔'' اور یوسف علیہ السلام نے دعا کی: ﴿ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾ [يوسف : ١٠١] ''مجھے مسلم ہونے کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔'' اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''جو بھی نبی بیمار ہوتا ہے اسے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔'' اور آپ جس بیماری میں فوت ہوئے آپ کو بہت سخت کھانسی ہوئی، تو میں نے سنا آپ کہہ رہے تھے: ﴿ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [النساء : ٦٩] ''ان لوگوں کے ساتھ (ملا دے) جن پر تو نے انعام کیا نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین میں سے۔'' تو میں نے جان لیا کہ آپ کو اختیار دے دیا گیا ہے۔'' [بخاري، التفسير، باب : ﴿ فأولئك مع الذين أنعم الله عليهم ...... ﴾ : ٤٥٨٦]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نظامِ کائنات میں غور و تدبر

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مظاہر قدرت دکھا کر ایمان و یقین کا اعلیٰ رتبہ عطا فرمایا تاکہ آپ اپنی امت کو دعوتِ توحید پر زور طریقے اور دلائل کی روشنی میں دیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴾ [الأنعام : ٧٥]

''اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی عظیم سلطنت دکھاتے تھے اور تاکہ وہ کامل یقین والوں سے ہو جائے۔''

یعنی ہم نے ان کی نظر میں یہ واضح کر دیا کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ عزوجل کی وحدانیت کی کس طرح دلیل ہے۔ ملک و خلق میں وہ کس طرح وحدہٗ لاشریک لہ ہے کہ اس کے سوا نہ کوئی اور معبود ہے اور نہ پروردگار۔

توحید باری تعالیٰ کے دلائل

﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۤلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۤءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴾ [الأنعام : ٧٦ تا ٧٨]

''تو جب اس پر رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا، کہنے لگا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو اس نے کہا میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ پھر جب اس نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو اس نے کہا یقیناً اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو یقیناً میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر جب اس نے سورج چمکتا ہوا دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا کہنے لگا اے میری قوم! بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک بناتے ہو۔''

ابراہیم علیہ السلام کا باپ اور اس کی قوم اصنام، شمس و قمر اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے چاہا کہ ان کی اس دینی غلطی کو واضح کر دیں کہ جن باطل معبودوں کی پرستش وہ کرتے ہیں ان میں سے کوئی بھی الٰہ بننے کا مستحق نہیں ہے۔ قوم کے نزدیک سب سے روشن اور اشرف سورج، پھر چاند، پھر زہرہ ستارہ تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پہلے زہرہ کے بارے میں واضح فرمایا کہ یہ الٰہ ہونے کے قابل نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ایک معین رفتار کے ساتھ ایک مخصوص وقت کے لیے مسخر و مقدر ہے، جس سے یہ ذرہ برابر دائیں بائیں نہیں ہو سکتا اور نہ اسے اپنے آپ پر تصرف کا کوئی اختیار ہی ہے، بلکہ یہ تو ان اجرام فلکی میں سے ایک ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر منور پیدا فرمایا ہے۔ یہ ستارہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب کی طرف چلنا شروع کر دیتا ہے، حتیٰ کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگلی رات پھر یہ طلوع ہو کر وقتِ مقررہ پر غروب ہو جاتا ہے، تو جو اس طرح ہو یعنی اس کے طلوع و غروب کے پیچھے کسی دوسری ہستی کا دستِ قدرت کارفرما ہو، وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام چاند کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے بارے میں بھی اسی طرح واضح فرمایا کہ جس طرح ستارے کے بارے میں فرمایا تھا۔ پھر اسی طرح آپ نے سورج کی طرف توجہ فرمائی اور جب آپ نے ان تینوں اجرامِ فلکی کے الٰہ ہونے کی نفی فرما دی جو دیگر ان تمام

اجرام کی نسبت زیادہ منور ہیں، جن کا انسان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتے ہیں اور جب قطعی دلیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ الٰہ نہیں ہو سکتے تو کہنے لگے، لوگو! جن چیزوں کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو میں ان کی عبادت کرنے اور ان کی دوستی اختیار کرنے سے بے زار ہوں۔ اگر یہ الٰہ ہیں تو یہ سب مل کر میرے خلاف جو چاہیں پروگرام بنالیں اور مجھے ذرہ برابر مہلت نہ دیں۔

ان معبودانِ قوم کی نفی کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور اس کے سامنے جھکنے اور مشرکین سے بے زاری کا اعلان کر دیا:

﴿ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴾ [الأنعام : ۷۹]

''بے شک میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف متوجہ کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، ایک (اللہ کی) طرف ہو کر اور میں مشرکوں سے نہیں۔''

یعنی میں تو اس ذات گرامی کی عبادت کرتا ہوں جو ان تمام اشیا کا خالق، موجد، انھیں مسخر کرنے والا اور ان کی تدبیر فرمانے والا ہے، جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے، جو ہر چیز کا رب، مالک اور معبود ہے۔

قوم کی تکرار

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو اللہ کے حکم کے مطابق دلیل کے ذریعے سورج، چاند اور ستاروں کے رب نہ ہو سکنے کی بات سمجھائی تو وہ جھگڑے پر اتر آئے:

﴿ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ [الأنعام : ۸۰]

''اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا، اس نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، حالانکہ یقیناً اس نے مجھے ہدایت دی ہے اور میں اس سے نہیں ڈرتا جسے تم اس کے ساتھ شریک بناتے ہو، مگر یہ کہ میرا رب کچھ چاہے، میرے رب نے ہر چیز کا احاطہ علم سے کر رکھا ہے، تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔''

قوم کے ساتھ یہ مناظرہ ہوا تو ان کی قوم نے اپنے عقیدے کے صحیح ہونے کے بہت دلائل پیش کیے، مثلاً انھوں نے ایک دلیل یہ دی: ﴿ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّةٍ ﴾ [الزخرف : ۲۲] ''ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقے پر پایا ہے نیز ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دی کہ یہ بت تمھیں آفات اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ﴿ وَقَدْ هَدٰىنِ ﴾ ''اللہ نے مجھے سیدھا راستہ بتا دیا ہے۔'' سے ان کی پہلی دلیل کا جواب دیا کہ یقینی دلیل کے مقابلہ میں تمھارے باپ

دادا کا دین بے معنی ہے اور ان کی دھمکی کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچنی ہو تو پہنچ سکتی ہے، مگر یہ تمھارے بت اور جھوٹے پروردگار میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

شرک ہی ظلم عظیم ہے

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ میں تمھارے ان معبودوں سے کیوں ڈروں جب کہ مجھے یقین ہے کہ یہ مجھے نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ڈرنا تو تمھیں چاہیے جو بلا دلیل اللہ کے ساتھ شریک بنا کر ظلم عظیم کر رہے ہو، فرمایا:

﴿ وَ كَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ [الأنعام : ۸۱]

”اور میں اس سے کیسے ڈروں جسے تم نے شریک بنایا ہے، حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ بے شک تم نے اللہ کے ساتھ اس کو شریک بنایا ہے جس کی کوئی دلیل اس نے تم پر نہیں اتاری، تو دونوں گروہوں میں سے امن کا زیادہ حق دار کون ہے، اگر تم جانتے ہو۔“

ابراہیم علیہ السلام نے کہا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں بتوں سے ڈروں، جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، جو نہ خالق ہیں نہ رازق اور تم اس اللہ سے نہ ڈرو جس کے ساتھ تم نے بہت سے معبودانِ باطلہ کو بغیر دلیل و برہان کے شریک بنا رکھا ہے، حالانکہ وہ تنہا خالق و رازق ہے اور ہر نفع و نقصان کا صرف وہی مالک ہے۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا معبود اللہ ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور تمھارے معبود مٹی کے ڈھیر ہیں۔ تو ذرا سوچو تو سہی کہ امن و سلامتی کے حق دار تم مشرکین ہو یا ہم اہل ایمان؟ اگر تمھارے پاس علم کا شائبہ بھی ہوتا تو یقیناً تمھارا جواب یہی ہوتا کہ بے شک اہل ایمان ہی امن و سلامتی کے مستحق ہیں۔

اس امت کے کلمہ گو پیر پرست بھی اہل توحید سے کہتے ہیں کہ جو شخص بڑے پیر کی گیارھویں چھوڑ دے اس کا بیٹا یا بھینس مر جاتی ہے یا کوئی اور نقصان پہنچ جاتا ہے، تو ان کا بھی یہی جواب ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ [الأنعام : ۸۲]

”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے امن انھی لوگوں کو نصیب ہوگا جنھوں نے شرکیہ اعمال کے ذریعے سے اپنے ایمان کو فاسد نہیں بنایا ہوگا اور دنیا میں بھی وہی لوگ اہل حق ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ (وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا) نازل ہوئی تو مسلمانوں پر اس آیت کا مضمون بہت شاق گزرا۔ صحابہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بات تم سمجھ رہے ہو وہ بات نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ ہے جو لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: ﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان : ۱۳] ''اے میرے چھوٹے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔'' [مسلم، کتاب الإیمان، باب صدق الإیمان وإخلاصہ : ۱۲٤۔ بخاري، کتاب التفسیر، باب ﴿ ولم یلبسوا إیمانھم بظلم ﴾ : ٤٦٢٩]

دلائل کے میدان میں ابراہیم علیہ السلام کی فتح

﴿ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾

[الأنعام : ۸۳]

''اور یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلے میں دی، ہم درجوں میں بلند کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں۔ بے شک تیرا رب کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں ''حجت'' سے مراد دلائل توحید ہیں جو قوم کے مقابلے میں ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیے۔ یہ دلائل اللہ تعالیٰ نے قوم کے مقابلہ میں ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے، تاکہ وہ تنہا پوری قوم پر غالب آ جائیں۔ تو فرمایا، چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی جان کی کوئی پروا نہ کی اور اپنے آپ کو توحید کی دعوت دینے کے لیے وقف کر دیا، اس لیے ہم نے بھی ان پر بڑے بڑے احسانات فرمائے۔ دنیا ہی میں انھیں یہ انعام دیا کہ نیک اولاد سے نوازا اور اس کے بعد ان کی ذریت میں نبوت و کتاب اتارنے کا سلسلہ جاری کر دیا اور اسی سلسلہ کی آخری کڑی محمد ﷺ ہیں۔

بت پرستوں سے مناظرہ اور دعوت غور و فکر کے لیے شاندار تدبیر

اہل بابل بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انھی سے بت پرستی کے بارے میں مناظرہ کیا تھا اور مجسموں کو توڑ پھوڑ کر اور ان کی تحقیر و تذلیل کر کے ان کا باطل ہونا واضح فرمایا تھا، جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ وَ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ۝ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤی اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴾

[الأنبياء : ٥١ تا ٦١]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اس کی سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی اور ہم اسے جاننے والے تھے۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کیا ہیں یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو؟ انھوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو انھی کی عبادت کرنے والے پایا ہے۔ کہا بلاشبہ یقیناً تم اور تمھارے باپ دادا کھلی گمراہی میں تھے۔ انھوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس حق لایا ہے، یا تو کھیلنے والوں سے ہے؟ کہا بلکہ تمھارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے، جس نے انھیں پیدا کیا ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔ اور اللہ کی قسم! میں ضرور ہی تمھارے بتوں کی خفیہ تدبیر کروں گا، اس کے بعد کہ تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ پس اس نے انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، سوائے ان کے ایک بڑے کے، تاکہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں۔ انھوں نے کہا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ بلاشبہ وہ یقیناً ظالموں سے ہے۔ لوگوں نے کہا ہم نے ایک جوان کو سنا ہے، وہ ان کا ذکر کرتا ہے، اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا پھر اسے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے لاؤ، تاکہ وہ گواہ ہو جائیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بچپن ہی میں شمس و قمر اور دیگر ستاروں میں غور و فکر کر کے توحید ربوبیت اور توحید الوہیت سمجھنے، اس پر ایمان لانے اور اپنے باپ آزر اور اس کی قوم کے سامنے اس دعوت کو پیش کرنے کی توفیق دی تھی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا وہ اس عقیدہ کو قبول کرنے اور پھر اسے دوسروں کے سامنے پیش کرنے کی پوری اہلیت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر، اس کی قوم، نمرود اور اس کے ماننے والوں سے پوچھا کہ اینٹ، پتھر اور لکڑی کے بنے ان حقیر اور بے جان مجسموں کی کیا حقیقت ہے کہ تم لوگ ان کی عبادت کرتے ہو؟ نہ یہ نفع پہنچاتے ہیں اور نہ نقصان، یہ خود تمھارے ہی ہاتھوں کے بنے ہوئے بے جان مجسمے ہیں، کس عقل کا تقاضا ہے کہ ان کی عبادت کی جائے؟ انھوں نے کہا کہ ہمارے آبا و اجداد ان کی عبادت کرتے آئے ہیں، اس لیے ہم بھی ان کی عبادت کرتے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔ آبا و اجداد کی اندھی اور جاہلانہ تقلید کے علاوہ ان کے پاس اپنے مشرکانہ اعمال کی کوئی عقلی دلیل نہیں تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا، تم اور تمھارے باپ دادا سبھی کھلی گمراہی میں بھٹکتے رہے ہیں؟ کیا اس سے بھی بڑھ کر بے عقلی ہو سکتی ہے کہ انسان ایسے بتوں کی پرستش کرے جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان؟ جو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں، کافروں نے ان کی یہ بات سن کر کہا اے ابراہیم! جو کچھ تم ہم سے کہہ رہے ہو سنجیدگی کے ساتھ

کہہ رہے ہو، یا یونہی ہم سے مذاق کر رہے ہو اور تمھاری گفتگو کا کیا مطلب ہے؟ تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی داعیانہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں اپنی گفتگو میں بالکل سنجیدہ ہوں اور تمھیں بتاتا ہوں کہ تمھارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، جس نے انھیں پیدا کیا ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی رب۔

ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی

مفسرین لکھتے ہیں کہ جب قوم ابراہیم کی عید کا دن آیا تو انھوں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اگر تم ہمارے ساتھ عید کی خوشیوں میں شریک ہوگے تو ہمارا دین تمھیں پسند آئے گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے معذرت کر لی اور دل میں کہا کہ اگر تم دعوت توحید کو میری زبان سے سن کر قبول نہیں کرتے ہو، تو اب میں تمھیں عملی طور پر سمجھاؤں گا کہ ان بتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جب تم ان کی پوجا کر کے اپنے گھروں کو چلے جاؤ گے تو میں اس ''منکر'' کو اپنے ہاتھ سے بدلنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑے سے تمام بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا اور اس کی گردن میں کلہاڑا لٹکا دیا، تاکہ جب لوگ واپس آئیں اور اپنے معبودوں کا یہ حال دیکھیں اور بڑے بت کی گردن میں کلہاڑا لٹکتا ہوا دیکھیں تو اس سے کچھ پوچھیں اور جب وہ اپنی زبان حال سے اپنی عاجزی اور درماندگی کا اعلان کرے تو مشرکوں کو کچھ تو سمجھ میں آئے کہ ان کے چھوٹے معبود تو کیا، بڑا معبود بھی کتنا عاجز و بے بس ہے کہ انھیں کچھ بتا بھی نہیں سکتا، تو پھر یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ واپس آنے کے بعد جب انھوں نے بتوں کا یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ جس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسی اہانت آمیز حرکت کی ہے، اس نے بہت ہی برا کام کیا ہے کہ جن بتوں کی ہم پرستش کرتے تھے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں، تو انھی میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے، ہمارے معبودوں کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کرتے ہوئے سنا گیا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ پھر اسے ہم سب کے سامنے لایا جائے اور ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ دوسروں کے لیے نشانِ عبرت بن جائے۔

ابراہیم علیہ السلام کا توریہ کرنا

﴿ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ [الأنبياء : ٦٢ تا ٦٧]

''انھوں نے کہا کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا ہے اے ابراہیم!؟ اس نے کہا بلکہ ان کے اس

بڑے نے یہ کیا ہے، سو ان سے پوچھ لو، اگر وہ بولتے ہیں۔ تو وہ اپنے دلوں کی طرف لوٹے اور کہنے لگے یقیناً تم خود ہی ظالم ہو۔ پھر وہ اپنے سروں پر الٹے کر دیے گئے، بلاشبہ یقیناً تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھیں کچھ نفع دیتی ہے اور نہ تمھیں نقصان پہنچاتی ہے؟ اُف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، تو کیا تم سمجھتے نہیں۔''

ابراہیم علیہ السلام بھری محفل میں لائے گئے اور ان سے پوچھا گیا کہ اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے بتوں کا یہ حال بنایا ہے؟ انھوں نے بت پرستوں کے خلاف حجت قائم کرنے کے لیے کہا کہ جب یہ بڑا بت تمھارا سب سے بڑا معبود ہے اور اسے تم نفع ونقصان دینے والا مانتے ہو، تو پھر اسی نے کیا ہوگا اور اپنی ناراضی کا اظہار کیا ہوگا کہ تم لوگ اس کے علاوہ دیگر چھوٹے بتوں کی کیوں پوجا کرتے ہو؟ ابراہیم علیہ السلام کا مقصود اپنی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا ہرگز نہیں تھا، عقیدۂ بت پرستی پر ایک کاری ضرب لگانے کے لیے کہا کہ اگر یہ بت معبود حقیقی ہیں تو ان کے اندر کم از کم بولنے کی صلاحیت تو ضرور ہوگی۔ انھی سے پوچھ لو کہ کس نے ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے بارے میں یہ مبنی برحقیقت جواب سن کر مشرکین لا جواب ہو گئے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ان بے روح جمادات کی عبادت کر کے درحقیقت ہم ہی اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں اور خواہ مخواہ ابراہیم کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں، لیکن کچھ ہی دیر کے بعد ان کا کبر وعناد سر اٹھا کر پھر سامنے آ گیا۔ اس لیے کہنے لگے، تمھیں معلوم ہے کہ یہ اصنام بات نہیں کر سکتے تو کیوں کہتے ہو کہ ہم ان سے پوچھ لیں؟ ان کے اس جواب سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد پورا ہو گیا کہ جب تم خود اعتراف کرتے ہو کہ یہ بولنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تو پھر کیوں ان کے سامنے ماتھا رگڑتے ہو؟

ابراہیم علیہ السلام نے انھیں لاجواب کرتے ہوئے کہا کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ایسے بتوں کی کیوں عبادت کرتے ہو جو تمھیں نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے؟ تف ہو تم پر اور تمھارے معبودوں پر، کیا اتنی بات بھی تمھاری سمجھ میں نہیں آتی کہ تمھارا یہ فعل کتنا برا اور عقل سے کس قدر بعید ہے کہ خود اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کے سامنے جھکتے ہو اور انھیں اپنا معبود سمجھتے ہو؟

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے تین مواقع کے سوا کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ ان میں سے دو اللہ کے لیے تھے (جن سے اللہ کے دین یعنی توحید کی حقانیت ثابت کرنا مقصود تھا)، ایک آپ کا یہ فرمانا: ﴿ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴾ [الصافات: ۸۹] ''میں بیمار ہوں۔'' اور یہ فرمانا: ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا ﴾ [الأنبياء: ٦٣] ''یہ کام ان کے بڑے (سردار بت) نے کیا ہے۔'' (تیسرا واقعہ یہ ہے کہ) ایک دن ابراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام سفر میں تھے کہ ایک ظالم بادشاہ کے شہر (مصر) سے گزر ہوا۔ اسے بتایا گیا، یہاں ایک مرد آیا ہے جس کے ساتھ ایک حسین ترین

خاتون ہے۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا اور پوچھا، یہ عورت کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میری بہن ہے۔'' پھر آپ نے سارہ علیہا السلام کے پاس واپس جا کر فرمایا: ''سارہ! روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن موجود نہیں، اس نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے اسے بتایا ہے کہ تو میری بہن ہے، اب میری بات جھٹلا نہ دینا۔'' بادشاہ نے سارہ علیہا السلام کو طلب کر لیا۔ جب آپ اس کے سامنے پیش ہوئیں، تو اس نے ہاتھ بڑھا کر آپ کو چھونا چاہا تو اسے پکڑ لیا گیا (یعنی حرکت نہ کر سکا) اس نے کہا، میرے لیے اللہ سے دعا کر، میں تجھے تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ انھوں نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے پھر آپ کو چھونا چاہا تو پہلے سے زیادہ سخت گرفت میں آ گیا۔ اس نے (پھر) کہا، میرے لیے اللہ سے دعا کیجیے، میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔ آپ نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ تب اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا، تم میرے پاس کوئی انسان نہیں لائے، تم تو کوئی جن پکڑ لائے ہو۔ اس نے ان کی خدمت کے لیے سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کو پیش کر دیا۔ جب سیدہ سارہ علیہا السلام واپس آئیں تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے اشارے سے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' سیدہ سارہ علیہا السلام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش کو ناکام کر دیا اور خدمت کے لیے ہاجرہ (علیہا السلام) دے دی۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ : ﴿ واتخذ الله إبراهيم خليلاً ﴾ : ٣٣٥٨۔ مسلم، كتاب الفضائل ، باب من فضائل إبراهيم الخليل عليه السلام : ٢٣٧١]

آتشِ نمرود کا گلزار ہونا

یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان دلیل سے لاجواب ہو جاتا ہے تو یا تو نیکی اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے یا بدی غالب آ جاتی ہے۔ بدی کے غلبے کی صورت میں وہ مکمل طور پر لاجواب ہو جاتا ہے تو اپنے مخالف کو دھمکیاں دیتا ہے۔ ابراہیم کی قوم بھی جب دلیل میں ہر طرح سے لاجواب ہو گئی تو ابراہیم کی جان کے درپے ہو گئی۔ مشورہ ہوا کہ اسے قتل کر دو یا جلا دو۔

﴿ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْۤا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ٦٨ تا ٧٠]

''انھوں نے کہا اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو، اگر تم کرنے والے ہو۔ ہم نے کہا اے آگ! تو ابراہیم پر سراسر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔ اور انھوں نے اس کے ساتھ ایک چال کا ارادہ کیا تو ہم نے انھی کو انتہائی خسارے والے کر دیا۔''

جب مشرکین کو ابراہیم علیہ السلام کے جواب نے عاجز کر دیا تو جیسا کہ ہمیشہ سے باطل پرستوں کا شیوہ رہا ہے کہ حق پرستوں کی دلیل سے بے بس ہو کر طاقت کا استعمال کرتے اور ظلم و استبداد سے کام لیتے ہیں، انھوں نے بھی آپس میں مشورہ کیا کہ اب ابراہیم (علیہ السلام) کو خاموش کرنے کی ایک ہی شکل رہ گئی ہے کہ ہم لوگ اپنے معبودوں کی عظمت برقرار رکھنے کے لیے اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دیں، تاکہ دنیا اس کی بے بسی کا نظارہ کرے اور ہر شخص جان لے کہ جو شخص

ہمارے معبودوں کی عزت نہیں کرتا اسے ہم ایسی ہی دردناک سزا دیتے ہیں۔ انھوں نے ایک زبردست آگ جلائی اور ابراہیم کو منجنیق کے ذریعے سے دور سے اس آگ میں پھینک دیا۔ ابراہیم علیہ السلام جونہی آگ میں پھینکے گئے تو اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم کے لیے ٹھنڈی بن جائے اور ٹھنڈی بھی اس قدر ہو کہ نقصان نہ پہنچائے، بلکہ سکون و سلامتی کا باعث ہو، چنانچہ وہ ٹھنڈی اور آرام دہ بن گئی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کے لیے معجزہ یعنی فطرت کے عام قوانین کے برعکس معاملہ تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پر اپنی لاٹھی مارنے کا حکم دیا تو سمندر پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ ایک بہت بڑے پہاڑ کی طرح اپنی جگہ کھڑا رہا، فرمایا: ﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ﴾ [الشعراء : ٦٣] ”پس وہ پھٹ گیا تو ہر ٹکڑا بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔“ جب کہ پانی کی فطرت بہنا ہے، ایسے ہی آگ کی فطرت جلانا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد وہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے گلزار بن گئی۔ اگر کسی کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ لے: ﴿اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [آل عمران : ٤٧] ”جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔“ اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے آگ کو ”كُوْنِيْ“ (ہو جا) سے خطاب فرمایا، پھر آگ کی کیا مجال تھی کہ ٹھنڈی اور سلامتی والی نہ ہوتی۔ اگر کسی کو پھر بھی اصرار ہے کہ آگ کا کام جلانا ہی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بھی ٹھنڈی نہیں ہو سکتی تو اسے قرآن مجید پر ایمان کے دعوے کا تکلف نہیں کرنا چاہیے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ آیت: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ [آل عمران : ١٧٣] (ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے) کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ کلمات سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہے جب انھیں آگ میں پھینکا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات اس وقت کہے جب ان سے کہا گیا: ﴿اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ [آل عمران : ١٧٣] ”بے شک لوگوں نے تمھارے لیے (فوج) جمع کر لی ہے، سو ان سے ڈرو، تو اس (بات) نے انھیں ایمان میں زیادہ کر دیا اور انھوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔“ [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿الذين قال لهم الناس ...... الخ﴾ : ٤٥٦٣]

آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بت پرستوں نے تو ابراہیم علیہ السلام کے خلاف سازش کی کہ انھیں جلا کر خاکستر کر دیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو انھی کی طرف پھیر دیا، ان کی کوشش ضائع ہوئی، مال کا خسارہ ہوا، مقصد حاصل نہیں ہوا اور دنیا نے جان لیا کہ ابراہیم علیہ السلام حق پر ہیں اور وہ سراسر باطل پر۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق چھپکلی بھی ابراہیم علیہ السلام کے خلاف پھونکیں مارنے والوں میں سے تھی، جیسا کہ ام شریک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کو مار دینے کا حکم دیا اور فرمایا: ”یہ ابراہیم علیہ السلام پر پھونکیں مارتی تھی۔“ [بخاري، الأنبياء، باب

قوله تعالى: ﴿ واتخذ الله إبراهيم خليلا...... ﴾ : ٣٣٥٩]

محدث عبد الرزاق نے اپنی مصنف (۸۳۹۲) میں معمر عن الزہری عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مینڈک ابراہیم علیہ السلام سے آگ بجھاتے تھے اور چھپکلی اس میں پھونکیں مارتی تھی، سو انھیں قتل کرنے سے منع فرمایا اور اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔'' مسند احمد کے محقق نے لکھا ہے کہ یہ سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپکلی کو ''فویسق'' (بہت نافرمان) فرمایا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے قتل کرنے کا حکم دیتے ہوئے نہیں سنا۔'' اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔'' [بخاري: ٣٣٠٦] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے چھپکلی کو قتل کرنے کی حدیث کسی صحابی کے واسطے سے سنی ہے، اس صورت میں بھی حدیث صحیح ہے، کیونکہ تمام صحابہ روایت حدیث میں معتبر ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قوم سے مکالمہ سورۂ شعراء کی روشنی میں

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ﴾ [الشعراء : ٦٩ تا ٧١]

''اور ان پر ابراہیم کی خبر پڑھ۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ انھوں نے کہا ہم کچھ بتوں کی عبادت کرتے ہیں، پس انھی کے مجاور بنے رہتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ مشرکین قریش کو ابراہیم علیہ السلام کی داستانِ توحید سنا دیجیے، جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ ابراہیم علیہ السلام کے باپ اور ان کی قوم کے دیگر افراد نے فخر کے طور پر کہا کہ ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور دن بھر ان کی عبادت میں لگے رہتے ہیں، یعنی رات کے وقت ستاروں کی اور دن میں انھی ستاروں کے مجسموں کی پرستش کرتے ہیں۔ یعنی ہم انھی کے مجاور بنے رہتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کسی قبر پرست کو سمجھانے کے لیے کہا جائے کہ تم کس چیز کی پوجا کر رہے ہو؟ (یعنی جس کا کوئی فائدہ نہیں) تو وہ آگے سے فخر کے ساتھ کہے کہ ہم تو فلاں دربار ہی کے مجاور ہیں۔ مجاور بننا بہت بڑی نادانی ہے۔ سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے حنین کی طرف نکلے، راستے میں بیری کے درخت کے پاس سے گزر ہوا، جہاں مشرکین و کفار مجاور بن کر بیٹھتے تھے اور وہاں اپنا اسلحہ لٹکاتے تھے، اس مقام کو ذات انواط کہا جاتا تھا (یعنی ایسا مقام جہاں چیزوں کو لٹکایا جائے)، چنانچہ جب ہم بیری کے اس بہت بڑے سبز درخت کے پاس سے گزرے تو ہم (میں سے بعض لوگوں) نے کہا، اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی کوئی ایسا ہی آستانہ بنا دیجیے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگوں نے بھی بالکل وہی بات کہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ (اے موسیٰ!) ہمارے لیے بھی کوئی مشکل کشا بنا

دے، جس طرح کہ ان لوگوں کے مشکل کشا ہیں۔“ پھر آپ ﷺ نے (اپنے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا: ”حقیقت حال یہ ہے کہ تم نادان لوگ ہو، یہ ایسے (شرکیہ وکفریہ) طور طریقے ہیں جو تم سے پہلے لوگوں نے اختیار کیے تھے اور تم بھی ایک ایک کر کے ان کو اپناتے چلے جاؤ گے۔“ [مسند أحمد : ۲۱۸/۵، ح : ۲۱۹۵٦۔ ترمذي، کتاب الفتن، باب ما جاء لترکبن ...... الخ : ۲۱۸۰۔ ابن حبان : ٦۷۰۳۔ السنن الکبری للنسائي : ۳٤٦/٦، ح : ۱۱۱۸۵]

آباء و جداد کی اندھی تقلید

جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے فخریہ کہا کہ ہم تو انھی کے مجاور بنے رہتے ہیں۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے کسی بھی ذات کی عبادت کے لیے اس میں پائی جانے والی تین صفات ذکر کر کے فرمایا کہ کیا ان میں یہ تینوں یا کوئی ایک صفت پائی جاتی ہے:

﴿قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾

[الشعراء : ۷۲ تا ۷٤]

”کہا کیا وہ تمھیں سنتے ہیں، جب تم پکارتے ہو؟ یا تمھیں فائدہ دیتے، یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ انھوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کہ وہ ایسے ہی کرتے تھے۔“

ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ جب تم لوگ ان بتوں کو پکارتے ہو تو کیا یہ سنتے ہیں؟ یا تمھیں نفع پہنچا سکتے ہیں؟ یا اگر تم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دو تو کیا یہ تمھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اس سوال کا مقصد ان کے دین کا فساد ثابت کرنا تھا۔ اس لیے کہ اس کا جواب ان کے پاس اس کے سوا کچھ بھی نہیں تھا کہ واقعی یہ بت نہ ہماری پکار کا جواب دیتے ہیں اور نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، تو گویا ان کی عبادت لہو ولعب اور حماقت کے سوا کچھ بھی نہ تھی۔ اسی لیے مشرکین نے اپنے کفر و شرک پر اصرار کرتے ہوئے یہ جواب دیا کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے آئے ہیں، اس لیے ہم بھی ایسا ہی کریں گے اور اس پر سختی سے قائم رہیں گے۔

بتوں کی بے ثباتی کا تذکرہ ایک روایت میں بھی موجود ہے، قبیلہ سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا اور وہ مسلمان ہو گئے، پھر وہ واپس اپنی قوم کے پاس گئے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ واپس جا کر سب سے پہلا جملہ جو انھوں نے اپنی زبان سے ادا کیا، وہ یہ تھا کہ لات اور عزیٰ (کس قدر) برے ہیں۔ لوگوں نے جب ضمام رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ سنا تو کہنے لگے، اے ضمام! (بزرگوں کی گستاخی سے) رک جا اور برص اور کوڑھ کی بیماریوں سے بچ اور بچ (کہ کہیں بزرگوں کی گستاخی سے) تو پاگل نہ ہو جائے! یہ سن کر ضمام رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم سے کہا، ہلاکت ہو تمھارے لیے! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ دونوں (مل کر بھی) نہ کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ کچھ سنوار سکتے ہیں، (سنو!) اللہ عزوجل نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب آتاری ہے، جن جہالتوں اور گمراہیوں میں تم پڑے ہو، اس کتاب کے ساتھ وہ تمھیں ان سے بچاتا ہے۔ [مسند

أحمد : ١/ ٢٦٤، ٢٦٥، ح : ٢٣٨٤- مستدرك حاكم : ٣/ ٥٤، ٥٥، ح : ٤٣٨٠]

ابراہیم علیہ السلام نے ان کے اس تصور کی نفی فرمائی کہ کسی دین کے حق ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ قدیم آبا واجداد کے وقت سے چلا آ رہا ہے۔

﴿قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعراء : ٧٥ تا ٧٧]

''کہا تو کیا تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے۔تم اور تمھارے پہلے باپ دادا۔سو بلاشبہ وہ میرے دشمن ہیں، سوائے رب العالمین کے۔''

ابراہیم علیہ السلام نے کہا، پھر تم سب جان لو کہ جن بتوں کی تم اور تمھارے آبا واجداد پرستش کرتے رہے ہیں، میری ان سب سے دشمنی ہے، سوائے رب العالمین کے، جو دنیا وآخرت میں میرا مولیٰ وآقا ہے۔ اس لیے میں صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوطلحہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا، ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرے لیے جائز نہیں ہے کہ میری شادی کسی مشرک سے ہو، اے ابوطلحہ! کیا تو نہیں جانتا ہے کہ یقیناً تمھارا معبود، جس کی تم عبادت کرتے ہو، اسے فلاں آدمی یا (فرمایا) فلاں قبیلے کا بڑھئی غلام تراشتا ہے اور اگر تم اس میں آگ بھڑکاؤ تو وہ یقیناً خاکستر ہو جائے؟ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، یہ سن کر ابوطلحہ چلے گئے اور یقیناً ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بات ان کے دل میں بیٹھ گئی، وہ جب بھی ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر پیغام نکاح دیتے تو وہ انھیں یہی بات کہتیں، ایک دن وہ آئے اور کہا کہ جو دعوت تو نے مجھے دی تھی میں نے اسے قبول کر لیا ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (پھر انھوں نے شادی کر لی اور) ام سلیم رضی اللہ عنہا کا مہر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام ہی تھا، اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔[الطبقات الکبریٰ لابن سعد : ٨/ ٣١٣]

آخری آیت میں فرمایا کہ تم اور تمھارے قدیم ترین آبا واجداد جن چیزوں کی عبادت کرتے رہے ہیں وہ سب چیزیں میری دشمن ہیں۔ ہاں، اگر ان میں سے کوئی ''رب العالمین'' کی بھی عبادت کرتا رہا ہے، تو صرف ''رب العالمین'' میرا دوست ہے۔

ان الفاظ میں اس بات کا بھی اظہار ہے کہ میں تمھارے بتوں سے ہرگز نہیں ڈرتا، وہ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، میرا ان کے ساتھ اور تمھارے ساتھ تعلق دشمنی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دوسرے جلیل القدر پیغمبروں نے بھی کفار اور ان کے معبودوں کے متعلق صاف اعلان کیا کہ وہ ان کے خلاف جو کر سکتے ہیں انھیں ان کی کوئی پروا ہے نہ ان سے کوئی خوف۔

اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی وہ صفات ذکر کرتے ہوئے فرمایا جن کی وجہ سے وہ عبادت کا حق دار ہے:

﴿ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَ الَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ۝ وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَ الَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَ الَّذِيْۤ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴾ [الشعراء : ۷۸ تا ۸۲]

''وہ جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔اور وہی جو مجھے کھلاتا ہے اور مجھے پلاتا ہے۔اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔اور وہ جو مجھے موت دے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا۔اور وہ جس سے میں طمع رکھتا ہوں کہ وہ جزا کے دن مجھے میری خطا بخش دے گا۔''

ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں صرف اس رب العالمین کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جو دین و دنیا کی بھلائی کی طرف میری راہنمائی کرتا ہے۔ جو کھلاتا اور پلاتا ہے، یعنی اس نے مجھے روزی دینے کے لیے تمام آسمانی اور زمینی اسباب مہیا کیے، بادل بھیجا، پانی برسایا، زمین کو زندگی دی اور انواع و اقسام کے پھل اور غذائی مادے پیدا کیے اور پانی کو صاف شفاف اور میٹھا بنایا جسے جانور اور انسان سبھی پیتے ہیں۔ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دینے پر اس کے سوا کوئی قادر نہیں ہوتا۔ اس رب العالمین کی صفت یہ بھی ہے کہ وہی تمام انسانوں کو موت دیتا ہے اور قرب قیامت کے وقت وہ سب کو دوبارہ زندہ کرے گا اور اسی سے امید کی جاتی ہے کہ قیامت کے دن وہ میرے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اپنے اور اپنے باپ کے لیے دعا

اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی صفات بیان کرنے کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں چند دعائیں کیں:

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾ [الشعراء : ۸۳]

''اے میرے رب! مجھے حکم عطا کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا۔''

ابراہیم علیہ السلام جب اپنے رب کی تعریف، اس کی حمد و ثنا اور اس کی گوناگوں نعمتوں کو بیان کر چکے تو انھوں نے اپنے رب سے دعا کی۔ نہایت عجز و انکسار سے کہا، اے میرے رب! مجھے علم و فہم میں کمال عطا فرما اور انبیاء کی طرح عمل صالح کی توفیق دے اور جنت میں مجھے ان کا ساتھی بنا۔ دوسروں کے لیے مجھے خیر کا نمونہ بنا اور آئندہ آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھ۔ یعنی دنیا میں بھی صالح دوستوں اور ساتھیوں کی رفاقت عطا فرما اور آخرت میں بھی انھی کے ساتھ ملا دے۔ یوسف علیہ السلام نے بھی یہ دعا کی: ﴿ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾ [یوسف : ۱۰۱] ''مجھے مسلم ہونے کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔'' اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے بھی آخری وقت دعا کی تھی: ((اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى)) ''(اے اللہ!) مجھے سب سے بلند رفیقوں میں شامل فرما دے۔'' آپ ﷺ

نے یہ دعا تین دفعہ کی۔ [دیکھیے بخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب : ۳۶۶۹، ۴۴۳۷]

مزید فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ وَاغْفِرْ لِاَبِيْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾ [الشعراء : ۸۴ تا ۸۶]

''اور پیچھے آنے والوں میں میرے لیے سچی ناموری رکھ۔ اور مجھے نعمت کی جنت کے وارثوں میں سے بنا۔ اور میرے باپ کو بخش دے، یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا۔''

یعنی قیامت تک آنے والی نسلوں میں مجھے سچی ناموری عطا فرما کہ وہ اچھے الفاظ میں میرا ذکر کرتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، یہودی، عیسائی اور مسلمان سب انھیں اپنا پیشوا مانتے ہیں اور ان کا ذکرِ خیر کرتے ہیں۔ مسلمان تو نماز میں ''كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ'' اور ''كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ'' بھی کہتے ہیں۔ [بخاري : ۳۳۷۰]

امام مالک رحمہ اللہ نے اس آیت سے استدلال فرمایا کہ آدمی کی اس خواہش میں کوئی حرج نہیں کہ اس کی نیک شہرت ہو۔ بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ اس کا فائدہ آخرت میں یہ ہے کہ ممکن ہے کہ نیک اعمال میں اس کی شہرت سن کر کوئی شخص وہ اعمال کرنے لگے جس کا اجر اسے بھی ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کرے، پھر اس کے بعد اس پر عمل کیا جائے، تو اس کے لیے ان لوگوں جیسا اجر لکھا جائے گا جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے اجروں سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔'' [مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة......: ۱۵/۱۰۱۷، قبل ح : ۲۶۷۴]

انھوں نے اپنی دعا میں یہ بھی کہا، میرے رب ! مجھے بے شمار نعمتوں والی جنت کا وارث بنا، یعنی ان میں سے بنا جنھیں تو بغیر محنت و مشقت کیے جنت عطا فرمائے گا، جیسے انسان کو وراثت بغیر محنت کیے حاصل ہوتی ہے اور میرے رب ! میرے باپ کی مغفرت فرما دے، اس لیے کہ اس نے جہالت و نادانی کی وجہ سے تیرے ساتھ غیروں کو شریک بنایا ہے۔

﴿ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾
[الشعراء : ۸۷ تا ۸۹]

''اور مجھے رسوا نہ کر، جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ جس دن نہ کوئی مال فائدہ دے گا اور نہ بیٹے۔ مگر جو اللہ کے پاس سلامتی والا دل لے کر آیا۔''

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ بھی کہا کہ میرے رب ! جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے، اس دن لوگوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کرنا، یا قیامت کے دن مجھے عذاب نہ دینا، جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد۔ صرف

وہ آدمی جہنم کے عذاب سے بچ سکے گا جس کا دل دنیا میں کفر و شرک، نفاق اور دیگر مذموم اخلاق و عادات سے محفوظ ہو گا۔ ایسے ہی آدمی کا نیک عمل قیامت کے دن اس کے کام آئے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ روایت بیان کی ہے، جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آزر سے قیامت کے دن ملاقات کریں گے تو آزر کے منہ پر سیاہی اور گرد و غبار ہو گا۔ ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے کہ کیا میں نے (دنیا میں) تم سے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو؟ ان کا باپ آزر کہے گا، آج میں تمھاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس وقت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے، اے اللہ! تو نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا تو اس سے بڑھ کر اور کیا رسوائی ہو گی کہ آج میرا والد تیری رحمت سے سب سے زیادہ دور ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔ پھر (ابراہیم علیہ السلام کو تسلی دینے کے لیے) کہا جائے گا، اے ابراہیم! تمھارے پاؤں کے نیچے کیا چیز ہے؟ ابراہیم علیہ السلام (نیچے نظر کریں گے تو) دیکھیں گے کہ نجاست میں لتھڑا ہوا ایک بجو ہے، چنانچہ اس کو پاؤں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلا﴾: ٣٣٥٠]

گویا اللہ تعالیٰ مشرک پر جنت حرام کرنے کا قانون بھی قائم رکھیں گے اور ابراہیم علیہ السلام کو رسوا ہونے سے بھی بچا لیں گے کہ رسوائی تو تب ہو کہ لوگ دیکھیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ آگ میں جل رہا ہے۔ ایک بجو آگ میں جل رہا ہو تو کسی کو کیا خبر کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایمان والے جمع ہوں گے اور کہیں گے، بہتر ہے کہ ہم اپنے رب کے سامنے کسی کی سفارش پہنچائیں، تو سب مل کر سیدنا آدم (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے۔ ان سے کہیں گے کہ آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور پھر تمام چیزوں کے نام آپ کو بتائے، چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کیجیے، تاکہ وہ ہمیں اس (مصیبت کی) جگہ سے نکال کر آرام و سکون کی جگہ پہنچائے۔ وہ کہیں گے، میں اس لائق نہیں۔ دراصل وہ اپنی لغزش کو یاد کر کے (اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے) شرمائیں گے۔ وہ کہیں گے، تم نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ کہ وہ پہلے رسول ہیں جو اہل زمین کی طرف بھیجے گئے۔ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ بھی کہیں گے، میں اس لائق نہیں۔ وہ اپنے رب سے اس چیز کا سوال کرنا جس چیز کا انھیں علم نہیں تھا، یاد کریں گے اور (اللہ کے پاس جاتے ہوئے) شرمائیں گے اور کہیں گے، تم رحمٰن کے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ ان کے پاس جائیں گے (اور ان سے عرض کریں گے) وہ کہیں گے، میں اس لائق نہیں ہوں، تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔''

[بخاري، كتاب التفسير، باب قول الله تعالى : ﴿ و علم ادم الأسمآء كلها ﴾ ٤٤٧٦ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها : ١٩٣]

سورۂ صافات میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ

﴿ وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۞ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۞ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۞ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۞ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الصافات : ٨٣ تا ٨٧]

’’اور بے شک اس کے گروہ میں سے یقیناً ابراہیم (بھی) ہے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس بے روگ دل لے کر آیا۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا اللہ کو چھوڑ کر گھڑے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟ تو جہانوں کے رب کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے؟‘‘

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام ایمان اور توحید کی طرف لوگوں کو بلانے میں نوح علیہ السلام کی راہ پر گامزن تھے۔ وہ بھی اپنے رب کی طرف ایسے دل کے ساتھ متوجہ ہوئے تھے جو شرک اور شک و شبہ کی آلائشوں سے یکسر پاک اور فطری طور پر توحید کی طرف مکمل طور پر مائل تھا، اسی لیے انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کی بت پرستی پر نکیر کی اور ان سے کہا کہ کیا تم اللہ کے خلاف افترا پردازی کرتے ہوئے اپنے لیے اس کے سوا دوسروں کو معبود بناتے ہو اور رب العالمین کی عبادت چھوڑ کر غیروں کی پرستش کرتے ہو؟ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ بات تمھارے وہم و گمان میں بھی نہ آتی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ کیا تم نے اس میں کوئی نقص یا عیب پایا کہ اپنے گھڑے ہوئے معبودوں کی عبادت کرنے لگے اور اس کی گرفت سے بالکل بے خوف ہو گئے؟

قوم کا جشن اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ محض زبانی نصیحت سے وہ بتوں کے بے بس اور بے اختیار ہونے کو ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ اس مقصد کے لیے عملاً انھیں توڑنا پڑے گا تو پھر وہ مناسب موقع کا انتظار کرنے لگے، اس دوران ان کی قوم کے ایک جشن یا میلے کا دن آ گیا۔ قوم نے آپ کو ساتھ چلنے کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔ قرآن کریم اس صورت حال کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۞ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۞ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۞ فَرَاغَ اِلٰۤى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۞ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۞ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ۞ فَاَقْبَلُوْۤا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۞ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۞ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ [الصافات : ٨٨ تا ٩٦]

’’پس اس نے ستاروں میں ایک نگاہ ڈالی۔ پھر کہا میں تو بیمار ہوں۔ تو وہ اس سے پیٹھ پھیر کر واپس چلے گئے۔ تو

وہ چپکے سے ان کے معبودوں کی طرف گیا اور اس نے کہا کیا تم کھاتے نہیں؟ تمھیں کیا ہے کہ تم بولتے نہیں؟ پھر وہ دائیں ہاتھ سے مارتے ہوئے ان پر پل پڑا۔ تو وہ دوڑتے ہوئے اس کی طرف آئے۔ اس نے کہا کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جسے خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔“

وہ لوگ علم نجوم کے قائل تھے، اسی لیے ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اگر میں تمھارے ساتھ میلے میں شریک ہوں گا تو بیمار پڑ جاؤں گا، تاکہ لوگ انھیں میلہ میں شرکت سے معذور سمجھیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لوگوں نے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا اور خود میلے میں شرکت کے لیے چلے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام بتوں کے پاس پہنچے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اگر تم عبادت کے مستحق ہو تو تمھارے سامنے اتنے کھانے پڑے ہیں، انھیں کھاتے کیوں نہیں ہو؟ لیکن بتوں نے نہ کھانا کھایا اور نہ ان کی بات کا جواب دیا تو ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے، اے بتو! تم بولتے کیوں نہیں ہو؟ پھر اپنے دائیں ہاتھ میں موجود کلہاڑی سے انھیں مار مار کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ مشرکین جب شام کو واپس آئے اور اپنے معبودوں کا حالِ زار دیکھا تو فوراً ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دفاع میں کہا کہ یہ کیسی تمھاری کور مغزی ہے کہ جن بتوں کو تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو انھی کی پوجا کرتے ہو، حالانکہ تمھارا اور تمھارے معبودوں کا خالق اللہ ہے۔ اس لیے عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا خود کو بیمار کہنا

یہ ایسی بات تھی جو درحقیقت سچی تھی، کیونکہ عموماً آدمی کی طبیعت کچھ نہ کچھ خراب ہوتی ہے، مگر قوم نے اس کا مطلب کچھ اور سمجھا (کہ وہ جانے کے قابل نہیں ہیں) جس سے ابراہیم علیہ السلام اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایسی باتوں کو جن میں کہنے والے کی نیت کچھ ہو اور سننے والا کچھ اور سمجھے ”معاریض“ کہتے ہیں، جن کے ساتھ آدمی صریح جھوٹ سے بچ جاتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ابراہیم علیہ السلام نے تین مواقع کے سوا کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ایک جب انھیں بتوں کی طرف بلایا گیا تو انھوں نے فرمایا: ﴿ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴾ [الصافات : ۸۹] ”میں بیمار ہوں۔“ اور دوسرا ان کا یہ قول: ﴿ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ﴾ [الأنبياء : ٦٣] ”یہ کام ان کے بڑے (سردار بت) نے کیا ہے۔“ اور تیسرا جب انھوں نے سارہ علیہا السلام کے بارے میں فرمایا: ”یہ میری بہن ہے۔“

[مسند أحمد : ۲/ ۴۰۳، ۴۰۴، ح: ۹۲۶۳۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل عليه السلام : ۲۳۷۱]

ان باتوں سے مراد وہ حقیقی جھوٹ نہیں جس کے بولنے والے کو مذموم قرار دیا جاتا ہے، حاشا وکلا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف کذبِ حقیقی کی نسبت کی جائے، بلکہ آپ کی نسبت کذب کا لفظ مجازی طور پر استعمال کیا گیا ہے اور یہ شرعی اور دینی مقصد کی خاطر کلام میں معاریض (توریہ) کے قبیل سے ہے اور یہ جائز ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام آگ کے آلاؤ میں

دلیل میں لاجواب ہونے پر ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے فیصلہ کیا کہ ایک بڑی عمارت بناؤ، اسے ایندھن سے بھر کر آگ لگاؤ جب وہ خوب بھڑک اٹھے تو ابراہیم کو اس میں پھینک دو:

﴿ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴾

[الصافات : ۹۷، ۹۸]

’’انھوں نے کہا اس کے لیے ایک عمارت بناؤ، پھر اسے بھڑکتی آگ میں پھینک دو۔ غرض انھوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنے کا ارادہ کیا تو ہم نے انھی کو سب سے نیچا کر دیا۔‘‘

قوم ابراہیم کے پاس جب اپنے شرک و کفر کی تائید میں کوئی دلیل باقی نہ رہی اور ابراہیم علیہ السلام کی صریح اور واضح دلیل نے انھیں لاجواب کر دیا، تو انھوں نے ظلم و جبروت کی راہ اختیار کی، جو حق کی آواز کو دبانے کے لیے ظالموں اور جابروں کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہے۔ انھوں نے طے کیا کہ ایک بہت بڑی آگ جلا کر ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دیں، انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کے خلاف سازش کی اور ان کو نیچا دکھانا چاہا، لیکن اللہ نے انھیں ہی ذلیل و رسوا کیا۔ ان کی سازش یکسر ناکام رہی اور آگ ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کا نمرود کے ساتھ مناظرہ

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾ [البقرة : ۲۵۸]

’’کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، اس لیے کہ اللہ نے اسے حکومت دی تھی، جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، اس نے کہا میں زندگی بخشتا اور موت دیتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا پھر اللہ تو سورج کو مشرق سے لاتا ہے، پس تو اسے مغرب سے لے آ، تو وہ جس نے کفر کیا تھا حیرت زدہ رہ گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

یہ شخص جس نے ابراہیم علیہ السلام سے رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا، بابل کا بادشاہ نمرود بن کنعان تھا۔ اس بادشاہ کے رب تعالیٰ کے متعلق ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑے کی وجہ یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکومت عطا فرمائی، اس کا شکر اس نے یہ ادا کیا کہ خود رب بن بیٹھا اور جس نے اسے حکومت عطا فرمائی تھی اس کا انکار کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے

فقیر بنا دیتا تو کبھی یہ جسارت نہ کرتا۔

ابراہیم علیہ السلام عراق کے رہنے والے تھے۔ ان کے زمانے میں عراق کے اندر شرک تقریباً اپنی ساری صورتوں کے ساتھ موجود تھا، بتوں کو وہ پوجتے تھے، سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش وہ کرتے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ بادشاہ وقت کو بھی رب مانتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کے ذمے ان سب صورتوں کی تردید کرکے لوگوں کو اکیلے رب کی عبادت کی دعوت دینا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے والد اور قوم کو بت پرستی چھوڑ کر ایک رب کی عبادت کی دعوت دی، نتیجے میں گھر سے نکلنا پڑا، پھر نہایت حکیمانہ طریقے سے سورج، چاند اور ستاروں کا رب نہ ہونا ایسا واضح کیا کہ قوم لاجواب ہو گئی۔ نتیجے میں قوم کے جھگڑے اور سورج، چاند اور ستاروں کے غضب کا نشانہ بننے کی دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا کہ محض نصیحت سے بتوں کی بے بسی ماننے پر یہ لوگ تیار نہیں تو میلے والے دن ان کے بڑے بت کو چھوڑ کر باقی سارے بت توڑ دیے۔ تفتیش ہوئی، ابراہیم علیہ السلام مجرم قرار پائے، اس موقع پر ساری قوم کے سامنے بتوں کی بے بسی ایسی واضح فرمائی کہ وہ اپنے دلوں میں مان گئے کہ ظالم وہ خود ہی ہیں، ابراہیم (علیہ السلام) کا کچھ قصور نہیں۔ اب حق کو قبول کرنے کے بجائے الٹا کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو۔ اب ظاہر ہے کہ عوام جتنے بھی ہوں کسی کو سزا دینا تو حکومت کا کام ہے۔ اس لیے انھیں وقت کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ اپنی سلطنت میں بت پرستی، ستارہ پرستی کو برداشت کرتا تھا، بلکہ اس کی پشت پناہی کرتا تھا، کیونکہ وہ خود بھی مشرک تھا اور اپنے رب ہونے کا بھی دعویدار تھا۔ اس موقع پر بادشاہ کے ساتھ یہ مناظرہ ہوا، جس میں لاجواب ہو کر اس نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھنکوا دیا۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب اس بادشاہ کے رب ہونے سے انکار کیا تو اس نے پوچھا: ''تمھارا رب کون ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔'' اس نے کہا: ''میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔'' مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ کج بحثی پر اترا ہوا ہے تو پہلی دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل سورج والی دی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دلیل چھوڑی نہیں، بلکہ اس کے ذریعے سے اس کے منہ سے اس دعویٰ کا اقرار کروالیا کہ میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اب اس دعویٰ پر دوسری دلیل کی بنیاد رکھی کہ جب تم میں اتنی قوت ہے کہ تمھی سب کو پیدا کرتے ہو اور تمھی مارتے ہو تو اس کے مقابلے میں ایک معمولی سا کام کرکے دکھاؤ، یہ کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، جب سارا اختیار تمھارے پاس ہے تو سورج کو مغرب سے طلوع کرکے دکھا دو، اس پر وہ بے ایمان حیرت زدہ ہو کر بالکل لاجواب ہو گیا اور ایسے ظالموں کو اللہ تعالیٰ بھی راہِ راست پر آنے کی توفیق نہیں دیتا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سورۂ عنکبوت کی روشنی میں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے نکلنے کے بعد لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لے آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ

اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے بعد بھی قوم ایمان نہیں لائی تو آپ ناامید ہو کر وہاں سے نکل پڑے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾

[العنكبوت : ٢٦، ٢٧]

’’تو لوط اس پر ایمان لے آیا اور اس نے کہا بے شک میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، یقیناً وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی اور ہم نے اسے اس کا اجر دنیا میں دیا اور بے شک وہ آخرت میں یقیناً صالح لوگوں سے ہے۔‘‘

ابراہیم علیہ السلام کی دعوتِ توحید کو ان کی قوم میں سے صرف ان کے بھتیجے لوط اور ان کی بیوی سارہ علیہما السلام نے قبول کیا۔ اس کے بعد وہ اپنا وطن چھوڑ کر ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے، تاکہ وہاں پوری آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور دوسروں کو اللہ کے دین کی طرف بلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی راہ میں اذیتیں برداشت کرنے اور ہجرت کے صلہ میں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب (علیہ السلام) جیسا پوتا عطا کیا اور ہمیشہ کے لیے نبوت اور آسمانی کتابوں کا نزول ان کی اولاد کے ساتھ خاص کر دیا، چنانچہ ان کے بعد تمام انبیاء انھی کی اولاد میں سے پیدا ہوئے اور تمام آسمانی کتابیں انھی پر نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں اولاد، روزی اور اس بشارت سے نوازا کہ اب سارے انبیاء انھی کی اولاد میں پیدا ہوں گے اور آخرت میں انھیں اکابرین اور صالحین کے ساتھ جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا۔

شام کی طرف ہجرت میں لوط علیہ السلام کی معیت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھا تھا اسی طرح ابراہیم اور لوط علیہما السلام دونوں کو ان ظالموں کے پنجے سے بحفاظت نکال کر شام کی طرف ہجرت کرنے کی آسانی عطا فرمائی:

﴿ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ٧١ تا ٧٣]

’’اور ہم نے اسے اور لوط کو اس سرزمین کی طرف نجات دی جس میں ہم نے جہانوں کے لیے برکت رکھی۔ اور ہم نے اسے اسحاق اور زائد انعام کے طور پر یعقوب عطا کیا اور سبھی کو ہم نے نیک بنایا۔ اور ہم نے انھیں ایسے پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے ساتھ رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیکیاں کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی اور وہ صرف ہماری عبادت کرنے والے تھے۔‘‘

ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکلنے کے بعد لوگوں کے سامنے توحید کی دعوت پیش کرتے رہے اور دن بدن ان کے خلاف بت پرستوں کی عداوت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنا ملک چھوڑ کر سرزمین شام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا، تو وہ اپنے بھتیجے لوط اور بیوی سارہ کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ملک اپنی زرخیزی، درختوں، نہروں اور پھلوں کی کثرت کی وجہ سے مشہور تھا اور بہت سے انبیاء کی جائے پیدائش تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مومن و کافر سب کے لیے مبارک کہا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [الصافات : ۱۰۰] ''اے میرے رب! مجھے (لڑکا) عطا کر جو نیکوں سے ہو۔'' تو اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی تھی، چنانچہ سارہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہونے والے اسحاق کو ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں یعقوب جیسا بیٹا دیا، جو اپنے دادا اور باپ کی طرح نبی ہوئے۔ ان تینوں حضرات کو اللہ تعالیٰ نے ''صالح'' کا لقب دیا، اس لیے کہ انھوں نے اپنے خالق و مالک کا حقِ عبادت پورے طور پر ادا کیا اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کوئی کمی نہیں کی۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کا امام بنایا تھا، آسمانی وحی کے مطابق لوگوں کی بھلائی کی طرف راہنمائی کرتے تھے اور خود بھی نیک کام کرتے تھے، نماز کی پابندی کرتے تھے، زکوٰۃ دیتے تھے اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہتے تھے۔

مصر میں داخلہ اور ظالم بادشاہ کے دربار میں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے تین مواقع کے سوا کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ ان میں سے دو اللہ کے لیے تھے (جن سے اللہ کے دین یعنی توحید کی حقانیت ثابت کرنا مقصود تھا)، ایک آپ کا یہ فرمانا: ﴿اِنِّيْ سَقِيْمٌ﴾ [الصافات : ۸۹] ''میں بیمار ہوں۔'' اور یہ فرمانا: ﴿بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ [الأنبياء : ٦٣] ''یہ کام ان کے بڑے (سردار بت) نے کیا ہے۔'' (تیسرا واقعہ یہ ہے کہ) ایک دن ابراہیم علیہ السلام اور سارہ علیہا السلام سفر میں تھے کہ ایک ظالم بادشاہ کے شہر (مصر) سے گزر ہوا۔ اسے بتایا گیا، یہاں ایک مرد آیا ہے جس کے ساتھ ایک حسین ترین خاتون ہے۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا اور پوچھا، یہ عورت کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میری بہن ہے۔'' پھر آپ نے سارہ علیہا السلام کے پاس واپس جا کر فرمایا: ''سارہ! روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن موجود نہیں، اس نے مجھ سے پوچھا تھا تو میں نے اسے بتایا ہے کہ تو میری بہن ہے، اب میری بات جھٹلا نہ دینا۔'' بادشاہ نے سارہ علیہا السلام کو طلب کر لیا۔ جب آپ اس کے سامنے پیش ہوئیں، تو اس نے ہاتھ بڑھا کر آپ کو چھونا چاہا تو اسے پکڑ لیا گیا (یعنی حرکت نہ کر سکا) اس نے کہا، میرے لیے اللہ سے دعا کر، میں تجھے تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔ انھوں نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے پھر آپ کو چھونا چاہا تو پہلے سے زیادہ سخت گرفت میں آ گیا۔ اس نے (پھر) کہا، میرے لیے اللہ سے دعا کیجیے، میں آپ کو تنگ نہیں کروں گا۔ آپ نے دعا کی تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ تب اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا،

تم میرے پاس کوئی انسان نہیں لائے، تم تو کوئی جن پکڑ لائے ہو۔ اس نے ان کی خدمت کے لیے سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کو پیش کر دیا۔ جب سیدہ سارہ علیہا السلام واپس آئیں تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے اشارے سے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' سیدہ سارہ علیہا السلام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کافر کی سازش کو ناکام کر دیا اور خدمت کے لیے ہاجرہ (علیہا السلام) دے دی۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ واتخذ الله إبراهيم خليلاً ﴾ : ۳۳۵۸۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل عليه السلام : ۲۳۷۱]

سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل اور سیدہ ہاجرہ کو جب مکہ مکرمہ چھوڑا تو یہ دعا فرمائی:

﴿ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾ [إبراهيم : ۳۷]

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں آباد کیا ہے، جو کسی کھیتی والی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ سو کچھ لوگوں کے دل ایسے کر دے کہ ان کی طرف مائل رہیں اور انھیں پھلوں سے رزق عطا کر، تاکہ وہ شکر کریں۔''

یہاں ابراہیم علیہ السلام کی بعض ذریت سے مراد اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے اور مسجد حرام کو بیت حرام اس لیے کہا گیا کہ دوسری جگہوں میں جو کام کرنا حلال ہے وہ بیت اللہ میں کرنا حرام قرار دے دیا گیا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنی اولاد کو بیت حرام کے پاس بسانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی اولاد وہاں نماز قائم کرے۔ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیرنے کی دعا اس لیے کی کہ وہ ان سے انس و الفت حاصل کریں، آپس میں متعارف ہوں اور گوناگوں منافع سے مستفید ہوں اور انواع و اقسام کے پھلوں کی جو دعا کی تو اس میں ان کی اولاد اور وہ تمام لوگ شامل ہیں جو مکہ میں آ کر رہیں گے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عورتوں نے کمر کے پٹکے کا استعمال سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سے سیکھا تھا اور انھوں نے اسے اس لیے استعمال کیا تھا، تاکہ سارہ علیہا السلام سے اپنے قدموں کے نشانات کو اوجھل رکھ سکیں اور بعد میں ابراہیم علیہ السلام انھیں اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو، جبکہ وہ ابھی شیر خوار ہی تھے، اپنے ساتھ لے آئے اور انھیں بیت اللہ کے پاس دوحہ کے قریب، زمزم کے اوپر، مسجد کی بالائی جانب بٹھا دیا، جبکہ مکہ میں ان دنوں کوئی نہیں تھا اور مکہ میں ان دنوں پانی بھی نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو وہاں بٹھا دیا اور ان کے پاس کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پلٹ کر جانے لگے تو اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی آپ کے پیچھے ہو لیں، انھوں نے دریافت کیا، ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ جس میں نہ کوئی انسان ہے

اور نہ کوئی اور چیز؟ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام سے کئی بار یہ الفاظ کہے، مگر ابراہیم علیہ السلام پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس پر انھوں نے کہا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، ہاں! یہ سن کر انھوں نے کہا کہ پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ واپس آ گئیں اور ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے تا آنکہ آپ گھاٹی کے پاس پہنچ گئے، جہاں سے وہ انھیں دیکھ نہیں سکتے تھے، چنانچہ یہاں ابراہیم علیہ السلام قبلہ رو ہوئے اور انھوں نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعائیں کیں: ﴿رَبَّنَآ إِنِّيٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ ٱلْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ فَٱجْعَلْ أَفْـِٔدَةً مِّنَ ٱلنَّاسِ تَهْوِيٓ إِلَيْهِمْ وَٱرْزُقْهُم مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ [إبراهيم : ٣٧] ''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں آباد کیا ہے، جو کسی کھیتی والی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ سو کچھ لوگوں کے دل ایسے کر دے کہ ان کی طرف مائل رہیں اور انھیں پھلوں سے رزق عطا کر، تاکہ وہ شکر کریں۔'' اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے انھیں دودھ پلانا شروع کر دیا اور خود مشکیزے میں موجود پانی کو پیتی رہیں، حتیٰ کہ مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا۔ اب تو انھیں بھی پیاس لگ رہی تھی اور ان کے بچے کو بھی، جب انھوں نے دیکھا کہ پیاس کی شدت سے بچہ مضطرب ہو رہا ہے تو ان سے بچے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور وہ وہاں سے چل پڑیں، حتیٰ کہ دوڑتے ہوئے قریبی پہاڑ صفا پر چڑھ گئیں اور وادی میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں کہ شاید کسی کو دیکھ سکیں، لیکن انھیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ چنانچہ وہ صفا سے نیچے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں، پھر اپنی چادر کے کونے کو اٹھایا اور مقدور بھر دوڑ کر وادی سے نکل گئیں، پھر مروہ پر آئیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا، انھوں نے سات بار اسی طرح کیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسی وجہ سے لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔'' اسی طرح دوڑتے دوڑتے جب وہ مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز سنی اور اپنے آپ سے کہا کہ خاموش ہو جاؤ۔ انھوں نے آواز پر کان لگائے، آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی، تو انھوں نے کہا کہ تم نے آواز تو سنا دی، اگر تمھارے پاس کچھ ہے تو مدد کرو، تو انھوں نے دیکھا کہ زمزم والی جگہ ایک فرشتہ ہے جس نے اپنی ایڑی یا پیر مارا تو یہاں سے پانی نکل آیا۔ اب ام اسماعیل نے اپنے ہاتھ سے اس کے ارد گرد منڈیر سی بنائی اور مشکیزے کو پانی سے بھرنا شروع کر دیا۔ مشکیزہ بھر جانے کے بعد بھی پانی بڑے جوش سے پھوٹ رہا تھا۔ راوی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں'' یا آپ نے یہ فرمایا: ''اگر پانی سے مشکیزے کو نہ بھرتیں تو زمزم ایک رواں چشمے کی صورت اختیار کر جاتا۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر انھوں نے خود بھی یہ پانی پیا اور اپنے بچے کو بھی پلایا۔'' فرشتے نے ان

سے کہا کہ کسی قسم کے نقصان سے نہ ڈرو، یہاں تو اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے، جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس وقت بیت اللہ ٹیلے کی طرح زمین سے بلند تھا، سیلاب آتے تو اس کے دائیں بائیں سے زمین کاٹ کر نکل جاتے۔ انھی حالات میں کداء کے راستے سے آنے والے قبیلہ جرہم کے ایک قافلے کا یہاں سے گزر ہوا، جو مکہ کے زیریں علاقے میں فروکش ہو گیا۔ اہل قافلہ نے جو ایک پرندے کو چکر لگاتے دیکھا تو کہنے لگے کہ ضرور یہ پرندہ پانی پر چکر لگا رہا ہے، حالانکہ صورتحال یہ ہے کہ ہم اس وادی سے خوب واقف ہیں کہ یہاں پانی نہیں ہے۔ بہرحال انھوں نے حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا، تو انھوں نے دیکھا کہ یہاں تو پانی موجود ہے۔ انھوں نے واپس جا کر جب قافلے والوں کو اس کی خبر دی تو وہ سب لوگ یہاں آ گئے۔ اس وقت ام اسماعیل پانی کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے کہا، کیا آپ اجازت دیں گی کہ ہم بھی آپ کے پاس ٹھہر جائیں؟ انھوں نے کہا، جی ہاں! لیکن پانی پر تمھارا قبضہ نہیں ہو گا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی شرط منظور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب ام اسماعیل کو پڑوسی مل گئے، انسانوں کی موجودگی ان کے لیے دلجمعی کا باعث ہوئی۔'' پھر یہ لوگ یہاں آباد ہو گئے تو انھوں نے خاندان کے باقی افراد کو بھی یہاں بلا لیا، یہاں تک کہ یہاں ان کے کئی گھر آباد ہو گئے۔ اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو آپ نے ان سے عربی زبان سیکھی۔ جوانی کے عالم میں آپ انھیں بہت اچھے لگتے تھے، حتیٰ کہ انھوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے آپ کی شادی کر دی۔

پھر کچھ عرصہ بعد اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تو ایک دفعہ ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے اہل وعیال کو دیکھنے کی خاطر تشریف لائے تو اس وقت اسماعیل گھر پر نہیں تھے۔ آپ نے ان کی بیوی سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ہمارے لیے شکار وغیرہ لینے گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، تمھاری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ اس نے کہا کہ بہت برا حال ہے، ہم بڑی تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، الغرض اس نے شکوہ و شکایت کا دفتر کھول دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، جب تیرا شوہر گھر آئے تو اسے (میرا) سلام کہنا اور یہ پیغام دے دینا کہ وہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل دیں۔ اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو انھوں نے گھر کے ماحول کو کچھ خوش گوار سا پایا اور فرمایا، کیا تمھارے پاس کوئی آیا تھا۔ اس نے کہا، جی ہاں! ایک بوڑھا آیا تھا، جس کا اس طرح کا حلیہ تھا اور اس نے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے بتا دیا، اس نے یہ بھی پوچھا کہ ہماری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ تو میں نے اسے بتایا کہ ہم بڑی تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا، تب کیا انھوں نے کوئی پیغام بھی دیا؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں! آپ کو سلام کہتے تھے اور یہ پیغام دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل ڈالیں۔ اسماعیل نے فرمایا: یہ تو

میرے ابا جی تھے اور انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے علیحدگی اختیار کر لوں، لہٰذا جاؤ اور اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ۔ چنانچہ اسماعیل نے اسے طلاق دے دی اور پھر اسی خاندان کی ایک دوسری خاتون سے شادی کر لی۔ کچھ عرصہ بعد ابراہیم علیہ السلام پھر ملاقات کے لیے تشریف لائے تو اب بھی اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہو سکی، بہر حال انھوں نے اسماعیل علیہ السلام کی بیوی سے آپ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ ہمارے لیے شکار کرنے گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا، تمھارا کیا حال ہے، گزر بسر کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم خیر و عافیت سے ہیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، تم کیا کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا، گوشت۔ فرمایا، کیا پیتے ہو؟ اس نے جواب دیا، پانی۔ آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ان کے لیے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''ان دنوں ان کے پاس دانے نہیں تھے، ورنہ آپ دانوں میں برکت کی دعا بھی فرماتے۔'' فرمایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت ہے کہ یہاں صرف گوشت اور پانی پر گزارہ ہو جاتا ہے، ورنہ مکہ کے علاوہ کوئی اور جگہ ایسی نہیں جہاں صرف ان دونوں چیزوں پر گزارہ ہو سکے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، جب تمھارا شوہر واپس آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ اپنے دروازے کی دہلیز باقی رہنے دو۔ جب اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو انھوں نے بیوی سے پوچھا، کیا تمھارے پاس کوئی آیا تھا؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں! ایک نہایت خوبصورت شکل وصورت کے بزرگ تشریف لائے تھے۔ بیوی نے آنے والے بزرگ کی تعریف کی۔ انھوں نے آپ کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے انھیں بتا دیا، پھر انھوں نے مجھ سے گزر بسر کے متعلق پوچھا تو میں نے بتایا کہ ہم خیریت سے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا، کوئی پیغام تو نہیں دے گئے؟ اس نے جواب دیا، ہاں! وہ آپ کو سلام کہتے تھے اور یہ پیغام دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو باقی رکھنا۔ اسماعیل علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا، یہ میرے ابا جان تھے اور دہلیز سے مراد تم ہو۔ وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے اپنے پاس ہی رکھوں۔ کچھ عرصہ گزرا تو ابراہیم علیہ السلام ملاقات کے لیے پھر تشریف لائے تو اس وقت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب، بڑے درخت کے نیچے اپنے تیر درست کر رہے تھے۔ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو فوراً ان کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں نے پیار و محبت کا وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو باپ اور بیٹا آپس میں کرتے ہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے، اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا، اللہ نے آپ کو جو حکم دیا اس کی تعمیل کیجیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، کیا آپ بھی تعاون کریں گے؟ اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا، میں ضرور تعاون کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک بلند ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیادوں کو استوار کروں، تو اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت تعمیر کی۔ اسماعیل علیہ السلام

پتھر لاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام گھر بناتے تھے، حتیٰ کہ جب عمارت بلند ہوگئی تو اسماعیل علیہ السلام نے یہ پتھر لا کر رکھ دیا اور ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کرنے لگے۔ اسماعیل علیہ السلام بدستور پتھر پکڑاتے جاتے تھے اور وہ دونوں ساتھ ساتھ بیک زبان یہ بھی کہہ رہے تھے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ تعمیر کرتے رہے اور اس کے ارد گرد گھوم گھوم کر یہ دعا پڑھتے رہے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ [البقرة : ١٢٧] ''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب : ﴿ يزفون ﴾ النسلان في المشي : ٣٣٦٤۔ مصنف عبد الرزاق : ٩١٠٧۔ مسند أحمد : ١/ ٣٤٧، ٣٤٨، ح : ٣٢٤٩]

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر ایک اور آزمائش اتاری اور انھیں بڑھاپے میں عطا ہونے والے اکلوتے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے یہ حکم ربانی بیٹے کو سنایا تو فرماں بردار بیٹا فوری تیار ہوگیا۔ اس آزمائش پر پورا اترنے کا انعام جنت سے قربانی کی صورت میں ملا اور پھر یہ سنت ابراہیمی تا قیامت مسلمانوں پر مقرر کر دی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ٞ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ۚ وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ۝ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴾ [الصافات : ٩٩ تا ١٠٧]

''اور اس نے کہا بے شک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا۔ اے میرے رب! مجھے (لڑکا) عطا کر جو نیکوں سے ہو۔ تو ہم نے اسے ایک بہت بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے کہا اے میرے چھوٹے بیٹے! بلاشبہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بے شک میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تو دیکھ تو کیا خیال کرتا ہے؟ اس نے کہا اے میرے باپ! تجھے جو حکم دیا جا رہا ہے کر گزر، اگر اللہ نے چاہا تو تو ضرور مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ تو جب دونوں نے حکم مان لیا اور اس نے اسے پیشانی کی ایک جانب پر گرا دیا۔ اور ہم نے اسے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے خواب سچا کر دکھایا، بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ بے شک یہی تو یقیناً کھلی آزمائش ہے۔ اور

ہم نے اس کے فدیے میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دیا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی قوم کے مقابلے میں فتح و نصرت سے نوازا اور وہ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے کہ وہ اتنی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائی تو آپ نے ہجرت کا ارادہ کر لیا اور وہاں سے نکل کر شام کے علاقے حران میں پہنچ گئے اور جاتے ہوئے اپنے رب سے اس امید کا اظہار کیا کہ وہ انھیں ان کے مقصد میں کامیاب کرے گا اور انھیں ایمان و توحید پر ثابت قدم رکھے گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے شام کی مقدس سرزمین میں پہنچنے کے بعد دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے ایک نیک لڑکا عطا فرما جو غریب الدیاری میں میرے لیے انس و دل بستگی کا سامان بنے اور تیری اطاعت و بندگی میں میری مدد کرے۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرما لی اور ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو انھوں نے اللہ کے حکم سے ماں اور بیٹے کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا، جہاں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے آب زمزم مہیا کر دیا اور قبیلۂ جرہم کو لا کر بسا دیا۔ اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بذریعہ وحی حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی خوشنودی کے لیے اپنے چہیتے بیٹے کی قربانی دیں، انھوں نے اپنا خواب بیٹے سے بیان کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا تو بیٹے نے کہا، ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اسے کر گزریے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو ساتھ لے کر منیٰ کی طرف چل پڑے اور جمرات کی جگہ پہنچ کر انھیں پیشانی کے بل لٹا دیا، اچانک دیکھتے کیا ہیں کہ وہاں ایک مینڈھا کھڑا ہے، ایک غیبی آواز آئی کہ آپ اپنے بیٹے کو چھوڑ دیجیے اور مینڈھے کو ذبح کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی اور کہا کہ آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اور کمالِ طاعت اور عظیم ترین صبر و ثبات کی دلیل پیش کر دی۔ اب آپ بیٹے کو ذبح نہ کیجیے، ہم احسان اور عمل کرنے والوں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ بے شک یہی وہ کھلی اور صریح آزمائش ہے جس کے ذریعے سے مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تو اللہ نے ایک بڑا مینڈھا بھیج دیا، تاکہ وہ بیٹے کے بدلے اسے ذبح کریں، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج کا حکم دیا گیا تو مقامِ سعی پر شیطان ان کے سامنے آیا اور اس نے ان کے ساتھ دوڑ لگائی، لیکن ابراہیم علیہ السلام اس پر سبقت لے گئے۔ پھر جبریل علیہ السلام انھیں جمرہ عقبہ کے پاس لے گئے تو شیطان پھر ان کے سامنے آیا۔ انھوں نے اس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا، پھر جمرہ وسطی پر ان کے سامنے آیا تو انھوں نے اسے (اس موقع پر بھی) سات کنکریاں ماریں اور (اس مقام پر) انھوں نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ تب اسماعیل علیہ السلام نے سفید قمیص پہن رکھی تھی، انھوں نے عرض کی: ’’اے میرے باپ! میرے پاس اس قمیص کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں کہ جس میں آپ مجھے کفنا سکیں، اس لیے آپ اس کو اتار لیجیے،

تاکہ آپ مجھے اس میں کفن دے سکیں۔'' بہر حال وہ قمیص اتارنے کا ارادہ ہی فرما رہے تھے کہ انھیں پیچھے سے آواز دی گئی: ﴿ يَٰٓإِبۡرَٰهِيمُ ۝ قَدۡ صَدَّقۡتَ ٱلرُّءۡيَآ ﴾ [الصافات : ۱۰۴، ۱۰۵] ''اے ابراہیم! یقیناً تو نے خواب سچا کر دکھایا۔'' ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو وہاں ایک سفید رنگ کا سینگوں اور موٹی آنکھ والا مینڈھا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، یقیناً ہم نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ہم اسی قسم کے مینڈھے خریدتے ہیں۔ [مسند أحمد : ۱/ ۲۹۷، ح : ۲۷۱۱]

فرشتوں کی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آمد اور مہمان نوازی

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو اولاد جیسی نعمت سے اس وقت نوازا جب وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی بیوی بھی بانجھ ہو چکی تھیں۔ اس لیے جب فرشتے یہ خوشخبری لے کر حاضر ہوئے تو انھیں خوشی کے ساتھ ساتھ زبردست تعجب بھی ہوا۔

سورۂ ہود کی درج ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی حالت کو بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَآ إِبۡرَٰهِيمَ بِٱلۡبُشۡرَىٰ قَالُواْ سَلَٰمٗاۖ قَالَ سَلَٰمٞۖ فَمَا لَبِثَ أَنۡ جَآءَ بِعِجۡلٍ حَنِيذٖ ۝ فَلَمَّا رَءَآ أَيۡدِيَهُمۡ لَا تَصِلُ إِلَيۡهِ نَكِرَهُمۡ وَأَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِيفَةٗۚ قَالُواْ لَا تَخَفۡ إِنَّآ أُرۡسِلۡنَآ إِلَىٰ قَوۡمِ لُوطٖ ﴾

[هود : ۶۹، ۷۰]

''اور بلاشبہ یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے، انھوں نے سلام کہا، اس نے کہا سلام ہو، پھر دیر نہیں کی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔ تو جب ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو انھیں اوپرا جانا اور ان سے ایک قسم کا خوف محسوس کیا، انھوں نے کہا نہ ڈر! بے شک ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''

اس آیت کریمہ سے لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعہ کا آغاز ہوتا ہے اور یہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ قوم لوط کی بستیاں شام کے علاقے میں تھیں اور ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں قیام پذیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جن فرشتوں کو قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا تھا، وہ وہاں جانے سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے، تاکہ انھیں بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب کی خوش خبری دیں۔ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام سے اپنے کلام کا آغاز سلام سے کیا، یعنی السلام علیکم کہا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سلام کا بہتر جواب دیا۔

معلوم ہوا کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کیا جس میں کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے سلام کہنے کا حکم ہے۔ بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہے: ''سلام سوال سے پہلے ہے، جو تم سے سلام سے پہلے سوال کرے، اسے جواب مت دو۔'' [السلسلة الصحيحة : ۱/ ۴۵۸، ح : ۸۱۶] اور ایک روایت میں فرمایا: ''جو سلام سے پہلے بات کرے اسے جواب مت دو۔'' [صحيح الجامع : ۶۱۲۲] ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل

کرتے ہوئے بہتر جواب دیا جو سورۂ نساء (۸۶) میں ہے۔

ان آیات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ فرشتے انسانی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ حدیث میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ معروف حدیث جبریل علیہ السلام میں فرشتے کا ایک اعرابی کی شکل میں آنا بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ [دیکھیے بخاری: ٤٧٧٧۔ مسلم: ٨] دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر ہو کر بھی مہمانوں کو پہچان نہ سکے، ورنہ وہ کھانے کا اہتمام نہ کرتے، کیونکہ فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام علم غیب نہیں رکھتے تھے تو پھر ان لوگوں کی کیا اوقات ہے جو نہ نبی ہیں اور نہ ان کے اصلی حالات اللہ کے سوا کوئی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کیا حیثیت ہے؟ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام بے حد مہمان نواز تھے۔ یہ وصف ہر نبی خصوصاً ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ میں بہت پایا جاتا تھا۔ ہماری ماں خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی پہلی وحی کے موقع پر آپ کے اوصاف میں اس وصف کا خصوصی ذکر فرمایا: ''آپ مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔'' [بخاری : ٣]

آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کا یہ حال تھا کہ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کوئی مسکین ان کے ساتھ کھانے کے لیے نہ لایا جاتا۔'' [بخاري، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معى واحد : ٥٣٩٣] پھر نبی کریم ﷺ اور ان کے والد ماجد ابراہیم علیہ السلام کی فیاضی کا کیا حال ہو گا۔

چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ مہمان نوازی میں دیر نہیں کرنی چاہیے، نہ ان سے اس بارے میں پوچھ گچھ کرنی چاہیے۔ سورۂ ذاریات میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام چپکے سے گھر گئے اور کھانا لے آئے۔ وقت کی مناسبت سے جو حاضر ہو پیش کر دیا جائے، مہمان کی خواہش ہے تو کھا لے، ورنہ اس کی مرضی۔

پانچویں یہ کہ ابراہیم علیہ السلام پر دنیوی لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کا فضل تھا، ورنہ بھنا ہوا بچھڑا تھوڑی دیر میں لا کر پیش کر دینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ چھٹی یہ کہ وہ احادیث جن میں گائے کے گوشت کو بیماری کہا گیا ہے، بظاہر اچھی سند کی بھی ہوں تو شاذ ہیں، کیونکہ قرآن میں گائے کے گوشت کو بطور انعام ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی قربانی اور مختلف موقعوں پر ذبح کرنا قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ یا اس کا رسول ﷺ بیماری والی چیز کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں؟

ساتویں یہ کہ ابراہیم علیہ السلام، ہمارے نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء بشر تھے اور کھانا کھاتے تھے۔ وہ نہ اللہ تعالیٰ یا اس کا کوئی جزو تھے اور نہ فرشتے، بلکہ وہ انسان تھے، کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور ان کی بیویاں تھیں اور اولادیں بھی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے ان سب سے پاک ہیں۔ آٹھویں یہ کہ صوفیاء جو جان دار یا اس سے نکلنے والی چیزیں اپنے خود ساختہ وظیفوں اور چلّوں کے دوران میں یا ہمیشہ کے لیے کھانا ترک کر دیتے ہیں وہ ملت ابراہیمی

کے نہیں بلکہ ہندو مذہب کے پیروکار ہیں۔

سیدنا اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری

﴿ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾ [ھود : ۷۱ تا ۷۳]

’’اور اس کی بیوی کھڑی تھی، سو ہنس پڑی تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔ اس نے کہا ہائے میری بربادی! کیا میں جنوں گی، جب کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا خاوند ہے بوڑھا، یقیناً یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ انھوں نے کہا کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بے شک وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔‘‘

ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی، دونوں ہی مہمانوں کی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام بیٹھے تھے اور سارہ کھڑی تھیں۔ کھانے کی چیزیں مہمانوں کے سامنے لا کر رکھ رہی تھیں۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہم نے تو مہمانوں کی خاطر اتنا سب کچھ کیا ہے اور یہ کیسے مہمان ہیں کہ ہمارا کھانا نہیں کھا رہے تو وہ بھی ڈر گئیں۔ لیکن جب فرشتوں نے اپنی حقیقت بتا دی تو ان کے دل سے بھی خوف جاتا رہا اور خوشی اور حیرت کی وجہ سے ہنس پڑیں کہ جنھیں وہ انسان سمجھ رہی تھیں وہ فرشتے نکلے اور خوش ہوئیں کہ یہ لوگ کسی شر کی نیت سے ان کے پاس نہیں آئے۔ جب ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ اللہ کے فرشتے ہیں تو تب اللہ نے ان فرشتوں کے ذریعے سارہ کو اسحاق اور اسحاق کے بیٹے یعقوب کی خوش خبری دی۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہاجرہ کو اسماعیل عطا کیا تو سارہ نے تمنا کی کہ کاش ان کا بھی بیٹا ہوتا، لیکن اپنی کبرسنی کی وجہ سے ناامید تھیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور انھیں بیٹے کی خوش خبری دی، تو سارہ نے بڑا تعجب کرتے ہوئے ان فرشتوں سے کہا کہ مجھے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، میں تو اتنی بوڑھی ہوں کہ اولاد سے بالکل ناامید ہو چکی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہو گی کہ بوڑھے اور بوڑھی سے لڑکا پیدا ہوا۔ فرشتوں نے سارہ کا حیرت و استعجاب دیکھ کر کہا کہ تم تو نبی کی بیوی ہو، تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، تو پھر یہ تعجب کیسا؟ اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ اور یہی حکم ہے۔ تم لوگ نبی کے گھرانے والے ہو، تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے اور اللہ تو ہمیشہ اپنے بندوں پر نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہے، تاکہ وہ اس کی تعریف بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور وہ ہمیشہ ہی اپنے بندوں پر احسان کرتا رہتا ہے۔

فرشتوں نے سیدہ سارہ کو دعا دیتے ہوئے کہا کہ اے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، بے شک وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔ یعنی وہ اپنے تمام افعال و اقوال میں قابل تعریف اور اپنی ذات و صفات میں قابل ستائش و تعظیم ہے، جیسا کہ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! آپ پر اور اہل بیت پر درود کس طرح پڑھیں؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ تو سکھلا دیا ہے کہ ہم سلام کس طرح بھیجیں۔ آپ نے فرمایا: ''اس طرح کہو: «اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ » ''اے اللہ! تو محمد اور آل محمد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی ہے، بے شک تو ہی تعریف کے لائق، بزرگی کا مالک ہے۔ اے اللہ! تو محمد اور آل محمد پر برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم کو برکتوں سے نوازا ہے، بے شک تو ہی تعریف کے لائق، بزرگی کا مالک ہے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب : ٣٣٧٠۔ مسلم، كتاب الصلوة، باب الصلوة على النبي ﷺ بعد التشهد : ٤٠٦]

سورۂ حجر میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا لڑکے کی بشارت دینا

﴿ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝ قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴾ [الحجر : ٥١ تا ٥٦]

''اور انھیں ابراہیم کے مہمانوں کے بارے میں خبر دے۔ جب وہ اس کے پاس داخل ہوئے تو انھوں نے سلام کہا، اس نے کہا ہم تو تم سے ڈرنے والے ہیں۔ انھوں نے کہا ڈر نہیں، بے شک ہم تجھے ایک بہت علم والے لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں۔ اس نے کہا کیا تم نے مجھے اس کے باوجود خوش خبری دی ہے کہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے، تو تم کس بات کی خوش خبری دیتے ہو؟ انھوں نے کہا ہم نے تجھے حق کی خوش خبری دی ہے، سو تو ناامید ہونے والوں سے نہ ہو۔ اس نے کہا اور گمراہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے۔''

فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانوں کی شکل میں مہمان بن کر آئے اور سلام کیا تو وہ بہت خوش ہوئے، لیکن جب انھوں نے کھانے اور گوشت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا تو ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بارے میں شبہ ہوا اور ڈرے کہ شاید ان کی نیت اچھی نہیں ہے۔ فرشتوں نے ان کو فوراً بتایا کہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں، آپ خائف نہ ہوں اور ہم آپ کو ایسے بیٹے کی خوش خبری دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ مجھے تم بڑھاپے کے باوجود ایسی خوش خبری دے رہے ہو، یہ کیسی عجیب بات ہے؟ اور کیسی انہونی خوش خبری دے رہے ہو؟ فرشتوں نے مزید تاکید کے طور پر کہا کہ ہم

نے آپ کو ایسی یقینی بات کی خوش خبری دی ہے جس کے نہ ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کا وعدہ ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آپ نا امید نہ ہوں، تو ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں ہرگز نا امید نہیں ہوں، نا امید ہونا تو گمراہوں کا طریقہ ہے، میں تو تمھاری خوش خبری کے مطابق امید کرتا ہوں کہ اللہ مجھے بیٹا دے گا، مجھے تو حیرت صرف اس لیے ہو رہی ہے کہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمانوں کی آمد سورۂ ذاریات کی روشنی میں

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد، ان کی ضیافت، اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری اور سیدہ سارہ علیہا السلام کا تعجب سورۂ ذاریات میں اس طرح مذکور ہے:

﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴾ [الذاريات : ٢٤ تا ٣٠]

”کیا تیرے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات آئی ہے؟ جب وہ اس پر داخل ہوئے تو انھوں نے سلام کہا۔ اس نے کہا سلام ہو، کچھ اجنبی لوگ ہیں۔ پس چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گیا، پس (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آیا۔ پھر اسے ان کے قریب کیا کہا کیا تم نہیں کھاتے؟ تو اس نے ان سے دل میں خوف محسوس کیا، انھوں نے کہا مت ڈر! اور انھوں نے اسے ایک بہت علم والے لڑکے کی خوشخبری دی۔ تو اس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی، پس اس نے اپنا چہرہ پیٹ لیا اور اس نے کہا بوڑھی بانجھ! انھوں نے کہا تیرے رب نے ایسے ہی فرمایا ہے، یقیناً وہی کمال حکمت والا، بے حد علم والا ہے۔“

فرمایا کہ ایک دن ابراہیم علیہ السلام کے پاس کچھ ایسے فرشتے آئے جن کا اللہ کے نزدیک بڑا مقام تھا۔ جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھوں نے سلام کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ میں آپ لوگوں کو نہیں پہچانتا، آپ کون لوگ ہیں؟ پھر ابراہیم علیہ السلام فوراً ہی مہمانوں کو بتائے بغیر اپنے اہل خانہ کے پاس پہنچے تاکہ ان کی میزبانی کا انتظام کریں اور ایک بھنا ہوا بچھڑا ان کے سامنے لے کر آئے۔ اسے مہمانوں کے قریب کیا، لیکن انھوں نے کھانے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا، تو ان سے پوچھا کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں اور دل ہی دل میں ڈرنے لگے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی نیت ہمارے بارے میں اچھی نہیں ہے، اسی لیے ہمارا کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔

جب ان فرشتوں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام اندر ہی اندر کسی انہونے شر سے ڈر گئے ہیں، تو انھیں اپنی حقیقت کی

اطلاع دے دی اور ایک لڑکے کی خوشخبری دی جو بڑا ہو کر بڑے علم وفضل والا ہوگا۔ سارہ علیہا السلام نے، جو بوڑھی ہو چکی تھیں، جب یہ بات سنی تو مارے حیرت کے ان کے منہ سے چیخ نکل گئی، اپنا چہرہ پیٹنے لگیں اور کہنے لگیں کہ میں تو بوڑھی ہوں اور بانجھ ہوں، مجھے کیسے بچہ ہوگا؟ فرشتے نے کہا کہ ہم نے آپ کو وہی خبر دی ہے جو اللہ نے فرمایا ہے، اس لیے اس بارے میں کوئی شبہ نہ کیجیے، اللہ نے جو چاہا وہ ہو کر رہے گا، وہ اپنے اقوال و افعال میں بڑا حکیم اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کرتے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا

اللہ تعالیٰ نے اس خاص احسان کا ذکر کرتے ہوئے کہا، جو مکہ والوں پر فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو یہاں لا کر آباد کیا اور اس شہر کو پرامن بنانے کی دعا کی:

﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴾ [إبراهيم : ٣٥]

”اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر مشرکین عرب کے طرز عمل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس حرمت والے شہر مکہ کو جب بنایا گیا تو اسے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت ہی کے لیے بنایا گیا تھا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام جنھوں نے اس شہر کو بنایا اور اس میں اپنے اہل وعیال کو بسایا تھا، وہ غیر اللہ کی پوجا کرنے والوں سے بری تھے اور انھوں نے اس شہر مکہ کے لیے امن کی یہ دعا بھی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا تھا۔

اپنے آپ کو اور اہل وعیال کو شرک سے محفوظ رکھنے کی تڑپ

﴿ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [إبراهيم : ٣٦]

”اے میرے رب! بے شک انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، پھر جو میرے پیچھے چلا تو یقیناً وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تو بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“

یہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ذکر کیا کہ بہت سے لوگ بتوں کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس لیے وہ بتوں کی پوجا کرنے والوں سے بری ہیں اور ان کے معاملے کو انھوں نے اللہ رب العزت کے سپرد کر دیا کہ وہ چاہے تو انھیں عذاب دے اور چاہے تو معاف فرما دے۔

صنم پرستی عام ہونے اور لوگوں کے بہت جلد اس میں مبتلا ہونے کی بڑی وجہیں دو ہیں، ایک تو یہ کہ ان دیکھے معبود (اللہ تعالیٰ) پر یقین رکھنے کے بجائے انسان چاہتا ہے کہ وہ ایسی چیز کی عبادت کرے جو اسے نظر آئے۔ اگرچہ اللہ

تعالیٰ سے زیادہ ظاہر کوئی چیز نہیں، کیونکہ کائنات کی ہر چیز اپنے بنانے والے کے وجود اور توحید کی شہادت دے رہی ہے اور لطف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا یہ دعویٰ نہیں کہ یہ زمین و آسمان اور ساری کائنات میں نے بنائی ہے، اگر کوئی یہ دعویٰ کرلے تو ہر شخص اسے جھوٹا کہے گا، بلکہ خود اس کا دل اسے جھٹلائے گا کہ آسمان و زمین تو تجھ سے اور تیرے باپ دادا سے لاکھوں برس پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔ وہ اگرچہ ظاہر ہے مگر اس کی ذات سے زیادہ کوئی چیز آنکھوں سے غائب بھی نہیں، کیونکہ کسی میں اسے دیکھنے کی تاب ہی نہیں۔ [**هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ**] اس لیے وہ پہلا تقاضا ہی ایمان بالغیب کا کرتا ہے، کوئی اس کے دیدار کا شوق رکھے یا درخواست کرے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کی، تو وہ ناراض نہیں ہوتا بلکہ جنت میں اپنے دیدار کا وعدہ کرتا ہے، مگر کوئی ایمان لانے کے لیے دیکھنے کی شرط لگائے، جیسے بنی اسرائیل نے کہا: ﴿ **لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً** ﴾ [البقرۃ : ٥٥] ”(اے موسیٰ!) ہم تیرے لیے ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک اللہ کو صاف سامنے نہ دیکھ لیں۔“ تو پھر اس کی آتش غضب بھڑک اٹھتی ہے، پھر کبھی تو وہ بجلی گرا کر بھسم کر دیتا ہے اور اکثر کو اس نے مہلت دے رکھی ہے، قیامت کو انھیں ان کے مطالبے کا جواب دے گا۔ غرض یہی انسان کی بے وقوفی ہے کہ جب وہ اپنی کمزوری کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا تو ایمان بالغیب کے بجائے نظر آنے والا رب گھڑ کر اس کی پوجا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا سبب محبت میں غلو بھی شامل ہو جاتا ہے، یعنی جس ہستی سے بھی اس کو حد سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اسے نیک سمجھتا ہے یا اس کی ہیبت سے ڈرتا ہے، اس کا بت بنا کر اسے پوجنا شروع کر دیتا ہے۔ قوم نوح میں صنم پرستی کی ابتدا اسی طرح ہوئی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سورۂ نوح۔ بے شمار قوموں کے صنم پرستی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ اے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، مراد یہ ہے کہ یہ ان کی گمراہی کا باعث بن گئے، جیسے کہتے ہیں کہ سڑک لاہور لے جاتی ہے، وہ تو صرف ذریعہ ہے، جانے والا جاتا تو خود ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی جس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ہے: ﴿ **رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ** ﴾ [إبراهيم : ٣٦] اور پھر یہ آیت تلاوت کی جس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: ﴿ **اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** ﴾ [المائدۃ : ١١٨] ”اگر تو انھیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور فرمایا: ”اے میرے اللہ! میری امت، میری امت۔“ اور آپ رونے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے کہا: ”اے جبریل! تو محمد (ﷺ) کے پاس جا، حالانکہ تیرا رب سب کچھ جانتا ہے اور ان سے پوچھ کہ آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟“ جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ سے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے سب حال بیان کر

دیا۔ پھر جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو خبر دی، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے جبریل! محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور کہہ دو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے، ناراض نہیں کریں گے۔'' [مسلم، كتاب الإيمان، باب دعاء النبي ﷺ لأمته وبكائه شفقة عليهم : ۲۰۲]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور لوگوں کا سر زمین کعبہ کی طرف میلان

﴿ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾ [إبراهيم : ۳۷]

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں آباد کیا ہے، جو کسی کھیتی والی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ سو کچھ لوگوں کے دل ایسے کر دے کہ ان کی طرف مائل رہیں اور انھیں پھلوں سے رزق عطا کر، تاکہ وہ شکر کریں۔''

یہاں ابراہیم علیہ السلام کی بعض ذریت سے مراد اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے اور مسجد حرام کو بیت حرام اس لیے کہا گیا کہ دوسری جگہوں میں جو کام کرنا حلال ہے وہ بیت اللہ میں کرنا حرام قرار دے دیا گیا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنی اولاد کو بیت حرام کے پاس بسانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی اولاد وہاں نماز قائم کرے۔ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف پھیرنے کی دعا اس لیے کی کہ وہ ان سے انس و الفت حاصل کریں، آپس میں متعارف ہوں اور گوناگوں منافع سے مستفید ہوں اور انواع و اقسام کے پھلوں کی جو دعا کی تو اس میں ان کی اولاد اور وہ تمام لوگ شامل ہیں جو مکہ میں آ کر رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے لیے رزق کی یہ دعا قبول فرمائی، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحم فرمائے! اگر زمزم کو انھوں نے یوں ہی چھوڑ دیا ہوتا۔'' یا آپ نے فرمایا: ''اگر وہ پانی سے چلو نہ بھرتیں تو وہ ایک بہتے ہوئے چشمے کی صورت اختیار کر لیتا۔'' راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر ہاجرہ نے پانی پیا اور بچے کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے ان سے کہا: ''آپ ہلاکت کا اندیشہ نہ کریں، یہاں اللہ کا ایک گھر ہے، جس کی تعمیر یہ بچہ اور اس کا والد (دونوں مل کر) کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے لوگوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ﴿ يزفون ﴾ ...... الخ : ۳۳۶۴]

ہم جو بھی چھپاتے یا ظاہر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے

﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَ مَا نُعْلِنُ ۭ وَ مَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ﴾ [إبراهيم : ۳۸]

''اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر کوئی چیز نہیں چھپتی

زمین میں اور نہ آسمان میں۔“

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ہمارے رب! تو ہمارے حالات اور ہماری ضرورتوں سے خوب واقف ہے، کیا چیز ہمارے لیے مفید ہے اور کیا نقصان دہ، اسے تو خوب جانتا ہے، تو ہم سے زیادہ ہم پر رحم کرنے والا ہے۔ اس لیے دعا و طلب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو تیرے حضور اظہار بندگی اور تیری جناب میں اظہار خشوع وخضوع کے لیے تجھے پکارتے ہیں۔ ہم اس لیے دعا کرتے ہیں کہ تیرے کرم کے محتاج ہیں اور تیرے فضل وکرم کے لیے ہمارے دل مچل رہے ہیں۔

اولاد کی عطا پر ابراہیم علیہ السلام رب تعالیٰ کا شکر و دعا کرتے ہوئے

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴾ [إبراهيم : ٣٩]

”سب تعریف اس اللہ کی ہے جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا کیے۔ بے شک میرا رب تو بہت دعا سننے والا ہے۔“

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے بڑھاپے میں انھیں دو بیٹوں سے نوازا، تا کہ ان کے بعد دعوت الی اللہ کا کام کرتے رہیں، لوگوں کو توحید کی طرف بلائیں اور نماز قائم کریں۔ ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حلیم بیٹے کی خوش خبری دی۔ دوسرے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی پیدائش ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ کی عمروں کے ایسے حصے میں ہوئی کہ اس عمر میں بچہ پیدا ہونے کی کوئی امید نہیں ہوتی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعاؤں میں اپنی اور اپنی اولاد کے لیے نماز پر کاربند رہنے کی بھی دعا فرمائی:

﴿ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖۗ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴾ [إبراهيم : ٤٠، ٤١]

”اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی، اے ہمارے رب! اور میری دعا قبول کر۔ اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور ایمان والوں کو، جس دن حساب قائم ہوگا۔“

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا بھی کی کہ وہ انھیں اور ان کی اولاد کو نماز کا پابند بنا دے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ داعیان دین الٰہی کو اپنے گھر والوں کی ہدایت اور ان کی دینی تعلیم وتربیت سے غافل نہیں رہنا چاہیے، بلکہ دعوت و تبلیغ میں انھیں اولیت دینی چاہیے۔ آگے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے بھی دعائے مغفرت کی اور یہ صرف اس لیے کہ انھوں نے اپنے والد سے دعائے مغفرت کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام اس وعدے کے مطابق اپنے والد کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے، لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو اس سے بے زاری کا

اظہار کیا اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا چھوڑ دی۔

بیت اللہ کی تعمیر کا فریضہ ادا کرتے ہوئے

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دعوت توحید قبول کرنے والوں کے لیے کعبۃ اللہ تعمیر کرنے کا حکم دیا تا کہ فرزندان توحید اس گھر کا طواف کریں اور یہاں آ کر نماز ادا کریں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْقَآىِٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾ [الحج : ٢٦]

''اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کر دی کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع، سجود کرنے والوں کے لیے پاک کر۔''

یعنی وہ وقت یاد کرو جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کی۔ بیت اللہ اس سے پہلے تعمیر ہو چکا تھا، بلکہ زمین پر اللہ کا سب سے پہلا گھر یہی تھا اور ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ بیت اللہ کی پہلی تعمیر آدم علیہ السلام نے کی یا اس سے پہلے فرشتوں نے اسے تعمیر کیا تھا۔ ایک ٹیلے پر اس کی بنیادیں موجود تھیں جس پر ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے کعبہ کی عمارت تعمیر فرمائی۔ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی لمبی حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ایک اونچی جگہ تعمیر ہوا تھا۔ چنانچہ اس حدیث میں زمزم کے نمودار ہونے کے بعد فرشتے کے ام اسماعیل علیہما السلام کو تسلی دینے کا ذکر ہے: کہ فرشتے نے اس سے کہا: ''تم ضائع ہونے سے مت ڈرو، کیونکہ یہاں اللہ کا گھر ہے، یہ لڑکا اور اس کا باپ اسے بنائے گا اور اللہ اس کے رہنے والوں کو ضائع نہیں کرے گا۔'' بیت اللہ زمین سے ٹیلے کی طرح بلند تھا، سیلاب آتے اور اس کے دائیں بائیں طرف ہو جاتے۔ ام اسماعیل ایسے ہی رہیں، حتیٰ کہ جرہم قبیلے کے کچھ لوگ ان کے پاس سے گزرے۔'' [بخاري، كتاب الأنبياء، باب ﴿ يزفون ﴾ ...... : ٣٣٦٤]

اس حدیث کے آخر میں بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمزم کے نمودار ہونے کے وقت بھی ایک ٹیلے پر بیت اللہ موجود تھا مگر اس کی از سر نو تعمیر اسماعیل علیہ السلام کے جوان ہونے پر ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے کی۔

خالد بن عرعرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا: ''امیر المومنین! مجھے اس گھر کے بارے میں بتائیں جو لوگوں کے لیے سب سے پہلے بنایا گیا؟'' تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''گھر تو پہلے بھی موجود تھے، نوح علیہ السلام (اور ان کی قوم) گھروں ہی میں رہائش پذیر تھے، لیکن (بیت اللہ) وہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہ لوگوں کے لیے باعث برکت اور تمام جہانوں کے لیے باعث ہدایت ہے۔'' وہ کہنے لگا: ''مجھے اس کی تعمیر کے

بارے میں آگاہ فرمائیں؟'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے لیے گھر تعمیر کریں، جس سے ابراہیم علیہ السلام کا دل پریشان ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جسے ''سکینت'' اور ''خجوج'' (تیز ہوا) کہا جاتا تھا، اس کا سر اور دو آنکھیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ جب وہ چلے تو اس کے ساتھ چلو اور جب وہ آرام کرے تو آپ بھی آرام کرو۔ تو وہ ہوا چلتے چلتے بیت اللہ کی جگہ پہنچ گئی اور اس نے اس جگہ ڈھال کی طرح کنڈلی مارلی۔ وہ جگہ بیت المعمور کے بالمقابل ہے جس میں ہر روز ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) فرشتے داخل ہوتے ہیں اور (جو فرشتے ایک مرتبہ داخل ہوتے ہیں) پھر قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔ سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام ہر روز اکٹھے بیت اللہ کی تعمیر کرتے اور جب گرمی شدید ہو جاتی تو پہاڑ کے سائے میں آرام کرتے۔ پھر جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو ابراہیم علیہ السلام اسماعیل صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: ''میرے پاس ایک پتھر لاؤ، تاکہ میں اسے لوگوں کے لیے بطور نشانی یہاں رکھ دوں۔'' اسماعیل علیہ السلام وادی میں گئے اور پتھر لے کر آئے، لیکن ابراہیم علیہ السلام نے اسے چھوٹا سمجھ کر پھینک دیا اور کہا: ''کوئی دوسرا پتھر لاؤ۔'' اس پر اسماعیل علیہ السلام وہاں سے چلے گئے، تو اس دوران جبرائیل علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس ایک پتھر لے کر آ گئے، پھر جب اسماعیل صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہنے لگے: ''میرے پاس وہ آیا ہے جس کے آنے سے مجھے تیرے پتھر کی ضرورت نہیں رہی۔'' یوں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر مکمل کی اور پھر وہ لوگ اس کے گرد طواف کرنے لگے اور نماز پڑھنے لگے، یہاں تک کہ وہ سب فوت ہو گئے۔ ان کے بعد بیت اللہ منہدم ہوگیا تو پھر اسے عمالقہ نے تعمیر کیا اور وہ بھی اس کا طواف کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے اور ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ ان کے بعد پھر بیت اللہ منہدم ہو گیا تو اسے قریش نے تعمیر کیا، دوران تعمیر جب وہ حجر اسود کی جگہ پہنچے تو ان میں حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کے بارے میں اختلاف ہوگیا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص (ابھی) سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہوگا (وہ اس کا فیصلہ کرے گا)۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس دروازے سے تشریف لائے، وہ کہنے لگے: ''امانت دار تشریف لے آئے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر پھیلائی اور اس کے درمیان حجر اسود کو رکھ دیا اور قریش کے سرداروں کو (اسے اٹھانے کا) حکم دیا، ان سب نے چادر کے کنارے پکڑ کر حجر اسود کو اوپر اٹھایا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ رکھ دیا۔'' [بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث : ۱/ ٤٦١-٤٦٣، ح : ۳۸۸]

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، اے اللہ کے رسول! سب سے پہلے زمین میں کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا: ''مسجد حرام۔'' میں نے پوچھا، پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا: ''مسجد اقصیٰ۔'' میں نے پوچھا، ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ آپ نے فرمایا:

’’چالیس سال کا۔‘‘ [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب : ٣٣٦٦]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ’’اگر تمھاری قوم کا زمانۂ کفر قریب کا نہ ہوتا تو میں ضرور کعبہ کو گراتا اور اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اساس پر استوار کرتا، قریش نے جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا تو اسے چھوٹا کر دیا تھا۔ میں (اصل تعمیر کے مطابق) اس کا پچھلا دروازہ بھی بناتا۔‘‘ [مسلم، الحج، باب نقض الكعبة : ٣٢٤٠]

کعبہ کی تعمیر کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو:

﴿وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾ [الحج : ٢٧]

’’اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیدل اور ہر لاغر سواری پر آئیں گے، جو ہر دور دراز راستے سے آئیں گی۔‘‘

جب مسجد بن کر تیار ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو اس مسجد کی زیارت اور حج کرنے کے لیے پکاریں۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے مقام پر کھڑے ہوئے اور انھوں نے یہ اعلان کیا کہ اے لوگو! تمھارے رب نے ایک گھر بنایا ہے، تم اس کا حج کرو۔ آپ کی آواز زمین کے اطراف و اکناف تک پہنچ گئی اور جب تک دنیا رہے گی لوگ اس مسجد کی زیارت اور حج کے لیے پیدل چل کر اور سواریوں پر مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے دور دراز علاقوں سے آتے رہیں گے۔ روئے زمین کا کوئی مسلمان ایسا نہیں جو کعبۃ اللہ کے دیدار اور طواف کا مشتاق نہ ہو، اطراف و اکنافِ عالم سے آنے والوں کا یہاں تانتا بندھا رہتا ہے۔

سیدنا یزید بن شیبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن مربع انصاری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم عرفات میں ایسی جگہ وقوف کیے ہوئے تھے کہ عمرو بن عبد اللہ اس کو امام کے موقف سے دور سمجھ رہے تھے۔ (ابن مربع رضی اللہ عنہ نے) کہا: ’’بے شک میں تمھاری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامبر بن کے آیا ہوں۔ آپ نے تم لوگوں کو کہلا بھیجا ہے: ’’اپنے (انھی) مقامات پر وقوف کرو۔ بلاشبہ تم اپنے باپ ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وراثت میں سے ایک وراثت پر ہو۔‘‘ [أبو داؤد، كتاب المناسك، باب موضع الوقوف بعرفة : ١٩١٩۔ ترمذي، كتاب الحج، باب ما جاء في الوقوف بعرفات والدعاء فيها، ح : ٨٨٣]

کعبہ پہلا گھر ہے جو عبادت کے لیے مقرر کیا گیا

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ

غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [آل عمران : ۹۶، ۹۷]

''بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، یقیناً وہی ہے جو بکہ میں ہے، بہت بابرکت اور جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو کوئی اس میں داخل ہوا امن والا ہو گیا اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بہت بے پروا ہے۔''

یہ یہود کے ایک شبہ کا جواب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی اور ان کی اولاد میں سے تمام انبیاء شام میں ہوئے، ان کا قبلہ بیت المقدس تھا اور مسلمانوں نے اس قدیم قبلہ کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ بنا لیا ہے، پھر یہ ملتِ ابراہیم کے متبع کیسے ہو سکتے ہیں؟ قرآن نے بتایا کہ دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ تو کعبہ ہے، جو ''بکہ'' میں ہے۔ بکہ مکہ ہی کا نام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا۔ اس پر بہت سے واضح دلائل موجود ہیں۔ جن میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ دورِ جاہلیت سے یہ محترم چلا آ رہا ہے کہ اگر کسی کے باپ کا قاتل بھی اس میں داخل ہو جائے تو وہ اس سے تعرض نہیں کرتا، نیز اس میں مقامِ ابراہیم، یعنی وہ پتھر ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے بانی ابراہیم علیہ السلام ہیں اور یہ کہ یہی ابراہیمی قبلہ ہے، کیونکہ بیت المقدس کی تعمیر کعبۃ اللہ سے چالیس برس بعد ہوئی۔

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسجد حرام۔'' میں نے عرض کی، پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا: ''مسجد اقصیٰ۔'' میں نے عرض کی، ان دونوں کے درمیان کتنی مدت ہے؟ آپ نے فرمایا: ''چالیس سال۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب : ۳۳۶۶۔ مسلم، كتاب المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاة : ۵۲۰]

خالد بن عرعرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے اس آیت: ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا ﴾ [آل عمران : ۹۶] (پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، یقیناً وہی ہے جو بکہ میں ہے، بہت بابرکت ہے) کے متعلق سوال کیا: ''کیا یہ زمین میں تعمیر ہونے والا پہلا گھر ہے؟'' تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں، لیکن یہ وہ پہلا گھر ہے جس میں برکت، ہدایت اور مقامِ ابراہیم رکھ دیا گیا ہے اور جو بھی اس میں داخل ہو گا وہ امن میں رہے گا اور اگر تو چاہتا ہے تو میں تجھے بتا سکتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے اسے کس طرح تعمیر کروایا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ وہ زمین میں میرا گھر تعمیر کریں، جس سے ان کا دل پریشان ہو گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ''سکینت'' بھیجی، یہ ایک تیز رفتار ہوا تھی، جس کا ایک سر بھی تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلتے رہے، یہاں تک کہ وہ ہوا (ایک جگہ) رک گئی اور اس نے بیت اللہ کی طرف سانپ کی طرح کنڈلی مار لی، تو

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کر دی، وہ روزانہ کام کرتے رہے۔ جب وہ حجر اسود کے مقام پر پہنچے تو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے کہا: ''میرے پاس ایک پتھر تلاش کر کے لاؤ۔'' اسماعیل علیہ السلام وہاں سے پتھر تلاش کر کے لائے تو دیکھا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے۔ تو ان کے بیٹے نے ان سے پوچھا: ''یہ پتھر آپ کے پاس کہاں سے آیا؟'' ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ''اسے وہ لے کر آیا جس نے صرف تیری ہی تعمیر پر انحصار نہیں کیا، اسے جبرائیل علیہ السلام آسمان سے لائے ہیں۔'' پھر انھوں نے اس کی تکمیل فرمائی۔'' [مستدرك حاكم : ۲۹۲/۲، ح : ۳۱۵٤، و ٤٥٨/۱، ٤٥٩، ح: ۱٦٨٤۔ اتحاف المهرة لابن الحجر : ۳۷۱/۱۱، ح : ۱٤٢١٨]

خالد بن عرعرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھ سے سوال کرو لیکن مجھ سے وہی سوال کرنا جو کسی ایسی چیز سے متعلق ہو جو نفع مند ہو یا نقصان دہ۔'' اس پر ایک آدمی کہنے لگا: ﴿ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ﴾ [الطور : ٤] سے کیا مراد ہے؟'' اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا: ''(اس کے بارے میں) تم کیا کہتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''ہمارے علم کے مطابق اس سے مراد بیت الحرام ہے۔'' فرمایا: ''نہیں، بلکہ یہ آسمان میں موجود ایک گھر ہے، جسے ''صراح'' (صاد پر پیش یا زیر) کہا جاتا ہے اور جو اس گھر ''بیت اللہ'' کے بالمقابل ہے۔ اس کی آسمان میں ایسے ہی حرمت ہے جیسے اس گھر (بیت الحرام) کی زمین میں ہے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر ان کے لیے دوبارہ (قیامت تک) باری نہیں۔'' پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت کی :

﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۞ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ﴾ [آل عمران : ۹٦، ۹۷]

''بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، یقیناً وہی ہے جو بکہ میں ہے، بہت بابرکت اور جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو کوئی اس میں داخل ہوا امن والا ہو گیا۔''

پھر فرمایا: ''خبردار! یہ زمین میں پہلا گھر نہیں ہے، کیونکہ سیدنا نوح علیہ السلام اس سے پہلے دنیا میں موجود تھے اور وہ گھروں میں رہتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام بھی اس سے پہلے گھروں ہی میں رہتے تھے، لیکن یہ اس اعتبار سے پہلا گھر ہے کہ اسے لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا اور اس میں خیر و برکت رکھ دی گئی اور اس میں واضح نشانیاں ہیں، یعنی ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا۔'' پھر فرمانے لگے: ''جب ابراہیم علیہ السلام کو یہ گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ پریشان ہو گئے، کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کی تعمیر کس طرح کریں، تو اللہ تعالیٰ نے سکینت بھیجی، یہ ایک تیز و تند ہوا تھی جس کا نام ''خجوج'' تھا اور جس کا ایک سر بھی تھا، اس نے حج والی جگہ (یعنی

بیت اللہ کے مقام پر سانپ کی طرح) ان کے لیے کنڈلی ماری۔ آپ علیہ السلام ہر روز کھجور کی شاخ کے برابر گھر کی تعمیر کرتے۔ ان دنوں مکہ کا موسم شدید گرم تھا۔ جب وہ حجر اسود کے مقام پر پہنچے تو اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا: ''جاؤ اور میرے لیے ایک پتھر تلاش کر کے لاؤ، تاکہ میں اسے یہاں نصب کر دوں۔'' اسماعیل علیہ السلام گئے اور پہاڑوں میں (پتھر) تلاش کرنے لگے اور اس دوران جبرائیل علیہ السلام ایک پتھر لے کر آئے اور اسے اس کی جگہ نصب کر دیا۔ پھر جب اسماعیل علیہ السلام واپس آئے (اور حجر اسود کو دیکھا) تو عرض کی: ''یہ پتھر کہاں سے آیا؟'' ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ پتھر جبریل علیہ السلام اس ذات کے پاس سے لائے ہیں جس نے تیری اور میری تعمیر ہی پر انحصار نہیں کیا (یعنی آسمانوں سے آیا ہے)۔'' پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا یہ گھر باقی رہا، پھر یہ گھر منہدم ہو گیا تو عمالقہ نے اسے (دوبارہ) تعمیر کیا اور جب دوسری بار منہدم ہوا تو اسے بنو جرہم نے تعمیر کیا اور اگلے انہدام کے بعد قریش نے اسے تعمیر کیا۔ جب قریش نے حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنا چاہا تو اسے رکھنے کے حوالے سے ان کا آپس میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ پھر انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے اس کی جگہ وہ شخص رکھے گا جو (ابھی) اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہوگا۔ تو نبی کریم ﷺ باب بنی شیبہ سے (سب سے پہلے) داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک کپڑا لانے کا حکم دیا، پھر اسے بچھا دیا گیا اور آپ ﷺ کے حکم سے کپڑے کے درمیان حجر اسود کو رکھ دیا گیا۔ پھر آپ نے ہر قبیلے کے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ اس کپڑے کا ایک ایک کنارہ پکڑ کر اسے اوپر اٹھائیں۔ جب انھوں نے اسے اوپر اٹھایا تو نبی کریم ﷺ نے حجر اسود کو پکڑ کر (اس کی جگہ) رکھ دیا۔'' [الأحاديث المختارة للضياء المقدسي : ٢/ ٦٠-٦٣، ح : ٤٣٨]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش اور شرفِ امامت

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا آزمائش میں پورا اترنا اور انھیں منصب امامت عطا کرنے کی تفصیلات ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴾ [البقرة : ١٢٤]

''اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں کے ساتھ آزمایا تو اس نے انھیں پورا کر دیا۔ فرمایا بے شک میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ کہا اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔''

مذکورہ آیت میں ''بِكَلِمٰتٍ'' سے بعض مفسرین نے مراد والد، قوم اور بادشاہ کو توحید کی دعوت، بت پرستی، ستارہ پرستی اور شاہ پرستی کی تردید، آگ میں پھینکے جانے پر صبر، پھر ہجرت، مصر کے جبار کی دست درازی کے باوجود استقامت، بیوی بچے کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑنا، اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے پر مکمل آمادگی کو لیا ہے۔

ان کلمات کی تعیین کے بارے میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو طہارت کے ساتھ آزمایا، جن میں پانچ چیزیں سر سے متعلق ہیں اور پانچ چیزیں باقی جسم سے متعلق، سر سے متعلق جو چیزیں ہیں ان میں مونچھیں کاٹنا، کلی کرنا، وضو کے دوران میں ناک میں پانی چڑھانا، مسواک کرنا اور درمیان سے مانگ نکالنا ہے، جو چیزیں باقی جسم سے متعلق ہیں ان میں ناخن کاٹنا، زیر ناف بال صاف کرنا، ختنہ، بغلوں کے بال نوچنا اور بول و براز کے بعد پانی سے استنجا کرنا ہے۔ [تفسیر طبري : ۱/۵۷۲، ح : ۱۹۱۲]

صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور کو فطرت میں سے شمار کیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دس باتیں فطرت سے ہیں: ① مونچھیں کاٹنا۔ ② داڑھی بڑھانا۔ ③ مسواک کرنا۔ ④ وضو کے دوران میں ناک میں پانی چڑھانا۔ ⑤ ناخن تراشنا۔ ⑥ پوروں کو دھونا۔ ⑦ بغلوں کے بال نوچنا۔ ⑧ زیر ناف بال صاف کرنا۔ ⑨ اور جسم پر پانی بہانا۔'' راوی کا بیان ہے کہ دسویں بات میں بھول گیا ہوں، یہ شاید کلی کرنا تھی۔ وکیع کہتے ہیں کہ جسم پر پانی بہانے سے مراد استنجا کرنا ہے۔ [مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة : ۲۶۱]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''امور فطرت پانچ ہیں: ① ختنہ کرنا۔ ② زیر ناف بال صاف کرنا۔ ③ بغلوں کے بال نوچنا۔ ④ ناخن تراشنا۔ ⑤ اور مونچھیں کاٹنا۔'' [بخاري، كتاب اللباس، باب قص الشارب : ۵۸۸۹۔ مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة : ۲۵۷]

حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش میں یہ سب چیزیں شامل ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں جو بھی حکم دیا انھوں نے پورا کر دکھایا، بڑھاپے میں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تو پورا کر دیا، اسّی سال کی عمر میں ختنے کا حکم ہوا تو وہ کر دیا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ خود ایک بسولے سے کیا تھا جبکہ وہ اسّی (۸۰) برس کے تھے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿ واتخذ الله ابراهيم خليلاً ﴾ ...... الخ : ۳۳۵۶]

بیت اللہ کی فضیلت

﴿ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾ [البقرة : ۱۲۵]

''اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ اور سراسر امن بنایا، اور تم ابراہیم کی جائے قیام کو نماز کی جگہ بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔''

لوگ بار بار اللہ کے گھر کی طرف لوٹ کر آتے ہیں، کبھی ان کا دل نہیں بھرتا اور اسے سراسر امن والا بنا دیا گیا

ہے۔ جاہلیت میں بھی آدمی اس گھر میں اپنے دشمن کو دیکھتا مگر اسے کچھ نہ کہتا، اسلام نے اس احترام میں تاکید اور اضافہ ہی کیا۔

مقامِ ابراہیم

مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے تین باتوں میں اپنے رب کی موافقت کی، یا آپ نے یہ فرمایا کہ میرے رب نے تین باتوں میں میری موافقت کی۔ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ! کاش! آپ مقام ابراہیم کو نماز کے لیے جائے قیام بنا لیں (تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی) اور میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! نیک و بد ہر قسم کے لوگ آپ کے پاس آتے ہیں، کیوں نہ آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دے دیں، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب کو نازل فرما دیا اور جب مجھے یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں سے خفا ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ تم یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنے سے باز آ جاؤ گی یا پھر اللہ تعالیٰ تمھارے بدلے میں اپنے نبی کو تم سے بھی اچھی بیویاں عطا فرمائے گا، حتیٰ کہ جب میں امہات المومنین میں سے ایک کے پاس گیا تو اس نے کہا، اے عمر! اپنی بیویوں کو وعظ کرنے کے لیے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کافی نہیں ہے کہ آپ نے انھیں وعظ فرمانا شروع کر دیا ہے؟ بہرحال اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا﴾ [التحريم : ٥] ”اس کا رب قریب ہے، اگر وہ تمھیں طلاق دے دے کہ تمھارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں دے دے، جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، اطاعت کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں۔“ [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ و اتخذوا من مقام إبراهيم مصلى ﴾ : ٤٤٨٣۔ مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضي الله عنه : ٢٣٩٩]

عمرو بن دینار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے سات چکروں میں بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ [بخاري، كتاب الحج، باب من صلى ركعتي الطواف خلف المقام : ١٦٢٧]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (طواف کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم کی طرف آئے اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ پھر آپ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور کعبہ کے درمیان کر لیا اور دو رکعت نماز پڑھی، جن میں آپ نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ کی تلاوت کی۔ [مسلم ، كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ : ١٢١٨]

مکہ کے امن اور رزق کے لیے ابراہیم علیہ السلام کی دعا

﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ [البقرة : ١٢٦]

''اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! اس (جگہ) کو ایک امن والا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے، جو ان میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ فرمایا اور جس نے کفر کیا تو میں اسے بھی تھوڑا سا فائدہ دوں گا، پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف بے بس کروں گا اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول فرمائی اور مکہ معظمہ کو امن والا شہر بنا دیا۔ اب حرم کی حدود میں کسی کا خون بہانا، اس کے درختوں کو کاٹنا، شکار کو بھگانا وغیرہ جائز نہیں اور رزق کی وہ فراوانی فرمائی کہ مکہ میں کھیتی باڑی نہ ہونے کے باوجود وہاں سارا سال دنیا بھر کے تازہ پھل اور ہر قسم کا غلہ اتنی فراوانی سے ملتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت ہر شخص کو آنکھوں سے نظر آتی ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو حرم اور امن والا قرار دیا تھا اور میں مدینہ اور اس کے دونوں کناروں کے مابین کے علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں، لہٰذا یہاں کا شکار نہ مارا جائے اور اس کی گھاس نہ کاٹی جائے۔'' [السنن الکبریٰ للنسائي : ٤٨٧/٢، ح : ٤٢٨٤]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! بلاشبہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی حرمت کا اعلان کیا، اور اسے حرم بنایا اور میں نے مدینہ کو اس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کو حرمت والا قرار دیا کہ اس میں خون نہ بہایا جائے، اس میں لڑائی کے لیے اسلحہ نہ اٹھایا جائے اور اس میں چارے کے سوا (کسی اور غرض سے) اس کے درختوں کے پتے نہ جھاڑے جائیں۔ اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شہر (مدینہ) میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، اے اللہ ہمارے لیے ہمارے مد میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شہر (مدینہ) میں برکت عطا فرما، اے اللہ! اس برکت کے ساتھ دو برکتیں (مزید عطا) کر دے۔''
[مسلم، کتاب الحج، باب الترغیب في سکنی المدینة ...... الخ : ١٣٧٤]

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح مکہ کو حرم قرار دیا اور اس کے لیے دعا فرمائی، اسی طرح میں مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیتا ہوں اور میں مدینہ طیبہ کے مد اور صاع میں برکت کی دعا کرتا ہوں جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی تھی۔'' [بخاري، کتاب البیوع، باب برکة صاع النبي صلی اللہ علیہ وسلم و مدہ : ٢١٢٩]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا تھا: ''اس شہر کو اللہ

تعالیٰ نے اسی دن حرمت والا قرار دے دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے قیامت کے دن تک یہ شہر حرمت والا ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس شہر میں جنگ و قتال حلال نہ تھا اور میرے لیے بھی صرف ایک دن کے کچھ حصے میں اسے حلال قرار دیا گیا تھا اور اب اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے یہ روز قیامت تک حرمت والا ہے۔ لہٰذا اس کے کانٹے کو نہ کاٹا جائے، اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے، اس کے لُقطہ (یعنی گری ہوئی چیز) کو صرف وہی شخص اٹھائے جو لقطہ کا اعلان کرائے، اسی طرح اس کی گھاس کو بھی نہ کاٹا جائے۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اِذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دے دیجیے، کیونکہ یہ گھروں میں اور لوہاروں کی بھٹیوں میں استعمال ہوتی ہے، تو آپ نے فرمایا: ''ہاں! اذخر نامی گھاس اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔'' [بخاري ، كتاب الجزية والموادعة ، باب إثم الغادر للبر والفاجر : ٣١٨٩۔ مسلم ، كتاب الحج ، باب تحريم مكة وتحريم صيدها ...... الخ : ١٣٥٣]

ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرو بن سعید (والیٔ مدینہ) سے اس وقت کہا جب وہ (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف) مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر محترم! مجھے اجازت دیجیے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد بیان کروں جسے آپ نے فتح مکہ کے دن صبح کے وقت ارشاد فرمایا تھا، جو خود میرے کانوں نے سنا، جسے میرے دل نے یاد رکھا اور جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا تو میری آنکھوں نے آپ کا دیدار کیا تھا، آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا تھا: ''مکہ کو (یہاں رہنے والے) لوگوں نے نہیں، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، چنانچہ کسی بھی ایسے شخص کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ کی ذات اور روز آخرت پر ایمان ہو، یہ حلال نہیں کہ وہ یہاں خون بہائے، یا یہاں کے کسی درخت کو کاٹے، اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے جہاد و قتال سے استدلال کرے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی خصوصی اجازت عطا فرمائی تھی، جبکہ تمھیں اس کی اجازت نہیں بخشی اور میرے لیے بھی صرف آج کے دن صرف کچھ وقت کے لیے یہاں جہاد حلال قرار دیا گیا ہے اور آج پھر حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے، جس طرح کل تھی۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔'' ابوشریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عمرو بن سعید نے یہ فرمانِ نبوی ﷺ سن کر تمھیں کیا جواب دیا؟ انھوں نے کہا، انھوں نے مجھے یہ جواب دیا، ابوشریح! ان باتوں کا مجھے آپ سے زیادہ علم ہے، میں جانتا ہوں کہ حرم کسی نافرمان کو، کسی قاتل کو اور کسی تخریب کار کو پناہ نہیں دیتا۔ [بخاري ، كتاب جزاء الصيد ، باب لا يعضد شجر الحرم : ١٨٣٢۔ مسلم ، كتاب الحج ، باب تحريم مكة و تحريم صيدها ...... الخ : ١٣٥٤]

تعمیر کعبہ اور اس کی قبولیت کی دعا

﴿ وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴾
[البقرة : ١٢٧]

''اور جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہا تھا اور اسماعیل بھی۔ اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کو بتائیں کہ ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل، ام القریٰ کی سرزمین میں اللہ کا گھر بناتے ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب اسے قبول کر لے۔

زیر نظر آیت میں مذکور لفظ ''الْقَوَاعِدَ'' کے حوالے سے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، یعنی بیت اللہ کی وہ بنیادیں جو اس سے پہلے موجود تھیں۔[تفسیر عبد الرزاق : ٢٩١/١] اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ پہلے تعمیر ہو چکا تھا، اب از سرِ نو اس کی بنیادیں اٹھائی جا رہی تھیں۔ سورۂ حج (٢٦) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین فرمائی۔ اس کے بعد بیت اللہ کئی دفعہ تعمیر ہوا۔ جاہلیت میں جب سیلاب سے کعبہ منہدم ہو گیا تو قریش نے دوبارہ اس کی تعمیر کی، مگر مال کی کمی کی وجہ سے اس کا کچھ حصہ باہر چھوڑ دیا، جسے حطیم کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس کے لیے پتھر اٹھا کر لاتے رہے۔ آپ کی عمر اس وقت ۳۵ سال تھی، پھر آپ ہی نے قریش کے جھگڑے میں حجر اسود کا فیصلہ فرمایا اور اسے اس کے مقام پر اپنے دست مبارک سے رکھا۔ دورِ اسلام میں پہلی مرتبہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اسے ابراہیم علیہ السلام والی بنیادوں پر تعمیر کیا، اس کے بعد عبد الملک کے دورِ خلافت میں حجاج بن یوسف نے اسے گرا کر دوبارہ اسی طرح بنا دیا جس طرح جاہلیت میں بنایا گیا تھا۔ اس کے بعد مختلف بادشاہ اسی عمارت کی مرمت و تزئین کرتے رہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تجھے معلوم ہے کہ تیری قوم نے جب کعبہ تعمیر کیا تو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد سے کم کر دیا؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول ﷺ! آپ اسے دوبارہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر نہیں کریں گے؟'' آپ نے فرمایا: ''اگر تیری قوم کفر سے ابھی ابھی نکل کر نہ آئی ہوتی تو میں ایسے ہی کرتا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب : ٣٣٦٨ـ مسلم، كتاب الحج، باب نقض الكعبة و بنائها : ١٣٣٣]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں'' یا آپ نے یہ فرمایا: ''اگر پانی سے مشکیزے کو نہ بھرتیں تو زمزم ایک رواں چشمے کی صورت اختیار کر جاتا۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر انھوں نے خود بھی یہ پانی پیا اور اپنے بچے کو بھی پلایا۔'' فرشتے نے ان سے کہا کہ کسی قسم کے نقصان سے نہ ڈرو، یہاں تو اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے، جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ

تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس وقت بیت اللہ ٹیلے کی طرح زمین سے بلند تھا، سیلاب آتے تو اس کے دائیں بائیں سے زمین کاٹ کر نکل جاتے۔ (تفصیلی واقعہ بیان کرنے کے بعد آخر میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ) کچھ عرصہ گزرا تو ابراہیم علیہ السلام ملاقات کے لیے پھر تشریف لائے تو اس وقت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب، بڑے درخت کے نیچے اپنے تیر درست کر رہے تھے۔ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو فوراً ان کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں نے پیار و محبت کا وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو باپ اور بیٹا آپس میں کرتے ہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے، اسماعیل ! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا، اللہ نے آپ کو جو حکم دیا اس کی تعمیل کیجیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، کیا آپ بھی تعاون کریں گے؟ اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا، میں ضرور تعاون کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک بلند ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیادوں کو استوار کروں، تو اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت تعمیر کی۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام گھر بناتے تھے، حتیٰ کہ جب عمارت بلند ہوگئی تو اسماعیل علیہ السلام نے یہ پتھر لا کر رکھ دیا اور ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کرنے لگے۔ اسماعیل علیہ السلام بدستور پتھر پکڑاتے جاتے تھے اور وہ دونوں ساتھ ساتھ بیک زبان یہ بھی کہہ رہے تھے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ تعمیر کرتے رہے اور اس کے ارد گرد گھوم گھوم کر یہ دعا پڑھتے رہے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ [البقرة : ۱۲۷] ''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب : ﴿ يزفون ﴾ النسلان في المشي : ۳۳٦٤۔ مصنف عبد الرزاق : ۹۱۰۷۔ مسند أحمد : ۳٤٧/۱، ۳٤۸، ح : ۳۲٤۹]

دعائے خلیل علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے یہ دعا بھی کی تھی کہ اے اللہ ! ہمیں اپنے حکم کا فرماں بردار اور اپنا اطاعت گزار بنا دے اور ہم اطاعت و عبادت میں تیرے سوا کسی کو بھی تیرا شریک نہ بنائیں۔

﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴾ [البقرة : ۱۲۸]

''اے ہمارے رب! اور ہمیں اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہمیں ہمارے عبادت کے طریقے دکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی نہایت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا فرمائی کہ ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت اپنے لیے فرماں بردار بنا، نیک اولاد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کوئی انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین کے سوا اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں: ① صدقہ جاریہ۔ ② وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ ③ اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔''

[مسلم ، كتاب الوصية ، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته : ١٦٣١]

دعائے خلیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اہل حرم کے لیے جو آخری دعا فرمائی وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں اولاد ابرہیم ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمائے ، یہ دعائے مستجاب اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کے مطابق تھی جس سے پہلے سے تعین کیا جا چکا تھا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب و عجم کے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا جائے گا:

﴿ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ [البقرة : ١٢٩]

''اے ہمارے رب! اور ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انھیں کتاب و حکمت سکھائے اور انھیں پاک کرے، بے شک تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اہل حرم کے لیے جو آخری دعا فرمائی، وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں اولاد ابراہیم ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمائے، چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا، اے اللہ کے نبی ! آپ کے معاملہ میں سے کون سی نشانی سب سے پہلے ظاہر ہوئی، تو آپ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی بشارت ہوں اور میری ماں نے یہ خواب دیکھا کہ ان کے وجود سے روشنی نکلی، جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔'' [مسند أحمد : ٥/٢٦٢، ح : ٢٢٣٢٤]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی بہترین نمونہ

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ

اَنَبْنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾

[الممتحنة : ٤ ، ٥]

''یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ تھا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے بری ہیں جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا، یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ، مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا (تمھارے لیے نمونہ نہیں) کہ بے شک میں تیرے لیے بخشش کی دعا ضرور کروں گا اور میں تیرے لیے اللہ سے کسی چیز (کے دلوانے) کا مالک نہیں ہوں، اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسا کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا جنھوں نے کفر کیا اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب! یقیناً تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

مشرکوں سے اعلانِ براءت فرماتے ہوئے اللہ نے کہا کہ ابراہیم اور ان کے مومن ساتھیوں کی زندگیوں میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے کہ انھوں نے اپنی قلت و ناتوانی اور دشمنوں کی کثرت وقوت کے باوجود اللہ کے دشمنوں سے اظہار براءت میں ذرا بھی تامل سے کام نہیں لیا اور کسی رشتہ دار کا خیال نہیں کیا۔ پوری قوم کے سامنے اعلان کر دیا کہ ہم تم لوگوں سے اور تمھارے بتوں سے دور اور بے تعلق ہیں، ہم تمھارے دین اور معبودوں کا انکار کرتے ہیں۔ ہمارے اور تمھارے درمیان اب کھلی دشمنی پیدا ہو گئی، اس لیے کہ ہم موحد ہیں اور تم لوگ مشرک ہو، یہ عداوت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہیں لاؤ گے۔

مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے طرزِ عمل کو مومنوں کے لیے اسوہ قرار دیا، فرمایا کہ تمھارے لیے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب میں نمونہ ہے۔ لیکن ابراہیم نے اپنے باپ کے لیے استغفار کی جو بات کی تھی وہ اسوہ نہیں ہے۔ وہ ان سے کیے ہوئے وعدے کی بات تھی اور پھر جب ان کے سامنے حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو انھوں نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت اس لیے فرمائی کہ بعض مومن اپنے ان آبا و اجداد کے لیے مغفرت و بخشش کی دعائیں مانگا کرتے تھے جو حالت شرک میں فوت ہو گئے تھے اور کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام بھی تو اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آزر سے ملیں گے تو آزر کے چہرے پر گرد و غبار اور سیاہی ہو گی۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میری

نافرمانی نہ کرو؟ وہ کہے گا، آج میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے، یا رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قبروں سے اٹھائے جانے کے دن تو مجھے رسوا نہیں کرے گا، تو اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہوگی کہ میرا باپ رحمت سے دور (جہنم میں جا رہا) ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔ پھر فرمایا جائے گا، ابراہیم! آپ کے قدموں میں کیا ہے؟ وہ دیکھیں گے تو نجاست سے لتھڑا ہوا ایک بجو نظر آئے گا جسے ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ : ﴿ واتخذ الله إبراهيم خليلاً ...... الخ ﴾ : ٣٣٥٠]

مشرکوں سے اظہار براءت کے ساتھ اللہ نے مومنوں کو یہ بھی تعلیم دی کہ وہ اپنے رب سے ہمیشہ دعا کرتے رہیں کہ اے اللہ! ہمارا توکل تجھی پر ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں، ہم صرف تیری بندگی کرتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہر چیز کا مرجع و ماویٰ تو ہی ہے، تو اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ اے ہمارے رب! تو کافروں کو ہم پر غلبہ نہ دے کہ وہ ہمیں آزمائش میں ڈال دیں اور دوبارہ ہمیں کفر میں واپس لے جانے کی کوشش کریں اور اس زعم باطل میں مبتلا ہو جائیں کہ وہی حق پر ہیں اور ہم باطل پر ہیں، اس طرح ان کا کفر اور بڑھ جائے۔ اے ہمارے رب! ہمارے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دے، ان پر ہمارا مؤاخذہ نہ کر، تو بڑا ہی زبردست اور بڑی حکمتوں والا ہے۔

دینِ ابراہیم کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا جھگڑا

یہود ابراہیم علیہ السلام کے یہودی ہونے کے دعوے دار تھے اور نصاریٰ ان کے نصرانی ہونے کے اور یہ بات ایسی تھی جو واضح طور پر غلط تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ١ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ [آل عمران : ٦٥]

''اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ جب کہ تورات اور انجیل تو نازل ہی اس کے بعد کی گئی ہیں، تو کیا تم سمجھتے نہیں۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں دعویٰ کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے، حالانکہ تورات، جس پر یہودی ایمان رکھتے تھے اور انجیل جسے عیسائی مانتے تھے، یہ دونوں کتابیں ابراہیم علیہ السلام کے سیکڑوں برس بعد نازل ہوئیں، پھر ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کیونکر ہو سکتے تھے؟ ہماری امت سے بھی اگر کوئی بعد میں بننے والا کوئی گروہ جو '' مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِيْ '' پر قائم نہ ہو اور دعویٰ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گروہ سے تھے، تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ تمھاری تو بنیاد ہی بعد میں رکھی گئی، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو چکے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے گروہ میں کیسے شامل ہو گئے؟

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب تم تورات و انجیل ہی کے مسائل میں بھٹکے ہو حالانکہ وہاں کچھ علم تمھیں حاصل تھا تو اب دین ابراہیمی کے بارے میں کیوں کٹ حجتی پر تلے ہو۔ جس کے بارے میں تو تمھیں علم کا شائبہ بھی حاصل نہیں۔ ارشاد فرمایا:

﴿ هَاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

[آل عمران : ٦٦]

”دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کے متعلق تمھیں کچھ علم تھا، تو اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کچھ علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

تمھارے علم و دیانت کا تو یہ حال ہے کہ جن چیزوں کا تمھیں علم ہے یعنی اپنے دین اور اپنی کتاب کا، اس کی بابت تمھارے جھگڑے بے اصل بھی ہیں اور بے عقلی کا مظہر بھی، تو پھر تم اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں سرے سے علم ہی نہیں ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی شان اور ان کی ملت حنیفیہ کے بارے میں، جس کی اساس توحید و اخلاص پر ہے۔ اس آیت میں نہ صرف غلط طور پر جھگڑا کرنے سے منع کیا گیا ہے بلکہ مطلقاً جھگڑے سے بچنے کی نصیحت بھی کی ہے۔

ملتِ ابراہیمی کے اصل پیروکار

اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کے اصل پیروکاروں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

[آل عمران : ٦٧]

”ابراہیم نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی، بلکہ ایک طرف والا فرماں بردار تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔“

اس آیت میں اشارہ ہے کہ یہود و نصاریٰ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اپنے گروہ میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ یہ مشرک ہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے مشائخ اور علماء کو رب اور ان کے اقوال کو شریعت بنا رکھا ہے اور عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا اور نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنائے ہوئے ہیں، جب کہ ابراہیم علیہ السلام ایک اللہ کی پرستش کرنے والے مسلم تھے، وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔ کچھ ایسا ہی حال اس امت کا بھی ہے کہ ہر فرقے والے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اپنے گروہ میں شامل کرتے ہیں، حالانکہ وہ سب گروہ بہت بعد میں بنے اور انھوں نے اپنے اپنے سربراہوں کے اقوال کو شریعت قرار دے کر ان سربراہوں کو اللہ کا درجہ دے دیا۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ صرف ” مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ “ (اللہ کے نازل کردہ دین) پر چلنے والے مسلم تھے اور ہرگز مشرک نہ تھے۔

ملتِ ابراہیم کے پیروکاروں کی مزید وضاحت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾
[آل عمران : ٦٨]

’’بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ قریب یقیناً وہی لوگ ہیں جنھوں نے اس کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔‘‘

مطلب یہ کہ اگر تم اس معنی میں ابراہیم علیہ السلام کو یہودی یا نصرانی کہتے ہو کہ ان کی شریعت تمھاری شریعت سے ملتی جلتی ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے زمانے میں ان کے دین کی اتباع کی اور اب یہ نبی محمد ﷺ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین و انصار اور ان کے بعد آپ کی پیروی کرنے والے ہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی لوگ صحیح معنوں میں ابراہیم علیہ السلام کی طرح توحید پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے حقیقتاً اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا ہے اور فرماں بردار بن گئے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ہر نبی کے نبیوں میں سے قریبی دوست ہوتے ہیں اور ان میں سے میرے قریبی دوست میرے باپ اور میرے رب کے قریبی دوست ابراہیم علیہ السلام ہیں۔‘‘ پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ﴾ [ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب و من سورة آل عمران : ٢٩٩٥، المستدرك للحاكم : ٢٩٢/٢، ح : ٣١٥١، سنن سعيد بن منصور، تفسير سورة آل عمران : قوله تعالى : ﴿ ان اولى الناس بابراهيم للذين اتبعوه...... ﴾ : ١٠٤٧/٣، ح : ٥٠١]

ملتِ ابراہیم سے کوئی نادان ہی روگردانی کر سکتا ہے

اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمی سے اعراض اور روگردانی کرنے والوں کو بے وقوف قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [البقرة : ١٣٠]

’’اور ابراہیم کی ملت سے اس کے سوا کون بے رغبتی کرے گا جس نے اپنے آپ کو بے وقوف بنا لیا، اور بے شک ہم نے اسے دنیا میں چن لیا اور بلاشبہ وہ آخرت میں یقیناً صالح لوگوں سے ہے۔‘‘

اس آیت میں اہل کتاب اور مشرکینِ عرب کی تردید ہے جنھوں نے ملت ابراہیمی کو چھوڑ کر اپنی اپنی ہوائے نفس کی اتباع کی۔ لہٰذا اہل کتاب اور مشرکین کو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر ثابت کرنا چاہیے کہ وہ واقعی دین ابراہیمی والے دعوے میں سچے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ عیسائی اور نہ مشرک، وہ تو بس اللہ رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو دین اسلام پر قائم رہنے کی وصیت

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ وہ دین اسلام پر قائم رہیں کیونکہ دین اسلام ہی اللہ کا پسند کردہ دین ہے:

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [البقرة : ۱۳۱، ۱۳۲]

"جب اس سے اس کے رب نے کہا فرماں بردار ہو جا، اس نے کہا میں جہانوں کے رب کے لیے فرماں بردار ہوگیا۔ اور اسی کی وصیت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب نے بھی۔ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمھارے لیے یہ دین چن لیا ہے، تو تم ہرگز فوت نہ ہونا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو۔"

مذکورہ آیات میں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے لیے اپنے مسلم (فرماں بردار) ہونے کا اقرار کیا اور وجہ بھی ذکر فرمائی کہ رب العالمین ہونے کی وجہ سے یہ حق اسی کا ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو "دینِ اسلام" پر قائم رہنے کی بھی نصیحت کی، جس کے علاوہ اللہ کے نزدیک کوئی دین قابل قبول نہیں اور فرمایا کہ تم ہرگز فوت نہ ہونا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو۔ مسلم ہونے کی حالت میں فوت ہونا اسی وقت ممکن ہے جب بندہ ہر وقت مسلم یعنی تابع فرمان رہے، کبھی کوتاہی ہو تو فوراً توبہ کر لے کیونکہ موت کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ انبیاء کو اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق آخری وقت مسلم ہونے کی بہت فکر رہتی تھی، کیونکہ اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

ملت ابراہیم کی پیروی ہی ہدایت کی شرط ہے

اہل کتاب مسلمانوں کو یہودیت اور نصرانیت کی دعوت دیتے تھے اور ہدایت کو اپنے دین میں منحصر مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو ملت ابراہیمی سے مشروط قرار دیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہیں تھے:

﴿وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [البقرة : ۱۳۵]

"اور انھوں نے کہا یہودی ہو جاؤ، یا نصرانی ہدایت پا جاؤ گے، کہہ دے بلکہ (ہم) ابراہیم کی ملت (کی پیروی کریں گے) جو ایک اللہ کا ہونے والا تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔"

اہل کتاب کی ہٹ دھرمی بیان کی جا رہی ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ یہودی ہو جاؤ تو تمھیں ہدایت مل جائے گی اور عیسائی کہتے تھے کہ عیسائی ہو جاؤ تو تم ہدایت یاب ہو جاؤ گے۔ آپ کہہ دیں ہم تو ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کریں گے، جو حنیف اور مسلم تھے، یعنی تمام گروہوں اور آباء و اجداد کے طریقوں سے ہٹ کر ایک اللہ کی طرف ہو کر پوری طرح اس کے تابع فرمان تھے اور مشرک نہ تھے۔ ان کا دین حق پر ہونا تم بھی مانتے ہو۔ تمھارا حال یہ ہے کہ تم

ایک طرف شرک میں گرفتار ہو کہ عزیر اور مسیح علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کے بیٹے مانتے ہو، کبھی تین خدا مانتے ہو، کبھی صلیب کی پوجا کرتے ہو۔ دوسری طرف تم وحی الٰہی کی پیروی کے بجائے احبار و رہبان کی تقلید میں گرفتار ہو کر فرقوں میں بٹے ہوئے ہو۔ تم ہدایت پر ہونے کا دعویٰ کس منہ سے کرتے ہو؟ افسوس! اب مسلمانوں کی اکثریت کا بھی یہی حال ہے کہ جس طرح یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے ملت حنیفی کو ترک کر کے چند رسوم و بدعات، خرافات اور شرکیہ اعمال کی پابندی کو دینِ ہدایت سمجھ رکھا تھا، اسی طرح انھوں نے بھی قرآن و سنت کو ترک کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدتوں بعد آنے والے بزرگوں کی تقلید کو، جو نبی بھی نہیں تھے، واجب قرار دیا۔ اللہ کے بجائے غیر اللہ سے مانگنے کو، حج کے بجائے بزرگوں کے مقبروں پر جانے کو اور نماز، روزہ، زکوٰۃ ترک کر کے خود ساختہ اوراد و وظائف اور چلہ کشی کو اللہ کے قرب کا ذریعہ قرار دیا، اگر کوئی توحید اور قرآن و سنت کی دعوت دے تو اسے بے دین اور گمراہ قرار دیا۔

اسلام دراصل عقائد اور اصول کے مجموعے کا نام ہے، یعنی توحید کا عقیدہ اور وحیٔ الٰہی کا اتباع۔ دین اور ملت سے بھی یہی مراد ہے۔ تمام انبیاء ایک ہی دین و ملت یعنی اسلام کے پیروکار تھے، اگر کچھ اختلاف ہے تو بعض احکام میں ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں (یعنی شریعتیں) مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔'' [بخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالٰى ...... : ٣٤٤٣]

اس لحاظ سے دین محمدی بھی ملت ابراہیم ہی ہے، یہودیت اور نصرانیت ملت ابراہیم سے خارج ہیں، کیونکہ وہ توحید الٰہی کے بجائے شرک میں اور وحیٔ الٰہی کی پیروی کے بجائے تقلید یعنی احبار و رہبان کی پیروی میں گرفتار ہو گئے اور تورات و انجیل پر عمل چھوڑ بیٹھے، اگر وہ واقعی مسلم ہوتے تو تورات اور انجیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات موجود ہونے کی وجہ سے آپ پر ایمان لے آتے۔

مسلمان کا تمام منزل من اللہ کتابوں پر ایمان اور انبیائے کرام میں عدم تفریق

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی اس پر مفصل طور پر ایمان لائیں اور گزشتہ انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئی تھیں ان پر مجمل طور پر ایمان رکھیں۔

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ [البقرة : ١٣٦]

''کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم

ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔‘‘

اس آیت میں مسلمانوں کو اصل ہدایت اور ایمان کی تعلیم دی گئی ہے، یعنی قرآن پاک سے پہلے جتنی آسمانی کتابیں اور جتنے انبیاء و رسل آئے، جن میں سے بعض کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں اور بعض کے نہیں آئے، سب پر مجملاً ایمان لایا جائے کہ وہ سب حق ہیں۔ ان کے درمیان فرق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو مان لیا کسی کو نہ مانا، جیسے یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کو اور نصرانیوں نے آخری پیغمبر ﷺ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ البتہ تفصیلی ایمان صرف قرآن پر ضروری ہے، یعنی اس کے ہر حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا، کیونکہ ① قرآن پاک آنے سے پہلی تمام کتابیں منسوخ ہو گئیں۔ ② پہلے تمام پیغمبر خصوصاً اپنی قوم کی طرف آتے تھے، جب کہ رسول اللہ ﷺ قیامت تک کے تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے۔ ③ پہلی کوئی آسمانی کتاب محفوظ نہیں رہی، بلکہ ان میں تحریف ہو گئی، جب کہ قرآن مجید ہر طرح سے محفوظ ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے اور وہ اہل اسلام کے لیے اس کا عربی میں ترجمہ کر دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اہل کتاب کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ تکذیب (بلکہ صرف یہ کہو) ﴿قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ [البقرۃ : ۱۳۶]
’’کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔‘‘ [بخاري ، کتاب التفسیر ، باب ﴿ قولوا آمنا باللہ ﴾ : ۴۴۸۵]

یہود و نصاریٰ کے نظریات کا ردّ

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے خود ساختہ نظریات و تصورات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾
[البقرۃ : ۱۴۰]

’’یا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی تھے یا عیسائی؟ کہہ دے کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے وہ شہادت چھپالی جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے تھی اور اللہ ہرگز اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔‘‘

یہودیت اپنے موجودہ نظریات و عقائد کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد اور عیسائیت اپنے مخصوص نظریات و عقائد کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد وجود میں آئی۔ یہود و نصاریٰ کے عالم لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد اس یہودیت و عیسائیت سے، بلکہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے بھی بہت پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر یہود و نصاریٰ کے علماء نے عوام کے ذہن میں یہ بات پختہ کر دی تھی کہ یہ تمام انبیاء یہود کے قول کے مطابق یہودی تھے اور نصاریٰ کے قول کے مطابق عیسائی تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علمائے یہود و نصاریٰ کی اس بددیانتی کو ظاہر فرمایا ہے اور شہادت چھپانے کے مجرم قرار دے کر انھیں سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مشرکین یا یہودیوں یا عیسائیوں سے تعلق کی نفی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مشرکین یا یہودیوں یا عیسائیوں سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ وہ تو ایک اللہ کے فرماں بردار اور اس کی یکسوئی اختیار کرنے والے تھے۔

﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [النحل : ۱۲۰ تا ۱۲۳]

”بے شک ابراہیم ایک امت تھا، اللہ کا فرماں بردار، ایک اللہ کی طرف ہو جانے والا اور وہ مشرکوں سے نہ تھا۔ اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والا۔ اس نے اسے چن لیا اور اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔ اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی اور بے شک وہ آخرت میں بھی یقیناً نیک لوگوں سے ہے۔ پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کر، جو ایک اللہ کی طرف ہو جانے والا تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔“

مشرکین مکہ کہتے تھے کہ وہ اپنے جد اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں، جنھوں نے اللہ کا گھر بنایا تھا، حج کے اعمال بیان کیے تھے اور خانہ کعبہ اور اس کے اردگرد کے علاقے کو حرام قرار دیا تھا۔ یہود و نصاریٰ بھی دعویٰ کرتے تھے کہ وہ لوگ بھی ملت ابراہیمی کے پیروکار ہیں اور سب نے دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، جو فی الحقیقت وہی دین ہے جسے ابراہیم علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ اسی لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی روحانی اور دینی زندگی کو بیان کر کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو آئینہ دکھایا ہے، تاکہ ان میں سے ہر جماعت اپنا چہرہ دیکھ کر پہچانے کہ کیا وہ واقعی دین ابراہیم پر قائم ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک صالح، تمام خوبیوں کے مالک اور لائق اقتدا امام تھے۔ وہ اپنے رب کے بڑے ہی فرماں بردار تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک نہیں بناتے تھے۔ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رسالت اور اپنی دوستی کے لیے چن لیا تھا۔ اس لیے کہ جب انھوں نے ہر چیز

سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو ان کے دل میں اس کی محبت پیوست ہوگئی اور کسی دوسرے کی محبت کے لیے اس میں جگہ باقی نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سیدھی راہ یعنی دین اسلام کی طرف رہنمائی کی اور دنیا میں انھیں اچھائی دی، یعنی ان کا ذکر جمیل تمام اہل ادیان کی زبانوں پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہوگیا، جبکہ آخرت میں وہ صالحین کی جماعت کے ساتھ جنت میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ کی جلالت اور قدر و منزلت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کریں جو اللہ کی خاطر تمام مشرکین سے الگ ہو گئے تھے اور جنھوں نے اپنی عبادت اور اپنا جینا اور مرنا صرف اللہ رب العالمین کے لیے خاص کر دیا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ شریف میں تصویریں دیکھیں تو اندر داخل نہ ہوئے، جب تک آپ کے حکم سے انھیں مٹا نہ دیا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ (تصویروں میں) ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں میں فال کے تیر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ ان (تصویریں بنانے والوں) کو تباہ کرے! قسم ہے اللہ کی! انھوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں نکالی تھی۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالى : ﴿ واتخذ الله إبراهيم خليلا ﴾ : ٣٣٥٢]

قبولیت عمل کی شرائط

﴿ وَ مَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ [النساء : ١٢٥]

''اور دین کے لحاظ سے اس سے بہتر کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے تابع کر دیا، جب کہ وہ نیکی کرنے والا ہو اور اس نے ابراہیم کی ملت کی پیروی کی، جو ایک (اللہ کی) طرف ہو جانے والا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست بنا لیا۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا ایک معیار اور اس کا ایک نمونہ بیان کیا ہے۔ معیار یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے، محسن بن جائے اور ملت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرے اور نمونہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: ''لوگو! اگر میں نے اہل زمین میں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا تو ابن ابی قحافہ (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کو اپنا خلیل بنا لیتا، لیکن تمھارے صاحب تو اللہ کے خلیل ہیں۔'' [مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر رضي الله عنه : ٢٣٨٣/٦۔ بخاري، كتاب الصلاة، باب الخوخة : ٤٦٦]

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب یمن تشریف لائے تو انھوں نے صبح کی نماز

پڑھاتے ہوئے جب یہ آیت کریمہ تلاوت کی ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ تو ایک آدمی نے کہا کہ پھر تو ابراہیم علیہ السلام کی ماں کی آنکھوں کے لیے یہ بات باعث ٹھنڈک ہے۔[بخاري، كتاب المغازي، باب بعث أبي موسى و معاذ إلى اليمن : ٤٣٤٨]

سیدنا جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ روز قبل نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں اللہ کے علاوہ تم میں سے کسی کو اپنا خلیل نہیں بنا سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ لوگو! غور سے سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ، میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔'' [مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور ...... الخ : ٥٣٢]

اولو العزم پیغمبروں میں خاتم الانبیاء کے بعد افضلیتِ ابراہیم

اللہ تعالیٰ نے اولو العزم پیغمبروں میں نبی اکرم ﷺ کے بعد سب سے افضل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیا۔

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰۤى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ [الشورى : ١٣]

''اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا تاکیدی حکم اس نے نوح کو دیا اور جس کی وحی ہم نے تیری طرف کی اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا، یہ کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں جدا جدا نہ ہو جاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے یہاں آدم علیہ السلام کے بعد آنے والے پہلے رسول سیدنا نوح علیہ السلام اور سب سے آخری پیغمبر سیدنا محمد ﷺ کا تذکرہ فرمایا ہے، پھر ان دونوں کے درمیان اولو العزم پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے اور وہ ہیں ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام۔ اس آیت میں پانچوں اولو العزم رسولوں کا ذکر ہے۔

اولو العزم پیغمبروں میں سیدنا محمد ﷺ کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی سب سے افضل ہیں۔ آپ ہی کو رسول اللہ ﷺ نے ساتویں آسمان پر اسی بیت المعمور سے ٹیک لگا کر بیٹھے دیکھا تھا، جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ پھر دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ لقد كان في يوسف ...... الخ ﴾ : ٣٣٩٠]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہا: « يَا خَيْرَ

الْبَرِيَّةِ! »''اے مخلوقات میں سے بہترین انسان!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔'' (یعنی یہ ان کا لقب ہے)۔[مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل عليه السلام : ٢٣٦٩]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ سب سے معزز انسان کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم آپ سے یہ بات نہیں پوچھ رہے۔ فرمایا: ''سب سے معزز انسان سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں، اللہ کے نبی تھے، اللہ کے نبی کے بیٹے تھے، اللہ کے نبی کے پوتے تھے، اللہ کے خلیل کے پڑپوتے تھے۔'' انھوں نے عرض کیا: ہم آپ سے یہ بات نہیں پوچھ رہے۔ فرمایا: ''تم مجھ سے عرب کے قبائل کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں! نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ جاہلیت میں بہتر تھے، وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، جب دین کی سمجھ حاصل کر لیں۔''
[بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ : ﴿ لقد كان في يوسف ......الخ ﴾ : ٣٣٨٣]

اسی جزوی افضلیت کی وجہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سیدنا محمد ﷺ سے مطلقاً افضل ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ نبی ﷺ کو مقام محمود کی جو افضلیت حاصل ہے وہ زیادہ عظیم ہے، اس پر پچھلے تمام انسان نبی ﷺ پر رشک کریں گے۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی داخل ہوا، نماز پڑھنے لگا اور اس نے جس طرح قراءت کی اس کو میں نے اس کے سامنے ناقابل مقبول قرار دے دیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا، اس نے ایسی قراءت کی جو اس کے ساتھی (پہلے آدمی) کی قراءت سے مختلف تھی، جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کی کہ اس شخص نے ایسی قراءت کی جو میں نے اس کے سامنے رد کر دی اور دوسرا آیا تو اس نے اپنے ساتھی سے بھی الگ قراءت کی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا، ان دونوں نے قراءت کی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کے انداز کی تحسین فرمائی تو میرے دل میں آپ کی تکذیب (جھٹلانے) کا داعیہ اس زور سے ڈالا گیا جتنا اس وقت بھی نہ تھا جب میں جاہلیت میں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر طاری ہونے والی اس کیفیت کو دیکھا تو میرے سینے میں مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا، جیسے میں ڈر کے عالم میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''میرے پاس حکم بھیجا گیا کہ میں قرآن ایک حرف (قراءت کی ایک صورت) پر پڑھوں۔ تو میں نے جواباً درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمائیں۔ تو میرے پاس دوبارہ جواب بھیجا کہ میں اسے دو حرفوں پر پڑھوں۔ میں نے پھر عرض کی کہ میری امت کے لیے آسانی فرمائیں۔ تو میرے پاس تیسری بار جواب بھیجا کہ اسے سات حروف پر پڑھیے، نیز آپ کے لیے ہر جواب کے بدلے جو میں نے دیا ایک دعا ہے جو آپ مجھ سے مانگیں۔ میں نے عرض کی: اے میرے اللہ! میری امت کو بخشش دے، اے میرے اللہ! میری امت کو

بخش دے۔ اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لیے مؤخر کر لی ہے جس دن تمام مخلوق حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہوں گے۔'' [مسلم، كتاب فضائل القرآن وما يتعلق به، باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف...... الخ : ٨٢٠]

معراج کے موقع پر امام الانبیاء کی سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''پھر جبریل علیہ السلام ہمارے ساتھ ساتویں آسمان پر چڑھے اور دروازہ کھلوایا۔ فرشتوں نے پوچھا، کون ہے؟ جواب دیا جبریل۔ پوچھا، تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرشتوں نے کہا، کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ انھوں نے کہا، ہاں! انھیں بلایا گیا ہے۔ پھر (جب) ہمارے لیے دروازہ کھلا تو میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور وہ مکان ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں (جب وہ اس میں سے نکل آتے ہیں تو) پھر دوبارہ اس میں داخل نہیں ہوتے۔'' [مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إلى السمٰوات وفرض الصلوات : ١٦٢]

سیدنا مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ (معراج کا تفصیلی واقعہ بیان کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر دروازہ کھول دیا گیا اور جب میں (ساتویں آسمان کی بھی سیر وغیرہ سے) فارغ ہوا تو وہاں ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جبریل نے مجھے تعارف کروایا کہ یہ آپ کے باپ ہیں، انھیں سلام عرض کیجیے۔ میں نے ان کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا، نیک بیٹے اور صالح رسول کو خوش آمدید۔'' [بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ٣٨٨٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ : ١٦٢]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے متعلق فرمایا: ''پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو (دیکھا کہ) وہاں ابراہیم علیہ السلام ہیں، وہ اپنی پیٹھ بیت المعمور سے لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔'' [مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ : ١٦٢]

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا تفصیلی واقعہ بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر ہم آگے بڑھے تو ایک ایسے باغ میں پہنچے جو سرسبز و شاداب تھا اور اس میں موسم بہار کے سب پھول تھے۔ اس باغ کے درمیان ایک لمبے قد والا آدمی تھا، اتنا لمبا کہ میرے لیے اس کا سر دیکھنا مشکل ہو گیا گویا وہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے اردگرد بہت سے بچے تھے۔ میں نے اتنے بچے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: یہ کون ہے؟ اور بچوں کی حقیقت کیا ہے؟ انھوں نے کہا: ''باغ میں لمبے قد والے آدمی سیدنا ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے اردگرد وہ بچے تھے جو پیدا ہو کر فطرت اسلام پر فوت ہو گئے۔'' [بخاري، كتاب التعبير، باب تعبير الرؤيا بعد

صلاة الصبح : ٧٠٤٧]

اہل بیت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقام

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آج رات میرا ایک بیٹا پیدا ہوا ہے جس کا نام میں نے اپنے والد کے نام پر ابراہیم رکھا ہے۔'' [مسلم، كتاب الفضائل، باب رحمته صلی اللہ علیہ وسلم الصبيان ...... الخ : ٢٣١٥]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''میں خوب جانتا ہوں جب تم مجھ پر خوش ہوتی ہو اور جب مجھ پر ناراض ہوتی ہو۔'' میں نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں نہیں، مجھے رب محمد کی قسم! اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں نہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم!'' میں نے عرض کی: ہاں اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! غصے کے وقت بھی میں صرف آپ کا نام زبان پر نہیں لاتی۔ (دل میں آپ کی محبت میں غرق ہوتی ہوں)۔ [بخاري، كتاب النكاح، باب غيرة النساء و وجدهن : ٥٢٢٨]

07
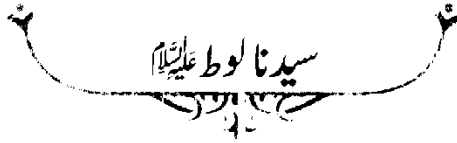
نام ونسب، جائے نبوت اور قرآنِ حکیم میں آپ کا تذکرہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں پیش آنے والا ایک اہم واقعہ سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم پر اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا نزول ہے۔ وہ ''سدوم'' اور گردو نواح کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہاں کے باشندے انتہائی فاسق و فاجر، شدید ترین کافر، انتہائی بدفطرت اور بے حد بدکردار تھے۔ وہ راہ زنی کے عادی اور سرعام برے کام کرنے والے تھے۔ انھوں نے بے حیائی کا ایک نیا کام شروع کر رکھا تھا جو ان سے پہلے کسی انسان نے نہیں کیا تھا۔ یعنی انھوں نے اپنی نفسانی خواہش مردوں سے پوری کرنا شروع کر دی۔ سیدنا لوط علیہ السلام کے مسلسل سمجھانے کے باوجود ان کی گمراہی اور سرکشی میں اضافہ ہوگیا۔ وہ کفر اور گناہوں میں بدستور ملوث رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ عذاب نازل فرمایا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ قرآن مجید کے مختلف مقامات پر ان کا واقعہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں ارشاد ہے:

﴿وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ [الأعراف: ۸۰ تا ۸۴]

''اور لوط کو (بھیجا)، جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے نہیں کی۔ بے شک تم تو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو، بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ اور اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا انھیں اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو بہت پاک بنتے ہیں۔ تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا مگر اس کی بیوی، وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔ اور ہم نے ان پر بارش برسائی، ایک زبردست بارش۔ پس دیکھ

مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟''

ان آیات میں لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ لوط علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے اور ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ان پر ایمان لانے کے بعد ہجرت کر کے ان کے ساتھ شام چلے گئے تھے، لیکن بعد میں وادی اردن کی بستی ''سدوم'' میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس بستی والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا۔ وہ لوگ کفر و شرک کے علاوہ لواطت جیسی خبیث ترین بیماری، جو ان سے پہلے دنیا میں نہیں پائی گئی تھی، میں مبتلا تھے۔ لوط علیہ السلام نے انھیں توحید کی دعوت دی اور اس مہلک اخلاقی مرض سے بھی نجات دلانے کی کوشش کی، لیکن انھوں نے ان کی ایک نہ سنی، ان کا مذاق اڑایا اور اپنے خبثِ ظاہر و باطن پر اصرار کیا۔ لیکن جب لوط علیہ السلام کو اس بستی سے نکال دینے کی دھمکی دی تو اللہ کا عذاب ان پر واجب ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی پر پتھروں کی بارش کر دی اور پھر انھیں الٹ دیا اور اس طرح تمام کے تمام لوگ ہلاک ہو گئے۔ صرف لوط علیہ السلام اور ان کے چند مومن ساتھی بچ گئے، جو اللہ کے حکم سے پہلے ہی اس بستی سے نکل گئے تھے۔

اس وقت امریکہ اور یورپ کی اقوام نے ہم جنس پرستی کو جائز قرار دے کر مرد کی مرد اور عورت کی عورت کے ساتھ شادی کو قانونی تحفظ دے رکھا ہے۔ اب ان کی کوشش یہ ہے کہ مسلم معاشرے میں بھی اس فعل کو جرم نہ سمجھا جائے اور اس کے لیے وہ اپنے تمام وسائل استعمال کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حق پر قائم رہنے کی اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے کفار کی اللہ تعالیٰ سے اعلانیہ بغاوت کو کچلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ اب اللہ تعالیٰ کا قانون آسمانی عذاب کی بجائے مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دینا ہے۔

اسلام کی نظر میں فعل لوط ایک بہت ہی بڑا گناہ ہے، اس کی دنیاوی سزا کے بارے میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جسے تم قوم لوط جیسا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔'' [مسند أحمد : ۱/ ۳۰۰، ح : ۲۷۳۰۔ أبو داؤد، كتاب الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط : ٤٤٦٢۔ ترمذي، كتاب الحدود، باب ما جاء في حد اللوطي : ١٤٥٦۔ ابن ماجه، كتاب الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط : ٢٥٦١]

فرشتوں کی سیدنا لوط علیہ السلام کے پاس آمد

﴿ وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝ وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴾ [هود : ۷۷، ۷۸]

''اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے، وہ ان کی وجہ سے مغموم ہوا اور ان سے دل تنگ ہوا اور اس نے کہا یہ بہت سخت دن ہے۔ اور اس کی قوم (کے لوگ) اس کی طرف بے اختیار دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے اور وہ پہلے سے برے کام کیا کرتے تھے۔ اس نے کہا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں، یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں، تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں؟''

لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے صحیح سلامت باہر نکل آنے پر ان پر ایمان لے آئے تھے اور انھوں نے ان کے ساتھ ہی شام کی طرف ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت سے سرفراز فرمایا اور وادی اردن میں ''سدوم'' نامی بستی اور اس کے گردونواح کے لیے مبعوث فرمایا۔ یہ قوم شرک و کفر کے ساتھ ساتھ ایسے فعل بد کی مرتکب تھی جس کا ارتکاب ان سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہ لوگ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ بدفعلی کے عادی تھے۔ اپنی مجلسوں میں کھلم کھلا برائی کرنا اور ڈاکے مارنا ان کا عام رویہ تھا۔

جب وہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام سے رخصت ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ خوبصورت کم عمر نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ لوط علیہ السلام انھیں اس حال میں دیکھ کر پریشانِ خاطر ہوئے اور دل میں سوچا کہ آج کا دن تو بڑا ہی مشکل دن ہے۔ میں ان مہمانوں کو بدمعاشوں سے کیسے بچا سکوں گا؟ قوم لوط کو ان خوبصورت مہمانوں کے آنے کی اطلاع ملی تو ان کے ساتھ بدفعلی کی نیت سے بہت ہی تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ اس لیے کہ پہلے ہی سے مردوں کے ساتھ بدفعلی کرنا ان کی خبیث عادت چلی آ رہی تھی اور شرم و حیا نام کی کوئی چیز ان میں باقی نہیں رہ گئی تھی۔ جب انھوں نے مہمانوں کی طرف دست درازی کرنا چاہی تو لوط علیہ السلام نے مہمانوں کا دفاع کرتے ہوئے اور بدمعاشوں کو خیر کی نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں یعنی قوم کی بچیاں موجود ہیں، تم لوگ ان سے شادی کر لو، دنیاوی اور اخروی ہر اعتبار سے یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ اور اچھی رہیں گی۔ دیکھو! اللہ سے ڈرو اور زنا چھوڑ دو۔ بدفعلی کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو اور مہمانوں پر دست درازی کر کے مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک بھی ایسا آدمی نہیں ہے جو اس فعل قبیح سے باز آ جائے اور نیکی کی راہ اختیار کرے؟

لوط علیہ السلام کی قوم کو نصیحت اور قوم کی ہٹ دھرمی

لوط علیہ السلام کی نصیحت کے باوجود ان کی قوم گناہ اور سرکشی پر اڑی رہی، قرآن مجید ان کی کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴾ [هود : ۷۹، ۸۰]

''انھوں نے کہا بلاشبہ یقیناً تو جانتا ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حق نہیں اور بلاشبہ یقیناً تو جانتا ہے ہم کیا

چاہتے ہیں۔ اس نے کہا کاش! واقعی میرے پاس تمھارے مقابلہ کی کچھ طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا۔‘‘

ان بدبختوں نے لوط علیہ السلام کی نصیحت پر کوئی دھیان نہیں دیا اور انتہائی بے حیائی کے ساتھ اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اے لوط! تم پہلے سے جانتے ہو کہ ہم عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے، تمھیں خوب معلوم ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں؟ ہمیں اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے لیے وہ کم عمر خوبصورت لڑکے چاہییں جو تمھارے پاس موجود ہیں۔ جب لوط علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ وہ بدبخت ان کے مہمانوں پر دست درازی کریں گے تو کہا، کاش! مجھ میں قوت ہوتی یا میرے خاندان کے لوگ یہاں موجود ہوتے تو میں ضرور تمھیں مار بھگاتا اور اپنے مہمانوں کی حفاظت کرتا۔

سیدنا لوط علیہ السلام کی عاجزی اور قوت کی تمنا

لوط علیہ السلام اس قوم میں ایک طرح سے اجنبی تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں اہل سدوم کی اصلاح کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ اس وجہ سے انھوں نے اس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش! مجھ میں تمھارے مقابلے کی قوت ہوتی، یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا، یعنی میرا خاندان یہاں ہوتا تو میں تم سے نمٹ لیتا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ لوط پر رحم کرے، یقیناً وہ بہت مضبوط سہارے کی پناہ رکھتے تھے۔‘‘ [بخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله عزوجل : ﴿ و نبئهم عن ضيف إبراهيم ﴾ : ۳۳۷۲] یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا سہارا رکھتے تھے جو سب سے مضبوط ہے اور اس وقت ان کے پاس فرشتوں کی شکل میں بھی مضبوط سہارا موجود تھا، اگرچہ انھیں معلوم نہ تھا۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے ’’اَلْفِصَلُ فِي الْمِلَلِ‘‘ میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں لوط علیہ السلام کی شان میں کمی کی کوئی بات نہیں، کیونکہ اسباب کا مہیا کرنا یا ان کی خواہش کرنا اللہ تعالیٰ پر توکل کے خلاف نہیں ہے۔ لوط علیہ السلام یقیناً اللہ تعالیٰ کو اپنا سہارا سمجھتے تھے مگر اس وقت وہ ساتھی مہیا ہونے کی صورت میں فوری طور پر اس خبیث قوم کا راستہ قوتِ بازو کے ساتھ روکنے کے خواہش مند تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی لوگوں اور قبیلوں سے کہا کہ کون میری مدد کرتا اور مجھے جگہ دیتا ہے کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں۔ آخر کار انصار مدینہ نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور اپنی جان و مال اور اولاد کی طرح آپ کی حفاظت اور آپ کا دفاع کیا۔

اسی طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’لوط علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو کہ وہ مضبوط سہارے کو پکڑنا چاہتے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کا سہارا اختیار کیے ہوئے تھے)، جب انھوں نے کہا: ﴿ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴾ [هود : ۸۰]، تو ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اپنی قوم کے صاحب حیثیت لوگوں میں سے مبعوث فرمایا۔‘‘ [ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب و من سورة يوسف :

۳۱۱۶۔ بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قوله : ﴿ و نبئهم عن ضيف ...... ﴾ : ۳۳۷۲۔ ابن حبان : ٦٢٠٦، ٦٢٠٧]

فرشتوں کا لوط علیہ السلام کو حقیقت سے مطلع کرنا

﴿ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْۤا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴾ [هود : ۸۱]

''انھوں نے کہا اے لوط! بے شک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ پائیں گے، سو اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے کر چل نکل اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اس پر وہی مصیبت آنے والی ہے جو ان پر آئے گی۔ بے شک ان کے وعدے کا وقت صبح ہے، کیا صبح واقعی قریب نہیں۔''

جب فرشتوں نے ان کی یہ درد بھری بات سنی اور دیکھا کہ ان کی قوم کے بدمعاش لوگ ان پر چڑھ آئے ہیں اور وہ مہمانوں کا دفاع کرنے سے عاجز ہو گئے ہیں تو اپنی حقیقت ظاہر کر دی اور کہا کہ اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ آپ رات کے آخری پہر، جب لوگ خوابِ غفلت میں مبتلا ہوں، اپنے مسلمان ساتھیوں کو لے کر یہاں سے نکل جایئے، تاکہ کوئی کافر آپ کو یہاں سے نکل جانے سے روک نہ سکے۔ جب ان پر عذاب نازل ہو رہا ہو اور آپ لوگ ان کی چیخ و پکار سنیں تو مڑ کر نہ دیکھیے، تاکہ کہیں اس عذاب کا اثر آپ تک نہ پہنچ جائے، لیکن آپ کی بیوی پر وہ عذاب ضرور نازل ہو گا، اس لیے کہ وہ مومن نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ صبح کے وقت روانہ ہونے والے مسلمانوں کے ساتھ وہ بھی تھی، لیکن جب اس نے چیخ و پکار سنی تو مڑ کر دیکھنے لگی۔ اچانک آسمان سے ایک پتھر آیا اور اسے ہلاک کر دیا۔

صبح کا وقت شاید اس لیے مقرر کیا گیا ہو کہ وہ آرام کا وقت ہوتا ہے اور لوگ کچھ کچھ جاگ رہے ہوتے ہیں۔ آرام کے وقت عذاب زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے اور ایسے وقت میں عذاب دیکھنے والوں کے لیے باعث عبرت بھی ہوتا ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت خیبر پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ کرنے کے لیے رات کے وقت پہنچتے تو فوراً ہی حملہ نہیں کرتے تھے، بلکہ جب صبح ہو جاتی تو پھر کرتے۔ چنانچہ صبح کے وقت یہودی اپنے کلہاڑے اور ٹوکرے لے کر باہر نکلے، لیکن جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شور کرنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر لے کر آ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خیبر برباد ہوا، ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر جاتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔'' [بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر : ٤١٩٧]

قوم لوط کی بستی کی ہلاکت و تباہی

﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ١ۙ۬ مَّنْضُوْدٍۙ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ١ؕ وَ مَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴾ [هود : ۸۲، ۸۳]

''پھر جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو اس کا نیچا کر دیا اور ان پر تہ بہ تہ کھنگر کے پتھر برسائے۔ جو تیرے رب کے ہاں سے نشان لگائے ہوئے تھے اور وہ ان ظالموں سے ہرگز کچھ دور نہیں۔''

جب عذاب کا وقت موعود آ گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے اپنا پَر قوم لوط کی پانچوں بستیوں کے نیچے داخل کر کے انھیں زمین کی سطح سے بہت ہی اوپر اٹھا دیا اور پھر انھیں الٹ کر زمین پر دے مارا۔ اس کے بعد ان پر لگاتار پتھروں کی بارش کر دی۔ جس پر اللہ کی جانب سے ہر کافر کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بستیاں مکہ کے مشرکین سے کچھ زیادہ دور نہیں ہیں۔ جب وہ شام کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو ان بستیوں کے بھولے بسرے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں کہ کہیں انھیں بھی قومِ لوط کی طرح اللہ کا عذاب نہ پکڑ لے۔

سورۂ حجر میں سیدنا لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد کا سبب

﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ۝ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَۙ۝ اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ١ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَۙ۝ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ١ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴾ [الحجر : ۵۷ تا ۶۰]

''اس نے کہا تو اے بھیجے ہوؤ! تمھارا معاملہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ سوائے لوط کے گھر والوں کے کہ یقیناً ہم ان سب کو ضرور بچا لینے والے ہیں۔ مگر اس کی عورت، ہم نے طے کر دیا ہے کہ بے شک وہ یقیناً پیچھے رہنے والوں سے ہے۔''

غالباً ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا تھا کہ فرشتے صرف انھیں بیٹے کی خوش خبری دینے کے لیے آسمان سے نہیں اترے، ضرور کوئی اور بات بھی ہے۔ اسی لیے انھوں نے پوچھا کہ تمھاری آمد کا دوسرا مقصد کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ہم ایک مجرم و گناہ گار قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ پھر فوراً ہی آل لوط علیہ السلام کو مستثنیٰ قرار دیا جو مجرم نہیں تھے اور تاکید کے طور پر کہا کہ ہم آلِ لوط علیہ السلام کو یقیناً نجات دیں گے۔ آل لوط علیہ السلام سے مراد ان پر ایمان لانے والے تھے، اسی لیے لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں کہہ دیا کہ وہ کافروں کے ساتھ رہ جائے گی اور ضرور ہلاک کی جائے گی، اس لیے کہ وہ ایمان نہیں لائی تھی۔

مزید فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۣالۡمُرۡسَلُوۡنَ ۙ۝ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ۝ قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ۝ وَ اَتَيۡنٰكَ بِالۡحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴾ [الحجر : ٦١ تا ٦٤]

’’پھر جب لوط کے گھر والوں کے پاس بھیجے ہوئے آئے۔ تو اس نے کہا تم تو ایسے لوگ ہو جن کی جان پہچان نہیں۔ انھوں نے کہا بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں وہ شک کیا کرتے تھے۔ اور ہم تیرے پاس حق لے کر آئے ہیں اور بلاشبہ ہم یقیناً سچے ہیں۔‘‘

جب فرشتے خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ میں تمھیں پہچان نہیں پا رہا اور نہ تمھاری آمد کی غرض مجھے معلوم ہے، کہیں تم لوگ کسی بری نیت سے تو نہیں آئے ہو؟ فرشتوں نے کہا کہ ہم وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس میں آپ کی قوم کے لوگ شک کرتے تھے اور آپ کو جھٹلاتے تھے۔ ہم وہ امر یقینی لے کر آئے ہیں جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور جو خبر ہم آپ کو دے رہے ہیں اس میں ہم بالکل سچے ہیں۔

لوط علیہ السلام کو اپنے گھر والوں کو لے کر رات کو نکل جانے کا حکم

﴿ فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَ لَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴾ [الحجر : ٦٥]

’’پس تو اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے چل اور خود ان کے پیچھے پیچھے چل اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں تمھیں حکم دیا جاتا ہے۔‘‘

آپ رات کے آخری پہر میں اپنے مسلمان ساتھیوں کو لے کر یہاں سے نکل جایئے اور آپ ان کے پیچھے رہیے، لوط علیہ السلام کو ان کے پیچھے چلنے کا حکم اس لیے دیا کہ وہ ان کی اچھی طرح حفاظت کر سکیں، کوئی پیچھے نہ رہ جائے، سب مسلسل چلتے رہیں اور ٹھہر کر آنے والوں کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کا طریقہ بھی یہی تھا، چنانچہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں پیچھے رہتے، کمزوروں کو آگے چلاتے اور سواری پر اپنے پیچھے بٹھاتے اور ان کے لیے دعا فرماتے۔ [أبو داوٗد، الجهاد، باب لزوم الساقة : ٢٦٣٩] تاکہ انھیں تیز چلنے پر ابھارتے رہیں اور خیال رکھیے کہ کوئی پیچھے نہ رہ جائے اور نہ کوئی پیچھے مڑ کر دیکھے اور شام کے اس علاقے میں چلے جائیں جہاں جانے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

﴿ وَ قَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴾ [الحجر : ٦٦]

’’اور ہم نے اس کی طرف اس بات کی وحی کر دی کہ بے شک ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جانے والی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بذریعہ وحی اس عذاب کی خبر پہلے ہی دے دی تھی کہ صبح کے وقت تمام کفار ہلاک ہو

جائیں گے اور ان میں سے کوئی نہیں بچے گا، جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ﴾ [هود : ٨١] ''بے شک ان کے وعدے کا وقت صبح ہے۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت خیبر پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ کرنے کے لیے رات کے وقت پہنچتے تو فوراً ہی حملہ نہیں کرتے تھے، بلکہ جب صبح ہو جاتی تو پھر حملہ کرتے۔ چنانچہ صبح کے وقت یہودی اپنے کلہاڑے اور ٹوکرے لے کر باہر نکلے، لیکن جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شور کرنے لگے کہ محمد، اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر لے کر آ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خیبر برباد ہوا، ہم جب کسی قوم کے میدان میں اتر جاتے ہیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔'' [بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر : ٤١٩٧]

اہل شہر فرشتوں کو نوجوان سمجھ کر ان کے پاس آ گئے

﴿ وَ جَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ ۝ قَالُوْۤا اَوَ لَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِيْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴾ [الحجر : ٦٧ تا ٧١]

''اور اس شہر کے رہنے والے اس حال میں آئے کہ بہت خوش ہو رہے تھے۔ اس نے کہا یہ لوگ تو میرے مہمان ہیں، سو مجھے ذلیل نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ انھوں نے کہا اور کیا ہم نے تجھے سارے جہانوں سے منع نہیں کیا۔ اس نے کہا یہ میری بیٹیاں ہیں، اگر تم کرنے والے ہو۔''

جب سدوم شہر والوں کو خوبصورت نوجوانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو خوش ہونے لگے کہ آج بدفعلی کا اچھا موقع ہاتھ آیا ہے۔ لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں، اللہ کے لیے ان کے ساتھ بدکاری کر کے مجھے رسوا نہ کرو، اس لیے کہ مہمان کی رسوائی میزبان کی رسوائی ہوتی ہے اور ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ ان لوگوں نے کہا، کیا ہم نے تمھیں بارہا نہیں کہا ہے کہ جب ہم کسی کے ساتھ بدکاری کرنا چاہیں تو ہمیں روکا نہ کرو۔ لوط علیہ السلام نے کہا، اگر تمھیں اپنی خواہش پوری کرنی ہے تو یہ ہماری یعنی قوم کی بیٹیاں ہیں، ان سے تم لوگ شادی کر لو۔

قومِ لوط کی ہلاکت

﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الحجر : ٧٢ تا ٧٧]

''تیری عمر کی قسم! بے شک وہ یقیناً اپنی مدہوشی میں بھٹکے پھرتے تھے۔ پس انھیں چیخ نے روشنی ہوتے ہی پکڑ لیا۔

تو ہم نے اس کے اوپر کا حصہ اس کا نیچے کا حصہ کر دیا اور ان پر کھنگر کے پتھروں کی بارش برسائی۔ بے شک اس میں گہری نظر سے دیکھنے والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور بے شک وہ (بستی) یقیناً ایک دائمی (آباد) راستے پر ہے۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے یقیناً بڑی نشانی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی زندگی کی قسم کھا کر کہا کہ بے شک سدوم بستی کے رہنے والے اپنی گمراہیوں میں بھٹک رہے تھے۔ قوم لوط پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ایک زبردست چیخ کی شکل میں صبح کے وقت نازل ہوا، اس کے بعد فرشتوں نے پوری بستی کو الٹ دیا اور ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً ان باتوں میں غور کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ بستی مدینہ سے شام جانے والے راستے پر واقع ہے۔ اس راہ کا ہر مسافر اس کے باقی ماندہ آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور یقیناً ایمان والوں کو اس سے بڑی عبرت و نصیحت ملتی ہے۔

جو قافلے حجاز سے شام یا عراق سے مصر جاتے ہیں یہ بستی ان کے راستے میں پڑتی ہے، مگر لوگ ہیں کہ اس میں تباہی کے آثار دیکھ کر کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ۝ وَبِاللَّيْلِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ [الصافات : ۱۳۷، ۱۳۸] ''اور بلاشبہ تم یقیناً صبح جاتے ہوئے ان پر سے گزرتے ہو۔ اور رات کو بھی، تو کیا تم سمجھتے نہیں؟''

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان عذاب یافتہ لوگوں (کے مقامات) میں داخل نہ ہوا کرو مگر اس حال میں کہ تم رو رہے ہو، اگر رونا نہ آئے تو ان (کے مقامات) میں داخل نہ ہوؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں بھی وہی (عذاب) پہنچ جائے جو انھیں پہنچا تھا۔'' [بخاري، كتاب الصلوة، باب الصلاة في مواضع الخسف والعذاب : ۴۳۳۔ مسلم، كتاب الزهد، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر إلا من يدخل باكيًا : ۲۹۸۰]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ (تبوک کو جاتے ہوئے) مقام حجر سے گزرے، تو فرمایا: ''جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا ان کے گھروں میں داخل نہ ہوؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ جو عذاب ان پر آیا تھا تم پر بھی آ جائے۔ اگر داخل ہوؤ تو اس حال میں کہ تم رو رہے ہو۔'' پھر آپ نے سر کو ڈھانک لیا اور تیزی کے ساتھ اس جگہ سے نکل گئے۔ [مسلم، كتاب الزهد، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر إلا من يدخل باكيًا : ۳۹/۲۹۸۰]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لیے جاتے ہوئے مقام حجر میں اترے تو آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ یہاں کے کنویں کا پانی نہ پییں اور نہ (مشکوں وغیرہ میں) بھر کر رکھیں۔ صحابہ نے عرض کی کہ ہم نے تو اس پانی سے آٹا گوندھ لیا ہے اور اسے بھر کر بھی رکھ لیا ہے، تو آپ نے انھیں آٹا پھینک دینے اور پانی بہا دینے کا حکم دیا۔ [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ ولقد أرسلنا إلى ثمود أخاهم صالحا﴾ : ۳۳۷۸، بعد الحديث : ۳۳۴۵]

لوط علیہ السلام کی قوم کو نصیحت اور دعوت سورۂ شعراء کی روشنی میں

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ࣙالْمُرْسَلِيْنَ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۚ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴾ [الشعراء : ۱۶۰ تا ۱۶۶]

’’لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بے شک میں تمھارے لیے ایک امانتدار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں اس پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، میری اجرت تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔ کیا سارے جہانوں میں سے تم مردوں کے پاس آتے ہو۔ اور انھیں چھوڑ دیتے ہو جو تمھارے رب نے تمھارے لیے تمھاری بیویاں پیدا کی ہیں، بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد اور رسول لوط علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں سدوم و عموریہ کی بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ لوط علیہ السلام ان کو اللہ کی طرف بلاتے رہے، لیکن انھیں ان کی دعوت کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ دن بدن ان کی سرکشی بڑھتی ہی گئی اور اغلام جیسے بدترین فعل کے ارتکاب پر ان کا اصرار زیادہ ہوتا گیا۔ لوط علیہ السلام نے پہلے تو انھیں ان کے شرک و معاصی کی وجہ سے عذاب سے ڈرایا، اپنی اطاعت و اتباع کی دعوت دی اور اپنے بے لوث جذبۂ اصلاح کی وضاحت کی کہ انھیں کسی مادی منفعت کی لالچ نہیں ہے، اس کے بعد انھیں ان کے گھناؤنے گناہ اغلام سے عار دلائی اور کہا کہ تم انسانیت سے کتنے نیچے گر گئے ہو اور حیوانی شہوت نے کس طرح تمھاری عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو۔ اللہ نے تمھارے لیے جو بیویاں پیدا کی ہیں ان میں تمھارے اندر کوئی رغبت باقی نہیں رہی ہے۔ تمھاری فطرت مسخ ہو گئی ہے اور حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان پائی جانے والی تمام حدوں کو تم پھلانگ گئے ہو۔ اغلام کے انجام بد کا تذکرہ حدیث مبارک میں بھی موجود ہے، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جسے تم لوط علیہ السلام کی قوم والا کام کرتے دیکھو تو کرنے والے کو بھی قتل کر دو اور جس کے ساتھ بدفعلی کی گئی، اسے بھی قتل کر دو۔‘‘ [مسند أحمد : ۱/ ۳۰۰، ح : ۲۷۳۵۔ ترمذي، كتاب الحدود، باب ما جاء في حد اللوطي : ۱۴۵۶]

قوم کی بے حیائی کی تردید، ان کا جواب اور ان پر عذاب

﴿ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ۝ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ؕ رَبِّ نَجِّنِيْ وَ اَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۚ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۚ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ

مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ [الشعراء : ١٦٧ تا ١٧٥]

''انھوں نے کہا اے لوط! بے شک اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تو ضرور نکالے ہوئے لوگوں سے ہو جائے گا۔اس نے کہا بے شک میں تمھارے کام سے سخت دشمنی رکھنے والوں سے ہوں۔اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو اس سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں۔تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی۔سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں سے تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔اور ہم نے ان پر بارش برسائی، زبردست بارش۔ پس ان لوگوں کی بارش بری تھی جنھیں ڈرایا گیا تھا۔بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان والے نہیں تھے۔اور بلاشبہ تیرا رب، یقیناً وہی سب پر غالب، نہایت رحم والا ہے۔''

لوط علیہ السلام کی اس گفتگو کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا اور انھوں نے جواب میں کہا کہ اگر تم ہمیں برا کہنے سے باز نہیں آؤ گے تو ہم تمھیں اپنی بستی سے نکال دیں گے، اس لیے کہ ہمارے اور تمھارے مزاج میں مطابقت نہیں ہے۔لوط علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمھارے اس بدفعلی والے عمل کو غایت درجہ مبغوض جانتا ہوں، اس لیے میں خود ہی تمھاری بستی چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ تمھاری اس مجرمانہ حرکت کا نتیجہ ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ چونکہ انھیں یقین تھا کہ اللہ اس قوم پر اپنا عذاب ضرور نازل کرے گا، اسی لیے دعا کی کہ میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے برے کرتوتوں کے انجام سے نجات دے دے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور انھیں، ان کے گھر والوں اور دیگر مسلمانوں کو اس عذاب سے بچالیا جس کے ذریعے سے وہ لوگ ہلاک کر دیے گئے۔ البتہ لوط علیہ السلام کی بوڑھی بیوی جو کافروں کے فعل بد کی تائید کرتی تھی اور کافر تھی، وہ بھی دیگر کافروں کے ساتھ ہلاک کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کی بستیوں کو الٹ دیا، پھر ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔

لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر سورۂ نمل میں

﴿ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴾ [النمل : ٥٤ ، ٥٥]

''اور لوط کو جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کو آتے ہو، جب کہ تم دیکھتے ہو۔کیا بے شک تم واقعی عورتوں کو چھوڑ کر شہوت سے مردوں کے پاس آتے ہو، بلکہ تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت برتتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ لوط علیہ السلام کا واقعہ بھی لوگوں سے بیان کر دیجیے، انھوں نے اپنی قوم سے کہا، تمھاری اخلاقی گراوٹ انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ آپس میں بدکاری کرتے ہوئے سبھی ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے

ہو۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اس فعل بد کی شناعت و قباحت کو جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرتے رہتے ہو، تم کتنے برے ہوگئے ہو کہ اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو، تم تو حیوانوں سے بھی بدتر ہو گئے ہو۔ تم ایسا اس لیے کرتے ہو کہ نرے جاہل اور نادان ہو، تمھیں معلوم ہی نہیں کہ تمھارے پیدا کرنے والے کا تم پر کیا حق ہے اور کفر و سرکشی کا کیسا برا انجام ہوتا ہے؟

لوط علیہ السلام کی دعوت کا ردعمل

﴿ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴾ [النمل : ٥٦ تا ٥٨]

”تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو، بلاشبہ یہ ایسے لوگ ہیں جو بہت پاک باز بنتے ہیں۔ تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا مگر اس کی بیوی۔ ہم نے اسے پیچھے رہنے والوں میں طے کر دیا تھا۔ اور ہم نے ان پر بارش برسائی، زبردست بارش، سو بری بارش تھی ان لوگوں کی جو ڈرائے گئے تھے۔“

لوط علیہ السلام کی دعوت کا ان پر کوئی مثبت اثر نہیں ہوا اور سب نے مل کر کہا کہ لوگو! لوط اور اس کے ماننے والوں کو اپنی بستی سے نکال دو اور بطور استہزا کہا کہ یہ بڑے نیک اور پاکیزہ لوگ ہیں۔ جب ان کی سرکشی اس حد تک بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام اور مسلمانوں کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور تمام بستی والوں کو ہلاک کر دیا جن میں لوط علیہ السلام کی بیوی بھی شامل تھی۔ اللہ نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔

سورۂ عنکبوت میں لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو وعظ

﴿ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ [العنکبوت : ٢٨ تا ٣٠]

”اور لوط کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا بے شک تم یقیناً اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے نہیں کی۔ کیا بے شک تم واقعی مردوں کے پاس آتے ہو اور راستہ کاٹتے ہو اور اپنی مجلس میں برا کام کرتے ہو؟ تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کہا ہم پر اللہ کا عذاب لے آ، اگر تو سچوں سے ہے۔ اس نے کہا اے میرے رب! ان مفسد لوگوں کے خلاف میری مدد فرما۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی لوط علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کی برائیوں کی تردید کی، خصوصاً ان کے اس بدترین فعل کی زبردست تردید کی کہ جو وہ مَردوں سے اپنی جنسی خواہش پوری کیا کرتے تھے۔ ان سے پہلے انسانوں میں سے کسی نے اس بدترین برائی کا ارتکاب نہیں کیا تھا اور اس قبیح عادت کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے، اس کے رسول کی تکذیب کرتے اور راستے کو قطع کرتے تھے، یعنی لوگوں کے راستے پر جا کر کھڑے ہو جاتے اور راہ چلتے لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا کرتے تھے۔ لوط علیہ السلام نے انھیں توحید کی دعوت دی، گناہوں سے روکا اور اللہ کے عذاب کا خوف دلایا، لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ انھوں نے ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ تم اللہ کے نبی ہو اور یہ کہ ہم نے اگر اپنے اطوار نہ بدلے تو ہم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا، تو پھر ایسا کر ہی گزرو۔ لوط علیہ السلام نے ان کے کفر پر اصرار کرنے اور ان کی بداعمالیوں سے تنگ آ کر دعا کی کہ میرے رب! ان ظالموں کے خلاف میری مدد کر، چنانچہ اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی۔

سیدنا ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے پاس فرشتوں کی آمد

﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾

[العنکبوت : ۳۱، ۳۲]

”اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے تو انھوں نے کہا یقیناً ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس کے رہنے والے ظالم چلے آئے ہیں۔ اس نے کہا اس میں تو لوط ہے۔ انھوں نے کہا ہم اسے زیادہ جاننے والے ہیں جو اس میں ہے، یقیناً ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو ضرور بچالیں گے، مگر اس کی بیوی، وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے جو فرشتے بھیجے، انھیں اس بات کا بھی مکلف ٹھہرایا کہ وہ ان تک پہنچنے سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب کی خوش خبری دیتے جائیں۔ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو خوش خبری دینے کے بعد یہ اندوہناک خبر بھی دی کہ اللہ نے انھیں قومِ لوط کی بستیوں کو ان کے ظلم و کفر کی وجہ سے ہلاک کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان بستی والوں پر رحم کھاتے ہوئے اور اس امید میں کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں، کہا کہ لوط بھی تو وہاں رہتے ہیں، پھر تم انھیں کیسے ہلاک کرو گے؟ فرشتوں نے جواب دیا، ہم خوب جانتے ہیں کہ وہاں کون لوگ ہیں، ہم انھیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیں گے اور ان کی بیوی سمیت تمام کافروں کو ہلاک کر دیں گے۔

فرشتوں کو دیکھ کر لوط علیہ السلام کی پریشانی

﴿ وَلَمَّاۤ اَنۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا وَّقَالُوۡا لَا تَخَفۡ وَلَا تَحۡزَنۡ اِنَّا مُنَجُّوۡكَ وَاَهۡلَكَ اِلَّا امۡرَاَتَكَ كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ۝ اِنَّا مُنۡزِلُوۡنَ عَلٰۤى اَهۡلِ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ۝ وَلَقَدۡ تَّرَكۡنَا مِنۡهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴾ [العنکبوت : ۳۳ تا ۳۵]

''اور جیسے ہی ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے وہ ان کی وجہ سے مغموم ہوا اور ان کے سبب دل میں تنگ ہوا اور انھوں نے کہا نہ ڈر اور نہ غم کر، بے شک ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو بچانے والے ہیں مگر تیری بیوی، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ بے شک ہم اس بستی والوں پر آسمان سے ایک عذاب اتارنے والے ہیں، اس وجہ سے جو وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس سے ان لوگوں کے لیے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی جو عقل رکھتے ہیں۔''

جب وہ فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھیں دیکھ کر وہ بہت پریشان ہوئے اور نہایت رنجیدہ ہوئے کہ اب کیا ہو گا اور خوب صورت نوجوانوں کو بدمعاش لوگوں سے کیسے بچا سکوں گا؟ فرشتوں نے ان کی پریشانی بھانپ کر کہا کہ آپ ہمارے بارے میں نہ ڈریے۔ اس کے بعد ساری حقیقت بتائی اور کہا کہ آپ کے خاندان کے جو کفار ہلاک کر دیے جائیں گے ان کا غم نہ کیجیے، ہم آپ کو اور آپ کے مسلمان رشتہ داروں کو بچا لیں گے، سوائے آپ کی کافر بیوی کے، جسے بہرحال کافروں کے ساتھ ہلاک ہو جانا ہے۔ ہم اس بستی والوں پر ان کے فسق و فجور کی وجہ سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی اور انھیں زمین سے اکھاڑ کر اوندھے منہ الٹ دیا، جہاں اب ''بحیرہ مردار'' پایا جاتا ہے اور ان کی تاریخ کو عقل و ہوش والوں کے لیے درسِ عبرت بنا دیا۔

قومِ لوط کی ہلاکت کا ذکر سورۂ صافات میں

﴿ وَاِنَّ لُوۡطًا لَّمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝ اِذۡ نَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَ ۝ اِلَّا عَجُوۡزًا فِى الۡغٰبِرِيۡنَ ۝ ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ۝ وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَ ۝ وَبِالَّيۡلِ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴾ [الصافات : ۱۳۳ تا ۱۳۸]

''اور بلاشبہ لوط یقیناً رسولوں میں سے تھا۔ جب ہم نے اسے اور اس کے سب گھر والوں کو نجات دی۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔ اور بلاشبہ تم یقیناً صبح جاتے ہوئے ان پر سے گزرتے ہو۔ اور رات کو بھی۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں؟''

لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت توحید دی اور انھیں ان کے بدترین عمل اغلام سے روکا، لیکن ان کی دعوت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تمام بدکاروں کو ہلاک کر دیا، ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر دیا اور لوط علیہ السلام، ان پر ایمان لانے

والوں اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا، سوائے ان کی بوڑھی بیوی کے جو کافروں کے ساتھ رہ گئی تھی، وہ بھی ان کے ساتھ ہلاک کر دی گئی۔ آگے فرمایا کہ ہم نے لوط اور ان کے مومن ساتھیوں کے سوا باقی سب کو ہلاک کر دیا، یعنی ان کی بستی کو الٹ دیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش کر دی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ سے کہا کہ تم لوگ ان بستیوں کے پاس سے کبھی صبح کے وقت اور کبھی شام کے وقت گزرتے ہو اور عذابِ الٰہی کے جو آثار اب تک باقی ہیں انھیں دیکھتے ہو، تو کیا یہ بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر تم بھی اپنے کفر و شرک پر مصر رہو گے تو تمھارا انجام بھی انھی جیسا ہو سکتا ہے؟

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک اللہ عزوجل ظالم کو مہلت دیتا ہے اور (اس کی باگ ڈھیلی کر دیتا ہے، تاکہ وہ خوب نافرمانی کرے اور عذاب کا مستحق ہو جائے) پھر جب پکڑتا ہے تو اس کو چھوڑتا نہیں۔'' اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴾ [هود : ۱۰۲] ''اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے، اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں، بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک، بہت سخت ہے۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿وكذلك أخذ ربك إذا أخذ القرى ...... الخ ﴾ : ٤٦٨٦۔ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم : ٢٥٨٣]

قوم لوط کی ہلاکت کے لیے نشان زدہ پتھر برسائے گئے

﴿ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴾ [الذاريات : ۳۱ تا ۳۷]

''کہا تو اے بھیجے ہوئے (قاصدو!) تمھارا معاملہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا بے شک ہم کچھ گناہ گار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر (کھنگر) پھینکیں۔ جن پر تیرے رب کے ہاں حد سے بڑھنے والوں کے لیے نشان لگائے ہوئے ہیں۔ سو ہم نے اس (بستی) میں ایمان والوں سے جو بھی تھا نکال لیا۔ تو ہم نے اس میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا کوئی نہ پایا۔ اور ہم نے اس میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔''

ابراہیم علیہ السلام کو شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ ان فرشتوں کے آنے کا کوئی اور بھی مقصد ہے، اسی لیے جب ان کا خوف جاتا رہا اور بیٹے کی خوش خبری بھی مل گئی، تو ان سے پوچھا کہ تمھاری آمد کا اور کیا مقصد ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ ہم ایک مجرم قوم یعنی قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں، تاکہ ہم ان پر سخت مٹی کے پتھروں کی بارش کر دیں، جن پر مجرموں کے نام آپ کے رب کی جانب سے لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو وہاں سے

نکل جانے کا حکم دے دیا تا کہ وہ عذاب کی لپیٹ میں نہ آئیں۔ کہتے ہیں کہ وہ صرف تین افراد تھے، لوط اور ان کی دو بیٹیاں۔ ان کی بیوی مسلمان نہیں تھی، اس لیے ہلاک کر دی گئی تھی۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نیست و نابود کر دیا۔ ان کی بستی کے صرف کھنڈرات باقی رہ گئے اور وہ کفار کی بستی مکہ سے کچھ دور بھی نہیں، لب سڑک واقع ہے، یہ لوگ دوران سفر اس کے پاس سے گزرتے ہیں، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حجر میں ارشاد فرمایا: ''ان عذاب یافتہ لوگوں کے علاقے میں داخل ہونا پڑے تو صرف روتے ہوئے داخل ہوا کرو، اگر رونا نہ آئے تو ان کے علاقے میں داخل نہ ہونا کہ کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔''
[بخاري، كتاب الصلوة، باب الصلاة في مواضع الخسف والعذاب: ٤٣٣ـ مسلم، كتاب الزهد، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر : ٢٩٨٠]

سورۂ قمر میں لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ۞ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۙ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴾ [القمر : ٣٣ تا ٣٥]

''لوط کی قوم نے ڈرانے والوں کو جھٹلا دیا۔ بے شک ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ایک ہوا بھیجی، سوائے لوط کے گھر والوں کے، انھیں ہم نے صبح سے کچھ پہلے نجات دی۔ اپنی طرف سے انعام کرتے ہوئے، اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اسے جو شکر کرے۔''

قوم لوط نے بھی رسولوں کی تکذیب کی، اس لیے کہ لوط علیہ السلام کی تکذیب گویا سارے رسولوں کی تکذیب تھی۔ وہ اپنے گناہوں پر مصر رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا اور پھر فرشتہ یا تیز و تند ہوا کے ذریعے سے ان پر پتھروں کی ایسی بارش کر دی کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے، صرف لوط علیہ السلام، ان کی دونوں بیٹیاں اور چند وہ لوگ بچ گئے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے حکم سے رات کے آخری پہر میں ان بستیوں سے نکل گئے۔ ان مومنوں پر اللہ نے اپنا فضل و کرم کیا کہ عذاب نازل ہونے سے پہلے انھیں وہاں سے نکل جانے کو کہہ دیا۔ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنے نیک اور شکر گزار بندوں کو ان کے نیک اعمال کا اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتا ہے۔

قومِ لوط علیہ السلام پر عذاب کی آمد

﴿ وَ لَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۞ وَ لَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۞ وَ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۚ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۞ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾
[القمر : ٣٦ تا ٤٠]

''اور بلاشبہ یقیناً اس نے انھیں ہماری پکڑ سے ڈرایا تو انھوں نے ڈرانے میں شک کیا۔ اور بلاشبہ یقیناً انھوں نے

اسے اس کے مہمانوں سے بہکانے کی کوشش کی تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں، پس چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔ اور بلاشبہ یقیناً صبح سویرے ہی ان پر ایک نہ ٹلنے والے عذاب نے حملہ کر دیا۔ سو چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا، تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟''

یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں اچانک عذاب میں مبتلا نہیں کیا، بلکہ لوط علیہ السلام نے انھیں اللہ کے عذاب شدید سے بہت ڈرایا اور پوری کوشش کی کہ وہ راہِ راست پر آ جائیں، لیکن انھوں نے ہمیشہ ہی لوط علیہ السلام کی باتوں کا مذاق اڑایا اور سمجھتے رہے کہ لوط کی باتوں میں کوئی صداقت نہیں ہے اور جس عذاب کی وہ دھمکی دے رہا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ان کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ انھوں نے لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ انھیں اپنے نو وارد خوبصورت مہمانوں کے ساتھ بدفعلی کی اجازت دے دیں۔ وہ مہمان دراصل فرشتے تھے جو انسانوں کی شکل میں مجرموں کی آزمائش کے طور پر بھیجے گئے تھے۔ جب وہ آئے تو تمام مجرم لوط علیہ السلام کے پاس جمع ہو گئے اور کہا کہ وہ اپنے مہمانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ لوط علیہ السلام نے اللہ کا واسطہ دے کر ان سے منت سماجت کی کہ وہ ان کے مہمانوں کے ساتھ بدفعلی کا ارتکاب کر کے انھیں ذلیل و رسوا نہ کریں، لیکن انھوں نے ان کی ایک نہ سنی اور زبردستی ان کے گھر میں داخل ہونا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اندھا بنا دیا اور وہ مہمانوں کو نہ دیکھ سکے، تو اللہ نے ان سے کہا کہ اب تم لوگ میرے عذاب کا مزہ چکھو۔ چنانچہ صبح کے وقت ایک دائمی اور کبھی نہ ہٹنے والے عذاب نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا، جس کے سبب وہ انتہائی ذلت و رسوائی کی موت مرے اور عالم برزخ میں بھی وہ عذاب ان پر مسلط رہے گا، یہاں تک کہ انھیں جہنم میں پہنچا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت کہے گا کہ تم لوگ میرے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے چوتھی بار کہا کہ اس نے قرآن کریم میں بیان کردہ ان واقعات کے ذریعے سے نصیحت حاصل کرنے کو آسان بنا دیا ہے، تو کوئی ہے جو ان واقعات سے عبرت حاصل کرے؟

لوط علیہ السلام کی بیوی کی ہلاکت کی مثال

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ﴾ [التحریم: ۱۰]

''اللہ نے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان کی، وہ ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پھر انھوں نے ان دونوں کی خیانت کی تو وہ اللہ سے (بچانے میں) ان کے کچھ کام نہ آئے اور کہہ دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں آگ میں داخل ہو جاؤ۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کی حالت بیان کرنے کے لیے دو مثالیں بیان کی ہیں، تاکہ معلوم

ہو جائے کہ کسی کافر کی مومن سے قربت، اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی اور کسی مومن کا کسی کافر سے اتصال اگر ایمان باللہ کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے کافروں کے لیے نوح اور لوط کی بیویوں کی مثال بیان کی ہے۔ ان دونوں کے شوہر یعنی نوح و لوط علیہما السلام اللہ کے نیک بندے اور نبی تھے، لیکن ان دونوں بیویوں نے دین کے معاملہ میں اپنے شوہروں کے ساتھ خیانت کی، یعنی ان کے لائے ہوئے دین کو قبول نہیں کیا، تو انبیاء سے ان کی قربت انھیں قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم دونوں ان جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ جن کا انبیاء سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں رہا ہے۔

08

سیدنا شعیب علیہ السلام کی بعثت و دعوت اور سورۂ اعراف میں آپ کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے اہل مدین کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے سیدنا شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں سیدنا لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَ اِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴾
[الأعراف : ۸۵ تا ۸۷]

”اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا)، اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، بے شک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آ چکی۔ پس ماپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم مومن ہو۔ اور ہر راستے پر نہ بیٹھو کہ دھمکاتے ہو اور اللہ کے راستے سے روکتے ہو اس کو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو۔ اور یاد کرو جب تم بہت کم تھے تو اس نے تمھیں زیادہ کر دیا اور دیکھو فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لے آئے ہیں جو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے اور کچھ لوگ ایمان نہیں لائے تو صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔“

ان آیات میں شعیب علیہ السلام اور ان لوگوں کا واقعہ مذکور ہے جن کی طرف اللہ نے انھیں نبی بنا کر بھیجا تھا۔ مدین ایک قبیلے کا نام تھا، جس کی نسبت مدین بن ابراہیم خلیل کی طرف تھی اور شعیب علیہ السلام اسی قبیلے کے ایک فرد تھے۔ ان کا شہر حجاز

کے راستہ میں ''معان'' کے قریب واقع تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف بھیجا تھا۔ اصحاب مدین کی طرف جنھیں اللہ نے چیخ کے ذریعے ہلاک کر دیا اور پھر اصحاب ایکہ کی طرف، جنھیں ایک بادل کے ذریعے ہلاک کیا، جس میں آگ کے شرارے تھے۔ شعیب علیہ السلام کی قوم شرک کے علاوہ دوسری سماجی گھناؤنی بیماریوں میں بھی مبتلا تھی۔ یہ لوگ ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے، راستے میں لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان کا مال چھین لیتے تھے۔ ان سے جبری ٹیکس وصول کرتے تھے اور جو لوگ شعیب علیہ السلام کی باتیں سننے کے لیے آنا چاہتے تھے انھیں راستے میں روک کر طرح طرح سے بہکاتے تھے۔ شعیب علیہ السلام نے انھیں توحید کی طرف بلایا اور شرک سے ڈرایا اور جو دوسری اخلاقی اور اجتماعی بیماریاں جو ان میں پائی جاتی تھیں ان کی برائی بیان کر کے ان سے باز آ جانے کی ترغیب دی اور انھیں اللہ کی یہ نعمت یاد دلائی کہ ان کی تعداد بہت کم تھی تو اللہ نے ان کی نسل میں برکت دی اور وہ کثیر تعداد میں ہو گئے۔

یہاں ''**بَيِّنَةٌ**'' (واضح دلیل) سے مراد معجزہ ہے۔ مگر شعیب علیہ السلام کے معجزے کا قرآن کریم میں ذکر نہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کوئی نہ کوئی معجزہ دے کر بھیجا گیا جس کے مطابق لوگ اس پر ایمان لائے اور مجھے جو (معجزہ) دیا گیا وہ وحی (یعنی قرآن) ہے، جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف فرمائی اور مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔'' [بخاري، كتاب فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي و أول ما نزل ؟ : ٤٩٨١۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ ...... الخ : ١٥٢]

شعیب علیہ السلام نے قوم کو مزید نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس قوم میں شرک کے ساتھ دوسری خرابی ناپ تول میں لیتے وقت زیادتی اور دیتے وقت کمی تھی۔ اگر کوئی ان کی اس زیادتی کے خلاف احتجاج کرتا تو مل کر اس کی بے عزتی کرتے اور اسے مارتے پیٹتے، اس لیے شعیب علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ ناپ تول ہر حال میں پورا کرو اور انبیاء اور صالحین کی محنت سے دنیا میں جو اصلاح ہوئی ہے اس کے بعد شرک اور بددیانتی اور ان کے ساتھ پیدا ہونے والی برائیوں کے ذریعے اس میں فساد مت پھیلاؤ۔ کیونکہ ان دونوں سے اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی تلف ہوتے ہیں اور لوگوں کے بھی۔ ارشاد فرمایا: ﴿**وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۖ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ؕ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓىِٕكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**﴾ [المطففين : ١ تا ٦] ''بڑی ہلاکت ہے ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ وہ لوگ کہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔ اور جب انھیں ماپ کر، یا انھیں تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ بے شک وہ اٹھائے جانے والے ہیں۔ ایک بڑے دن کے لیے۔ جس دن لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، اس پر قحط سالی، سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم و ستم مسلط کر دیا جاتا ہے۔'' [ابن ماجه، كتاب الفتن، باب العقوبات : ٤٠١٩۔ مستدرك حاكم : ٤/ ٥٤٠، ح : ٨٦٢٣]

قوم کے سرداروں کی شعیب علیہ السلام کو دھمکیاں

﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۚ۫ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَ مَا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝ وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۚۖۛ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴾ [الأعراف : ٨٨ تا ٩٣]

''اس کی قوم میں سے ان سرداروں نے کہا جو بڑے بنے ہوئے تھے، اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ہمراہ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے ضرور ہی نکال دیں گے، یا ہر صورت تم ہمارے دین میں واپس آؤ گے۔ اس نے کہا اور کیا اگرچہ ہم ناپسند کرنے والے ہوں؟ یقیناً ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا اگر ہم تمھاری ملت میں پھر آ جائیں، اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ اس میں پھر آ جائیں مگر یہ کہ اللہ چاہے، جو ہمارا رب ہے، ہمارے رب نے ہر چیز کا علم سے احاطہ کر رکھا ہے، ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا، اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ اور اس کی قوم میں سے ان سرداروں نے کہا جنھوں نے کفر کیا بے شک اگر تم شعیب کے پیچھے چلے تو بے شک تم اس وقت ضرور خسارہ اٹھانے والے ہو۔ تو انھیں زلزلے نے پکڑ لیا، پھر انھوں نے اپنے گھر میں اس حال میں صبح کی کہ گرے پڑے تھے۔ وہ لوگ جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ اس میں رہے ہی نہ تھے، وہ لوگ جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ اٹھانے والے تھے۔ پھر وہ ان سے واپس لوٹا اور اس نے کہا اے میری قوم! بلاشبہ یقیناً میں نے تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے اور میں نے تمھاری خیرخواہی کی، تو میں نہ ماننے والے لوگوں پر کیسے غم کروں۔''

شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کی دعوتِ توحید و اصلاح قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انھیں اور مسلمانوں کو شہر بدر کرنے کی دھمکی دی تو انھوں نے ان سے ناامید ہو کر اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! تو ہمارے اور ان کے درمیان اب

فیصلہ کر دے، چنانچہ اللہ نے ان کو ہلاک کرنے کے لیے ایک ایسی بارش بھیجی جس میں آگ کے شرارے تھے اور اس کے ساتھ آسمان سے ایک چیخ کی آواز آئی اور ان کے قدموں تلے سے زمین ہلنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ ان کے جسم ڈھیر ہو گئے اور ایسے ہو گئے جیسے پہلے ان کا وجود بھی نہ تھا، جبکہ پہلے تکبر میں آ کر اسی سرزمین سے انھوں نے شعیب اور مسلمانوں کو نکالنے کی دھمکی دی تھی۔ عذاب آ جانے اور ان سب کے ہلاک ہو جانے کے بعد جب شعیب علیہ السلام وہاں سے گزرے تو ان کی لاشوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اے میری قوم! میں نے تمھیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور تمھارے ساتھ خیر خواہی کا جو تقاضا تھا وہ پورا کر دیا تھا، لیکن تم نے کفر کی راہ اختیار کی، اس لیے مجھے اب تمھارا یہ انجام دیکھ کر کوئی افسوس نہیں ہے اور شعیب علیہ السلام کا ان مردوں سے یہ خطاب ویسا ہی تھا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر میں کفارِ قریش کے مقتولین کو خطاب کیا تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن کنویں میں گرے ہوئے مقتول کفارِ قریش کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''اے ابوجہل بن ہشام، اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! بھلا جو وعدہ تمھارے پروردگار نے تم سے کیا تھا، کیا تم نے اسے سچا پایا؟ میرے پروردگار نے جو وعدہ مجھ سے کیا تھا میں نے تو اسے سچ پایا ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! وہ کیسے سنتے ہیں اور کیسے جواب دیں گے، وہ تو مردہ لاشے ہیں؟ فرمایا: ''اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان سے جو بات کہہ رہا ہوں، اسے تم ان کی نسبت زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔'' [بخاري، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل : ٣٩٧٦۔ مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه : ٢٨٧٤]

سورۂ ہود میں مدین کا قصہ اور سیدنا شعیب علیہ السلام کی دعوت

سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم مختلف سماجی جرائم میں مبتلا تھی آپ نے انھیں ان معاشرتی برائیوں سے روکا تو قوم آپ کی دشمن ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴾ [هود : ٨٤]

''اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا)۔ اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول کم نہ کرو، بے شک میں تمھیں اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور بے شک میں تم پر ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''

اس آیت کریمہ میں بھی شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم مدین کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ شعیب علیہ السلام اپنے حسن خطابت کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہلاتے تھے۔ انھوں نے پہلے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔ اس کے بعد ناپ تول

میں کمی کرنے سے منع کیا۔ جو کفر کے بعد ان کی دوسری بری صفت تھی۔ جب کسی سے کوئی چیز خریدتے تو بڑا پیمانہ اور بڑا سیر استعمال کرتے اور جب کوئی چیز بیچتے تو چھوٹا پیمانہ اور سیر استعمال کرتے۔ پھر کہا کہ تمھیں اللہ تعالیٰ نے گونا گوں نعمتوں سے نواز رکھا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے گناہوں کی وجہ سے یہ نعمتیں تم سے چھن جائیں اور کوئی مہلک اور دردناک عذاب تمھیں اپنی گرفت میں لے لے۔

ڈکیتی، راہزنی اور ناپ تول میں کمی کرنے والی قوم

﴿ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴾ [ھود : ۸۵]

''اور اے میری قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے دنگا نہ مچاؤ۔''

پہلے ماپ تول میں کمی سے منع فرمایا، اب اسی کی تاکید کے طور پر کہا کہ جب لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماپ تول میں کمی بیشی مت کرو۔ اس کے بعد مزید تاکید کے طور پر کہا کہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں کمی نہ کرو، چاہے وہ ماپ تول میں ہو یا کوئی اور معاملہ ہو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ ''فساد'' میں ہر وہ عمل داخل ہے جس سے اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو، جیسے شرک باللہ کا ارتکاب کرنا اور اللہ کے دین سے لوگوں کو روکنا، یا بندوں کے حقوق پامال ہو رہے ہوں، جیسے چوری کرنا، ڈاکا ڈالنا اور ماپ تول میں کمی کرنا وغیرہ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔''
[مسلم، کتاب الإیمان، باب قول النبي ﷺ : من غش فلیس منا : ۱۰۱]

شعیب علیہ السلام نے قوم کو ماپ تول میں انصاف کی نصیحت فرمائی اور ہر طرح کے فساد سے منع فرمایا اور انھیں یہ نصیحت کی کہ ماپ تول میں کمی کے ذریعے سے کمائے ہوئے مال سے وہ مال یا بچت بہتر ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق حاصل ہو۔ ارشاد فرمایا:

﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴾ [ھود : ۸۶]

''اللہ کا باقی بچا ہوا تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم مومن ہو اور میں ہرگز تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں۔''

اس آیت میں شعیب علیہ السلام نے انھیں نہایت مخلصانہ نصیحت کی کہ لوگوں کے حقوق عدل و انصاف کے ساتھ ادا کرنے کے بعد تمھارے پاس اللہ کا دیا ہوا جو حلال مال بچ جائے، وہ اس مال سے زیادہ بابرکت ہے جو ماپ تول میں کمی، لوگوں کے حقوق مار کر اور چوری اور ڈاکا زنی کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ اس کے بعد ان سے کہا کہ میں تو اللہ کے دین کا

مبلغ ہوں، اپنی ذمہ داری پوری کر رہا ہوں، تم پر نگران مقرر نہیں کیا گیا کہ تمھیں زبردستی برے اعمال سے روک دوں۔

نبی اکرم ﷺ نے بھی سچ بول کر کمائے ہوئے مال میں برکت کی نوید سنائی ہے۔ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیچنے والا اور خریدنے والا (بیع قائم رکھنے یا ختم کرنے کا) اختیار رکھتے ہیں، جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ اگر وہ سچ بولیں اور (سودے کی حقیقت کو) واضح کریں، تو دونوں کو ان کے سودے میں برکت دی جاتی ہے اور اگر وہ (کوئی عیب وغیرہ) چھپا لیں (اور ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کریں) اور جھوٹ بولیں تو ان کے سودے کی برکت مٹ جاتی ہے۔'' [بخاري، كتاب البيوع، باب إذا كان البائع بالخيار ...... الخ : ٢١١٤۔ مسلم، كتاب البيوع، باب الصدق في البيع و البيان : ١٥٣٢]

قوم شعیب کا جواب

﴿ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴾ [هود : ٨٧]

''انھوں نے کہا اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم انھیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے، یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں کریں جو چاہیں، یقیناً تو تو نہایت بردبار، بڑا سمجھ دار ہے۔''

یعنی کیا تو اپنی نماز کا دائرۂ عمل اس قدر وسیع سمجھتا ہے کہ دوسروں کے مذہبی اور مالی معاملات میں بھی دخل دینے لگا ہے۔ ہماری مرضی ہے جس کی چاہیں پوجا کریں اور جس کی چاہیں بندگی کریں اور یہ مال جو ہمارے اپنے ہیں، ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، جائز و ناجائز جیسے چاہیں کمائیں، کوئی ہمیں کیوں ٹوکے! یہ وہی سیکولر سوچ ہے جو آج کل بھی چل رہی ہے کہ نماز اور دین ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے۔ مملکت اور دنیا کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے ہم پابند نہیں۔ بے شک دین سود سے روکتا ہے مگر ساری دنیا کی معیشت اس پر چل رہی ہے، دین کا اس میں کیا دخل؟ پھر کوئی شرک کرے، کفر کرے یا موحد ہو، اللہ تعالیٰ کو مانے یا نہ مانے، کسی کو اس سے کیا غرض۔ بس مملکت کے جو قانون خود لوگوں نے اکثریت سے بنائے ہیں، ان کی پابندی لازم ہے، باقی کسی پر کوئی پابندی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی بغاوت ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی دعا نہ ہوتی کہ یا اللہ! میری امت (دعوت و اجابت) کو عام عذاب سے ہلاک نہ کرنا تو کب کا عذاب آ چکا ہوتا۔

قوم نے شعیب علیہ السلام کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا کہ تم تو خاندان میں بڑے بردبار اور نہایت سمجھ دار سمجھے جاتے ہو، تمھیں کیا ہو گیا کہ ایسی اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگے ہو۔ دوسرا یہ کہ دراصل وہ انھیں ٹھٹھے اور مذاق سے یہ کہہ رہے تھے، مقصد ان کا انھیں نہایت بے حوصلہ اور نادان کہنا تھا۔ صاحب کشاف نے اس کی مثال دی کہ جیسے کوئی شخص کسی

سخت بخیل آدمی کو کہے کہ تمھاری سخاوت کا کیا کہنا، اگر تمھیں حاتم طائی دیکھے تو وہ بھی تمھارے آگے سر جھکا دے۔ ایک معنی یہ ہے کہ بس تو ہی ایک عقل مند اور نیک چلن رہ گیا ہے؟ باقی ہم اور ہمارے باپ دادا جاہل اور احمق ہی رہے؟ یہ بھی استہزا اور تمسخر کی ایک صورت تھی۔

سیدنا شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾
[ھود : ۸۸]

’’اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے اچھا رزق عطا کیا ہو۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تمھاری بجائے میں (خود) اس کا ارتکاب کروں جس سے تمھیں منع کرتا ہوں، میں تو اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا، جتنی کر سکوں اور میری توفیق اللہ کے سوا کسی سے نہیں، میں نے اسی پر بھروسا کیا اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔‘‘

شعیب علیہ السلام نے ان کے کفر و عناد اور استہزا کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ لوگو! اللہ نے مجھے علم و نبوت کی نعمت سے نوازا ہے اور میری حلال روزی میں خوب وسعت عطا فرمائی ہے، تو کیا میرے لیے یہ مناسب ہے کہ صرف تمھیں خوش رکھنے کے لیے اللہ کی وحی میں خیانت کروں؟ کیا لوگوں کو شرک و ظلم سے روکنا اور اصلاح نفس کی دعوت دینا چھوڑ دوں؟ اور میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تمھیں روکتا ہوں وہی کام میں خود کروں، تمھیں تو بتوں کی عبادت سے منع کروں اور خود اس پر عمل نہ کروں اور میں نے جو تمھیں خیر کے کام کرنے کی دعوت دی ہے اور برائی سے روکا ہے تو میرا مقصود تمھاری اصلاح ہے اور مجھے ہر خیر کی توفیق دینے والا اللہ ہے۔ میرا اعتماد صرف اسی پر ہے اور خوشی اور غم ہر حال میں میرا ملجا و ماویٰ صرف وہی ہے۔

یحییٰ نے کہا کہ مجھ سے میرے بعض بھائیوں نے حدیث بیان کی کہ جب مؤذن نے « حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ » کہا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: « لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ » ’’نہ (کسی کو) نیکی کرنے کی طاقت ہے اور نہ برائی سے بچنے کی قوت مگر اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے‘‘ اور پھر کہنے لگے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے۔ [بخاري، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي : ٦١٣۔ مسلم، كتاب الصلاة، باب إستحباب القول مثل قول المؤذن ...... الخ : ٣٨٥]

شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جو تمھیں اللہ کے ساتھ شرک سے اور ماپ تول میں کمی سے منع کر رہا ہوں، اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ تمھیں تو اس سے باز رہنے کی تلقین کروں اور خود اس کا ارتکاب کرتا رہوں، بلکہ میں تم سے جو بات

بھی کہتا ہوں، پہلے خود اس پر عمل کرتا ہوں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا اور سلف صالحین کا بھی یہی شیوہ رہا ہے۔ اس کے برعکس کرنے والوں کا انجام حدیث میں یوں ہے، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک آدمی کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اس کی انتڑیاں تیزی سے باہر نکل پڑیں گی تو وہ اس طرح گھومے گا جیسے گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے، تو جہنمی اس پر اکٹھے ہو جائیں گے اور کہیں گے، اے فلاں! تیرا کیا معاملہ ہے؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور ہمیں برائی سے منع نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا، میں تمھیں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود وہ نیکی نہیں کرتا تھا اور تمھیں برائی سے منع کرتا تھا اور خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔'' [بخاري، كتاب بدء الخلق، باب صفة النار و أنها مخلوقة : ٣٢٦٧]

﴿شِقَاقِیْٓ﴾ کا معنی ومفہوم

﴿ وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴾ [هود : ٨٩، ٩٠]

''اور اے میری قوم! میری مخالفت تمھیں اس کا مستحق ہرگز نہ بنا دے کہ تمھیں اس جیسی مصیبت آ پہنچے جو نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم کو پہنچی اور لوط کی قوم (بھی) ہرگز تم سے کچھ دور نہیں ہے۔ اور اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف پلٹ آؤ، بے شک میرا رب نہایت رحم والا، بہت محبت والا ہے۔''

شعیب علیہ السلام نے انھیں کفر وعناد سے ڈراتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میری دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے اپنے کفر وفساد پر اصرار نہ کرو، ورنہ تم پر بھی اللہ کا عذاب اسی طرح نازل ہو جائے گا جس طرح قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط پر تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے اور قوم لوط کا زمانہ اور ان کا علاقہ تم سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ ان پر جو اللہ کا عذاب آیا وہ تمھیں معلوم ہے اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انھوں نے کفر وعناد پر اصرار کیا اور لوط کی بات کو ٹھکرا دیا تھا۔ اگلی آیت میں عذاب سے ڈرانے کے بعد انھیں نصیحت کی کہ وہ بتوں کی عبادت سے تائب ہو جائیں، اللہ سے مغفرت طلب کریں، توحید باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہو جائیں اور ناپ تول میں کمی کرنے سے باز آ جائیں، تو اللہ بڑا ہی مہربان ہے اور اپنے بندوں سے بڑا ہی محبت کرنے والا ہے، وہ یقیناً انھیں معاف کر دے گا اور ان پر رحم کرے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں فنا کر دے گا اور (تمھاری جگہ) ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا۔'' [مسلم، كتاب التوبة، باب سقوط الذنوب

بالاستغفار والتوبة : ۲۷٤۹]

قوم شعیب کا جواب

﴿ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴾ [ھود : ۹۱]

''انھوں نے کہا اے شعیب! ہم اس میں سے بہت سی باتیں نہیں سمجھتے جو تو کہتا ہے اور بے شک ہم تو تجھے اپنے درمیان بہت کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تیری برادری نہ ہوتی تو ہم ضرور تجھے سنگسار کر دیتے اور تو ہم پر ہرگز کسی طرح غالب نہیں۔''

قوم نے حقارت آمیز انداز میں کہا کہ اے شعیب! تمھاری باتیں تو ہمیں سمجھ میں نہیں آتیں، تم غیبی امور کی باتیں کرتے ہو۔ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے، توحید باری تعالیٰ اور مال میں حلال وحرام کی باتیں کرتے ہو، یہ سب باتیں قابل قبول نہیں ہیں اور تم اپنی انھی باتوں کی وجہ سے سب سے کٹ کر تنہا رہ گئے ہو، تمھاری کوئی حیثیت نہیں رہی۔ اگر تمھاری قوم کا خیال نہ ہوتا تو ہم تمھیں پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیتے اور تم ہماری نظر میں کسی حیثیت سے بھی معزز نہیں ہو کہ تمھیں رجم نہ کرتے، صرف تمھاری قوم کا خیال آتا ہے کہ تمھیں اب تک چھوڑ رکھا ہے، اس لیے کہ وہ لوگ ہمارے دین پر ہیں۔

سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم کو سرزنش

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَ ارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴾ [ھود : ۹۲ تا ۹۳]

''اس نے کہا اے میری قوم! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ غالب ہے اور اسے تم نے اپنی پیٹھ پیچھے پھینکا ہوا بنا رکھا ہے، بے شک میرا رب جو کچھ تم کر رہے ہو، اس کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک میں (بھی) عمل کرنے والا ہوں۔ تم جلد ہی جان لو گے کہ کون ہے جس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کون ہے جو جھوٹا ہے اور انتظار کرو، بے شک میں (بھی) تمھارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔''

شعیب علیہ السلام نے کہا کہ میرا خاندان تمھاری نظر میں اللہ سے زیادہ معزز ہے، تم لوگوں نے اس کے دین، اس کے حکم اور اس کی وحی کو ٹھکرا دیا ہے اور میرے خاندان کے کافروں کا لحاظ کر کے مجھ پر احسان جتا رہے ہو، بے شک میرا رب

تمھارے تمام کرتوتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ تمھیں اس کی سزا ضرور دے گا۔ جب شعیب علیہ السلام ان کی طرف سے بالکل ناامید ہو گئے تو کہا اے میری قوم کے لوگو! تم لوگ اپنے کفر و سرکشی کی راہ پر چلتے جاؤ اور جو کرنا چاہو کیے جاؤ، میں بھی صبر و استقامت کے ساتھ اپنی راہ پر گامزن رہتا ہوں۔ تم لوگ عنقریب ہی جان لو گے کہ اللہ کا رسوا کن عذاب کسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور کون جھوٹا ہے اور اب تم لوگ اپنی ہلاکت اور بربادی کا انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴾ [ھود : ۹۴، ۹۵]

''اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ہمراہ ایمان لائے تھے، اپنی خاص رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا تھا، چیخ نے پکڑ لیا تو انھوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں صبح کی کہ گرے پڑے تھے۔ جیسے وہ ان میں نہیں رہے تھے۔ سن لو! مدین کے لیے ہلاکت ہے، جیسے ثمود ہلاک ہوئے۔''

جب اللہ کا عذاب قوم شعیب پر نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام اور ان کے مسلمان ساتھیوں کو اپنے فضل خاص سے ان کے ایمان کی بدولت اس عذاب سے بچا لیا اور جن لوگوں نے کفر و عناد کی وجہ سے اپنے آپ پر اور لوگوں کا مال ناجائز طور پر لے کر دوسروں پر ظلم کیا تھا، انھیں اللہ کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ عذاب جبرائیل علیہ السلام کی ایک شدید چیخ تھی، جس کے اثر سے ان کی روحیں ان کے جسموں سے پرواز کر گئیں۔ سورۃ الاعراف اور سورۃ العنکبوت میں آیا ہے کہ شدید زلزلہ آیا جس سے تمام لوگ ہلاک ہو گئے۔ یہ زلزلہ جبرائیل علیہ السلام کی شدید چیخ ہی کا نتیجہ تھا اور یہ عذاب شعیب علیہ السلام کی بستی والوں پر آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو ایکہ والوں کی طرف بھی نبی بنا کر بھیجا تھا، انھوں نے بھی نافرمانی کی تو اللہ نے انھیں ایک آگ کے ذریعے ہلاک کر دیا تھا جو آسمان سے آئی تھی۔ جبرائیل علیہ السلام کی چیخ کا یہ اثر ہوا کہ وہ تمام لوگ اپنے گھروں ہی میں مر گئے اور اس طرح ختم ہو گئے جیسے وہاں کبھی وہ لوگ آباد تھے ہی نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمیشہ کے لیے ہلاکت و بربادی مسلط کر دی جس طرح قوم ثمود پر اس سے پہلے مسلط کر دی تھی۔ اس لیے کہ ان کے علاقے ایک دوسرے کے قریب تھے۔ کفر و سرکشی اور ڈاکا زنی میں بھی ایک جیسے تھے اور دونوں ہی قومیں دیہات میں رہتی تھیں۔

﴿ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [الحجر : ۷۸، ۷۹]

''اور بے شک ''ایکہ'' والے یقیناً ظالم تھے۔ تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور بے شک وہ دونوں (بستیاں) یقیناً ظاہر راستے پر موجود ہیں۔''

اصحاب ایکہ سے مراد شعیب علیہ السلام کی قوم ہے، یہ لوگ ایک ایسے علاقہ کے رہنے والے تھے جہاں کثرت سے درخت

پائے جاتے تھے۔ ان کا ظلم یہ تھا کہ وہ اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے تھے، راہ چلتے مسافروں کو لوٹ لیتے تھے اور ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث کیا، لیکن انھوں نے ان کی تکذیب کی، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کرنے کے لیے ایک ایسا بادل بھیجا جس میں آگ تھی۔ اس بادل نے انھیں جلا کر خاکستر کر دیا۔ قوم لوط اور قوم شعیب کی بستیاں شاہراہ پر ایک دوسرے کے قریب تھیں۔

سورۂ شعراء میں سیدنا شعیب علیہ السلام کی اصحاب ایکہ کو نصیحت

﴿ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الشعراء : ١٧٦ تا ١٨٠]

’’ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بے شک میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں اس پر تم سے کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا، میری اجرت تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔‘‘

صحیح قول کے مطابق اصحاب ایکہ سے مراد اصحابِ مدین ہیں۔ شعیب علیہ السلام کا تعلق بھی انھی سے تھا۔ چونکہ وہ لوگ ’’ایکہ‘‘ نام کے ایک درخت کی پرستش کرتے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کا ذکر کرتے وقت ’’أَخُوهُمْ شُعَيْبٌ‘‘ نہیں کہا، تا کہ بت پرستوں کی طرف ان کی نسبت نہ ہو۔ سابقہ انبیاء کی طرح انھوں نے بھی اپنی قوم کو بے لوث انداز میں دعوت دی اور اللہ کی پکڑ سے ڈرایا۔

ناپ تول پورا دینے کا حکم

﴿ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَ اتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ [الشعراء : ١٨١ تا ١٨٤]

’’ماپ پورا دو اور کم دینے والوں میں سے نہ بنو۔ اور سیدھی ترازو کے ساتھ وزن کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے دنگا نہ مچاؤ۔ اور اس سے ڈرو جس نے تمھیں اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا۔‘‘

شرک باللہ کے علاوہ اصحاب مدین ایک بڑا گناہ یہ کرتے تھے کہ ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے، یعنی کسی کو دیتے وقت کم اور کسی سے لیتے وقت زیادہ تولتے تھے۔ لوگوں سے ان کا مال قرض یا ادھار لیتے اور جب واپس کرتے تو حتی الامکان کم دینے کی کوشش کرتے اور اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتے۔ مسافروں اور راہ چلتے لوگوں کا مال چھین لیتے تھے۔ ان کا یہ عمل ان کی کمینگی، ان کی گھٹیا ذہنیت اور دنیا سے انتہا درجہ کی محبت پر دلالت کرتا تھا۔ شعیب علیہ السلام نے انھیں شرک باللہ سے منع کیا، توحید کی دعوت دی اور ان کے مذکورہ بالا اعمال کی قباحت و شناعت بیان کر کے عدل و

انصاف کی دعوت دی اور انھیں نصیحت کی کہ جب دوسروں کے لیے ناپو تو پورا ناپو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، عدل و انصاف کے ساتھ وزن کرو۔ لوگوں کے حقوق و اموال واپس کرتے وقت کٹوتی نہ کرو۔ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے ذریعے سے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس پر قحط سالی، روزگار کی تنگی اور حکمرانوں کا ظلم و ستم مسلط کر دیا جاتا ہے۔'' [ابن ماجه، كتاب الفتن، باب العقوبات : ٤٠١٩۔ مستدرك حاكم : ٥٤٠/٤، ح : ٨٦٢٣]

قومِ شعیب کا جواب اور عذاب کا تقاضا

﴿ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ وَ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۚ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۚ قَالَ رَبِّيْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ [الشعراء : ١٨٥ تا ١٨٨]

''انھوں نے کہا تو تو انھی لوگوں سے ہے جن پر زبردست جادو کیا گیا ہے۔ اور تو نہیں ہے مگر ہمارے جیسا ایک بشر اور بے شک ہم تو تجھے جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں۔ سو ہم پر آسمان سے کچھ ٹکڑے گرا دے، اگر تو سچوں میں سے ہے۔ اس نے کہا میرا رب زیادہ جاننے والا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

شعیب علیہ السلام کی ان باتوں کا ان کی قوم پر کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ انھوں نے شعیب علیہ السلام سے کہا کہ تم پر تو جادو کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے تمھاری عقل ماری گئی ہے اور ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ تم ہمارے ہی جیسے انسان ہو اور دعویٰ کر بیٹھے ہو کہ اللہ نے تمھیں ہمارے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تم جھوٹے ہو، اس لیے زبانی دعویٰ سے کام نہیں چلے گا۔ اگر تمھیں اپنی صداقت پر اصرار ہے تو آسمان کے ٹکڑے ہمارے سروں پر گرا کر ہمیں ہلاک کر دو۔ شعیب علیہ السلام نے ان کے اس کفر و عناد کا یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے کفر اور دیگر معاصی سے خوب باخبر ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ تم کس عذاب کے حق دار ہو؟ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تو وہ اپنے علم کے مطابق تمھیں تمھارے اعمال کا بدلہ دے گا۔

اور اللہ کے عذاب کا کوڑا برس پڑا

﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ [الشعراء : ١٨٩ تا ١٩١]

''چنانچہ انھوں نے اسے جھٹلا دیا تو انھیں سائبان کے دن والے عذاب نے آ پکڑا۔ یقیناً وہ بہت بڑے دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان والے نہیں تھے۔ اور بلاشبہ تیرا رب،

یقیناً وہی سب پر غالب، نہایت رحم والا ہے۔‘‘

جب انھوں نے اپنے نبی کی ہر بات کی تکذیب کر دی اور اپنے کفر و معاصی پر ان کا اصرار بڑھتا ہی گیا، تو اللہ کے عذاب نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا، جسے یہاں ’’سائبان کے دن والے عذاب‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے اور بہت ہی خطرناک عذاب بتایا گیا ہے۔

09

سیدنا اسماعیل علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے کئی بیٹے تھے۔ ان میں سے زیادہ مشہور وہ دو بھائی ہیں جو عظیم نبی اور رسول ہیں۔ ان میں سے عمر میں بڑے اور عظمت و شان میں برتر وہ ہیں جو ذبیح اللہ ہیں یعنی سیدنا اسماعیل علیہ السلام، جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پہلوٹے بیٹے ہیں۔ اور سیدہ ہاجرہ قبطیہ علیہا السلام سے پیدا ہوئے۔ جب وہ دودھ پیتے بچے تھے تو ابراہیم علیہ السلام ان کو اور ان کی والدہ کو لے کر چلے اور انھیں فاران کے پہاڑوں میں جا بسایا۔ وہاں تھوڑا سا پانی اور تھوڑی سی غذا دے کر ٹھہرایا اور صرف اللہ پر توکل اور اعتماد کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی اور کرم فرمایا۔ مذکورہ تفصیلات سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں مذکور ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ عورتوں نے کمر کے پٹکے کا استعمال سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سے سیکھا تھا اور انھوں نے اسے اس لیے استعمال کیا تھا، تاکہ سارہ علیہا السلام سے اپنے قدموں کے نشانات کو اوجھل رکھ سکیں اور بعد میں ابراہیم علیہ السلام انھیں اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو، جبکہ وہ ابھی شیر خوار ہی تھے، اپنے ساتھ لے آئے اور انھیں بیت اللہ کے پاس دوحہ کے قریب، زمزم کے اوپر، مسجد کی بالائی جانب بٹھا دیا، جبکہ مکہ میں ان دنوں کوئی نہیں تھا اور مکہ میں ان دنوں پانی بھی نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو وہاں بٹھا دیا اور ان کے پاس کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پلٹ کر جانے لگے تو اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی آپ کے پیچھے ہو لیں، انھوں نے دریافت کیا، ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ جس میں نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی اور چیز؟ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام سے کئی بار یہ الفاظ کہے، مگر ابراہیم علیہ السلام پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس پر انھوں نے کہا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، ہاں! یہ سن کر انھوں نے کہا کہ پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ واپس آ گئیں اور ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے، تا آنکہ آپ گھاٹی کے پاس پہنچ گئے، جہاں سے وہ انھیں دیکھ نہیں سکتے تھے، چنانچہ یہاں ابراہیم علیہ السلام قبلہ رو ہوئے اور انھوں نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعائیں کیں: ﴿ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾ [إبراهيم : ٣٧] ''اے ہمارے رب!

بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں آباد کیا ہے، جو کسی کھیتی والی نہیں، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم کریں۔ سو کچھ لوگوں کے دل ایسے کر دے کہ ان کی طرف مائل رہیں اور انھیں پھلوں سے رزق عطا کر، تا کہ وہ شکر کریں۔'' اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے انھیں دودھ پلانا شروع کر دیا اور خود مشکیزے میں موجود پانی کو پیتی رہیں، حتیٰ کہ مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا۔ اب تو انھیں بھی پیاس لگ رہی تھی اور ان کے بچے کو بھی، جب انھوں نے دیکھا کہ پیاس کی شدت سے بچہ مضطرب ہو رہا ہے تو ان سے بچے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور وہ وہاں سے چل پڑیں، حتیٰ کہ دوڑتے ہوئے قریبی پہاڑ صفا پر چڑھ گئیں اور وادی میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں کہ شاید کسی کو دیکھ سکیں، لیکن انھیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ چنانچہ وہ صفا سے نیچے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں، پھر اپنی چادر کے کونے کو اٹھایا اور مقدور بھر دوڑ کر وادی سے نکل گئیں، پھر مروہ پر آئیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا، انھوں نے سات بار اسی طرح کیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسی وجہ سے لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔'' اسی طرح دوڑتے دوڑتے جب وہ مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز سنی اور اپنے آپ سے کہا کہ خاموش ہو جاؤ۔ انھوں نے آواز پر کان لگائے، آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی، تو انھوں نے کہا کہ تم نے آواز تو سنا دی، اگر تمھارے پاس کچھ ہے تو مدد کرو، تو انھوں نے دیکھا کہ زمزم والی جگہ ایک فرشتہ ہے جس نے اپنی ایڑی یا پیر مارا تو یہاں سے پانی نکل آیا، اب ام اسماعیل نے اپنے ہاتھ سے اس کے ارد گرد منڈیر سی بنائی اور مشکیزے کو پانی سے بھرنا شروع کر دیا۔ مشکیزہ بھر جانے کے بعد بھی پانی بڑے جوش سے پھوٹ رہا تھا۔ راویٔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں'' یا آپ نے یہ فرمایا: ''اگر پانی سے مشکیزے کو نہ بھرتیں تو زمزم ایک رواں چشمے کی صورت اختیار کر جاتا۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر انھوں نے خود بھی یہ پانی پیا اور اپنے بچے کو بھی پلایا۔'' فرشتے نے ان سے کہا کہ کسی قسم کے نقصان سے نہ ڈرو، یہاں تو اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے، جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس وقت بیت اللہ ٹیلے کی طرح زمین سے بلند تھا، سیلاب آتے تو اس کے دائیں بائیں سے زمین کاٹ کر نکل جاتے۔ انھی حالات میں کداء کے راستے سے آنے والے قبیلہ جرہم کے ایک قافلے کا یہاں سے گزر ہوا، جو مکہ کے زیریں علاقے میں فروکش ہو گیا۔ اہل قافلہ نے جو ایک پرندے کو چکر لگاتے دیکھا تو کہنے لگے کہ ضرور یہ پرندہ پانی پر چکر لگا رہا ہے، حالانکہ صورتحال یہ ہے کہ ہم اس وادی سے خوب واقف ہیں کہ یہاں پانی نہیں ہے۔ بہرحال انھوں نے حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا، انھوں نے دیکھا کہ یہاں تو پانی موجود ہے۔ انھوں نے واپس جا کر جب قافلے والوں کو اس کی خبر دی تو وہ سب لوگ یہاں آ

گئے۔ اس وقت ام اسماعیل پانی کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے کہا، کیا آپ اجازت دیں گی کہ ہم بھی آپ کے پاس ٹھہر جائیں؟ انھوں نے کہا، جی ہاں! لیکن پانی پر تمھارا قبضہ نہیں ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی شرط منظور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب ام اسماعیل کو پڑوسی مل گئے۔ انسانوں کی موجودگی ان کے لیے دل جمعی کا باعث ہوئی۔'' پھر یہ لوگ یہاں آباد ہو گئے تو انھوں نے خاندان کے باقی افراد کو بھی یہاں بلا لیا، یہاں تک کہ یہاں ان کے کئی گھر آباد ہو گئے۔ اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو آپ نے ان سے عربی زبان سیکھی۔ جوانی کے عالم میں آپ انھیں بہت اچھے لگتے تھے، حتیٰ کہ انھوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے آپ کی شادی کر دی۔ پھر کچھ عرصہ بعد اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اسماعیل علیہ السلام کی شادی ہو چکی تو ایک دفعہ ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے اہل وعیال کو دیکھنے کی خاطر تشریف لائے۔ اس وقت اسماعیل گھر پر نہیں تھے۔ آپ نے ان کی بیوی سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ہمارے لیے شکار وغیرہ لینے گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، تمھاری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ اس نے کہا کہ بہت برا حال ہے، ہم بڑی تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، الغرض اس نے شکوہ و شکایت کا دفتر کھول دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، جب تیرا شوہر گھر آئے تو اسے (میرا) سلام کہنا اور یہ پیغام دے دینا کہ وہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل دیں۔ اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو انھوں نے گھر کے ماحول کو کچھ خوش گوار پایا اور فرمایا، کیا تمھارے پاس کوئی آیا تھا۔ اس نے کہا، جی ہاں! ایک بوڑھا آیا تھا، جس کا اس طرح کا حلیہ تھا اور اس نے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے بتا دیا۔ اس نے یہ بھی پوچھا کہ ہماری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ میں نے اسے بتایا کہ ہم بڑی تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا، تب کیا انھوں نے کوئی پیغام بھی دیا؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں! آپ کو سلام کہتے تھے اور یہ پیغام دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز بدل ڈالیں۔ اسماعیل نے فرمایا: یہ تو میرے ابا جی تھے اور انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے علیحدگی اختیار کر لوں، لہٰذا جاؤ اور اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ۔ چنانچہ اسماعیل نے اسے طلاق دے دی اور پھر اسی خاندان کی ایک دوسری خاتون سے شادی کر لی۔ کچھ عرصہ بعد ابراہیم علیہ السلام پھر ملاقات کے لیے تشریف لائے تو اب بھی اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہو سکی، بہرحال انھوں نے اسماعیل علیہ السلام کی بیوی سے آپ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ ہمارے لیے شکار کرنے گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا، تمھارا کیا حال ہے، گزر بسر کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم خیر و عافیت سے ہیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، تم کیا کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا، گوشت۔ فرمایا، کیا پیتے ہو؟ اس نے جواب دیا، پانی۔ آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ان کے لیے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان دنوں ان کے پاس دانے نہیں تھے، ورنہ آپ دانوں میں برکت کی دعا بھی فرماتے۔'' فرمایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام

کی دعا کی برکت ہے کہ یہاں صرف گوشت اور پانی پر گزارہ ہو جاتا ہے، ورنہ مکہ کے علاوہ کوئی اور جگہ ایسی نہیں جہاں صرف ان دونوں چیزوں پر گزارہ ہو سکے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، جب تمھارا شوہر واپس آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ اپنے دروازے کی دہلیز باقی رہنے دو۔ جب اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو انھوں نے بیوی سے پوچھا، کیا تمھارے پاس کوئی آیا تھا؟ اس نے جواب دیا، جی ہاں! ایک نہایت خوبصورت شکل وصورت کے بزرگ تشریف لائے تھے، بیوی نے آنے والے بزرگ کی تعریف کی، انھوں نے آپ کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے انھیں بتا دیا، پھر انھوں نے مجھ سے گزر بسر کے متعلق پوچھا تو میں نے بتایا کہ ہم خیریت سے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا، کوئی پیغام تو نہیں دے گئے؟ اس نے جواب دیا، ہاں! وہ آپ کو سلام کہتے تھے اور یہ پیغام دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو باقی رکھنا۔ اسماعیل علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا، یہ میرے ابا جان تھے اور دہلیز سے مراد تم ہو، وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے اپنے پاس ہی رکھوں۔ کچھ عرصہ گزرا تو ابراہیم علیہ السلام ملاقات کے لیے پھر تشریف لائے۔ اس وقت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب، بڑے درخت کے نیچے اپنے تیر درست کر رہے تھے۔ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو فوراً ان کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں نے پیار و محبت کا وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو باپ اور بیٹا آپس میں کرتے ہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے، اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا، اللہ نے آپ کو جو حکم دیا اس کی تعمیل کیجیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا، کیا آپ بھی تعاون کریں گے؟ اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا، میں ضرور تعاون کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک بلند ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیادوں کو استوار کروں، تو اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت تعمیر کی۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام گھر بناتے تھے، حتیٰ کہ جب عمارت بلند ہوگئی تو اسماعیل علیہ السلام نے یہ پتھر لا کر رکھ دیا اور ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کرنے لگے۔ اسماعیل علیہ السلام بدستور پتھر پکڑاتے جاتے تھے اور وہ دونوں ساتھ ساتھ بیک زبان یہ بھی کہہ رہے تھے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ تعمیر کرتے رہے اور اس کے اردگرد گھوم گھوم کر یہ دعا پڑھتے رہے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ [البقرة : ١٢٧] ''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب : ﴿ يزفون ﴾ النسلان في المشي : ٣٣٦٤۔ مصنف عبد الرزاق : ٩١٠٧۔ مسند أحمد : ٣٤٧/١، ٣٤٨، ح : ٣٢٤٩]

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی

﴿وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ۚ وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۝ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ﴾ [الصافات : ۹۹ تا ۱۰۷]

’’اور اس نے کہا بے شک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا۔ اے میرے رب! مجھے (لڑکا) عطا کر جو نیکوں سے ہو۔ تو ہم نے اسے ایک بہت بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ اس کے ساتھ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا تو اس نے کہا اے میرے چھوٹے بیٹے! بلاشبہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بے شک میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، تو دیکھ تو کیا خیال کرتا ہے؟ اس نے کہا اے میرے باپ! تجھے جو حکم دیا جا رہا ہے کر گزر، اگر اللہ نے چاہا تو تو ضرور مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ تو جب دونوں نے حکم مان لیا اور اس نے اسے پیشانی کی ایک جانب پر گرا دیا۔ اور ہم نے اسے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے خواب سچا کر دکھایا، بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ بے شک یہی تو یقیناً کھلی آزمائش ہے۔ اور ہم نے اس کے فدیے میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دیا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی قوم کے مقابلے میں فتح و نصرت سے نوازا اور وہ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے کہ وہ اتنی عظیم الشان نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائی تو آپ نے ہجرت کا ارادہ کر لیا اور وہاں سے نکل کر شام کے علاقے حران میں پہنچ گئے اور جاتے ہوئے اپنے رب سے اس امید کا اظہار کیا کہ وہ انھیں ان کے مقصد میں کامیاب کرے گا اور انھیں ایمان و توحید پر ثابت قدم رکھے گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے شام کی مقدس سرزمین میں پہنچنے کے بعد دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے ایک نیک لڑکا عطا فرما جو غریب الدیاری میں میرے لیے انس و دل بستگی کا سامان بنے اور تیری اطاعت و بندگی میں میری مدد کرے۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو انھوں نے اللہ کے حکم سے ماں اور بیٹے کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا، جہاں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے آب زمزم مہیا کر دیا اور قبیلۂ جرہم کو لا کر بسا دیا۔ اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بذریعہ وحی حکم دیا کہ وہ اپنے رب کی خوشنودی کے لیے اپنے چہیتے بیٹے کی قربانی دیں۔ انھوں نے اپنا خواب بیٹے سے بیان کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا تو بیٹے نے کہا، ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اسے کر گزریے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام

بیٹے کو ساتھ لے کر منیٰ کی طرف چل پڑے اور جمرات کی جگہ پہنچ کر انھیں پیشانی کے بل لٹا دیا، اچانک دیکھتے کیا ہیں کہ وہاں ایک مینڈھا کھڑا ہے، ایک غیبی آواز آئی کہ آپ اپنے بیٹے کو چھوڑ دیجیے اور مینڈھے کو ذبح کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی اور کہا کہ آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اور کمال اطاعت اور عظیم ترین صبر وثبات کی دلیل پیش کر دی۔ اب آپ بیٹے کو ذبح نہ کیجیے، ہم احسان اور عمل کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک یہی وہ کھلی اور صریح آزمائش ہے جس کے ذریعے سے مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز ہو جاتا ہے، چنانچہ جب وہ اس امتحان میں کامیاب ہو گئے تو اللہ نے ایک بڑا مینڈھا بھیج دیا تاکہ وہ بیٹے کے بدلے اسے ذبح کریں، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج کا حکم دیا گیا تو مقامِ سعی پر شیطان ان کے سامنے آیا اور اس نے ان کے ساتھ دوڑ لگائی، لیکن ابراہیم علیہ السلام اس پر سبقت لے گئے۔ پھر جبریل علیہ السلام انھیں جمرہ عقبہ کے پاس لے گئے تو شیطان پھر ان کے سامنے آیا۔ انھوں نے اس کو سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا، پھر جمرہ وسطیٰ پر ان کے سامنے آیا تو انھوں نے اسے (اس موقع پر بھی) سات کنکریاں ماریں اور (اس مقام پر) انھوں نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ تب اسماعیل علیہ السلام نے سفید قمیص پہن رکھی تھی، انھوں نے عرض کی: ''اے میرے باپ! میرے پاس اس قمیص کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں کہ جس میں آپ مجھے کفنا سکیں، اس لیے آپ اس کو اتار لیجیے، تاکہ آپ مجھے اس میں کفن دے سکیں۔'' بہر حال وہ قمیص اتارنے کا ارادہ ہی فرما رہے تھے کہ انھیں پیچھے سے آواز دی گئی: ﴿ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ﴾ [الصافات : ١٠٤، ١٠٥] ''کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے خواب سچا کر دکھایا۔'' ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو وہاں ایک سفید رنگ کا سینگوں اور موٹی آنکھ والا مینڈھا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، یقیناً ہم نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ہم اسی قسم کے مینڈھے خریدتے ہیں۔ [مسند أحمد : ١/ ٢٩٧، ح : ٢٧١١]

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (کعبہ کے چابی بردار) عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ''میں جب بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے اس مینڈھے کے سینگ دیکھے تھے، تو میں تمھیں ان کو ڈھانپنے کا حکم دینا بھول گیا۔ سو انھیں ڈھانپ دو، کیونکہ یہ مناسب نہیں کہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز ہو جو نمازی کو مشغول کرے۔'' سفیان نے فرمایا: ''وہ سینگ بیت اللہ میں رہے، حتیٰ کہ بیت اللہ کو آگ لگ گئی تو وہ بھی جل گئے۔'' [مسند أحمد : ٤/ ٦٨، ح : ١٦٦٣٧]

سورۂ مریم میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا ذکرِ خیر

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيْلَ ۫ إِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴾ [مریم : ٥٤]

''اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کر، یقیناً وہ وعدے کا سچا تھا اور ایسا رسول جو نبی تھا۔''

نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ نے مریم، عیسیٰ، موسیٰ، اسحاق اور ابراہیم علیہم السلام سے متعلق قرآنی آیات کی تلاوت کر کے لوگوں کو بات سمجھائی ہے، اب اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام سے متعلق آیات کی بھی تلاوت کیجیے، اس لیے کہ وہ وعدے کے بہت ہی سچے انسان تھے۔ جب بھی کسی انسان سے کوئی وعدہ کرتے تو بہرحال اسے پورا کرتے اور سب سے بڑا اور خطرناک وعدہ اپنی جان کی قربانی سے متعلق اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام سے کیا اور کہا: ﴿ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [الصافات : ۱۰۲] ''اگر اللہ نے چاہا تو ضرور مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔'' تو اس وعدے کو ایسی نیازمندی کے ساتھ پورا کیا کہ رہتی دنیا تک کے لیے سپردگی اور فدائیت کا اولین نمونہ بن گئے اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی مانند رسول اور نبی تھے۔

وعدے کو سچ ثابت کر دکھانا صفات حمیدہ میں سے ہے جبکہ وعدے کی خلاف ورزی مذموم صفات میں سے ہے۔ وعدہ پورا کرنا ایمان ہے اور وعدہ خلافی نفاق۔ ابوسفیان نے ہرقل کے پاس اقرار کیا تھا کہ نبی (ﷺ) ہمیں نماز، سچ، پاک دامنی، وعدہ پورا کرنے اور امانت ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ [بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب دعاء النبي ﷺ إلى الإسلام...... : ۲۹٤۱]

رسول اللہ ﷺ نے وعدہ خلافی کو منافق کی تین نشانیوں میں سے ایک قرار دیا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ کہے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔'' [بخاري، كتاب الإيمان، باب علامات المنافق : ۳۳]

جب یہ منافقوں کی صفات ہیں تو ان سے متضاد صفات مومنوں کی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کی ہے کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی صادق الوعد تھے، آپ جس کسی سے جو وعدہ بھی فرماتے تو اسے پورا فرماتے تھے اور آپ ﷺ نے اپنے داماد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص بن ربیع کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''اس نے مجھ سے بات کی اور سچی بات کی اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا اور اسے پورا کر دکھایا۔'' [بخاري، كتاب فرض الخمس، باب ما ذكر من درع النبي ﷺ ...... الخ : ۳۱۱۰۔ مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة رضي الله عنها : ۹۵/۲٤٤۹]

مذکورہ آیت کریمہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نبی اور رسول بھی تھے جیسا کہ سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اولاد ابراہیم میں سے اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو (نبوت و رسالت کے لیے) پسند فرمایا اور اولاد اسماعیل میں سے بنو کنانہ کو چنا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے چنا۔'' [ترمذي، كتاب المناقب عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء في فضل النبي ﷺ : ۳٦۰۵]

گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم

﴿وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا﴾ [مریم : ۵۵]

''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور وہ اپنے رب کے ہاں پسند کیا ہوا تھا۔''

یعنی اسمٰعیل علیہ السلام اپنے اہل وعیال کو نماز و زکوٰۃ اور دیگر نیک کاموں کا حکم دیتے تھے، تاکہ دوسروں کے لیے اچھی مثال بنیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ [طٰہٰ : ۱۳۲]

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور اس پر خوب پابند رہ۔''

گھر والوں کو نماز کی تلقین کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس مرد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جو رات تہجد پڑھنے کے لیے اپنے بستر سے اٹھتا ہے اور پھر اپنی بیوی کو بھی اٹھاتا ہے، اگر وہ نہیں اٹھتی تو وہ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے (اور اسے نیند سے بیدار کرتا ہے) اور اس عورت پر بھی اللہ کی رحمت ہو جو رات کو تہجد پڑھنے کے لیے اٹھتی ہے اور پھر اپنے میاں کو بھی جگاتی ہے اور اگر وہ نہ جاگے تو وہ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی ہے۔'' [أبو داؤد، كتاب التطوع، باب قيام الليل : ۱۳۰۸۔ نسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب الترغيب في قيام الليل : ۱۶۱۱]

نماز اور زکوٰۃ کا حکم دینے کی صفات ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی صفت ذکر فرمائی کہ وہ اپنے رب کے ہاں پسند کیے ہوئے تھے۔ رب تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہونے کا باعث سب سے پہلے تو خود اس ذات پاک کا کسی کو منتخب فرما لینا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہونے کا ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کسی بندے کا فرائض کی ادائیگی اور نوافل کی کثرت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے سو تو بھی اس سے محبت کر، تو جبریل اس سے محبت کرتا ہے، پھر جبریل آسمان والوں میں اعلان کر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں، پھر اس کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔'' [بخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم : ۳۲۰۹] ''مَرْضِيًّا'' کا حقیقی مصداق ایسا ہی شخص ہوتا ہے۔

سورۂ انبیاء میں اسماعیل علیہ السلام کے صبر کا تذکرہ

﴿وَإِسْمٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِينَ ۝ وَأَدْخَلْنٰهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِينَ﴾ [الأنبياء : ۸۵، ۸۶]

''اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ ہر ایک صبر کرنے والوں سے تھا۔ اور ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل

کر لیا۔ یقیناً وہ نیک لوگوں سے تھے۔''

اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والا بتایا ہے، یعنی اللہ کی بندگی اور روز مرہ کے معاملات میں جو تکلیف ہوتی تھی اس پر صبر کرتے اور گناہوں سے بچتے تھے۔ تینوں کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا تھا، اس لیے کہ وہ صلاح و تقویٰ میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

اسماعیل علیہ السلام ماہر نشانہ باز تھے

سیدنا اسماعیل علیہ السلام ماہر نشانہ باز تھے۔ جیسا کہ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کے کچھ لوگوں کی جانب تشریف لے گئے، وہ لوگ (اس وقت سوق نامی جگہ میں) باہم تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے، آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ''اے اسماعیل (علیہ السلام) کے بیٹو! نشانہ بازی جاری رکھو! تمھارا باپ بھی ماہر تیر انداز تھا۔ نشانہ لگاؤ! میں بھی فریقین میں سے فلاں گروہ کی طرف سے نشانہ لگانے میں شریک ہوتا ہوں۔'' صحابی بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد دوسرے گروہ کے لوگ تیر اندازی سے رک گئے۔ آپ نے فرمایا: ''تیر کیوں نہیں چلاتے؟'' لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اس حال میں کہ آپ فلاں گروہ کے ساتھ ہیں، کیسے تیر پھینکیں؟ آپ نے فرمایا: ''اچھا تیر اندازی (نشانہ بازی) جاری رکھو، میں دونوں کے ساتھ ہوں۔'' [بخاري ، كتاب الجهاد، باب التحريض على الرمي ...... : ٢٨٩٩]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ افراد کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اسماعیل کے بیٹو! تیر چلاؤ، تمھارے جد امجد بھی تیر انداز تھے۔'' [ابن ماجه، أبواب الجهاد، باب الرمي في سبيل الله : ٢٨١٥]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے لیے دم

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے لیے ان کلمات کے ذریعے پناہ طلب کیا کرتے تھے اور فرماتے کہ تمھارے باپ (ابراہیم علیہ السلام) اپنے بیٹوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کو ان الفاظ سے دم کیا کرتے تھے: « أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ » ''میں اللہ کے تمام کلمات کے ساتھ (تم دونوں کے لیے) ہر شیطان سے اور اس مخلوق سے جو بدی کا ارادہ کرے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے پناہ مانگتا ہوں۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب : ٣٣٧١]

مشرکین مکہ کا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے بت بنانا

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن بتوں کی موجودگی میں بیت اللہ

میں داخل ہونے سے انکار کر دیا، آپ نے ان سب کو نکالنے کا حکم دیا، چنانچہ انھیں باہر نکال دیا گیا۔ ان میں ایک ابراہیم علیہ السلام کی اور ایک اسماعیل علیہ السلام کی تصویر تھی۔ ان کے ہاتھوں میں فال کے تیر پکڑائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ ان مشرکوں کو ہلاک کرے، اللہ کی قسم! ان مشرکوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے کبھی ان تیروں کے ذریعے سے قسمت معلوم کرنے کے لیے فال نہیں نکالی (اس کے باوجود ان لوگوں نے ان کے ہاتھوں میں فال کے تیر پکڑا دیے ہیں)۔'' [بخاري، كتاب المغازي، باب أين ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح ؟ : ٤٢٨٨۔ مسند أحمد : ١/ ٣٣٤، ح : ٣٠٩٢]

10

سیدنا اسحاق علیہ السلام

سیدنا اسحاق علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو اولاد جیسی نعمت سے اس وقت نوازا جب وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی بیوی بھی بانجھ ہو چکی تھیں۔ اس لیے جب فرشتے اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری لے کر حاضر ہوئے تو انھیں خوشی کے ساتھ ساتھ زبردست تعجب بھی ہوا۔ آپ اپنے بھائی اسماعیل علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ کا ذکر اور تعریف موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ﴾
[الصافات : ۱۱۲، ۱۱۳]

’’اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی، جو نبی ہوگا، صالح لوگوں سے (ہوگا)۔ اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر برکت نازل کی اور ان دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکی کرنے والا ہے اور کوئی اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والا ہے۔‘‘

فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کی بشارت دی جو بڑے ہو کر صالح اور نبی ہوں گے اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر اپنی برکتیں نازل کر دیں، یعنی ان کی اولاد میں کثرت ہوگی۔ ان میں انبیاء کا سلسلہ جاری رہے گا ان میں کچھ لوگ بادشاہ ہوں گے، ہم انھیں ایسی نعمتیں دیں گے جو دوسروں کو نہیں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا کہ ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کی اولاد میں کچھ تو مومنین و صالحین ہوں گے اور کچھ لوگ کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ پر کھلا ظلم کرنے والے ہوں گے۔

سیدنا اسحاق علیہ السلام کے خانوادے کا تذکرہ کرتے ہوئے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’کریم شخصیت کے پڑپوتے، کریم کے پوتے، کریم کے بیٹے اور خود بھی کریم، یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔‘‘ [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب : ﴿ أم كنتم شهداء...... ﴾ : ۳۳۸۲]

فرشتوں کی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آمد اور مہمان نوازی

سورۂ ہود کی درج ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آمد، مہمان نوازی اور سیدنا

اسحاق کی ولادت کے حوالے سے خوش خبری کا بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴾

[هود : ٦٩، ٧٠]

''اور بلاشبہ یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے، انھوں نے سلام کہا، اس نے کہا سلام ہو، پھر دیر نہیں کی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔ تو جب ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو انھیں اوپرا جانا اور ان سے ایک قسم کا خوف محسوس کیا، انھوں نے کہا نہ ڈر! بے شک ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔''

ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں قیام پذیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جن فرشتوں کو قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا تھا، وہ وہاں جانے سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے، تاکہ انھیں بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب کی خوش خبری دیں۔ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام سے اپنے کلام کا آغاز سلام سے کیا یعنی السلام علیکم کہا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سلام کا بہتر جواب دیا۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کیا جس میں کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے سلام کہنے کا حکم ہے۔ بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے: ''سلام سوال سے پہلے ہے، جو تم سے سلام سے پہلے سوال کرے، اسے جواب مت دو۔'' [السلسلة الصحيحة : ٤٥٨/١، ح : ٨١٦] اور ایک روایت میں فرمایا: ''جو سلام سے پہلے بات کرے اسے جواب مت دو۔'' [صحيح الجامع : ٦١٢٢] ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے بہتر جواب دیا جو سورۂ نساء (٨٦) میں ہے۔

ان آیات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ فرشتے انسانی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ حدیث میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ معروف حدیث جبریل علیہ السلام میں فرشتے کا ایک اعرابی کی شکل میں آنا بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ [بخاري : ٤٧٧٧۔ مسلم : ٨] دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام اولو العزم پیغمبر ہو کر بھی مہمانوں کو پہچان نہ سکے، ورنہ وہ کھانے کا اہتمام نہ کرتے، کیونکہ فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ جب ابراہیم علیہ السلام علم غیب نہیں رکھتے تھے تو پھر ان لوگوں کی کیا اوقات ہے جو نہ نبی ہیں اور نہ ان کے اصلی حالات اللہ کے سوا کوئی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کیا حیثیت ہے؟ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام بے حد مہمان نواز تھے۔ یہ وصف ہر نبی خصوصاً ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت پایا جاتا تھا۔ ہماری ماں خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی وحی کے موقع پر آپ کے اوصاف میں اس وصف کا خصوصی ذکر فرمایا: ((وَتَقْرِي الضَّيْفَ)) [بخاري :

۳] ”آپ مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔“ آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کا یہ حال تھا کہ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ”عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کوئی مسکین ان کے ساتھ کھانے کے لیے نہ لایا جاتا۔“ [بخاري، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد : ٥٣٩٣] پھر نبی کریم ﷺ اور ان کے والد ماجد ابراہیم علیہ السلام کی فیاضی کا کیا حال ہوگا۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ مہمان نوازی میں دیر نہیں کرنی چاہیے، نہ ان سے اس بارے میں پوچھ گچھ کرنی چاہیے۔ سورۂ ذاریات میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام چپکے سے گھر گئے اور کھانا لے آئے۔ وقت کی مناسبت سے جو حاضر ہو پیش کر دیا جائے، مہمان کی خواہش ہے تو کھا لے، ورنہ اس کی مرضی۔

پانچویں یہ کہ ابراہیم علیہ السلام پر دنیوی لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کا فضل تھا، ورنہ بھنا ہوا بچھڑا تھوڑی دیر میں لا کر پیش کر دینا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ چھٹی یہ کہ وہ احادیث جن میں گائے کے گوشت کو بیماری کہا گیا ہے، بظاہر اچھی سند کی بھی ہوں تو شاذ ہیں، کیونکہ قرآن میں گائے کے گوشت کو بطور انعام ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی قربانی اور مختلف موقعوں پر ذبح کرنا قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ یا اس کا رسول ﷺ بیماری والی چیز کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں؟

ساتویں یہ کہ ابراہیم علیہ السلام، ہمارے نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء بشر تھے اور کھانا کھاتے تھے۔ وہ نہ اللہ تعالیٰ یا اس کا کوئی جزو تھے اور نہ فرشتے، بلکہ وہ انسان تھے، کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور ان کی بیویاں تھیں اور اولادیں بھی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے ان سب سے پاک ہیں۔ آٹھویں یہ کہ صوفیاء جو جان دار یا اس سے نکلنے والی چیزیں اپنے خود ساختہ وظیفوں اور چلّوں کے دوران میں یا ہمیشہ کے لیے کھانا ترک کر دیتے ہیں وہ ملت ابراہیمی کے نہیں بلکہ ہندو مذہب کے پیروکار ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے صرف کھانا پیش ہی نہیں کیا بلکہ انھیں کھانے کے لیے اصرار بھی کیا: ﴿قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ﴾ [الذاريات : ٢٧] ”فرمایا کیا تم کھاتے نہیں ہو؟“ پھر بھی جب انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو دل میں ایک قسم کا خوف محسوس کیا۔ خوف کی وجہ یہ تھی کہ ان کے علاقے میں اگر کوئی اجنبی آتا اور وہ مہمانی میں پیش کیا ہوا کھانا قبول نہ کرتا تو اس کے متعلق سمجھا جاتا کہ وہ کسی برے ارادے سے آیا ہے، یا یہ بھی ہو سکتا ہے اور شاید یہی زیادہ موقع کے مناسب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی نے ان کے کھانا تناول نہ کرنے کی وجہ سے ان کے فرشتے ہونے کو بھانپ لیا ہو اور وہ اس بنا پر ڈر گئے ہوں کہ یہ ان کی بستی پر عذاب کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

سیدنا اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ علیہا السلام مہمانوں کی خدمت کے لیے پردے کے پیچھے ساتھ ہی کھڑی تھیں اور خوف

زدہ تھیں۔ قرآن مجید اس حوالے سے مزید تفصیلات بیان کرتا ہے:

﴿ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾ [ھود : ۷۱ تا ۷۳]

''اور اس کی بیوی کھڑی تھی، سو ہنس پڑی تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔ اس نے کہا ہائے میری بربادی! کیا میں جنوں گی، جب کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا خاوند ہے بوڑھا، یقیناً یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ انھوں نے کہا کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بے شک وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔''

ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی، دونوں ہی مہمانوں کی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام بیٹھے تھے اور سارہ کھڑی تھیں، کھانے کی چیزیں مہمانوں کے سامنے لا کر رکھ رہی تھیں۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہم نے تو مہمانوں کی خاطر اتنا سب کچھ کیا ہے اور یہ کیسے مہمان ہیں کہ ہمارا کھانا نہیں کھا رہے تو وہ بھی ڈر گئیں۔ لیکن جب انھوں نے اپنی حقیقت بتا دی تو ان کے دل سے بھی خوف جاتا رہا اور خوشی اور حیرت کی وجہ سے ہنس پڑیں کہ جنھیں وہ انسان سمجھ رہی تھیں وہ فرشتے نکلے اور خوش ہوئیں کہ یہ لوگ کسی شر کی نیت سے ان کے پاس نہیں آئے۔ جب ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ اللہ کے فرشتے ہیں تو تب اللہ نے ان فرشتوں کے ذریعے سارہ کو اسحاق اور اسحاق کے بیٹے یعقوب کی خوش خبری دی۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہاجرہ کو اسماعیل عطا کیا تو سارہ نے تمنا کی، کاش ان کا بھی بیٹا ہوتا، لیکن اپنی کبرسنی کی وجہ سے ناامید تھیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور انھیں بیٹے کی خوش خبری دی، تو سارہ نے بڑا تعجب کرتے ہوئے ان فرشتوں سے کہا کہ مجھے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، میں تو اتنی بوڑھی ہوں کہ اولاد سے بالکل ناامید ہو چکی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہو گی کہ بوڑھے اور بوڑھی سے لڑکا پیدا ہوا۔ فرشتوں نے سارہ کا حیرت و استعجاب دیکھ کر کہا کہ تم تو نبی کی بیوی ہو، تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، تو پھر یہ تعجب کیسا؟ اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ اور یہی حکم ہے۔ تم لوگ نبی کے گھرانے والے ہو، تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے اور اللہ تو ہمیشہ اپنے بندوں پر نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہے، تاکہ وہ اس کی تعریف بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور وہ ہمیشہ ہی اپنے بندوں پر احسان کرتا رہتا ہے۔

سورۂ حجر میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا اسحاق علیہ السلام کی بشارت دینا

﴿ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا

نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝ قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ﴾ [الحجر : ٥١ تا ٥٦]

''اور انھیں ابراہیم کے مہمانوں کے بارے میں خبر دے۔ جب وہ اس کے پاس داخل ہوئے تو انھوں نے سلام کہا، اس نے کہا ہم تو تم سے ڈرنے والے ہیں۔ انھوں نے کہا ڈر نہیں، بے شک ہم تجھے ایک بہت علم والے لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں۔ اس نے کہا کیا تم نے مجھے اس کے باوجود خوش خبری دی ہے کہ مجھے بڑھاپا آ پہنچا ہے، تو تم کس بات کی خوش خبری دیتے ہو؟ انھوں نے کہا ہم نے تجھے حق کی خوش خبری دی ہے، سو تو نا امید ہونے والوں سے نہ ہو۔ اس نے کہا اور گمراہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون نا امید ہوتا ہے۔''

فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانوں کی شکل میں مہمان بن کر آئے اور سلام کیا تو وہ بہت خوش ہوئے، لیکن جب انھوں نے کھانے اور گوشت کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا، تو ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بارے میں شبہ ہوا اور ڈرے کہ شاید ان کی نیت اچھی نہیں ہے۔ فرشتوں نے ان کو فوراً بتایا کہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں، آپ خائف نہ ہوں اور ہم آپ کو ایسے بیٹے کی خوش خبری دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ مجھے تم بڑھاپے کے باوجود ایسی خوش خبری دے رہے ہو، یہ کیسی عجیب بات ہے؟ اور کیسی انہونی خوش خبری دے رہے ہو؟ فرشتوں نے مزید تاکید کے طور پر کہا کہ ہم نے آپ کو ایسی یقینی بات کی خوش خبری دی ہے جس کے نہ ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کا وعدہ ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، آپ نا امید نہ ہوں۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں ہرگز نا امید نہیں ہوں، نا امید ہونا تو گمراہوں کا طریقہ ہے، میں تو تمھاری خوش خبری کے مطابق امید کرتا ہوں کہ اللہ مجھے بیٹا دے گا، مجھے تو حیرت صرف اس لیے ہو رہی ہے کہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورۂ ذاریات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۝ قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ﴾ [الذاریات : ٢٤ تا ٣٠]

''کیا تیرے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات آئی ہے؟ جب وہ اس پر داخل ہوئے تو انھوں نے سلام کہا۔ اس نے کہا سلام ہو، کچھ اجنبی لوگ ہیں۔ پس چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گیا، پس (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آیا۔ پھر اسے ان کے قریب کیا کہا کیا تم نہیں کھاتے؟ تو اس نے ان سے دل میں خوف

محسوس کیا، انھوں نے کہا مت ڈر! اور انھوں نے اسے ایک بہت علم والے لڑکے کی خوشخبری دی۔ تو اس کی بیوی چیختی ہوئی آگے بڑھی، پس اس نے اپنا چہرہ پیٹ لیا اور اس نے کہا بوڑھی بانجھ! انھوں نے کہا تیرے رب نے ایسے ہی فرمایا ہے، یقیناً وہی کمال حکمت والا، بے حد علم والا ہے۔"

فرمایا کہ ایک دن ابراہیم علیہ السلام کے پاس کچھ ایسے فرشتے آئے جن کا اللہ کے نزدیک بڑا مقام تھا۔ جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھوں نے سلام کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ میں آپ لوگوں کو نہیں پہچانتا، آپ کون لوگ ہیں؟ پھر ابراہیم علیہ السلام فوراً ہی مہمانوں کو بتائے بغیر اپنے اہل خانہ کے پاس پہنچے، تاکہ ان کی میزبانی کا انتظام کریں اور ایک بھنا ہوا بچھڑا ان کے سامنے لے کر آئے۔ اسے مہمانوں کے قریب کیا، لیکن انھوں نے کھانے کے لیے ہاتھ نہ بڑھایا تو ان سے پوچھا کہ آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں اور دل ہی دل میں ڈرنے لگے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی نیت ہمارے بارے میں اچھی نہیں ہے، اسی لیے ہمارا کھانا نہیں کھا رہے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا:
﴿ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ﴾ [ھود : ۷۰] "تو جب ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو انھیں اوپرا جانا اور ان سے ایک قسم کا خوف محسوس کیا۔"

جب ان فرشتوں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام اندر ہی اندر کسی انہونے شر سے ڈر گئے ہیں، تو انھیں اپنی حقیقت کی اطلاع دے دی اور ایک لڑکے کی خوشخبری دی جو بڑا ہو کر بڑے علم و فضل والا ہوگا۔ سارہ علیہا السلام نے، جو بوڑھی ہو چکی تھیں، جب یہ بات سنی تو مارے حیرت کے ان کے منہ سے چیخ نکل گئی، اپنا چہرہ پیٹنے لگیں اور کہنے لگیں کہ میں تو بوڑھی ہوں اور بانجھ ہوں، مجھے کیسے بچہ ہوگا؟ فرشتے نے کہا کہ ہم نے آپ کو وہی خبر دی ہے جو اللہ نے فرمایا ہے، اس لیے اس بارے میں کوئی شبہ نہ کیجیے۔ اللہ نے جو چاہا وہ ہو کر رہے گا۔ وہ اپنے اقوال و افعال میں بڑا حکیم اور ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

11

سیدنا یعقوب علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پوتے، اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور یوسف علیہ السلام کے والد محترم ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں میں سے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''سب سے بہتر اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام ہیں، جو اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے نبی اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ﴿ أم كنتم شهداء إذ حضر ...... الخ ﴾ : ٣٣٧٤ـ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل يوسف عليه السلام : ٢٣٧٨]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام تھے۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ و يتم نعمته عليك و على آل يعقوب ﴾ : ٤٦٨٨]

سیدنا یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو دین اسلام پر قائم رہنے کی نصیحت

﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ [البقرة : ١٣١، ١٣٢]

''جب اس سے اس کے رب نے کہا فرماں بردار ہو جا، اس نے کہا میں جہانوں کے رب کے لیے فرماں بردار ہوگیا۔ اور اسی کی وصیت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب نے بھی۔ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمھارے لیے یہ دین چن لیا ہے، تو تم ہرگز فوت نہ ہونا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو۔''

اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے لیے اپنے مسلم (فرماں بردار) ہونے کا اقرار کیا اور وجہ بھی ذکر فرمائی کہ رب العالمین ہونے کی وجہ سے یہ حق اسی کا ہے۔ اگلی آیت میں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو ''دینِ اسلام'' پر قائم رہنے کی نصیحت کی، جس کے علاوہ اللہ کے نزدیک کوئی دین قابل قبول نہیں۔

آیت مبارکہ کے الفاظ جو یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو نصیحت فرمائی یہ ہیں: ''اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے

تمھارے لیے یہ دین چن لیا ہے، تو تم ہرگز فوت نہ ہونا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو۔''

''الدِّيْنَ'' سے مراد یہاں اسلام ہے، کیونکہ پچھلی آیت میں ابراہیم علیہ السلام کے اسی دین کو اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ مسلم ہونے کی حالت میں فوت ہونا اسی وقت ممکن ہے جب بندہ ہر وقت مسلم یعنی تابع فرمان رہے، کبھی کوتاہی ہو تو فوراً توبہ کر لے، کیونکہ موت کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ انبیاء کو اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق آخری وقت مسلم ہونے کی بہت فکر رہتی تھی، کیونکہ اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

اگلی آیت میں اس مضمون کو قدرے وضاحت اور مختلف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [البقرۃ : ۱۳۳ تا ۱۳٤]

''یا تم موجود تھے جب یعقوب کو موت پیش آئی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بعد کس چیز کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے کہا ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے، جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے لیے فرماں بردار ہیں۔ یہ ایک امت تھی جو گزر چکی، اس کے لیے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمھارے لیے وہ جو تم نے کمایا اور تم سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔''

ان آیات میں بھی یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کی تردید ہے، جو اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی طرف منسوب کر کے کہا کرتے تھے کہ ان کا دین بھی یہودیت، نصرانیت یا بت پرستی تھا۔ قرآن نے بتایا کہ تم ان بزرگوں پر بہتان باندھ رہے ہو، ان کا دین بھی یہی اسلام تھا، جس میں توحید اور اخلاص کی تعلیم دی گئی ہے۔ یہود و نصاریٰ پر حجت تمام کرنے کے لیے یعقوب علیہ السلام کی وصیت بیان کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹوں کو مرنے سے پہلے دین (اسلام) پر چلنے کی وصیت کی تھی، دوسرے مقام پر یہ وصیت ہر مومن کے نام بھی ہے۔

12
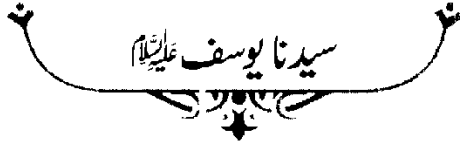
یوسف علیہ السلام کے قصے میں ہمارے لیے تسلی کا سامان

مکہ میں رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمانوں پر جس طرح اپنے ہی عزیزوں اور رشتہ داروں نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، آپ اس سے نہایت غم زدہ رہتے تھے۔ بعض اوقات اللہ کے حکم سے انھیں یہ بھی فرماتے کہ تم اگر میری بات نہیں مانتے تو تمھاری مرضی مگر اس قرابت کا تو خیال رکھو جو میرے اور تمھارے درمیان ہے، فرمایا: ﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ [الشورٰی : ۲۳] ''کہہ دے میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر رشتہ داری کی وجہ سے دوستی۔'' ایسے ہی کسی موقع پر سورۂ یوسف نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کے لیے تسلی کا بے حد سامان موجود ہے کہ دشمن خواہ جس حد تک چلا جائے، اپنے بھائی اور عزیز حسد میں انصاف اور انسانیت کی تمام حدیں پار کر جائیں، پھر بھی ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اس لیے آپ بے فکر رہیں۔ اس سورت میں کمال درجے کا غم، پھر اسی درجے یا اس سے بڑھ کر خوشی، انتہائی درجے کی بے بسی اور پھر کمال درجے کا اقتدار۔ نابینا کر دینے والی جدائی اور آنکھیں روشن کر دینے والی ملاقات کی خوش خبری، انتہائی درجے کی ہوس اور دعوتِ گناہ اور اس کے مقابلے میں حد درجے کی پاک دامنی، بے انتہا ظلم اور کمال درجے کی معافی، غرض عجیب وغریب واقعات اور مضامین ہیں جو غمگین بھی کرتے ہیں اور خوش بھی۔ اہلِ علم فرماتے ہیں اور تجربے سے بھی ثابت ہے کہ اس سورت کو اس کے معانی کا خیال کرکے پڑھنے والا غمگین اور ناامید شخص بھی خوش ہو جاتا ہے اور اللہ کی رحمت کی امید کا چراغ اس کے دل میں روشن ہو جاتا ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اکثر صبح کی نماز میں سورۂ یوسف کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن شداد کہتے ہیں، میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی ہچکیوں کے ساتھ رونے کی آواز سنی جب کہ میں صفوں کے آخر میں تھا، وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ [یوسف : ۸۶] ''(یعقوب علیہ السلام نے کہا) میں تو اپنی ظاہر ہونے والی بے قراری اور اپنے غم کی شکایت صرف اللہ کی جناب میں کرتا ہوں۔'' [بخاري، قبل الحديث: ۷۱۶]

اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کے لیے دل کی تسلی کا بہت سا سامان موجود ہے کہ جس طرح کنویں میں پھینکنے

والے بھائی یوسف علیہ السلام کے تقویٰ اور صبر کے نتیجے میں اللہ غالب کے نظر نہ آنے والے اسباب کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک دن ان کے سامنے جھک کر معافی کے خواستگار ہوئے، آپ ﷺ کے یہ اعزہ واقارب بھی اسی طرح ایک دن آپ کے سامنے عاجزی سے کھڑے ہوں گے اور صاف لفظوں میں آپ کی برتری تسلیم کریں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ فتح مکہ کے بعد کفارِ قریش آپ کے سامنے جمع کیے گئے تو آپ نے ان سے سوال کیا کہ تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟ میں تمھارے ساتھ کیسا برتاؤ کروں؟ انھوں نے کہا کہ آپ ہمارے کریم النفس بھائی ہیں اور کریم النفس بھائی کے بیٹے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آج تمھیں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ آج تم پر کوئی پابندی نہیں، جاؤ! تم سب آزاد ہو۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ سورۂ یوسف میں بیان کیا ہے۔ اس کے مرکزی مضامین بھی وہی ہیں جو مکی سورتوں کا خاصہ ہیں۔ یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دینا اور نبی کریم ﷺ کی ہمت افزائی کرنا اور انھیں تسلی دینا کہ انبیائے کرام ہمیشہ ہی آزمائش سے گزر کر اپنی دعوت میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ احسن القصص ہے

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴾
[یوسف : ۳]

”ہم تجھے سب سے اچھا بیان سناتے ہیں، اس واسطے سے کہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن وحی کیا ہے اور بے شک تو اس سے پہلے یقیناً بے خبروں سے تھا۔“

قرآن کریم کی اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے جو واقعہ بیان کیا ہے اسے ”**اَحْسَنَ الْقَصَصِ**“ اس لیے کہا ہے کہ اس کا انداز نہایت ہی بلیغ اور اس کا اسلوب غایت درجہ فصیح ہے اور اس مضمون میں جو خبریں بیان کی گئی ہیں وہ بالکل سچی ہیں اور جو نصیحتیں اور علم وحکمت کے موتی اس میں بکھرے پڑے ہیں وہ بڑے کام کے اور بڑے ہی قیمتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ اس واقعہ سے متعلق وحی نازل ہونے سے پہلے کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اسی عدم علم کو یہاں آپ کی عظمت شان کے پیش نظر ”غفلت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کا خواب

﴿ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴾
[یوسف : ٤]

”جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! بے شک میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو

دیکھا ہے، میں نے انھیں دیکھا کہ مجھے سجدہ کرنے والے ہیں۔‘‘

یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے اپنا خواب اس لیے بیان کیا کہ وہ ان کے کمال علم کے معتقد تھے اور ان کی شفقت پدری اپنے لیے عیاں پاتے تھے، تو انھیں اپنا سب سے زیادہ خیر خواہ سمجھتے ہوئے ان سے اپنا خواب بیان کیا۔ یہاں گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور شمس و قمر سے مراد ان کے ماں باپ ہیں، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ اس خواب کے کئی سال بعد جب اللہ تعالیٰ نے ملک مصر میں ان کے والدین اور بھائیوں کو جمع کیا تو یوسف علیہ السلام کی تعظیم میں سب نے ان کے سامنے سجدہ کیا، جو یعقوب علیہ السلام کے دین میں جائز تھا۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کو خواب مخفی رکھنے کا حکم

﴿قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾

[يوسف : ٥]

’’اس نے کہا اے میرے چھوٹے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، ورنہ وہ تیرے لیے تدبیر کریں گے،کوئی بری تدبیر۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔‘‘

یعقوب علیہ السلام نے خواب سے اندازہ لگا لیا کہ ان کا یہ بیٹا عظیم شان و شوکت کا حامل ہوگا، اس لیے انھیں اندیشہ ہوا کہ یہ خواب سن کر اس کے دوسرے بھائی بھی اس کی عظمت کا اندازہ کر کے کہیں اسے نقصان نہ پہنچائیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے یہ خواب بیان کرنے سے منع فرما دیا، کیونکہ شیطان انسان کا بڑا کھلا دشمن ہے، اس کی پوری کوشش ہوگی کہ ان کے بھائیوں کو ان کے خلاف اکسائے اور انھیں کسی ایسی بات پر آمادہ کرے جو یوسف علیہ السلام کے لیے نقصان دہ ہو۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ خوابوں سے متعلق چند مسائل

یعقوب علیہ السلام نے اس لیے خواب بیان کرنے سے منع فرمایا تھا کہ کہیں حسد کی وجہ سے اس کے بھائی اسے کوئی نقصان نہ پہنچائیں اور یعقوب علیہ السلام کا یہ اندیشہ بعد میں صحیح ثابت ہوا، ورنہ اچھا خواب بیان کرنا منع نہیں ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے بعض خواب صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیان فرمائے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پسندیدہ اور ناپسندیدہ خوابوں سے متعلق احکام و مسائل بیان فرما دیے ہیں، سیدنا ابو رزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’خواب کی تعبیر جب تک نہ لی جائے، وہ (گویا) پرندے کے پاؤں پر ہے، ہاں جب اس کی تعبیر بیان ہو جائے تو پھر وہ واقع ہو جاتا ہے۔‘‘

[أبو داوٗد، كتاب الأدب، باب في الرؤيا : ٥٠٢٠۔ ترمذي، كتاب الرؤيا، باب ما جاء في تعبير الرؤيا : ٢٢٧٨]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ’’جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جسے وہ پسند کرتا ہو تو وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، سو وہ اس پر اللہ کی حمد کرے اور اسے بیان کر

دینا چاہیے، لیکن اگر کوئی اس کے برعکس کوئی ایسا خواب دیکھتا ہے جو اسے ناپسند ہے تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، سو وہ اس کے شر سے پناہ مانگے اور کسی سے ایسے خواب کا ذکر نہ کرے، تو یہ خواب اسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔'' [بخاري، كتاب التعبير، باب الرؤيا من الله : ٦٩٨٥]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعتیں ادا کرے اور کسی کو خواب کے متعلق نہ بتائے تو یہ اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔'' [مسند الحميدى : ٤٨٤/٢، ح : ١١٤٥]

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہوتا ہے۔'' [بخاري، كتاب التعبير، باب الرؤيا الصالحة جزء من ستة و أربعين جزءا من النبوة : ٦٩٨٧]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: ''نبوت میں سے صرف اب مبشرات باقی رہ گئی ہیں۔'' صحابہ نے پوچھا، مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اچھے خواب۔'' [بخاري، كتاب التعبير، باب المبشرات : ٦٩٩٠]

یعقوب علیہ السلام نے بیٹے کو اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان کرنے سے منع کر دیا کیونکہ تعبیر ظاہر تھی اور یعقوب علیہ السلام نے مختصراً بیان بھی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں چنے گا۔ قدرتی طور پر جس شخص کو نعمت ملتی ہے اس پر حسد ہوتا ہے اور شیطان اس کمزوری کو استعمال کر کے بھائیوں اور دوستوں کے درمیان دشمنی پیدا کر دیتا ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر اپنے لشکروں کو (عالم میں فساد کرنے کے لیے) بھیجتا ہے اور از روئے مرتبہ اس کے زیادہ قریب وہ شیطان ہوتا ہے جو بڑا فساد بپا کرے۔ کوئی شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیے، تو شیطان کہتا ہے، تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کروا دی، تو شیطان اسے قریب کرتے ہوئے کہتا ہے، ہاں، تو نے بڑا کام کیا ہے۔'' راویٔ حدیث اعمش کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بلکہ وہ اسے سینے سے لگا لیتا ہے۔'' [مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان ...... الخ : ٢٨١٣/٦٧]

سیدنا یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر

﴿ وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ عَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ [يوسف : ٦]

''اور اسی طرح تیرا رب تجھے چنے گا اور تجھے باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے میں سے کچھ سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوب پر پوری کرے گا، جیسے اس نے اس سے پہلے وہ تیرے دونوں باپ دادا ابراہیم اور اسحاق

پر پوری کی۔ بے شک تیرا رب سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔‘‘

یعنی تمھارے اس عظیم خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنا نبی بنائے گا اور تمھیں تمھارے عہد کے تمام لوگوں پر فوقیت دے گا۔ انھیں تمھارے لیے اس طرح مسخر کر دے گا جس طرح تم نے ستاروں اور شمس و قمر کو اپنے سامنے سجدہ کرتے دیکھا ہے اور تمھیں تعبیر رؤیاء کا علم عطا فرمائے گا اور تمھیں بادشاہت کے ساتھ علم نبوت بھی دے گا اور ملک و نبوت کی نعمتیں تمھارے بھائیوں، تمھاری اولاد اور بعد میں آنے والی نسلوں کو بھی دے گا، جس طرح اس نے اس سے پہلے تمھارے دادا اسحاق اور پردادا ابراہیم علیہما السلام کو نبوت و رسالت اور دوسری بیش بہا نعمتوں سے نوازا تھا۔ اسحاق علیہ السلام کو نبوت دی اور یعقوب علیہ السلام جیسا بیٹا اور یوسف علیہ السلام جیسا پوتا عطا کیا اور ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور آگ سے نجات دی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’معزز، معزز کے بیٹے، معزز کے پوتے اور معزز ہی کے پڑپوتے یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں۔‘‘ [بخاري، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ﴿ أم کنتم شھداء إذ حضر یعقوب الموت ﴾ : ۳۳۸۲]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’یوسف علیہ السلام کو آدھا حسن دیا گیا تھا۔‘‘ [مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ إلی السماوات و فرض الصلوات : ۱۶۲]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’یوسف علیہ السلام اور ان کی والدہ کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا۔‘‘ [مستدرك حاکم : ۲/ ۵۷۰، ح : ۴۰۸۲]

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر کس طرح درود بھیجیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ تو بتا دیا ہے کہ (آپ پر) سلام کیسے بھیجیں۔ آپ نے فرمایا: ’’اس طرح کہا کرو: « اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ » ’’اے اللہ! درود بھیج محمد پر اور محمد کی آل پر، جس طرح تو نے درود بھیجا ابراہیم پر اور ابراہیم کی آل پر، یقیناً تو تعریف والا، بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما محمد پر اور محمد کی آل پر، جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم پر اور ابراہیم کی آل پر، یقیناً تو تعریف والا، بزرگی والا ہے۔‘‘ [بخاري، کتاب أحادیث الأنبیاء، بابٌ : ۳۳۷۰۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ بعد التشھد : ۴۰۶]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ لوگوں میں زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ’’جس کے دل میں اللہ کا ڈر سب سے زیادہ ہو۔‘‘ انھوں نے کہا، ہمارا مقصود یہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ’’پھر سب لوگوں میں زیادہ بزرگ یوسف علیہ السلام ہیں، جو خود نبی تھے، جن کے والد نبی تھے، جن کے دادا نبی تھے، جن کے پردادا

نبی خلیل اللہ تھے۔'' انھوں نے کہا، ہم یہ بھی نہیں پوچھتے۔ آپ نے فرمایا: ''پھر کیا تم عرب کے قبیلوں کی نسبت یہ سوال کرتے ہو؟'' انھوں نے کہا، جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''سنو! جاہلیت کے زمانے میں جو ممتاز اور شریف تھے، وہ اسلام لانے کے بعد بھی ویسے ہی شریف ہیں، جب کہ انھوں نے دین میں سمجھ حاصل کر لی ہو۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ﴿ أم كنتم شهداء إذ حضر يعقوب الموت ﴾ : ٣٣٧٤۔ مسلم ، كتاب الفضائل، باب من فضائل يوسف : ٢٣٧٨]

قصۂ یوسف علیہ السلام اور عبرت و نصیحت

﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ﴾ [يوسف : ٧، ٨]

''بلاشبہ یقیناً یوسف اور اس کے بھائیوں میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں تھیں۔ جب انھوں نے کہا یقیناً یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کے ہاں ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم ایک قوی جماعت ہیں۔ بے شک ہمارا باپ یقیناً کھلی غلطی میں ہے۔''

یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے اس قصہ کے بارے میں اہل مکہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی کوئی خبر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دینے کے لیے قرآن مجید میں یہ سورت نازل فرمائی۔ آپ نے اہل مکہ کے سامنے اس کی تلاوت کی تو وہاں کے لوگوں کو اس کا علم ہوا۔ برادرانِ یوسف نے آپس میں کہا کہ یوسف اور اس کا سگا بھائی بنیامین ہمارے باپ کی نگاہ میں ہم سے زیادہ محبوب ہیں، حالانکہ ہماری تعداد زیادہ ہے، ہم زیادہ طاقتور ہیں اور باپ کی زیادہ خدمت کر سکتے ہیں، اس لیے ہم ان دو چھوٹے بچوں سے زیادہ محبت کے حق دار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے باپ کی رائے بالکل ہی غلط اور بعید از عقل ہے۔ آیت میں مذکور الفاظ ''ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'' کا دوسرا معنی یہ بھی ہے کہ ان حقائق کے باوجود ہمارا باپ ان دونوں کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ بھائیوں کو حسد کی وجہ سے یہ سوچنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی کہ یوسف سے اس درجہ محبت کا سبب نجابت و سعادت مندی کے وہ آثار تھے جو ان میں نمایاں تھے اور وہ خواب تھا جو یوسف نے دیکھا تھا، جس کی خبر بھائیوں کو ہوگئی اور ان کی حسد کی آگ بھڑک اٹھی تو وہ ان کے خلاف سازش کرنے لگے۔ ان کا گمان تھا کہ جب وہ یوسف کو قتل کر دیں گے یا کسی ایسی نامعلوم جگہ میں اسے ڈال دیں گے جس کا علم ان کے باپ کو نہیں ہوگا اور نہ یوسف وہاں سے خود واپس آ سکے گا تو ان کا باپ یوسف کے بجائے انھیں اپنی پوری محبت دینے لگے گا اور وہ لوگ بعد میں اپنے گناہ سے اللہ کے سامنے تائب ہو جائیں گے۔

یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کی سازش

﴿ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآىِٕلٌ

فِيْهِمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴾ [یوسف : ۹، ۱۰]
''یوسف کو قتل کر دو، یا اسے کسی زمین میں پھینک دو، تمھارے باپ کا چہرہ تمھارے لیے اکیلا رہ جائے گا اور اس کے بعد تم نیک لوگ بن جانا۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اسے کسی اندھے کنویں میں پھینک دو، کوئی راہ چلتا قافلہ اسے اٹھا لے گا، اگر تم کرنے ہی والے ہو۔''

ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ شخص جو تمھارے باپ کی محبت میں تمھارے لیے رکاوٹ ہے، اسے رستے سے ہٹا دو تا کہ وہ صرف تمھاری طرف توجہ دینے لگے اور رستے سے ہٹانے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یا تو اسے قتل کر دو یا پھر اسے کسی جگہ پھینک دو، اس طرح تم اس سے نجات پا لو گے اور اپنے باپ کی توجہ کے مستحق بھی ٹھہرو گے۔

اس منصوبے کو سن کر ایک بھائی نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو، یوسف کا نام اس نے اس لیے لیا تھا کہ بھائیوں کو ان پر کچھ رحم آئے اور انھیں قتل نہ کریں۔ اس نے کہا کہ اگر تمھیں یوسف کو اس کے باپ سے جدا کرنے پر اصرار ہے تو تم لوگ اسے کسی اندھے کنویں میں پھینک دو، کوئی قافلہ وہاں سے گزرے گا اور پانی کے لیے جائے گا تو انھیں یوسف مل جائے گا، جسے وہ غلام بنا لیں گے اور اپنے ساتھ لے جائیں گے، اس طرح تمھارا مقصد حل ہو جائے گا کہ یوسف اپنے باپ کے پاس دوبارہ نہیں آ سکے گا۔ حسد ایک انتہائی قبیح بیماری ہے جس سے بچنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴾ [الفلق : ٥] ''اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔''

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو اور پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو، بلکہ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔'' [بخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر...... الخ : ٦٠٦٥]

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی

﴿ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴾ [یوسف : ۱۱]
''انھوں نے کہا اے ہمارے باپ! تجھے کیا ہے کہ تو یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتا، حالانکہ بے شک ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے قبل بھی برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کی ہو گی اور باپ نے انکار کر دیا ہو گا۔ یہ بھی پتا چلا کہ یعقوب علیہ السلام نے ان کی آنکھوں میں شر دیکھ لیا تھا اور بھانپ گئے تھے کہ وہ لوگ یوسف کے بارے میں کچھ اچھا نہیں سوچ رہے۔

یعقوب علیہ السلام کا خدشہ

﴿ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴾ [يوسف : ١٢، ١٣]

''اسے کل ہمارے ساتھ بھیج کہ چرے چگے اور کھیلے کودے اور بے شک ہم ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس نے کہا بے شک میں، یقیناً مجھے یہ بات غمگین کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو۔''

کھیل اور تفریح کا رجحان انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسی لیے جائز کھیل اور تفریح پر اللہ تعالیٰ نے کسی بھی زمانے میں پابندی عائد نہیں کی۔ اسلام میں بھی کھیلوں کی اجازت ہے، لیکن مشروط، یعنی ایسے کھیل اور تفریح جائز ہیں جن میں شرعی قباحت نہ ہو، یا محرمات تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنیں۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے بھی کھیل کود کی حد تک کوئی اعتراض نہیں کیا، البتہ یہ خدشہ ظاہر کیا کہ تم کھیل کود میں مدہوش ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا کھا جائے، کیونکہ وہاں کھلے میدانوں اور صحراؤں میں بھیڑیے عام تھے۔

﴿ قَالُوْا لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴾ [يوسف : ١٤]

''انھوں نے کہا واقعی اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، حالانکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں تو بلاشبہ ہم اس وقت یقیناً خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔''

باپ کو یقین دلایا جا رہا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اتنے بھائیوں کی موجودگی میں بھیڑیا یوسف کو کھا جائے۔ الغرض! برادران یوسف کی ساری منصوبہ سازی دھوکا دہی اور دغا بازی پر مشتمل تھی، جس کی دین اور اخلاق نفی کرتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں اور جو ہم سے دغا بازی کرے وہ بھی ہم میں سے نہیں۔'' [مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ : من غشنا فليس منا : ١٠١]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے، اس میں اپنا دست مبارک ڈالا تو انگلیوں کو کچھ تری محسوس ہوئی۔ آپ نے غلہ کے مالک سے دریافت فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' اس نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! بارش کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر اس بھیگے ہوئے کو اوپر کیوں نہ کر دیا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے، جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔'' [مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ : من غشنا فليس منا : ١٠٢]

یوسف علیہ السلام کو کنویں میں گرانا اور اللہ تعالیٰ کی یوسف علیہ السلام کو تسلی

﴿ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ١ۚ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ [یوسف : ۱۵]

''پھر جب وہ اسے لے گئے اور انھوں نے طے کرلیا کہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دیں اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو ضرور ہی انھیں ان کے اس کام کی خبر دے گا، اس حال میں کہ وہ سوچتے نہ ہوں گے۔''

مطلب یہ ہے کہ جب اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق انھوں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی تسلی اور حوصلے کے لیے وحی کی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تیری حفاظت ہی نہیں کریں گے بلکہ تجھے ایسے بلند مقام پر فائز کریں گے کہ یہ بھائی بھیک مانگتے ہوئے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ پھر تو انھیں بتائے گا کہ تم نے اپنے ایک بھائی کے ساتھ اس طرح کا سنگ دلانہ معاملہ کیا تھا جس کو سن کر وہ حیران اور پشیمان ہو جائیں گے۔ یوسف علیہ السلام اس وقت اگرچہ بچے تھے، لیکن جو بچے نبوت پر سرفراز ہونے والے ہوں، ان پر بچپن ہی میں وحی آ جاتی ہے، جیسے عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام وغیرہ پر آئی، یا وحی سے مراد الہام ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ﴾ [القصص : ۷] ''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا۔''

برادرانِ یوسف کا اپنے باپ کے ساتھ فریب

﴿ وَ جَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴾ [یوسف : ۱٦]

''اور وہ اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے آئے۔''

انھوں نے اپنے باپ کو دھوکا دینے کے لیے یہ عذر پیش کیا تھا، تاکہ انھیں یقین ہو جائے کہ یوسف اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور آہستہ آہستہ ان کے دل سے یوسف کی محبت نکل جائے اور ان کے بھائیوں کو پوری محبت دینے لگیں۔ رات کے وقت یعقوب علیہ السلام کے پاس اس لیے آئے کہ دن کی روشنی میں ان کی جھوٹی معذرت کا بھرم نہ کھل جائے اور ان کی آنکھوں میں جھوٹ کو نہ پڑھ لیں اور رو کر انھوں نے یہ باور کرانا چاہا کہ یوسف سے انھیں بے حد محبت تھی، تاکہ یعقوب علیہ السلام کے دل میں ان کے بارے میں کوئی شبہ نہ گزرے۔

برادرانِ یوسف نے روتے ہوئے باپ کو بتایا کہ ہم دوڑ کے مقابلے میں آگے نکل گئے اور یوسف کو سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے تو یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔

﴿ قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ١ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴾ [یوسف : ۱۷]

’’کہا اے ہمارے باپ! بے شک ہم دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلتے چلے گئے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تو اسے کوئی بھیڑیا کھا گیا اور تو ہرگز ہمارا اعتبار کرنے والا نہیں، خواہ ہم سچے ہوں۔‘‘

یعنی جیسا کہ آپ ڈر رہے تھے، جب ہم آپس میں دوڑ کا مقابلہ کر رہے تھے اور یوسف ہمارے کپڑوں اور کھانے پینے کے سامان کے پاس بیٹھا تھا، واقعی بھیڑیا آیا اور اسے کھا گیا اور ہم جانتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے نزدیک ثقہ اور اہل صدق ہوتے، تب بھی یوسف کے معاملے میں آپ ہماری بات کی تصدیق نہ کرتے، اب تو ویسے ہی ہماری حیثیت متہم اور مشکوک افراد کی سی ہے، اب آپ کس طرح ہماری بات کی تصدیق کریں گے؟

مکروفریب اور سازش کو سچ ثابت کرنے کے لیے ایک تدبیر

انھوں نے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے ایک اور چال یہ چلی کہ وہ یوسف علیہ السلام کی قمیص کو جھوٹا خون لگا کر لے آئے۔

﴿وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ [یوسف : ۱۸]

’’اور وہ اس کی قمیص پر ایک جھوٹا خون لگا لائے۔ اس نے کہا بلکہ تمھارے لیے تمھارے دلوں نے ایک کام مزین بنا دیا ہے، سو (میرا کام) اچھا صبر ہے اور اللہ ہی ہے جس سے اس پر مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔‘‘

انھوں نے یوسف علیہ السلام کی قمیص کو ایک بکرے کے خون سے لت پت کر دیا اور اسے اپنے باپ کے سامنے رکھ کر کہا کہ یہ دیکھیے یوسف کی قمیص، جو اس کے ہلاک ہو جانے کے بعد ہمیں ملی ہے، لیکن یعقوب نے ان کی بات نہ مانی اور کہا کہ یہ کہانی تم نے اپنی طرف سے گھڑی ہے۔ تمھارے کہنے کے مطابق تو بھیڑیا بڑا ہی عقل مند تھا کہ یوسف کو کھا گیا اور اس کی قمیص کو نہیں پھاڑا۔ اب میرے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ اللہ کی تقدیر پر صبر جمیل سے کام لوں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں کہ وہ تمھارے جھوٹ کا پردہ فاش کر دے اور یوسف کا صحیح سالم زندہ پایا جانا ظاہر کر دے۔

مذکورہ آیت میں جھوٹ موٹ کا خون جو یوسف کا خون نہیں تھا، اپنے مکر و فریب اور سازش کو سچ ثابت کرنے کے لیے انھوں نے یہ ایک تدبیر کی تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے جھوٹ کو نفاق کی علامتوں میں شمار کیا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ کہے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کو امانت دی جائے تو خیانت کرے۔‘‘ [بخاري، كتاب الإيمان، باب علامات المنافق : ۳۳۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق : ۵۹]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ

ہوں وہ خالص منافق ہوتا ہے اور جس شخص میں ان خصلتوں میں سے کوئی ایک ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہو گی، یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ (وہ یہ کہ) جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ کہے، جب عہد کرے تو توڑ ڈالے اور جب جھگڑے تو بدزبانی کرے۔'' [بخاري، كتاب الإيمان، باب علامات المنافق : ٣٤ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق : ٥٨]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور آگ کی طرف لے جاتے ہیں۔'' [بخاري، كتاب الأدب، باب قول الله تعالى : ﴿ يأيها الذين امنوا اتقوا الله ...... الخ ﴾ : ٦٠٩٤ـ مسلم، كتاب البر والصلة، باب قبح الكذب و حسن الصدق : ١٠٥ / ٢٦٠٧]

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا صبر جمیل کا مظاہرہ

یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے اس اقدام پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمھاری اس سازش پر، جس پر تم سب متفق ہو گئے ہو، صبر جمیل کا مظاہرہ کروں گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے میرے اس غم و اندوہ کو دور فرما دے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے واقعۂ افک بیان کرتے ہوئے فرمایا، اگر میں تمھیں کہوں کہ میں اس جرم سے بری ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں واقعی بری ہوں، تو تم نہیں مانو گے اور اگر میں اس معاملے کا اعتراف کر لوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو تم اس اعتراف کو سچ جانو گے۔ واللہ! میری اور تمھاری مثال یوسف علیہ السلام کے باپ کی سی ہے کہ انھوں نے فرمایا تھا: ﴿ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ﴾ ''سو (میرا کام) اچھا صبر ہے اور اللہ ہی ہے جس سے اس پر مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔'' [بخاري، كتاب الشهادات، باب تعديل النساء بعضهن بعضًا : ٢٦٦١ـ مسلم، كتاب التوبة، باب في حديث الإفك : ٢٧٧٠]

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کے معاملے پر تعجب ہے کہ اس کے لیے اس کے ہر معاملہ میں خیر ہی ہے اور مومن کے سوا کسی دوسرے شخص کو یہ سعادت حاصل نہیں۔ (وہ اس طرح کہ) اگر اسے خوشی نصیب ہو تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔'' [مسلم، كتاب الزهد، باب المؤمن أمره كله خير : ٢٩٩٩]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے روکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے ہاتھ پھیلانے سے بچا لیتے ہیں اور جو شخص بے نیازی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے غنا عطا فرما دیتے ہیں اور جو شخص صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں اور کسی کو بھی صبر سے زیادہ بہتر اور اس سے زیادہ بے پایاں خیر نہیں ملی (یعنی یہ سب سے بڑی نعمت ہے)۔'' [بخاري، كتاب الزكاة، باب الاستعفاف عن المسئلة : ١٤٦٩ـ مسلم، كتاب الزكاة، باب فضل التعفف : ١٠٥٣]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مومن جو لوگوں سے گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل جول ہی نہیں رکھتا اور ان کی تکلیف دہ باتوں پر صبر نہیں کرتا۔'' [الأدب المفرد للبخاري : ۳۸۸۔ السلسلة الصحيحة : ۹۲۹۔ ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء : ۴۰۳۲]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو اپنے (فوت شدہ) بچے پر رو رہی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ سے ڈر اور صبر کر۔'' تو وہ عورت کہنے لگی کہ آپ کو میری سی مصیبت نہیں پہنچی (اس لیے آپ یہ کہہ رہے ہیں)، تو جب آپ چلے گئے تو عورت سے کہا گیا کہ بے شک وہ (کہنے والے) اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے تو اسے موت کے برابر صدمے نے آلیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گئی اور کہنے لگی، اے اللہ کے رسول ! میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا: '' بے شک صبر تو صدمے کی ابتدا کے وقت ہوتا ہے۔'' [مسلم، كتاب الجنائز، باب في الصبر على المصيبة عند صدمة الأولى : ۹۲۶/۱۵۔ بخاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور : ۱۲۸۳]

سیدنا یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نکال کر فروخت کیا جانا

کنویں میں پھینکے جانے کے بعد یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ احسان ہوا کہ ایک قافلہ جو مصر کی طرف جا رہا تھا، ان کی توجہ کنویں سے پانی لانے کی طرف ہوگئی اور اس طرح یوسف علیہ السلام کو باہر نکلنے کا موقع مل گیا۔

﴿وَ جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ [يوسف : ۱۹]

''اور ایک راہ چلتا قافلہ آیا تو انھوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا، سو اس نے اپنا ڈول لٹکایا۔ کہا، اوہ! خوشخبری ہو! یہ ایک لڑکا ہے۔ اور انھوں نے اسے سامان تجارت بنا کر چھپا لیا اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو وہ کر رہے تھے۔''

ایک قافلہ جو شام سے مصر کی طرف جا رہا تھا، وہ وہاں سے گزرا اور کنویں کے آس پاس پڑاؤ ڈالا۔ قافلہ والوں کے لیے پانی مہیا کرنا جن افراد کی ذمہ داری تھی، انھوں نے جب اپنا ڈول کنویں میں ڈالا، تو یوسف نے اسے پکڑ لیا۔ انھوں نے جھانک کر دیکھا تو وہ ایک لڑکا تھا۔ بہت خوش ہوئے اور یوسف کو سامان تجارت بنا لیا اور قافلہ والوں سے کہا کہ ہم نے کنویں والوں سے اسے خریدا ہے۔ انھی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ نے آیت کے آخر میں دھمکی کے طور پر فرمایا کہ یوسف کے ان تمام حالات سے گزرنے کا جو لوگ سبب تھے، اللہ انھیں خوب جانتا ہے کہ کس طرح انھوں نے کریم بن کریم بن کریم بن کریم کو طوق غلامی پہنا دیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسول محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ تسلی دے رہا ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کی قوم آپ

کے درپے آزار ہے اور میں ان کی تمام سازشوں کو ناکام بنا دینے پر قادر ہوں، لیکن میں نے کچھ وقت کے لیے انھیں مہلت دے رکھی ہے، جبکہ انجام کار آپ کو ان کے مقابلے میں اسی طرح کامیابی و کامرانی اور حکومت نصیب ہو گی، جس طرح میں نے یوسف کو ان کے بھائیوں کے مقابلے میں کامیابی و کامرانی اور حکومت سے سرفراز کیا تھا۔

قافلے والوں نے کنویں سے نکالنے کے بعد معمولی قیمت کے عوض فروخت کر دیا۔

﴿وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَ كَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ﴾ [یوسف : ۲۰]

''اور انھوں نے اسے تھوڑی قیمت، چند گنے ہوئے درہموں میں بیچ دیا اور وہ اس میں رغبت نہ رکھنے والوں سے تھے۔''

کہتے ہیں کہ تاجروں کا وہ قافلہ مدین سے آیا تھا۔ ان کی ملاقات ایک دوسرے قافلے سے ہوئی جو مصر جا رہا تھا۔ انھوں نے یوسف کو اس قافلہ والوں کے ہاتھ صرف بیس درہم میں بیچ دیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ مستقبل کے کس عظیم انسان کو بیچ رہے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے قیمت کی پروا کیے بغیر چند ٹکوں میں بیچ دیا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام مصر میں

سیدنا یوسف علیہ السلام فروخت ہو کر مصر پہنچ گئے، جس شخص نے آپ کو خریدا تھا اس کے طرز عمل کے بارے میں قرآن مجید یہ تفصیلات نقل کرتا ہے:

﴿وَ قَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۚ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۫ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۚ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [یوسف : ۲۱، ۲۲]

''اور جس شخص نے اسے مصر سے خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا اس کی رہائش باعزت رکھ، ہو سکتا ہے کہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ دی اور تاکہ ہم اسے باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھائیں اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے بڑا حکم اور بڑا علم عطا کیا اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔''

اللہ کا لطف و کرم ہر وقت یوسف علیہ السلام کے شامل حال رہا۔ پہلے بے رحم بھائیوں کے پنجے سے نکالا، پھر کنویں سے نکال کر نئی زندگی دی اور اب اس کا لطف خاص دیکھیے کہ مصر کے خزانوں کا وزیر (عزیز مصر) انھیں خرید کر اپنے گھر لایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کے کھانے پینے اور اس کی رہائش کا اچھا انتظام کرو، تاکہ ہم سے جلدی مانوس ہو جائے اور اپنے آپ کو اپنوں کے درمیان محسوس کرنے لگے، کیونکہ مجھے امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا، یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں گے۔ یوسف کے ساتھ شروع سے لے کر اب تک جو کچھ ہوا، اللہ کی مرضی سے ہوا اور اس لیے ہوا کہ اللہ انھیں عزیز مصر

کے گھر پہنچا دے۔ پھر وہ کچھ واقع ہوا جو عزیز مصر کی بیوی کی جانب سے ہوا۔ یوسف جیل جائیں اور اللہ انھیں خواب کی تعبیر سکھائے اور پھر وہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتا کر وزارت کی کرسی پر پہنچ جائیں، یہ اللہ کا فیصلہ تھا جسے بہر حال ہونا تھا، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت پر یقین نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں کوئی دخل انداز نہیں ہو سکتا۔ اگلی آیت میں فرمایا کہ یوسف جب جوان ہو گئے تو اللہ نے انھیں حاکم مصر بنا دیا اور عقل و فہم اور فقہ و نبوت سے نوازا۔ آیت کے آخری حصے ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ میں اگرچہ ہر بھلائی کرنے والے کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ انھیں اچھا بدلا دے گا، لیکن یہاں مقصود نبی کریم ﷺ ہیں کہ انھیں اللہ مشرکینِ مکہ سے نجات دے گا اور ان پر غلبہ عطا کرے گا۔

عزیز کی بیوی کی سیدنا یوسف علیہ السلام سے محبت اور ان سے فریب کاری

﴿ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ [یوسف : ۲۳]

”اور اس عورت نے، جس کے گھر میں وہ تھا، اسے اس کے نفس سے پھسلایا اور دروازے اچھی طرح بند کر لیے اور کہنے لگی جلدی آ۔ اس نے کہا اللہ کی پناہ، بے شک وہ میرا مالک ہے، اس نے میرا ٹھکانا اچھا بنایا۔ بلاشبہ حقیقت یہ ہے کہ ظالم فلاح نہیں پاتے۔“

اس آیت میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ عزیز مصر کے گھر میں جو کچھ پیش آیا اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ عزیز مصر کی بیوی نے یوسف سے فعل بد کا مطالبہ کیا۔ اس عورت کے نام کی صراحت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں موجود نہیں ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کی بیوی کہنے کے بجائے یہ فرمایا کہ یوسف کو گناہ پر اس عورت نے اکسایا جس کے گھر میں وہ رہتے تھے، تاکہ اندازہ لگایا جا سکے کہ یوسف کے لیے وہ کتنی مشکل گھڑی تھی اور وہ عفت و پاکدامنی کی کس بلندی کو چھو رہے تھے کہ اس گھر میں رہنے کی وجہ سے عزیز مصر کی بیوی کا بار بار سامنا ہوتا رہا ہو گا اور وہ اپنے حسن و جمال کا مظاہرہ کرتی رہی ہو گی، تاکہ انھیں اپنی ذات میں دلچسپی لینے پر اکسائے، لیکن یوسف علیہ السلام پر ان تمام ہتھکنڈوں کا رائی کے دانے کے برابر بھی اثر نہیں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ایسا کرنے سے پہلے شدت خوف اور حد درجہ احتیاط کی وجہ سے سات دروازے بند کیے، تاکہ وہاں تک کسی کے پہنچنے کا گمان بھی نہ ہو سکے۔ یوسف کی پاکدامنی کی یہ بھی ایک عظیم دلیل ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے انسانوں سے خوف کھانے کا ایک بھی عذر باقی نہیں رکھا تھا، اس کے باوجود ان کے دل میں گناہ کا خیال تک نہیں گزرا۔ یوسف نے اس کے جواب میں کہا کہ میں تمھاری اس دعوت گناہ سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اس لیے کہ یہ تو زنا، جرم عظیم، امانت میں خیانت اور محسن کشی ہے۔ اور اس عورت کو اس گناہ عظیم سے باز رکھنے کے لیے اس خیانت کی شدید ترین قباحت بیان کرتے ہوئے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ مجھے کس کی

خیانت پر ابھار رہی ہو؟ وہ میرا آقا عزیز مصر ہے جس نے ہر طرح میرا خیال کیا ہے، تو اب میرے لیے یہ کس طرح مناسب ہے کہ اس کی عزت سے کھیلوں۔ ایک تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ درج بالا آیت میں مذکور لفظ "اِنَّهٗ" کی ضمیر اللہ کے لیے ہے۔ یعنی میرے رب نے تو مجھ پر بڑا احسان کیا ہے، مجھے نئی زندگی دی اور عزیز مصر کے پاس پہنچا کر میری تمام پریشانیوں کو دور کر دیا ہے، اگر میں نے ایسا کیا تو ظالم ہوں گا اور ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ (اس دن) اپنے سائے تلے جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا، ① عادل بادشاہ۔ ② وہ جوان جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری۔ ③ وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا رہتا ہے (کہ کب اذان ہو اور وہ پھر مسجد میں جائے)۔ ④ وہ دو شخص جو آپس میں محض اللہ کے لیے محبت رکھتے ہوں، اسی پر ملتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں۔ ⑤ وہ شخص جو صدقہ دیتا ہے اور اسے اس قدر پوشیدہ رکھتا ہے کہ دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر بائیں ہاتھ کو نہیں ہوتی۔ ⑥ وہ شخص جسے کوئی جاہ و منصب والی اور صاحب حسن و جمال عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ ⑦ وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور پھر اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔'' [بخاري، كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلوٰة و فضل المساجد : ٦٦٠۔ مسلم ، كتاب الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة : ١٠٣١]

عزیز مصر کی بیوی کے غلط راستے پر چل نکلنے کا ایک باعث اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی نافرمانی بھی تھی کہ کوئی عورت کسی غیر محرم کے ساتھ اکیلی نہ ہو ورنہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوگا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ جائے، سوائے محرم کے۔'' [بخاري، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم : ٥٢٣٣]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بھی کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے خلوت اختیار کرتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔'' [مسند أحمد : ٢٦/١، ح : ١٧٨۔ ترمذي، كتاب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة : ٢١٦٥۔ ابن حبان : ٤٥٧٦]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے اسی وصف کو بیان کرتے ہوئے عورتوں سے فرمایا: ''میں نے تم سے زیادہ ناقص عقل اور ناقص دین ہونے کے باوجود کسی عقل مند شخص کی عقل کو گم کر دینے والا کسی کو نہیں دیکھا۔'' [مسند أحمد : ٦٦/٢، ٦٧، ح : ٥٣٤٢]

امام بخاری رحمہ اللہ نے عکرمہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ حورانی زبان کے الفاظ ہیں، جو ''هَلُمَّ'' یعنی آیئے کے معنی میں ہیں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ وراودته التي هو...... الخ ﴾، قبل الحديث : ٤٦٩٢]

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے گناہ سے بچنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ [يوسف : ٢٤]

’’اور بلاشبہ یقیناً وہ اس کے ساتھ ارادہ کر چکی تھی اور وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادہ کر لیتا اگر یہ نہ ہوتا کہ اس نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی۔ اسی طرح ہوا تا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں۔ بے شک وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں سے تھا۔‘‘

آیت مذکور میں ’’بُرْهَانَ‘‘ کے معانی

اس آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے جب دروازے بند کر کے یوسف کو دعوت گناہ دی، تو اس نے یوسف کے ساتھ بدکاری کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اور اگر یوسف علیہ السلام نے بھی اپنے رب کے برہان کا ایمانی مشاہدہ نہ کیا ہوتا اور زنا کی قباحت و شناعت ان کے دل و دماغ میں اس حد تک نہ بیٹھی ہوتی کہ گویا وہ اس کی بدترین شکل کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے تو وہ بھی ایسا ہی ارادہ کر لیتے، لیکن ان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہی نہیں۔

’’هَمَّ بِهَا‘‘ سے مراد

عربی زبان میں ’’هَمَّ‘‘ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے، ایک ایسا قصد و ارادہ جس کے ساتھ گناہ کے کر گزرنے کا عزم ہو اور دل سے ایسا کرنا چاہتا ہو اور دوسرا وہ خیال جو انسان کے ذہن میں پیدا تو ہو لیکن اس کے کر گزرنے کا عزم نہ پایا جائے، ایسے خیال پر انسان کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ لیتا ہوں اگر وہ اس پر عمل نہ کرے، جب وہ عملاً نیکی کر لیتا ہے تو میں اسے دس گنا لکھتا ہوں اور جب کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا تو میں اس سے درگزر فرماتا ہوں اور جب وہ عملاً برائی کر لیتا ہے تو میں ایک ہی برائی کا گناہ لکھتا ہوں۔‘‘

[مسند أحمد : ٣١٥/٢، ح : ٨١٨٦۔ بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى : ﴿ يريدون أن يبدلوا كلام الله ﴾ : ٧٥٠١۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت ...... : ١٢٩]

عورت کا یوسف علیہ السلام کے پیچھے بھاگنا

﴿ وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا

اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [یوسف : ۲۵]

''اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے کے پاس پایا، اس عورت نے کہا کیا جزا ہے اس کی جس نے تیری گھر والی کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک سزا ہو۔''

جب یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عورت برائی کے ارتکاب پر مصر ہے، تو وہ باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف دوڑے، یوسف علیہ السلام کے پیچھے انھیں پکڑنے کے لیے عورت بھی دوڑی۔ یوں دونوں دروازے کی طرف لپکے اور دوڑے۔ یوسف جب بھاگ رہے تھے تو عزیز مصر کی بیوی نے پیچھے سے ان کی قمیص پکڑ لی اور کھینچنے کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی۔ جب دونوں دروازے پر پہنچے تو عزیز مصر کو آتا دیکھا، عورت نے فوراً پینترا بدلا اور کہا کہ جو آدمی تمھاری بیوی کے ساتھ برائی کی نیت کرے اسے یا تو جیل میں ڈال دینا چاہیے، یا کوئی اور سخت سزا دینی چاہیے۔

دانشمندانہ فیصلہ

سیدنا یوسف علیہ السلام اب تک خاموش تھے، مگر تہمت کے بعد خاموش رہنے کا مطلب اس الزام کو قبول کرنا تھا، اس لیے یوسف علیہ السلام نے اپنی صفائی پیش کرنا ضروری سمجھا۔ فرمایا اسی نے مجھے میرے نفس سے پھسلایا ہے۔

﴿ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴾ [یوسف : ۲٦ تا ۲۸]

''اس (یوسف) نے کہا اسی نے مجھے میرے نفس سے پھسلایا ہے اور اس عورت کے گھر والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر اس کی قمیص آگے سے پھاڑی گئی ہو تو عورت نے سچ کہا اور یہ جھوٹوں سے ہے۔ اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑی گئی ہو تو عورت نے جھوٹ کہا اور یہ سچوں سے ہے۔ تو جب اس نے اس کی قمیص دیکھی کہ پیچھے سے پھاڑی گئی ہے تو اس نے کہا یقیناً یہ تم عورتوں کے فریب سے ہے، بے شک تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے۔''

یوسف علیہ السلام نے اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ اسی نے مجھ سے گناہ کا مطالبہ کیا تھا، میں نے تو انکار کر دیا اور بھاگ پڑا۔ عزیز مصر کے لیے معاملہ کی حقیقت تک پہنچنا مشکل ہو گیا تو یوسف کی براءت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے ایک رشتہ دار بچے کو جو ابھی گود میں تھا، قوت گویائی دی۔ اس نے کہا کہ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی

ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے، لیکن اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا ہے۔ جب عزیز مصر نے دیکھا کہ قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو معاملے کی تہ تک پہنچ گیا کہ اس کی بیوی ہی نے یوسف کو گناہ پر مجبور کرنا چاہا تھا۔

''اس عورت کے گھر والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی'' اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ سے ایک حدیث بھی وارد ہوئی ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار بچے چھوٹی عمر میں بولے ہیں، ایک یہ (یعنی فرعون کی بیٹی کی کنگھی کرنے والی عورت کا بچہ)، دوسرا یوسف علیہ السلام کا گواہ، تیسرا جریج کا گواہ اور چوتھے بچے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہیں۔'' [مستدرك حاكم : ٢/ ٤٩٦، ٤٩٧، ح : ٣٨٣٥]

جب عزیز مصر کو تصدیق ہوگئی کہ دست اندازی کی کوشش اس کی بیوی کی ہی تھی تو اس نے کہا یہ تم عورتوں کے فریب سے ہے اور بے شک تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے۔ اسی حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے کوئی فتنہ ایسا نہیں چھوڑا جو عورتوں کے فتنہ سے زیادہ ضرر رساں ہو۔'' [بخاري، كتاب النكاح، باب ما يتقى من شؤم المرأة ...... الخ : ٥٠٩٦]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عورتو کی جماعت! میں نے تم سے زیادہ ناقص عقل اور ناقص دین ہونے کے باوجود کوئی نہیں دیکھا جو ذی عقل و شعور مرد کی عقل کو مار کر رکھ دے۔'' [بخاري، كتاب الزكاة، باب الزكاة على الأقارب : ١٤٦٢]

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے امور کسی عورت کے سپرد کر دیے۔'' [بخاري، كتاب المغازي، باب كتاب النبي ﷺ إلى كسرى و قيصر : ٤٤٢٥]

یوسف علیہ السلام کو پردہ پوشی کا حکم

حقیقت حال جان لینے کے بعد عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اے یوسف! اس معاملہ سے درگزر کرو اور اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے گناہ سے استغفار کر۔ قرآن مجید اس تفصیل کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴾ [يوسف : ٢٩]

''یوسف! اس معاملے سے درگزر کر اور (اے عورت!) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، یقیناً تو ہی خطا کاروں سے تھی۔''

عزیز مصر چونکہ معاملے کو پوری طرح سمجھ چکا تھا، اس لیے یوسف کے ساتھ نہایت نرمی کا اسلوب اختیار کیا اور کہا کہ اے یوسف! تمھارے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے اسے نظر انداز کر دو اور اس واقعے پر پردہ ڈال دو اور کسی سے بیان نہ

کرو۔ اس کے بعد اپنی بیوی سے مخاطب ہوا اور کہا کہ ساری غلطی تمھاری ہے، تم نے اس نوجوان کو ورغلانا چاہا تھا اور اب اس نوجوان پر تہمت دھرنے کی کوشش کر رہی ہو، اس لیے اپنے گناہ کی معافی مانگو۔

خبر شہر کی عورتوں تک پہنچ گئی

﴿ وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾

[یوسف : ۳۰]

''اور شہر میں کچھ عورتوں نے کہا عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے پھسلاتی ہے، بلاشبہ وہ محبت کی رو سے اس کے دل کے اندر داخل ہو چکا ہے۔ بے شک ہم تو اسے صریح غلطی پر دیکھتی ہیں۔''

یوسف اور عزیز مصر کی بیوی کا واقعہ کسی طرح شہر میں پھیل گیا، عورتیں کہنے لگیں کہ وہ یوسف کو گناہ پر اکساتی ہے، وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے اور ہوش و حواس کھو بیٹھی ہے۔ عشق کرنا ہی تھا تو کسی پیکر حسن و جمال سے کیا جاتا، یہ کیا کہ اپنے ہی غلام پر فریفتہ ہو گئی، یہ تو اس کی بہت بڑی نادانی ہے۔

عورتوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے اور وہ پکار اُٹھیں

جب عزیز مصر کی بیوی نے عورتوں کی ملامت سنی تو اس نے جواب میں اپنے فعل کا جواز پیش کرنے کے لیے چند خاص عورتوں کو دعوت دی۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴾

[یوسف : ۳۱]

''تو جب اس عورت نے ان کے فریب کے بارے میں سنا تو ان کی طرف پیغام بھیجا اور ان کے لیے ایک تکیہ دار مجلس تیار کی اور ان میں سے ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور کہا ان کے سامنے نکل۔ پھر جب انھوں نے اسے دیکھا تو اسے بہت بڑا پایا اور انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہا اللہ کی پناہ! یہ کوئی آدمی نہیں ہے، یہ نہیں ہے مگر کوئی نہایت معزز فرشتہ۔''

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جب ان چند عورتوں تک اندر کی یہ خبر کسی طرح پہنچی تو انھوں نے عزیز کی بیوی پر طعن و ملامت کی کہ اس کی نادانی دیکھو کہ اپنے غلام پر فریفتہ ہو چکی ہے اور اب تک کی مسلسل کوشش اور پھسلانے کے باوجود حصول مقصد میں ناکام ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے حسن کا اور کسی کو اپنا دیوانہ بنانے کی چالوں میں مہارت کا دعویٰ بھی کیا کہ ہمارے پاس وہ مکر ہیں کہ کوئی بھی ہمارے مکر و فریب سے بچ کر نہیں جا سکتا، ایک غلام کی کیا مجال

ہے۔ ﴿فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ﴾ تو جب عزیز مصر کی بیوی نے ان کے مکر وفریب اور چالوں کا دعویٰ سنا تو انھیں دعوت دی کہ تم بھی اپنا ہنر آزما دیکھو، اگر وہ کسی ایک کو بھی دل دے بیٹھا تو میرے لیے بھی وجہ جواز بن جائے گی۔ باقاعدہ ان کی چال کی تفصیل سن کر ہر عورت کو دعوت کے لوازمات کے ساتھ خصوصاً ایک ایک چھری بھی دی۔ اب یوسف علیہ السلام عزیز کی بیوی کے کہنے پر شہر کی منتخب حسیناؤں کے سامنے آئے تو ان میں سے ہر ایک نے انھیں اپنے حسن اور ناز و انداز سے متاثر کرنے کی کوشش کی۔ جب کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکی تو انھوں نے بے بس عاشقوں کا آخری حربہ آزمایا کہ اگر تم نے ہمارا دل توڑا تو ہم خودکشی کر لیں گی۔ یہ ایسا مرحلہ ہوتا ہے کہ آدمی رحم کے جذبے کے ہاتھوں پھنس جاتا ہے۔ کئی لڑکیاں اسی طرح برباد ہوئیں اور کئی لڑکے بھی۔ ضروری نہیں کہ سب عورتوں نے ایسا کیا ہو، بہرحال ان میں سے کچھ نے اپنے ہاتھ بری طرح زخمی کر کے اپنی خودکشی کی دھمکی دی۔ حسن و جمال کے ساتھ عفت و حیا کے اس پیکر نے اس کی بھی پروا نہ کی تو وہ بولیں، اللہ کی پناہ! اس شخص کے سینے میں آدمی کا دل نہیں، یہ تو ایک معزز فرشتہ ہے، جو عشق و حسن کے فتنوں سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتا، جسے عشق کے معاملات سے کوئی واسطہ ہی نہیں، اس پر ہماری خودکشی کا بھی کیا اثر؟

یہ حقیقت ہے کہ فرشتوں سے تشبیہ پاک بازی میں دی جاتی ہے، حسن میں نہیں۔ اس کی کئی دلیلیں آئندہ آیات میں آرہی ہیں، میں ان کا ترتیب وار ذکر کرتا ہوں: ① یوسف علیہ السلام نے دعا کی: ﴿رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ﴾ [یوسف : ۳۳] ”اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ سب مجھے دعوت دے رہی ہیں۔“ معلوم ہوا وہ عورتیں یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے لیے نہیں بلکہ دعوت گناہ دینے کے لیے آئی تھیں۔ ② یوسف علیہ السلام نے مزید دعا کی: ﴿وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ [یوسف : ۳۳] ”اور اگر تو مجھ سے ان کے (مکر) فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں سے ہو جاؤں گا۔“ معلوم ہوا وہ سب عورتیں یوسف علیہ السلام کو اپنے مکر و فریب میں پھنسانے کے لیے آئی تھیں نہ کہ صرف جمال یوسف کے دیدار کے لیے۔ ③ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ﴾ [یوسف : ۳۴] ”تو اس کے رب نے اس کی دعا قبول فرمائی، اس نے اس (یوسف) سے ان (عورتوں) کا فریب ہٹا دیا۔“ اللہ تعالیٰ نے بھی اس دعوت کی کارروائی کو ان سب عورتوں کا مکر و فریب قرار دیا ہے۔ ④ یوسف علیہ السلام نے جب بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتائی اور بادشاہ نے انھیں بلوایا تو یوسف علیہ السلام نے اس کے قاصد سے کہا کہ اپنے مالک کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو: ﴿مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ﴾ [یوسف : ۵۰] ”ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، یقیناً میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے۔“ یہ آیت خصوصاً قابل غور ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ جہاں بھی عورتوں کے مکر کا ذکر ہے مراد صرف عزیز مصر کی بیوی ہے، دوسری عورتیں چونکہ اس کی ساتھی تھیں، اس لیے

ان کا ذکر ساتھ آ گیا۔ اب اس آیت پر غور کریں، عزیز کی بیوی نے تو ہاتھ کاٹے ہی نہیں تھے، وہ تو دوسری ہی عورتوں نے کاٹے تھے، یوسف علیہ السلام ان کے ہاتھ کاٹنے کو ان کا مکر و فریب قرار دے رہے ہیں۔ ⑤ بادشاہ نے ان تمام عورتوں کو بلا کر پوچھا: ﴿مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ [یوسف : ۵۱] ''تمھارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلایا؟'' معلوم ہوا کہ بادشاہ نے بھی ان کے ہاتھ کاٹنے کو یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال سے بے خود ہو کر ہاتھ کاٹنے کے بجائے اسے ان کی سوچی سمجھی پھسلانے کی سازش قرار دیا۔

عزیز مصر کی بیوی اور بے حیائی کی انتہا

عزیز مصر کی بیوی نے ان خواتین کے سامنے سیدنا یوسف کو ورغلانے کا اعتراف کیا اور ڈھٹائی کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اب اسے ذلت کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔

﴿قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾ [یوسف : ۳۲]

''اس عورت نے کہا تو وہ یہی ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے ملامت کی تھی اور بلاشبہ یقیناً میں نے اسے اس کے نفس سے پھسلایا، مگر یہ صاف بچ گیا اور واقعی اگر اس نے وہ نہ کیا جو میں اسے حکم دیتی ہوں تو اسے ضرور ہی قید کیا جائے گا اور یہ ضرور ہی ذلیل ہونے والوں سے ہوگا۔''

عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں سے کہا کہ یہی وہ پیکر حسن ہے جس کے بارے میں تم عورتیں مجھے کوستی تھیں اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ تمام عورتیں یوسف کے حسن سے مسحور ہو گئی ہیں اور اسے معذور سمجھنے لگی ہیں تو اپنا دل کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ ہاں، میں نے اسے ورغلایا تھا، لیکن اس نے قطعی طور پر انکار کر دیا ہے اور ذرا سی بھی لچک نہیں دکھائی۔ اس کے بعد اس نے شرم و حیا کی چادر ایک طرف پھینک دی اور عشق و مستی کی آخری حدوں کو چھوتی ہوئی کہنے لگی کہ میرا اس سے جو مطالبہ ہے اگر اس نے پورا نہ کیا تو اسے جیل میں ڈال دیا جائے گا اور اسے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یوسف علیہ السلام کی قید کو ترجیح اور اللہ سے دعا

سیدنا یوسف علیہ السلام کے لیے یہ سخت امتحان کا وقت تھا۔ ان کے سامنے ایک طرف معصیت یعنی اللہ کی نافرمانی تھی جس کے نتیجے میں ان کی ہر طرح کی ناز برداری ہوتی دوسری طرف مصیبت ہے جو قید کی صورت میں ہے۔ اس امتحان میں اللہ کے خاص بندے کبھی معصیت الٰہی کو ترجیح نہیں دیتے بلکہ مصیبت قبول کر کے خود کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید یوسف علیہ السلام کی کیفیت کو بیان کرتا ہے:

﴿ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴾ [یوسف : ۳۳، ۳۴]

''اس نے کہا اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ سب مجھے دعوت دے رہی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں سے ہو جاؤں گا۔ تو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی، پس اس سے ان (عورتوں) کا فریب ہٹا دیا۔ بے شک وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

جب یوسف علیہ السلام نے اس کی یہ بات سنی تو سمجھ گئے کہ اس نے ایسا کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے اور اس کا شوہر اس کی ہر بات مانتا ہے، اسی لیے اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے اللہ! جس قید و بند کی یہ عورت مجھے دھمکی دے رہی ہے وہ میرے نزدیک اس بدکاری سے زیادہ قابل قبول ہے، جس کی یہ مجھے دعوت دے رہی ہے۔ اس لیے کہ جیل کی مصیبت عارضی اور ختم ہو جانے والی ہے، لیکن یہ گناہ عظیم تو دنیا و آخرت کی ہر بھلائی کا خاتمہ کر دے گا۔ اس کے بعد اللہ کی جناب میں پناہ طلب کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! اگر تو نے ان عورتوں کی سازشوں سے مجھے نہ بچایا تو بشری تقاضے کے تحت میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور اس فعل قبیح کا مرتکب ہو کر جاہل و نادان بن جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی اور انھیں گناہ میں پڑنے سے بچا لیا۔ اس آیت کریمہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کی حفاظت اور اس کے لطف و کرم کے بغیر کوئی شخص گناہ سے نہیں بچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو عظیم الشان عصمت سے نوازا اور آپ کی حفاظت بھی فرمائی۔ آپ نے بے حیائی کے اس کام کو نہایت سختی کے ساتھ رد کر دیا اور اس کے بجائے جیل جانے کو ترجیح دی۔ یہ مقاماتِ کمال میں سے نہایت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ مقام ہے کہ شباب، جمال اور کمال کے باوجود محض اللہ کے خوف اور اس سے ثواب کی امید کے باعث برائی کی اس دعوت کو رد کر کے قید کو پسند فرما لیا، جبکہ دعوت بھی ایک ایسی عورت کی طرف سے تھی جو آپ کی مالکہ تھی، عزیز مصر کی بیوی تھی، حد درجہ خوبصورت تھی اور مال و دولت اور حکمرانی سے بہرہ ور تھی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سات قسم کے (سعادت مند) انسان ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہو گا: ① عدل کرنے والا حکمران۔ ② وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشو و نما پائی۔ ③ وہ شخص جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق ہو۔ ④ وہ دو شخص جو اللہ ہی کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں اور حب الٰہی کے باعث جمع اور جدا ہوتے ہیں۔ ⑤ وہ شخص جسے کسی صاحب منصب و جمال عورت

نے (برائی کی) دعوت دی اور اس نے (اسے رد کرتے ہوئے) کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ ⑥ وہ شخص جو اس طرح خفیہ صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہیں ہوتا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ ⑦ اور وہ شخص جس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔'' [بخاري، كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلوٰة ...... الخ : ٦٦٠، ١٤٢٣، ٦٨٠٦۔ مسلم، كتاب الزكوة، باب فضل إخفاء الصدقة : ١٠٣١]

قید کا فیصلہ اور اس پر عمل درآمد

جب شہر میں ان واقعات کا چرچا ہوا اور عزیز مصر کی بیوی کی محبت میں دیوانگی اور یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی پر استقامت کی شہرت پھیلی تو اہل حل وعقد اس نتیجے پر پہنچے کہ یوسف علیہ السلام کو ہر صورت کچھ وقت کے لیے قید کر دیں۔

﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴾ [یوسف : ٣٥]

''پھر اس کے بعد کہ وہ کئی نشانیاں دیکھ چکے، ان کے سامنے یہ بات آئی کہ اسے ایک وقت تک ضرور ہی قید کر دیں۔''

عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کے تمام شواہد و دلائل کے باوجود مشیروں اور اپنی بیوی سے مشورہ کرنے کے بعد مصلحت اسی میں سمجھی کہ انھیں ایک مدت کے لیے جیل میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یوسف کو جیل میں بند کر دیا گیا۔

خواب کی تعبیر کے بارے میں دو قیدیوں کا سوال

سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو نوجوان بھی قید کیے گئے۔ ان دونوں نے خواب دیکھا جس کی تعبیر انھوں نے یوسف علیہ السلام سے دریافت کی:

﴿ وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [یوسف : ٣٦]

''اور قید خانے میں اس کے ساتھ دو جوان داخل ہوئے، دونوں سے ایک نے کہا بے شک میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ کچھ شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا بے شک میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر کچھ روٹی اٹھائے ہوئے ہوں، جس سے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں اس کی تعبیر بتا۔ بے شک ہم تجھے احسان کرنے والوں سے دیکھتے ہیں۔''

انھی دنوں سیدنا یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں دو نوجوان بھی قید کیے گئے، ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا نان بائی۔

کہتے ہیں کہ ان دونوں نے بادشاہ کے کھانے میں زہر ڈالا تھا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے ایک دن ان دونوں کو مغموم دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم دونوں نے الگ الگ خواب دیکھا ہے، جس نے ہمیں مغموم بنا دیا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا تم دونوں اپنا اپنا خواب بیان کرو۔ ساقی نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ انگور نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ سر پر روٹی ہے جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ اس کے بعد دونوں نے کہا کہ ہم میں سے دونوں کے خواب کی تعبیر بتا دو، ہم سمجھتے ہیں کہ تم خواب کی تعبیر کا علم رکھتے ہو۔

تعبیر سے پہلے قیدیوں کو دعوتِ توحید

﴿ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ [یوسف : ۳۷]

”اس نے کہا تمھارے پاس وہ کھانا نہیں آئے گا جو تمھیں دیا جاتا ہے، مگر میں تمھیں اس کی تعبیر اس سے پہلے بتا دوں گا کہ وہ تمھارے پاس آئے۔ یہ اس میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا۔ بے شک میں نے اس قوم کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے ساتھ بھی کفر کرنے والے ہیں۔“

سیدنا یوسف علیہ السلام نے ان کے خوابوں کی تعبیر بتانے سے پہلے انھیں یہ بتانا چاہا کہ وہ ان عام لوگوں میں سے نہیں ہیں جو محض اپنے گمان سے خواب کی تعبیر بتاتے ہیں، جو بسا اوقات غلط ہوتی ہے۔ اپنی بات میں مزید زور پیدا کرنے کے لیے کہا کہ میں تم دونوں کا کھانا آنے سے پہلے بتا دوں گا کہ ان خوابوں کی تعبیر کیا ہے اور یہ علم مجھے اللہ کی طرف سے بذریعہ الہام ملا ہے، اس میں کہانت اور علم نجوم کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ بات یوسف علیہ السلام نے اس لیے کہی کہ آئندہ جو دعوت توحید ان دونوں کے سامنے پیش کرنے والے تھے اسے آسانی سے قبول کر لیں۔

پھر انھیں اپنا اور اپنے آباء کا تعارف کروایا، کیونکہ داعی کی شخصیت بھی دعوت قبول کرنے میں مددگار ہوتی ہے:

﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴾ [یوسف : ۳۸]

”اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے، ہمارے لیے ممکن ہی نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کے فضل سے ہے اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔“

یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں قید کے ساتھیوں کو یہ بھی بتانا چاہا کہ مجھے جو یہ رتبۂ بلند ملا ہے اور یہ الہامی علم حاصل ہوا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کے دین کو اختیار نہیں کیا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے،

بلکہ میں اپنے آبا و اجداد ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے دین پر ایمان لے آیا جو اللہ کے انبیاء تھے اور اس تفصیل سے ان کا مقصد انھیں یہ بھی بتانا تھا کہ میں خانوادۂ نبوت کا چشم و چراغ ہوں، تاکہ جب ان کے سامنے اپنی دعوت رکھیں تو وہ غور سے سنیں۔ ''اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ'' میں ''مِنْ شَیْءٍ'' شرک کے عموم کی نفی کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے کہ چاہے کوئی چھوٹی چیز ہو یا بڑی، بت ہو یا فرشتہ، کوئی جن ہو یا کوئی اور چیز، اسے اللہ کا شریک بنانا حرام ہے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اس کی وحدانیت کا اقرار اور کسی کو اس کا شریک نہ بنانا موحد مسلمانوں کے لیے بہت بڑی نعمت ہے، لیکن اکثر لوگ اللہ کے ناشکرے بندے ہوتے ہیں۔ اسی لیے نہ اس پر ایمان لاتے ہیں، نہ اس کی توحید کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور نہ اس کی شریعت پر عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے ساتھ شرک نہ کریں۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، تو جب بندے یہ کام کریں تو ان کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے۔'' [بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب اسم الفرس والحمار : ۲۸۵۶۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات ...... الخ : ۳۰]

یوسف علیہ السلام کا نہایت واضح انداز دعوت

اپنا تعارف اور علمی مقام بتانے کے بعد یوسف علیہ السلام نے ان کے سامنے دعوت توحید پیش کی:

﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [يوسف : ۳۹، ۴۰]

''اے قید خانے کے دو ساتھیو! کیا الگ الگ رب بہتر ہیں یا اللہ، جو اکیلا ہے، نہایت زبردست ہے؟ تم اس کے سوا عبادت نہیں کرتے مگر چند ناموں کی، جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کے بارے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت مت کرو، یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

دونوں کے سامنے اپنا عقیدہ بیان کرنے کے بعد اب نہایت ہی حکمت و دانائی کے ساتھ ان کی قوم کے مشرکانہ عقائد کی خرابی بیان کرنے کے لیے انھی سے سوال کیا کہ اے جیل کے میرے دونوں ساتھیو! انسانوں کے لیے کئی معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ جس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا؟ تم لوگ اللہ کے سوا جن بتوں کی پوجا کرتے ہو، تم نے اور تمھارے باپ دادا نے بغیر کسی حجت و برہان کے انھیں معبود مان لیا ہے، حالانکہ مالک اور حاکم تو صرف اللہ ہے، دین و عبادت

کے معاملے میں اسی کا حکم چلتا ہے اور اس نے تو تمھیں یہ حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس لیے کہ عبادت غایت خشوع و خضوع کو کہتے ہیں جس کا حق دار وہ اللہ ہے جو حقیقی عظمت والا ہے اور یہی توحید باری تعالیٰ، جو اس کی کمال عظمت پر دلالت کرتی ہے، صحیح اور برحق دین ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہیں۔

اللہ کا حکم تو یہی ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو۔ شرک کی ترغیب تو شیطان کی طرف سے ہے، حدیث میں آتا ہے، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی قوم میں سے چند نیک لوگ جب مر گئے تو شیطان نے لوگوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ جہاں یہ لوگ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے مجسمے بنا کر (یادگار کے طور پر) نصب کر دو اور ان کے وہی نام رکھو جو ان بزرگوں کے تھے۔ انھوں نے ایسے ہی کیا، اس وقت ان کی عبادت نہیں کی جاتی تھی، لیکن جب وہ لوگ گزر گئے تو بعد والوں کو یہ شعور نہ رہا اور وہ ان کی پرستش کرنے لگے۔ [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ ودا ولا سواعا ولا يغوث و يعوق ﴾ : ٤٩٢٠]

دونوں قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر

﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴾ [يوسف : ٤١]

”اے قید خانے کے دو ساتھیو! تم میں سے جو ایک ہے سو وہ اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور جو دوسرا ہے سو اسے سولی دی جائے گی، پس پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے۔ اس کام کا فیصلہ کر دیا گیا جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو۔“

جب یوسف علیہ السلام نے اپنا علمی مقام بتا دیا اور توحید کی دعوت ان کے سامنے پیش کر دی تو اب ان کے خوابوں کی تعبیر بتانا شروع کی اور چونکہ ان کے سوال کے بعد یوسف علیہ السلام کی دعوتی گفتگو طویل ہوگئی تھی، اس لیے انھوں نے دوبارہ ان دونوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ اے جیل کے میرے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک جیل سے نکل کر پہلے کی طرح بادشاہ کا ساقی بن جائے گا، جبکہ دوسرا سولی پر لٹکا دیا جائے گا اور پرندے اس کے سر کا گوشت کھائیں گے۔ جو سوال تم دونوں نے کیا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ ہو چکا ہے۔

سیدنا ابو رزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تک خواب کی تعبیر نہ کی جائے، تو (گویا) وہ پرندے کے پاؤں پر ہے (اس کا واقع ہونا اور نہ ہونا دونوں ممکن ہیں، جیسے پرندے کے پیر میں پکڑی ہوئی چیز کا گرنا اور نہ گرنا دونوں ممکن ہیں) مگر جب تعبیر کر دی جائے تو وہ واقع ہو جاتی ہے۔“ [أبو داؤد، كتاب الأدب، باب في

الرؤيا : ٥٠٢٠]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اچھا خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اسے بیان کرے اور اگر کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے، لہٰذا اس کے شر سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے، کیونکہ وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔'' [بخاري، كتاب التعبير، باب الرؤيا من الله : ٦٩٨٥۔ مسلم، كتاب الرؤيا، باب في كون الرؤيا من الله ...... الخ : ٤/ ٢٢٦١]

سیدنا یوسف علیہ السلام نے ساقی سے فرمایا

﴿ وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ٘ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴾ [يوسف : ٤٢]

''اور اس نے اس سے کہا جس کے متعلق اس نے سمجھا تھا کہ بے شک وہ دونوں میں سے رہا ہونے والا ہے کہ اپنے مالک کے پاس میرا ذکر کرنا۔ تو شیطان نے اسے اس کے مالک سے ذکر کرنا بھلا دیا تو وہ کئی سال قید خانے میں رہا۔''

جس آدمی کو یوسف علیہ السلام نے بتایا کہ وہ جیل سے نکل جائے گا اور قتل نہیں ہوگا، اس سے کہا کہ جب تمھاری ملاقات تمھارے آقا سے ہو، تو اس سے میرا حال بیان کرنا اور بتانا کہ مجھے اللہ نے خواب کی تعبیر کا علم دیا ہے اور یہ کہ میں بے گناہ ہوں، مجھے جیل میں ڈال کر مجھ پر زیادتی کی گئی ہے، لیکن جیل سے نکلنے کے بعد شیطان نے اس کی یادداشت سے یہ بات نکال دی، تاکہ یوسف علیہ السلام جیل سے نہ نکل سکیں۔

شاہ مصر کا خواب

وہ ساقی جسے یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ جیل سے نکلنے کے بعد بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا، جیل سے نکلنے کے بعد وہ یوسف علیہ السلام کو بھول گیا۔ پھر ایسا ہوا کہ بادشاہ کو خواب آیا اور خواب اللہ کی تقدیر میں یوسف علیہ السلام کی قید سے عزت و تکریم کے ساتھ رہائی کا سبب تھا۔ اس خواب نے شاہِ مصر کو نہایت خوف زدہ اور پریشان کر دیا۔ چنانچہ اس نے اپنے علم تعبیر کے تمام ماہروں اور سب سرداروں کو جمع کر کے خواب سنایا اور تعبیر کی فرمائش کی۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴾ [يوسف : ٤٣، ٤٤]

''اور بادشاہ نے کہا بے شک میں سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں، جنھیں سات دبلی کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشے اور کچھ دوسرے خشک (دیکھتا ہوں)، اے سردارو! مجھے میرے خواب کے بارے بتاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر کیا کرتے ہو۔ انھوں نے کہا یہ خوابوں کی پریشان باتیں ہیں اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر بالکل جاننے والے نہیں۔''

مصر کے بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں اور سات دبلی گائیں، جو موٹی گائیوں کو کھا رہی ہیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ سات ہری بالیوں کو سات خشک بالیوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور انھیں کھا گئیں۔ اس نے سرداران قوم سے اس کی تعبیر معلوم کرنا چاہی اور مصر کے تمام جادوگروں اور داناؤں کو بلا کر ان سے بھی اس کی تعبیر سے متعلق پوچھا، لیکن سب نے یہی جواب دیا کہ اس خواب کی کوئی حیثیت نہیں ہے، محض وہم اور شیطان کا وسوسہ ہے اور ہم لوگ ایسے پراگندہ خیالات کی تعبیر نہیں جانتے، کیونکہ تعبیر تو سچے خوابوں کی ہوتی ہے۔

اب ساقی کو یوسف علیہ السلام کی بات یاد آئی

اس وقت ساقی کو جس نے یوسف علیہ السلام کی تعبیر کے بعد قید سے رہائی پائی تھی اور یوسف علیہ السلام کے کہنے کے باوجود سرے سے ان کی بات بھول چکا تھا، اتنی لمبی مدت کے بعد یوسف علیہ السلام اور ان کی علم تعبیر میں مہارت یاد آئی اور اس نے کہا میں تمھیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں، آپ مجھے بھیجیں، قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ قَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴾ [یوسف : ٤٥]

''اور ان دونوں میں سے جو رہا ہوا تھا اور اسے ایک مدت کے بعد یاد آیا، اس نے کہا میں تمھیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں، سو مجھے بھیجو۔''

اب ساقی کو یوسف علیہ السلام کی بات یاد آئی۔ کہتے ہیں کہ اسے جیل سے نکلے ہوئے دو سال کا عرصہ گزر چکا تھا، اس نے بادشاہ سے کہا کہ اس خواب کی تعبیر میں آپ کو بتاؤں گا لیکن اس شخص سے پوچھ کر جس کے پاس اس کا علم ہے، آپ مجھے حکم دیجیے اور جیل میں یوسف (علیہ السلام) کے پاس جانے دیجیے۔ چنانچہ وہ جیل میں ان کے پاس پہنچا۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر

ساقی نے جا کر یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر بتانے کی درخواست کی:

﴿ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ [یوسف : ٤٦]

''یوسف! اے نہایت سچے! ہمیں سات موٹی گائیوں کی تعبیر بتا، جنھیں سات دبلی کھا رہی ہیں اور سات سبز

خوشوں اور دوسرے خشک خوشوں کی بھی، تا کہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں، تا کہ وہ جان لیں۔''

ساقی نے یوسف علیہ السلام کو صدیق کے نام سے خطاب کیا، اس لیے کہ جیل میں جب ان کے ساتھ تھا تو ان کی سچائی، پاکیزگی اخلاق اور طہارت طبع کا تجربہ کر چکا تھا اور خواب کی جو تعبیر انھوں نے اسے اور اس کے مقتول ساتھی کو بتائی تھی وہ بالکل سچ ثابت ہوئی تھی۔ اس کے بعد بادشاہ کا خواب اسی کے الفاظ میں بیان کیا اور اس کی تعبیر پوچھی: "**لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ**" میں اس طرف اشارہ ہے کہ بادشاہ جب آپ کے علم و فضل کو جانے گا، تو ممکن ہے کہ جیل سے آپ کو رہائی دے دے۔

یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر کے ساتھ ہی حل بھی بتا دیا:

﴿ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴾ [يوسف : ٤٧ تا ٤٩]

''اس نے کہا تم سات سال پے در پے کاشت کرو گے تو جو کاٹو اسے اس کے خوشے میں رہنے دو، مگر تھوڑا سا وہ جو تم کھالو۔ پھر اس کے بعد بہت سخت سات برس آئیں گے، جو کھا جائیں گے جو کچھ تم نے ان کے لیے پہلے رکھا ہوگا مگر تھوڑا سا وہ جو تم محفوظ رکھو گے۔ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش ہوگی اور وہ اس میں نچوڑیں گے۔''

یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر بتاتے ہوئے سات موٹی گائیوں اور سات ہری بالیوں کو سات زرخیز سالوں سے اور سات دبلی گائیوں اور سات خشک بالیوں کو سات خشک سالوں سے تعبیر کیا۔ یعنی سات زرخیز سالوں کے بعد سات خشک سال آئیں گے۔ پھر انھیں تعلیم بھی دی کہ انھیں کیا کرنا ہوگا، تا کہ قحط سالی کے زمانے کے لیے غلہ فراہم کیا جا سکے۔ اس کے بعد انھیں خوش خبری دی کہ سات خشک سالوں کے بعد خوب بارش ہوگی۔ اللہ کی رحمت کا نزول ہوگا اور ملک میں پھل، انگور، زیتون اور دودھ وغیرہ کی کثرت ہوگی۔

قحط سالی کے سات سالوں کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار مکہ کے خلاف بد دعا میں مذکور ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش (دین اسلام کی طرف) توجہ نہیں کر رہے تو آپ نے اس طرح بد دعا کی: « اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ » ''اے اللہ! ان کے خلاف میری مدد فرما، یوسف (علیہ السلام) کے قحط کی مانند قحط بھیج کر۔'' چنانچہ ایسے قحط نے ان کو پکڑ لیا کہ کوئی چیز نہیں ملتی تھی، وہ بھوک کی وجہ سے مردار، ہڈیاں اور کھالیں کھانے پر مجبور ہو گئے، حتیٰ کہ جب ان میں سے کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو (فاقہ کی وجہ سے) اسے دھواں نظر آتا۔ ان حالات میں ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا، اے محمد! آپ اللہ کی فرماں برداری اور

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم (فاقوں سے) ہلاک ہوئی جا رہی ہے، آپ ان کے لیے اللہ سے دعا کیجیے۔ پھر (ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے) یہ آیات پڑھیں : ﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴾ [الدخان : ١٠ تا ١٥] ”سو انتظار کر جس دن آسمان ظاہر دھواں لائے گا۔ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ دردناک عذاب ہے۔ اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب دور کر دے، بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں۔ ان کے لیے نصیحت کہاں؟ حالانکہ یقیناً ان کے پاس بیان کرنے والا رسول آ چکا۔ پھر انھوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور انھوں نے کہا سکھلایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔ بے شک ہم یہ عذاب تھوڑی دیر کے لیے دور کرنے والے ہیں، بے شک تم دوبارہ وہی کچھ کرنے والے ہو۔“ (رسول اللہ ﷺ نے بارش کے لیے دعا کی) تو بارش ہوگئی، مگر جب فارغ البالی حاصل ہوگئی تو وہ لوگ پھر کفر کی طرف لوٹ گئے۔ [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ و راودته التي هو في بيتها عن نفسه ...... الخ ﴾ : ٤٦٩٣۔ مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب الدخان : ٤٠، ٢٧٩٨/٣٩]

ایک اور حدیث میں بھی یوسف علیہ السلام کے دور کی خشک سالی کا تذکرہ موجود ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (صبح کی نماز میں) قنوت (نازلہ) میں یہ دعا پڑھتے تھے: «اَللّٰهُمَّ اَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ، اَللّٰهُمَّ اَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِيْ رَبِيْعَةَ، اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، اَللّٰهُمَّ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ» ”اے اللہ! سلمہ بن ہشام، ولید بن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر کمزور مومنوں کو (کافروں کے شکنجے) سے نجات عطا فرما۔ اے اللہ! مضر کے کافروں کو سختی سے کچل دے اور ان پر ایسی خشک سالی مسلط کر دے جیسی تو نے یوسف علیہ السلام کے دور میں مسلط کی تھی۔“ [بخاري، كتاب الجهاد، باب الدعاء على المشركين بالهزيمة : ٢٩٣٢]

سیدنا یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کے معاملے کی تحقیق

جب ساقی نے جا کر تعبیر بتلائی تو بادشاہ نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔

﴿ وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ [يوسف : ٥٠، ٥١]

”اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ، تو جب قاصد اس کے پاس آیا تو اس نے کہا اپنے مالک کے پاس

واپس جا، پھر اس سے پوچھ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، یقیناً میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے۔ اس نے کہا تمھارا کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلایا؟ انھوں نے کہا اللہ کی پناہ! ہم نے اس پر کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ عزیز کی بیوی نے کہا اب حق خوب ظاہر ہوگیا، میں نے ہی اسے اس کے نفس سے پھسلایا تھا اور بلاشبہ وہ یقیناً سچوں سے ہے۔''

جب ساقی خواب کی تعبیر لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا، تو سن کر اسے بڑا تعجب ہوا اور اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اس کے خواب کی یہی تعبیر ہے۔ اسے اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام کوئی معمولی انسان نہیں، بلکہ وہ نہایت ہی اخلاق مند، انسان دوست اور باعلم شخص ہے کہ اس نے خواب کی تعبیر کے ساتھ ساتھ قحط سالی کے برے آثار سے بچنے کی تدبیر بھی بتائی ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اسے جیل سے فوراً نکال کر اس کے پاس لایا جائے۔ جب بادشاہ کا پیغامبر ان کے پاس آیا تو انھوں نے جیل سے نکلنے میں جلدی نہیں کی اور کہا کہ تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، ان کے بارے میں ان کے پاس کیا خبر ہے؟ ان کا مقصد یہ تھا کہ پہلے ان کی سچائی اور گناہ سے براءت کا اعلان ہو جائے، پھر جیل سے باہر جائیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام میں غایت درجے کا تحمل اور حلم و بردباری پائی جاتی تھی، جو عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں یوسف (علیہ السلام) کے عرصۂ جیل کے برابر جیل بھگتے ہوئے ہوتا (اور پھر قاصد میری رہائی کا پیغام لاتا) تو میں اسی وقت جیل خانہ سے آزاد ہونا منظور کر لیتا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قوله : ﴿ ونبئهم عن ضيف إبراهيم ﴾ : ٣٣٧٢۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب زيادة طمأنينة القلب بتظاهر الأدلة : ١٥١]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴾ (پھر اس سے پوچھ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، یقیناً میرا رب ان کے فریب کو خوب جاننے والا ہے) کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں ہوتا تو جلدی سے اس پیش کش کو قبول کر لیتا اور عذر تلاش نہ کرتا۔'' [مسند أحمد : ٣٤٦/٢، ٣٨٩، ح : ٨٥٣٥، ٩٠٤٨]

﴿ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآىِٕنِيْنَ ﴾ [یوسف : ٥٢]

''یہ اس لیے کہ وہ جان لے کہ بے شک میں نے عدم موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی اور یہ کہ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا۔''

یہ یوسف علیہ السلام کا قول ہے، یعنی جیل سے نکلنے سے پہلے انھوں نے عورتوں سے اور عزیز مصر کی بیوی سے اس لیے ان کی غلطیوں کا اعتراف کروانا چاہا کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ انھوں نے پوشیدہ طور پر اس کے ساتھ خیانت نہیں

کی۔ آخر میں اس طرف اشارہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کا مکر و فریب اس کے کام نہ آیا اور اپنے شوہر کے ساتھ اس کی خیانت اس کی ذلت و رسوائی کا سامان بن گئی اور خود عزیز مصر کی طرف اشارہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی براءت اس کے سامنے ظاہر ہو جانے کے باوجود اس نے اپنی بیوی کے اشارے پر اس صدق و صفا اور امانت و دیانت کے پیکر کو جیل میں ڈال دیا۔

سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں تھے، میں ایک رات آپ سے ملاقات کے لیے آئی، میں نے کچھ دیر گفتگو کی اور پھر گھر جانے کے لیے کھڑی ہوئی، (یہ رات کا وقت تھا) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھڑے ہو گئے، تاکہ مجھے گھر تک پہنچا آئیں۔ میرا گھر (مدینہ کے ایک طرف) دار اسامہ بن زید میں تھا۔ راستے میں دو انصاری ملے، جب انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اپنی رفتار تیز کر دی (ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حیا کی وجہ سے چھپ گئے، کیونکہ آپ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ تھے) آپ نے ان دونوں سے فرمایا: ''ذرا رک جاؤ! دیکھو! یہ صفیہ بنت حیی ہے (یعنی تیز نہ چلو اور جان لو کہ اس وقت میرے ساتھ میری بیوی صفیہ ہے)۔'' انھوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! سبحان اللہ! (کیا آپ کے بارے میں ہم کوئی برا سوچیں گے) آپ نے فرمایا: ''شیطان انسان کے جسم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون، لہٰذا مجھے یہ ڈر لاحق ہوا کہ کہیں وہ تمھارے دلوں میں کوئی بات نہ ڈال دے۔'' [مسلم، کتاب السلام، باب بیان أنه یستحب لمن رؤی خالیا بامرأة ...... الخ : ۲۱۷۵۔ بخاري، کتاب الاعتکاف، باب زیارة المرأة زوجها في اعتکافه : ۲۰۳۸]

''وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ......'' کا قائل کون تھا؟

﴿ وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴾ [یوسف : ۵۳]

''اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ بے شک میرا رب بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اس آیت ''وَ مَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ......'' کے قائل کے متعلق دو رائے ہیں، پہلی رائے یہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا قول ہے۔ انھوں نے اللہ کے لیے اپنے غایت درجہ خشوع و خضوع کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں اپنے نفس کا تزکیہ نہیں کرتا، کیونکہ انسان کا نفس تو برائی پر اکساتا ہی رہتا ہے، سوائے ان نفوسِ قدسیہ کے جن پر اللہ کا خاص فضل و کرم ہوتا ہے اور میرا رب تو بڑا معاف کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کے قول کا حصہ ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ حافظ عبد السلام بن محمد حفظہ اللہ نے بھی ترجمہ میں اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ ایسی صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں نے اپنی غلطی اور یوسف کی عفت و

پاکدامنی کا اعتراف اس لیے صراحت کے ساتھ کر لیا ہے تاکہ میرا شوہر جان لے کہ میں نے پوشیدہ طور پر اس کے ساتھ خیانت نہیں کی اور میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی، کیونکہ انسان کا نفس تو گناہ پر ابھارتا ہی رہتا ہے، اسی لیے تو میں نے یوسف کو گناہ پر ابھارا تھا۔

اپنے آپ کی بڑائی یا پاکیزگی بیان کرنا اہل علم اور اہل مراتب کا شیوہ نہیں ہوتا۔ انبیائے کرام ؑ کو تو تمام انسانوں سے بڑھ کر منشائے الٰہی معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں منشائے الٰہی کیا ہے؟ قرآن مجید سے دو آیات دیکھیے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [النساء : ٤٩] ''کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاک کہتے ہیں، بلکہ اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴾ [النجم : ٣٢] ''سو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو، وہ زیادہ جاننے والا ہے کہ کون بچا۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی، مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیے جسے میں صبح و شام پڑھا کروں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دعا پڑھا کرو: « اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَ مَلِيْكَهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَ شِرْكِهِ »'' ''اے اللہ! اے غیب اور حاضر کو جاننے والے! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! ہر چیز کے پروردگار اور مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر اور اس کے شرک سے۔'' [ترمذي، كتاب الدعوات، باب منه [دعاء : اللهم عالم الغيب ...... الخ] : ٣٣٩٢۔ أبو داؤد، كتاب الأدب، باب ما يقول إذا أصبح : ٥٠٦٧]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام پہلے برہ (بمعنی نیکی و احسان) تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام جویریہ رکھ دیا۔ کیونکہ آپ ﷺ برا جانتے تھے کہ یہ کہا جائے کہ وہ برہ کے پاس سے (یعنی نیکی کو چھوڑ کر) چلے گئے۔ [مسلم، كتاب الآداب، باب استحباب تغيير الاسم القبيح إلى حسن ...... الخ : ٢١٤٠]

محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا، تو سیدہ زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع کیا ہے، میرا نام بھی برہ تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی تعریف مت کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں بہتر کون ہے۔'' لوگوں نے عرض کی کہ پھر ہم اس کا نام کیا رکھیں؟ آپ نے فرمایا: ''زینب رکھو۔'' [مسلم، كتاب الآداب، باب استحباب تغيير الاسم القبيح إلى حسن ...... الخ : ٢١٤٢/١٩]

''بے شک نفس تو برائی کا بہت حکم دینے والا ہے'' سے واضح ہوتا ہے کہ زبان کی حفاظت نہایت ضروری ہے، یہ منہ سے نکلنے والے الفاظ ہی ہیں کہ جن کو کبھی انسان بہت کم اہمیت دیتا ہے، مگر وہ اس کے جنتی یا جہنمی ہونے میں حرف

مفصل ثابت ہوتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک انسان اللہ کی رضا مندی کا کوئی کلمہ کہتا ہے، مگر اسے اس کی اہمیت کا احساس بھی نہیں ہوتا، تاہم اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے اور اسی طرح انسان اللہ کی ناراضی پر مبنی کوئی کلمہ کہتا ہے اور اسے اس کی پروا تک نہیں ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ اسے اس کلمے کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیتا ہے۔'' [بخاري، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان : ٦٤٧٨]

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک جن (یعنی شیطان) اور ایک فرشتہ مقرر کیا ہے۔'' لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی (شیطان ہے)؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد کی ہے اور وہ مطیع ہو گیا ہے، چنانچہ وہ مجھے نیکی کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔'' [مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان ...... الخ : ٢٨١٤]

بادشاہ کی نظر میں سیدنا یوسف علیہ السلام کا مقام و مرتبہ

یہاں سے یوسف علیہ السلام کی زندگی کا ایک اور دور شروع ہوتا ہے، جب غلامی و قید ختم ہوئی اور آزادی اور حکومت و سلطنت عطا ہوئی۔

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴾ [يوسف : ٥٤]

''اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ کہ میں اسے اپنے لیے خاص کر لوں، پھر جب اس نے اس سے بات کی تو کہا بلاشبہ تو آج ہمارے ہاں صاحب اقتدار، امانتدار ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو ان کے صبر و استقامت اور عفت و طہارت کی وجہ سے بہت ہی اونچا مقام عطا فرمایا، مقام نبوت سے سرفراز فرمایا اور شاہِ مصر کا خلیفہ اور نائب بنا دیا۔ جب بادشاہ کو ان کی عفت، طہارتِ نفس اور وسعت علم کی خبر ہوئی تو انھیں اپنے پاس لے آنے کا حکم دیا، تاکہ انھیں اپنا خاص مشیر کار بنا لے اور جب ان سے بات کرنے کے بعد اسے تمام باتوں کا یقین ہو گیا اور جان گیا کہ یہ تو وہ گوہر نایاب ہے جو کسی کو قسمت سے ملا کرتا ہے تو فوراً یوسف علیہ السلام سے کہا کہ میں تمھیں اپنی حکومت میں اعلیٰ منصب پر متعین کرتا ہوں اور اپنی طرف سے ہر چیز کا ذمہ دار اور امانت دار بناتا ہوں۔

بوقت ضرورت اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو آگاہ کرنا

﴿ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴾ [يوسف : ٥٥]

''اس نے کہا مجھے اس زمین کے خزانوں پر مقرر کر دے، بے شک میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں۔''

جب بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو اپنا نائب بنا لیا تو انھوں نے اپنی اہلیت و قابلیت اور ملک کی ضرورت کے پیش نظر بادشاہ سے کہا کہ مجھے سرزمین مصر کے خزانے کا ذمہ دار بنا دیا جائے، تاکہ اپنے علم و امانت کی روشنی میں قحط سالی کے زمانے میں عوام کو غذا بہم پہنچانے کے لیے ابھی سے تیاری شروع کر دوں، جو خوش حالی کے سات سالوں کے بعد آنے والا ہے۔

یہاں یہ مسئلہ سمجھ لینا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام خود عہدہ نہیں مانگ رہے، بلکہ شاہ مصر کے فیصلہ کر لینے کے بعد محض تجویز پیش کر رہے ہیں۔ عہدے تو اسلام میں ہوتے ہی نہیں، بلکہ ذمہ داری ہوتی ہے اور جو خود ذمہ داری مانگے اسے نہیں ملتی بلکہ جو اس کے اہل ہو اس کے سپرد کی جاتی ہے۔ اور یہ ذمہ داریاں بہت بھاری اور ڈرا دینے والی ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابو ذر! تم کمزور ہو اور امارت ایک امانت ہے اور بے شک قیامت کے روز یہ (بہت سے لوگوں کے لیے) باعث رسوائی اور ندامت ہوگی، سوائے اس شخص کے جس نے اہلیت کی بنا پر اسے حاصل کیا اور پھر اس کے حقوق پوری طرح ادا کیے۔'' [مسلم، کتاب الإمارۃ، باب کراھۃ الإمارۃ بغیر ضرورۃ : ۱۸۲۵]

سیدنا عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''اے عبد الرحمٰن بن سمرہ! کبھی کوئی امارت مت مانگو، کیونکہ خود سوال کر کے عہدۂ امارت حاصل کرو گے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی تائید نہیں ہوگی (کہ جس کے ذریعے سے تم لغزشوں اور خطاؤں سے محفوظ رہ سکو) اور اگر بغیر درخواست اور طلب کے تمھیں کوئی عہدہ مل گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و اعانت ہوگی (جس کے باعث تم اس کے حقوق ادا کر سکو گے)۔'' [مسلم، کتاب الأیمان، باب ندر من حلف یمینًا ...... الخ : ۱۶۵۲]

مصر میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی حکومت

یوسف علیہ السلام کی صلاحیتوں اور قابلیت واضح ہونے پر بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو زمام حکومت سونپ دی۔ قرآن کریم کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو سلطنت مصر میں ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔

﴿ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ [یوسف : ۵۶، ۵۷]

''اور اسی طرح ہم نے اس سرزمین میں یوسف کو اقتدار عطا فرمایا، اس میں سے جہاں چاہتا جگہ پکڑتا تھا۔ ہم اپنی

رحمت جس کو چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ اور یقیناً آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے کہیں بہتر ہے جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو سرزمین مصر کا مالک بنا دیا، جس طرح چاہتے تھے اس میں تصرف کرتے تھے، جہاں چاہتے تھے جاتے تھے، بستی ہو یا شہر، ہر جگہ انھی کا حکم چلتا تھا۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت کا ثواب دنیا سے زیادہ بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کو آخرت کی کامیابی کے لیے اصل کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ دنیا کا جاہ و جلال اور عزت و شہرت سب عارضی ہے اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

آیت کریمہ کے اس حصے ''ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔'' میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے بے انتہا محبت، عدل اور اس کے کرم کی ایک جھلک نظر آتی ہے، وہ محسنین کی محنت رائگاں نہیں جانے دیتا۔ اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرے تو ساری دنیا سے اس کی عزت کرواتا ہے، یہ اس کا طریقہ اور سنت ہے۔ درج ذیل حدیث میں اس مسئلے کو نہایت حسن و خوبی سے بیان کیا گیا ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں، میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو، تب جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور تمام آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتے ہیں، اس لیے تم لوگ بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں، پھر اس کو زمین والوں میں مقبول بنا دیا جاتا ہے۔ (اسی طرح) اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کسی بندے کو ناپسند فرماتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کو بلاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں، میں فلاں سے نفرت کرتا ہوں، اس لیے تم بھی اس سے نفرت کرو تو جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے نفرت کرتے ہیں۔ پھر وہ آسمان والوں میں منادی کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ فلاں بندے سے نفرت کرتے ہیں، اس لیے تم بھی اس سے نفرت کرو، تو اہل آسمان اس سے نفرت کرنا شروع ہو جاتے ہیں، پھر اس کو زمین والوں میں بھی ناپسندیدہ بنا دیا جاتا ہے۔'' [مسلم، کتاب البر والصلة، باب إذا أحب الله عبدًا......الخ : ٢٦٣٧]

بلادِ مصر قحط کی لپیٹ میں اور برادرانِ یوسف کی مصر میں آمد

یوسف علیہ السلام کے زمام حکومت سنبھالنے کے بعد خوش حالی کے سات سالوں کا تذکرہ قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے۔ ان میں یوسف علیہ السلام کا حسن انتظام اور اس سے متعلق باتوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا، کیونکہ اصل مقصود یہ بتانا تھا کہ انبیاء کو اپنوں کے ہاتھوں کیا کچھ اٹھانا پڑتا ہے اور آخر کار کس طرح ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور حسن انجام کا اہتمام ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے خوش حالی کے سات سالوں کا ذکر چھوڑ کر قحط کے دوران بھائیوں کی یوسف علیہ السلام کے پاس آمد کا ذکر فرمایا:

﴿ وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴾ [یوسف : ۵۸]

''اور یوسف کے بھائی آئے، پھر اس کے پاس داخل ہوئے تو اس نے انھیں پہچان لیا اور وہ اسے نہ پہچاننے والے تھے۔''

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب خوش حالی کے سات سال گزرنے کے بعد قحط سالی شروع ہوگئی تھی اور جس نے ملک مصر کے تمام علاقوں اور شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، حتیٰ کہ کنعان تک بھی اس کے اثرات جا پہنچے، جہاں سیدنا یعقوب علیہ السلام مع اہل و عیال قیام پذیر تھے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے حسن تدبیر سے اس قحط سالی سے نمٹنے کے جو انتظامات کیے تھے وہ کام آئے اور ہر طرف سے لوگ یوسف علیہ السلام کے پاس غلہ لینے کے لیے آ رہے تھے۔ یوسف علیہ السلام کی یہ شہرت کنعان تک بھی پہنچی کہ مصر کا بادشاہ اس طرح غلہ فروخت کر رہا ہے۔ چنانچہ باپ کے حکم پر برادران یوسف بھی گھر کی پونجی لے کر غلہ کے حصول کے لیے دربار شاہی میں پہنچ گئے، جہاں سیدنا یوسف علیہ السلام تشریف فرما تھے، جنھیں یہ بھائی تو نہ پہچان سکے، لیکن یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا۔

حسن تدبیر

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو غلہ دینے کے بعد ان سے کہا کہ اگلی دفعہ اپنے بھائی کو بھی لے کر آنا اور بھائی کو بلوانے کے لیے یوسف علیہ السلام نے اپنی تجارتی ایمان داری اور بہترین مہمان نوازی کا بھی ذکر فرمایا اور ساتھ یہ دھمکی بھی دی کہ اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو نہ غلہ ملے گا اور نہ مجھ سے ملاقات کی امید رکھنا۔

﴿ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ۝ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴾
[یوسف : ۵۹ تا ۶۱]

''اور جب اس نے انھیں ان کے سامان کے ساتھ تیار کر دیا تو کہا میرے پاس اپنے اس بھائی کو لے کر آنا جو تمھارے باپ سے ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ بے شک میں ماپ پورا دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں۔ پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمھارے لیے میرے پاس نہ کوئی ماپ ہوگا اور نہ میرے قریب آنا۔ انھوں نے کہا ہم اس کے باپ کو اس کے بارے میں ضرور آمادہ کریں گے اور بے شک ہم ضرور کرنے والے ہیں۔''

سیدنا یوسف علیہ السلام نے انجان بن کر جب اپنے بھائیوں سے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے کہا کنعان سے اور پھر انھوں نے جہاں دوسری معلومات دیں وہاں یہ بھی بتا دیا کہ ہم دس بھائی اس وقت یہاں موجود ہیں، لیکن ہمارے دو علاتی بھائی (یعنی دوسری ماں سے) اور بھی ہیں، ان میں سے ایک تو جنگل میں ہلاک ہوگیا اور اس کے دوسرے بھائی کو والد نے اپنی تسلی کے لیے اپنے پاس رکھا ہے، اسے ہمارے ساتھ نہیں بھیجا۔ جس پر یوسف علیہ السلام نے

کہا کہ آئندہ اسے بھی ساتھ لے کر آنا۔ دیکھتے نہیں کہ میں ماپ بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نوازی اور خاطر مدارت بھی خوب کرتا ہوں۔ ترغیب کے ساتھ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر گیارھویں بھائی کو ساتھ نہ لائے تو نہ تمھیں غلہ ملے گا اور نہ میری طرف سے اس خاطر مدارت کا اہتمام ہوگا۔ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے خازن مصر کی دھمکی سن کر کہا کہ ہم اپنی طرف سے اس کے باپ کو راضی کرنے کی پوری کوشش کریں گے اور مزید تاکید کے طور پر کہا کہ ہم یقیناً اسے لے کر آئیں گے۔

﴿وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ [یوسف : ٦٢]

''اور اس نے اپنے جوانوں سے کہا ان کا مال ان کے کجاووں میں رکھ دو، تاکہ وہ اسے پہچان لیں جب اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں، شاید وہ پھر آجائیں۔''

یوسف علیہ السلام نے اپنے جوانوں سے کہا کہ جو رقم انھوں نے ادا کی ہے اسے ان کے سامان میں رکھ دو، تاکہ واپسی کے بعد جب اپنے بوڑھے باپ کے سامنے مارے خوشی کے غلہ ڈھیر کریں گے تو انھیں ایک مزید خوشی بھی میسر آجائے گی، یعنی اپنے روپے واپس پالینے کی خوشی، اس طرح وہ پھر دوبارہ آئیں گے۔ بہرحال یہ یوسف علیہ السلام کا اپنے اہل خانہ کے ساتھ ایک نہایت مشفقانہ سلوک تھا اور انبیاء ایسے ہی فراخ دل ہوتے ہیں۔ یہاں ہم رسول اللہ ﷺ کا ایک معاملہ بھی ذکر کرتے ہیں جو آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک جہادی سفر میں میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہمراہ واپس آرہا تھا، میرا اونٹ تھک گیا اور سست ہوگیا (تو میں نے اتر کر پیدل چلنا شروع کر دیا) اللہ کے رسول ﷺ میرے قریب آئے اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگے: ''جابر!'' میں نے کہا، جی حاضر! آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا ہوا؟'' میں نے عرض کی، اونٹ تھک گیا اور سست ہوگیا ہے، اس لیے میں پیچھے رہ گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے یہ سنا تو اپنی سواری سے نیچے اترے اور لاٹھی کے ساتھ میرے اونٹ کو ہانکنے لگے اور پھر مجھے کہا: ''اب سوار ہو جا۔'' میں اس پر سوار ہوا، اب تو یہ حال ہوا کہ مجھے اسے رسول اللہ ﷺ کے برابر پہنچنے پر روکنا پڑ جاتا تھا۔ اب اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: ''شادی کرلی؟'' میں نے کہا، جی ہاں! آپ نے پوچھا: ''کنواری سے کی یا بیوہ سے؟'' میں نے کہا بیوہ سے کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کسی کنواری لڑکی سے کیوں نہیں کی کہ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمھارے ساتھ کھیلتی؟'' میں نے کہا، میری بہنیں زیادہ ہیں (ماں فوت ہوگئی ہے)، لہٰذا سوچا کہ ایسی خاتون سے شادی کروں جو ان کو باہم جوڑے رکھے، ان کی کنگھی کرے اور ان پر پوری پوری نگرانی کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا! اب گھر پہنچنے والے ہو، وہاں خوب مزے اڑانا۔'' پھر فرمایا: ''اونٹ بیچو گے؟'' میں نے کہا، جی ہاں! اور پھر ایک اوقیہ چاندی کے بدلے میں آپ نے مجھ سے خرید لیا۔ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور میں اگلے دن صبح کو پہنچا۔ پھر ہم مسجد آئے تو رسول اللہ ﷺ مسجد کے دروازے پر ملے، آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا:

''ابھی پہنچے ہو؟'' میں نے کہا، جی ہاں ! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنا اونٹ چھوڑ دو، مسجد میں داخل ہو جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھ لو۔'' میں مسجد میں داخل ہوا، دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مجھے ایک اوقیہ چاندی تول دیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے چاندی تولی تو جھکتی ہوئی تول کر دی۔ اب میں چاندی پکڑ کر چل دیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جابر کو میرے پاس بلاؤ۔'' میں نے (دل میں) کہا، اب میرا اونٹ مجھے واپس ہو گا اور واپسی مجھے سخت ناگوار تھی۔ چنانچہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اونٹ بھی لے جاؤ اور اس کی قیمت (چاندی) بھی پاس ہی رکھو۔'' [بخاري، كتاب البيوع، باب شراء الحوائج بنفسه : ٢٠٩٧۔ مسلم، كتاب الرضاع، باب استحباب نكاح البكر : ٣٦٤١/ ١٤٦٦]

یعقوب علیہ السلام سے بنیامین کو ساتھ لے جانے کا مطالبہ

برادرانِ یوسف جب والد کے پاس واپس آئے تو سامان کھولنے سے بھی پہلے والد کو کہنے لگے کہ ابا جان ہمیں غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے اور اب غلہ ملنے کی یہی صورت ہے کہ آپ بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجیں۔

﴿ فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ [يوسف : ٦٣، ٦٤]

''تو جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو انھوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہم سے ماپ روک لیا گیا ہے، سو تو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج کہ ہم (غلے کا) ماپ لائیں اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔ اس نے کہا میں اس پر اس کے سوا تمھارا کیا اعتبار کروں جس طرح میں نے اس کے بھائی پر اس سے پہلے تمھارا اعتبار کیا، سو اللہ بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

واپس جا کر اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اگر ہم اپنے بھائی بنیامین کو لے کر نہیں جائیں گے تو ہمیں غلہ نہیں ملے گا، اس لیے اسے ہمارے ساتھ جانے دیجیے، تاکہ ہمیں غلہ مل سکے اور یقین کیجیے کہ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ جو عہد و پیان میں نے تم سے یوسف کی حفاظت کے لیے لیا تھا، کیا اس سے بھی زیادہ کوئی سخت عہد و پیمان ہوتا ہے جو میں تم لوگوں سے بنیامین کے لیے لوں؟ اس کے باوجود تم نے یوسف کے بارے میں مجھ سے خیانت کی، اس لیے اب میں تم لوگوں پر بھروسا نہیں کر سکتا۔ میں اس کی حفاظت کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں کہ جو سب سے بڑا محافظ ہے اور والدین اور بھائیوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ یہ یعقوب علیہ السلام کی طرف سے اشارہ تھا کہ وہ بنیامین کو لے جانے کی اجازت دے دیں گے۔

غلے کی قیمت کا غلے سے برآمد ہونا

جب برادرانِ یوسف نے اپنا سامان کھولا اور دیکھا کہ جو کچھ وہ بطورِ قیمت لے کر گئے تھے پورا ہی انھیں واپس دے دیا گیا ہے تو انھیں چھوٹے بھائی کو ساتھ بھیجنے کے لیے مزید اصرار کرنے کا موقع مل گیا۔

﴿ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴾ [يوسف : ٦٥]

''اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنے مال کو پایا کہ ان کی طرف واپس کر دیا گیا ہے، کہا اے ہمارے باپ! ہم کیا چاہتے ہیں، یہ ہمارا مال ہماری طرف واپس کر دیا گیا ہے اور ہم گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ ماپ زیادہ لائیں گے، یہ بہت تھوڑا ماپ ہے۔''

کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک نے راستے میں اپنی سواری کے جانور کو چارہ دینے کے لیے اپنا سامان کھولا تو اسے اپنی رقم بوری کے منہ ہی پر مل گئی۔ اس نے یہ بات اپنے بھائیوں سے کہی اور جب کنعان پہنچ کر سب نے غلے کی اپنی اپنی بوری کھولی تو ہر ایک کو اس کی رقم بوری کے منہ ہی پر ملی، سبھی بہت خوش ہوئے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور سب نے بیک زبان اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اب ہمیں کیا چاہیے؟ عزیز مصر نے ہماری بے حد تکریم کی، غلہ دیا، زادِ سفر دیا اور ہمارے پیسے بھی واپس کر دیے۔ ان کا مقصود اس گفتگو سے یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام بنیامین کو لے جانے کی اجازت دے دیں اور ہم اپنے بھائی بنیامین کو ساتھ لے جائیں گے تو اپنے اہل و عیال کے لیے مزید غلہ لائیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور بھائی کی وجہ سے ایک اونٹ کا غلہ زیادہ لائیں گے۔

یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اسی صورت میں بیٹے کو تمھارے ساتھ بھیجوں گا جب تم مجھے اللہ کا پختہ عہد دو گے کہ تم ہر صورت اس کی حفاظت کرو گے۔

﴿ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴾ [يوسف : ٦٦]

''اس نے کہا میں اسے تمھارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا، یہاں تک کہ تم مجھے اللہ کا پختہ عہد دو گے کہ تم ہر صورت اسے میرے پاس لاؤ گے، مگر یہ کہ تمھیں گھیر لیا جائے۔ پھر جب انھوں نے اسے اپنا پختہ عہد دے دیا تو اس نے کہا اللہ اس پر جو ہم کہہ رہے ہیں، ضامن ہے۔''

یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں اسے تمھارے ساتھ اسی صورت میں بھیج سکتا ہوں کہ تم لوگ اللہ کی قسم کھا کر مجھ سے اس بات کا عہد کرو کہ تم ہر حال میں اسے واپس لاؤ گے اِلاّ یہ کہ دشمن تم سب کو چاروں طرف سے گھیر لے اور تم

مغلوب ہو جاؤ اور اس کی جان نہ بچا سکو۔ جب ان لوگوں نے پختہ عہد کر لیا، تو یعقوب علیہ السلام نے انھیں ان کا عہد یاد دلاتے ہوئے اور نقض عہد کے انجام بد سے ڈراتے ہوئے کہا کہ ہم اپنی اس بات پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں۔

یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو نظر بد سے بچانے کے لیے ایک تدبیر

﴿وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ [يوسف : ٦٧]

''اور اس نے کہا اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے اللہ کی طرف سے (آنے والی) کوئی چیز نہیں ہٹا سکتا، حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی پر پس لازم ہے کہ بھروسا کرنے والے بھروسا کریں۔''

یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اجازت دے دی کہ وہ بنیامین کو اپنے ساتھ مصر لے جائیں۔ چونکہ یعقوب علیہ السلام کے سبھی بیٹے صحت مند اور خوبصورت تھے، اس لیے انھیں ڈر ہوا کہ اگر سبھی ایک ہی دروازے سے داخل ہوں گے تو کہیں کسی کی نظر بد نہ لگ جائے۔ اس لیے انھیں نصیحت کی کہ سب ایک دروازے سے شہر میں داخل نہ ہوں، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہوں۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی یہ کہا کہ میں اپنی اس تدبیر کے ذریعے سے اللہ کی قضا و قدر کو نہیں ٹال سکتا، اس لیے کہ احتیاط تقدیر کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ تمام فیصلے اللہ کے اختیار میں ہیں، ان میں کسی اور کا دخل نہیں ہے، اس لیے میں نے اسی پر بھروسا کیا ہے اور تمام لوگوں کو صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اس حکم سے کہ اے بیٹو! شہر میں ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا، مفسرین کی ایک بڑی تعداد نے اس آیت سے نظر بد ہی مراد لیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نظر کا لگ جانا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی اس کا برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نظر لگنا برحق ہے۔'' [دیکھیے بخاري، کتاب الطب ، باب العین حق : ٥٧٤٠۔ مسلم، کتاب السلام ، باب الطب والمرض و الرقی : ٢١٨٧]

سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے (میرے باپ) سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو نہاتے ہوئے دیکھا۔ تو انھوں نے کہا کہ میں نے آج تک اتنا حسین جسم کبھی نہیں دیکھا، یہ تو پردہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ سہل بے ہوش ہو کر گر گئے۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور درخواست کی گئی کہ اے اللہ کے رسول! سہل کے معاملہ میں کچھ کیجیے، اللہ کی قسم! وہ تو (بے ہوش ہیں اور) سر تک نہیں

اٹھاتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم کسی پر نظر لگانے کی تہمت لگاتے ہو؟'' لوگوں نے کہا، عامر بن ربیعہ نے انھیں دیکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو بلوایا اور ان پر خفگی کا اظہار کیا، آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کیوں کوئی (نظر کی وجہ سے) اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے؟ (جب تم نے دیکھا کہ وہ تمھیں بہت اچھے لگے تھے تو) تم نے ان کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی؟'' پھر آپ نے فرمایا: ''اب اس کے لیے غسل کرو۔'' چنانچہ عامر رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ، اپنے دونوں ہاتھ، اپنی کہنیاں، اپنے دونوں گھٹنے، اپنے پیروں کی انگلیاں اور ازار کے اندر کا حصہ ایک بڑے پیالہ میں دھویا اور پھر یہ پیالہ مریض کے سر پر اور اس کے پیچھے الٹ دیا گیا۔ جب یہ کام ہو چکا تو سہل رضی اللہ عنہ (ٹھیک ہو گئے اور) لوگوں کے ساتھ اٹھ کر چلنے پھرنے لگے، اب انھیں کوئی تکلیف نہ رہی تھی۔ [الموطأ لإمام مالك، كتاب العين، باب الوضوء من العين : ۲۔ مسند أحمد : ۴۴۷/۳، ح : ۱۵۷۰۶]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نظر لگنا حق ہے اور کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرتی تو نظر کرتی اور جب تم سے (نظر کی وجہ سے) نہانے کے لیے کہا جائے تو نہا لیا کرو۔'' [مسلم، كتاب السلام، باب الطب والمرض والرقى : ۲۱۸۸]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حسن وحسین رضی اللہ عنہما پر (ان کلمات کے ذریعے) دم کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ''تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام بھی اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام پر یہ کلمات پڑھ کر دم کیا کرتے تھے: « أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ » ''میں پناہ طلب کرتا ہوں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر شیطان سے، ہر زہریلے مہلک جانور سے اور ہر اس آنکھ سے جو نظر لگانے والی ہو۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، بابٌ : ۳۳۷۱]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے گھر میں ایک لڑکی کے چہرے پر چھائیاں دیکھیں تو فرمایا: ''اس کو دم کرواؤ، کیونکہ اس کو نظر لگ گئی ہے۔'' [بخاري، كتاب الطب، باب رقية العين : ۵۷۳۹۔ مسلم، كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين : ۲۱۹۷]

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسے دموں میں کوئی حرج نہیں جن میں شرک نہ ہو۔'' [مسلم، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك : ۲۲۰۰]

اللہ تعالیٰ نے تقدیر کو اٹل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [يوسف : ۶۸]

''اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے انھیں حکم دیا تھا، وہ ان سے اللہ کی طرف سے آنے والی

کسی چیز کو ہٹا نہ سکتا تھا مگر یعقوب کے دل میں ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی اور بلاشبہ وہ یقیناً بڑے علم والا تھا، اس وجہ سے کہ ہم نے اسے سکھایا تھا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

باپ کے کہنے کے مطابق مختلف دروازوں سے ان کا داخل ہونا اللہ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتا تھا اور نہ یعقوب کا ایسا خیال تھا، یہ تو ان کی شفقت پدری تھی جس کا انھوں نے اس طرح اظہار کیا تھا۔ انھیں اللہ نے نبی بنایا تھا اور آسمانی علم و حکمت سے نوازا تھا۔ انھیں معلوم تھا کہ تدبیر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی اور اللہ کے فیصلے کو بہرحال وقوع پذیر ہونا ہے، لیکن بہت سے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اسباب میں تاثیر ہوتی ہے، جو ان کی خام خیالی ہے اور تقدیر پر ایمان لانے کے مخالف عقیدہ ہے۔

برادرانِ یوسف، بنیامین کو بھائی کے پاس چھوڑنے پر کیسے مجبور ہوئے؟

برادرانِ یوسف جب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے حسن تدبیر سے دوسرے بھائیوں کو اس طرح ٹھہرایا کہ چھوٹا بھائی اکیلا رہ گیا تو اسے اپنے پاس ٹھہرا لیا اور پھر اسے بتایا کہ میں تمھارا بھائی ہوں۔

﴿وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى یُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝ قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّا ذَا تَفْقِدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ﴾ [یوسف: ۶۹ تا ۷۲]

"اور جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی، کہا بلاشبہ میں ہی تیرا بھائی ہوں، سو تو اس پر غم نہ کر جو وہ کرتے رہے ہیں۔ پھر جب اس نے انھیں ان کے سامان کے ساتھ تیار کر دیا تو پینے کا برتن اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا، پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا اے قافلے والو! بلاشبہ تم یقیناً چور ہو۔ انھوں نے کہا، جب کہ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے، تم کیا چیز گم پاتے ہو؟ انھوں نے کہا ہم بادشاہ کا پیمانہ گم پاتے ہیں اور جو اسے لے آئے اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں۔"

جب یوسف علیہ السلام کے بھائی بنیامین کو لے کر آپ کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے ان سب کی خوب خاطر مدارت کی اور بنیامین کو کسی بہانے سے الگ بلا کر سارا ماجرا سنا دیا اور بتایا کہ میں تمھارا بھائی یوسف ہوں اور جو کچھ میرے سوتیلے بھائیوں نے میرے ساتھ کیا تھا اس کا غم نہ کرو اور ابھی راز کو افشا نہ کرنا۔ میں تمھیں کوئی سبب پیدا کر کے اپنے پاس روک لوں گا، تاکہ عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس رہ سکو۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اہل کاروں کو سکھا دیا کہ جب یہ لوگ اپنا سامان سفر باندھ رہے ہوں تو بادشاہ کا چاندی کا پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھ دیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور جب وہ لوگ واپس جاتے ہوئے کچھ دور چلے گئے تو پیچھے سے ان کے آدمی دوڑتے ہوئے گئے اور کہا کہ تم لوگ

چور ہو۔ انھوں نے کہا کہ تمھاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟ تو اعلان کرنے والے نے کہا کہ بادشاہ کا پیالہ چوری ہو گیا ہے اور جس نے اسے لیا ہے اگر از خود لوٹا دے گا تو اسے ایک اونٹ کا غلہ دیا جائے گا اور میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ بھی زعیم یعنی ضامن ہیں، سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میں ضامن ہوں، جنت کے اطراف میں اور جنت کے وسط میں ایک گھر کا، اس شخص کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا، مسلمان ہوا اور اس نے ہجرت کی اور میں ضامن ہوں جنت کے اطراف میں ایک گھر کا، جنت کے وسط میں ایک گھر کا اور جنت کے بالا خانوں میں ایک گھر کا، اس شخص کے لیے جو مجھ پر ایمان لایا، مسلمان ہوا، ہجرت کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا۔ جس شخص نے یہ تینوں کام کیے اس نے گویا نیکی کی کوئی بات نہ چھوڑی اور وہ برائی سے مکمل طور پر بچا رہا، ایسا شخص جہاں بھی مرنا چاہے مرے (اس کے اجر و ثواب میں کمی نہیں ہوگی)۔''

[نسائي، كتاب الجهاد، باب ما لمن أسلم وهاجر و جاهد : ٣١٣٥۔ ابن حبان : ٤٦١٩۔ مستدرك حاكم : ٧١/٢، ح : ٢٣٩١]

سابقہ شرائع میں چوری کی سزا

اعلان سن کر برادرانِ یوسف نے اپنے چور ہونے کی نفی کی:

﴿ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ۝ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ۝ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [يوسف : ٧٣ تا ٧٥]

''انھوں نے کہا اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً تم جان چکے ہو کہ ہم اس لیے نہیں آئے کہ اس ملک میں فساد کریں اور نہ ہم کبھی چور تھے۔ انھوں نے کہا پھر اس کی کیا جزا ہے، اگر تم جھوٹے ہوئے؟ انھوں نے کہا اس کی جزا وہ شخص ہے جس کے کجاوے میں وہ پایا جائے، سو وہ شخص ہی اس کی جزا ہے۔ اسی طرح ہم ظالموں کو جزا دیتے ہیں۔''

بھائیوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ ہم کنعان سے یہاں چوری کرنے یا کسی بری نیت سے نہیں آئے تھے، ہم تو غلہ کے لیے آئے تھے۔ ہم اس سے پہلے بھی آئے تھے اور چوری کا الزام ہم پر نہیں لگایا گیا تھا اور نہ کبھی زندگی میں ہم نے ایسا کام کیا ہے۔ تو یوسف علیہ السلام کے لوگوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلے تو چور کو کیا سزا ملنی چاہیے؟ انھوں نے کہا کہ جس کے سامان میں سے پیالہ ملے اسے بادشاہ اپنا غلام بنا لے، ہم چوری کرنے والوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

یہ تدبیر درحقیقت اللہ کی طرف سے تھی

﴿ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴾

[يوسف : ٧٦]

’’تو اس نے اس کے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے ابتدا کی، پھر اسے اس کے بھائی کے تھیلے سے نکال لیا۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی، ممکن نہ تھا کہ بادشاہ کے قانون میں وہ اپنے بھائی کو رکھ لیتا مگر یہ کہ اللہ چاہے، ہم جسے چاہتے ہیں درجوں میں بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے سے اوپر ایک سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘

اعلان کرنے والے نے بنیامین کے سامان سے پہلے اس کے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی، پھر بنیامین کے سامان سے پیالہ نکل آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کی غرض پوری کرنے کے لیے ہم نے یہ تدبیر کی تھی۔ اس لیے کہ شاہ مصر کے قانون و دستور کے مطابق یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے، البتہ یعقوب علیہ السلام کے دین و شریعت میں یہ تھا کہ چور کو غلام بنا لیا جاتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود ان بھائیوں کی زبان سے ان کے باپ کے دین کے مطابق کہلوایا کہ جو چور ہو گا وہ بادشاہ کا غلام بنا لیا جائے گا۔ ان کا یہ کہنا اللہ کی مشیت کے مطابق تھا، تاکہ یوسف علیہ السلام اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک سکیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے علم کے ذریعے یوسف علیہ السلام کو بلند مقام دیا، اسی طرح ہم جسے چاہتے ہیں علوم و معارف دے کر اس کے ہم عصروں میں اسے عالی مقام بنا دیتے ہیں اور ہر علم والے سے بڑا ایک علم والا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ علم والا ہے، اس سے بڑا کوئی عالم نہیں اور اس کا علم بحر بے کنار ہے۔

برادرانِ یوسف کا آپ علیہ السلام پر چوری کا الزام

برادرانِ یوسف نے اولاً تو یہ کہا کہ ہم کبھی چور نہیں تھے، لیکن اب جو دیکھا کہ چھوٹے بھائی کے پاس سے چوری کا مال نکل آیا ہے تو اپنی خفت مٹانے اور اپنی پاک بازی ثابت کرنے کے لیے فوراً اپنے آپ کو اس بھائی سے الگ کر لیا اور اس کے جرم کو بہانہ بنا کر اس کے بھائی (یوسف علیہ السلام) پر بھی چوری کی جھوٹی تہمت لگا دی۔

﴿ قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَ لَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴾ [يوسف : ٧٧]

’’انھوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو بے شک اس سے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ تو یوسف نے اسے اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اسے ان کے لیے ظاہر نہیں کیا، کہا تم مرتبے میں زیادہ برے ہو اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔‘‘

جب پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہو گیا، تو ان کے بھائیوں نے عزیز مصر کے سامنے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ ہم لوگ اس جیسے چور نہیں ہیں، کہا کہ اگر یہ چور نکلا تو اس کا بھائی بھی تو چور تھا۔ یوسف علیہ السلام نے ان کے اس جھوٹ

پر ضبط سے کام لیا اور اپنے تاثرات کو ظاہر نہیں ہونے دیا، البتہ اپنے دل میں کہا کہ تم کتنے برے لوگ ہو کہ خود یوسف (علیہ السلام) کو اس کے باپ سے دھوکا دے کر لے گئے تھے اور کنویں میں ڈال دیا تھا اور آج اس مظلوم و بے گناہ پر چوری کی تہمت دھرتے ہو، تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے۔

بھائیوں کی تجویز

جب برادرانِ یوسف نے دیکھا کہ ان کے اپنے بیان کردہ قاعدے کے مطابق بنیامین کو یوسف علیہ السلام کے پاس رہنا پڑے گا تو انھوں نے باپ کے بوڑھا ہونے کا عذر پیش کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ آپ ہم میں سے ایک بھائی کو رکھ لیں اور انھیں چھوڑ دیں۔

﴿ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴾ [یوسف : ۷۸، ۷۹]

’’انھوں نے کہا اے عزیز! بے شک اس کا ایک بڑا بوڑھا باپ ہے، سو تو ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ رکھ لے، بے شک ہم تجھے احسان کرنے والوں سے دیکھتے ہیں۔ اس نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم اس کے سوا کسی کو پکڑیں جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے، یقیناً ہم تو اس وقت ظالم ہوں گے۔‘‘

جب ان کی رائے کے مطابق ہی یہ بات طے پا گئی کہ اب بنیامین کو مصر میں رہنا ہے تو انھوں نے عزیز مصر سے رحم کی اپیل اس طرح کی کہ آپ ہم میں سے کسی ایک کو بنیامین کے بدلے میں لے لیں اور اسے چھوڑ دیں۔ اس لیے کہ اس کے والد بہت ہی بوڑھے ہیں اور اس سے بڑی محبت کرتے ہیں، بلکہ اسے دیکھ کر اپنے گمشدہ بیٹے کا غم غلط کرتے ہیں۔ چونکہ آپ نے پہلے بھی ہم پر بہت سے احسانات کیے ہیں، اس لیے یہ احسان عظیم بھی ہم پر کر دیجیے۔ عزیز مصر نے ان کی درخواست رد کر دی اور کہا کہ قصور وار کے بدلے بے گناہ کو لے لینا ظلم و زیادتی ہوگی اور ایسے گناہ کے ارتکاب سے اللہ کی پناہ مانگی، تاکہ ان کے بھائیوں کی امید بالکل ہی ختم ہو جائے۔

بھائیوں کا آپس میں مشورہ

جب انھیں بالکل نا امیدی ہوگئی تو سب سے بڑے بھائی نے والد کے سامنے جانے سے انکار کر دیا اور انھیں باپ کے ساتھ کیا ہوا عہد یاد دلایا۔

﴿ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴾

[یوسف : ۸۰]

’’پھر جب وہ اس سے بالکل ناامید ہو گئے تو مشورہ کرتے ہوئے الگ جا بیٹھے، ان کے بڑے نے کہا کیا تم نے نہیں جانا کہ تمھارا باپ تم سے اللہ کا عہد لے چکا ہے اور اس سے پہلے تم نے یوسف کے بارے میں جو کوتاہی کی، اب میں اس زمین سے ہرگز نہ ہلوں گا یہاں تک کہ میرا باپ مجھے اجازت دے، یا اللہ میرے لیے فیصلہ کر دے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔‘‘

جب کوئی امید باقی نہ رہی تو لوگوں سے الگ ہو کر آپس میں سر جوڑ کر غور و خوض کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ تو بڑے بھائی نے کہا کہ تم سب کو پتا ہے کہ ہمارے باپ نے ہم سے اللہ تعالیٰ کا عہد و پیمان لیا ہے کہ ہم بنیامین کو بحفاظت ان کے پاس واپس پہنچائیں گے اور ہم لوگ اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) کے سلسلے میں جس غلطی کا ارتکاب کر چکے ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔ اس لیے اب میں مصر سے اسی وقت کنعان جاؤں گا جب میرا باپ مجھے اجازت دے دے، یا اللہ تعالیٰ مصر سے میری روانگی کا فیصلہ کر دے، یا میرا بھائی بنیامین کسی طرح آزاد کر دیا جائے اور اللہ بہر حال بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

البتہ تم واپس جا کر والد کو بتاؤ کہ آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔ اگر تم واپس نہ گئے تو والد اور زیادہ پریشان ہوں گے۔

﴿ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ وَ سْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَ الْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ [یوسف : ۸۱، ۸۲]

’’اپنے باپ کی طرف واپس جاؤ، پس کہو اے ہمارے باپ! بے شک تیرے بیٹے نے چوری کر لی اور ہم نے شہادت نہیں دی مگر اس کے مطابق جو ہم نے جانا اور ہم غیب کی حفاظت کرنے والے نہ تھے۔ اور اس بستی سے پوچھ لے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی جس میں ہم آئے ہیں اور بلاشبہ ہم یقیناً سچے ہیں۔‘‘

بھائیوں سے کہا کہ تم لوگ والد کے پاس جاؤ اور انھیں سارا ماجرا سناؤ اور کہو کہ آپ کے بیٹے بنیامین کی طرف عزیز مصر کے پیالے کی چوری منسوب کی گئی ہے اور ہم نے دیکھا کہ ان کے سامان سے پیالہ نکالا گیا۔ ہم اس کی گواہی دیتے ہیں اور چونکہ ہم غیب کا علم نہیں رکھتے، اس لیے حقیقت امر کا پتا نہیں کہ کیا واقعی بنیامین نے چوری کی ہے یا کوئی اور بات ہے اور یہ بھی کہو کہ آپ کسی کو مصر بھیج کر حقیقت حال کا پتا چلا لیجیے اور اس قافلہ والوں سے بھی پوچھ لیجیے جو ہمارے ساتھ وہاں سے آئے ہیں اور آپ یقین کیجیے کہ ہم لوگ سچے ہیں۔

افسوس ناک خبر سننے کے بعد اللہ کے نبی کا جواب

جب بڑے بھائی کی تجویز کے مطابق باقی بھائیوں نے کنعان پہنچ کر اپنے والد یعقوب سے یہ سب کچھ بیان کیا تو

ان کے منہ سے وہی الفاظ نکلے جو یوسف کو بھیڑیے کے کھائے جانے کی خبر سن کر نکلے تھے۔

﴿ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴾

[يوسف : ۸۳ ، ۸۴]

''اس نے کہا بلکہ تمھارے لیے تمھارے دلوں نے ایک کام مزین کر دیا ہے، سو (میرا کام) اچھا صبر ہے، امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا، یقیناً وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ اور وہ ان سے واپس پھرا اور اس نے کہا ہائے میرا غم یوسف پر! اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں، پس وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔''

جب وہ لوگ کنعان پہنچے تو اپنے باپ سے وہی کچھ کہا جو بڑے بھائی نے سکھایا تھا۔ تو انھوں نے کہا کہ یہ بات کہ میرے بیٹے نے چوری کی ہے، تمھارے ذہن کی ایک پیداوار ہے۔ اس نے حقیقت میں چوری نہیں کی، اس لیے اب تو میرے لیے صبر کرنا ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ مجھے امید ہو چکی ہے کہ میرا اللہ میرے تینوں بیٹوں کو مجھ سے ملا دے گا۔ انھیں پہلے سے کچھ اندازہ تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں لیکن مفقود الخبر ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنے بیٹوں سے منہ پھیر لیا اور یوسف علیہ السلام کی گم شدگی پر شدید حزن و ملال کا اظہار کرنے لگے، اس لیے کہ ان کی مصیبتوں کی ابتدا انھی کی گمشدگی سے ہوئی تھی۔ وہ گم ہوئے، پھر بنیامین غلام بنا لیے گئے اور بڑے بیٹے نے بنیامین کے حادثے سے متاثر ہو کر مصر ہی میں غریب الوطنی کی زندگی اختیار کر لی اور باپ کو منہ دکھانا پسند نہیں کیا۔ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے گم ہونے کے بعد اتنا روئے کہ مسلسل آنسو بہتے رہنے سے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ کسی مصیبت یا کسی چہیتے کی موت یا گم شدگی پر غم کرنا حرام نہیں ہے، حرام یہ ہے کہ آدمی چیخ پکار کرے، گریبان پھاڑے اور ایسی باتیں کرے جو صبر و استقامت کے خلاف ہوں، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بیٹے ابراہیم کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ عالم نزع میں تھے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی (روتے ہیں؟) آپ نے فرمایا: ''اے ابن عوف! یہ رحمت ہے۔'' پھر آپ کے دوبارہ آنسو نکل آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: « اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ ! لَمَحْزُوْنُوْنَ » ''آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، دل غمگین ہے، لیکن زبان سے ہم صرف وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو، البتہ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ضرور ہیں۔'' [بخاري، كتاب الجنائز، باب قول النبي ﷺ "انا بك لمحزونون" : ۱۳۰۳۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان ...... الخ : ۲۳۱۵]

بیٹوں کا باپ سے اظہار ہمدردی

بیٹوں نے جب یعقوب علیہ السلام کو شدتِ غم میں مبتلا دیکھا تو انھوں نے باپ سے کہا کہ اللہ کی قسم ! آپ یوسف کو اسی طرح ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے، حتیٰ کہ گھل گھل کر مرنے کے قریب ہو جائیں گے۔ قرآن مجید یعقوب علیہ السلام کی کیفیت کو بیان کرتا ہے:

﴿ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۞ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [یوسف : ۸۵، ۸٦]

''انھوں نے کہا اللہ کی قسم ! تو ہمیشہ یوسف کو یاد کرتا رہے گا، یہاں تک کہ گھل کر مرنے کے قریب ہوجائے، یا ہلاک ہونے والوں سے ہوجائے۔ اس نے کہا میں تو اپنی ظاہر ہوجانے والی بے قراری اور اپنے غم کی شکایت صرف اللہ کی جناب میں کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''

یعقوب علیہ السلام کا حال زار دیکھ کر ان کے بیٹوں کو ان پر بڑا رحم آتا تھا اور جب ان کی حالت دن بدن غیر ہونے لگی اور ڈرے کہ کہیں یوسف (علیہ السلام) کا غم ان کے دل کو نہ کھا جائے اور ان کی موت کا سبب نہ بن جائے تو انھوں نے ان سے کہا کہ اللہ کی قسم ! آپ یوسف کو اسی طرح ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ آپ عقل و ہوش کھو بیٹھیں گے اور آپ کا جسم گھل جائے گا، کہیں یہ غم آپ کی زندگی ہی کا خاتمہ نہ کر دے۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنا درد و غم اور حال زار کسی انسان سے نہیں بلکہ اللہ سے بیان کرتا ہوں، اسی کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں اور اسی سے التجا کرتا ہوں، اس لیے تم لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ مجھے وہ کچھ معلوم ہے جو تمھیں معلوم نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرا بیٹا یوسف (علیہ السلام) زندہ ہے، اس کا خواب سچا تھا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے ملا دے گا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر کے پاس ایک عورت کو روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: '' (اے عورت !) اللہ تعالیٰ سے ڈر'' اس عورت نے کہا، میرے جیسی مصیبت تم پر پڑی ہوتو (تمھیں میرے دل کا حال) معلوم ہو۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں تھا، تو جب لوگوں نے اس عورت کو بتلایا کہ یہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، تو وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً صبر وہی ہے جو آدمی ابتدائے مصیبت کے وقت کرے۔'' [بخاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبر : ١٢٨٣ ـ مسلم، كتاب الجنائز، باب في الصبر على المصيبة عند الصدمة الأولى : ٩٢٦]

یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی تلاش کا حکم

﴿ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا

﴿الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [یوسف : ۸۷]

''اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔''

سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ مصر جائیں اور یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کے بارے میں پتا لگائیں اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ اس لیے کہ اس کی رحمت سے صرف کافر لوگ ناامید ہوتے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ﴾ [الحجر : ٥٦] ''اور گمراہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مومن کو اس سزا اور عذاب کا (کماحقہ) علم ہو جائے جو اللہ کے ہاں (نافرمانوں کے لیے) ہے تو کوئی بھی اس کی جنت کی امید نہ رکھے اور اگر کافر کو اللہ کی رحمت کا (صحیح) علم ہو جائے جو اللہ کے پاس ہے تو وہ اس کی جنت سے ناامید نہ ہو۔'' [مسلم، كتاب التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى وأنها سبقت غضبه : ۲۷۵۵]

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر کام میں اس کے لیے خیر ہے اور یہ معاملہ صرف مومن کے لیے ہے، اگر اسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور اس میں بھی اس کے لیے خیر ہوتی ہے۔'' [مسلم، كتاب الزهد، باب المؤمن أمره كله خير : ۲۹۹۹]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب جنازہ (تیار کر کے) رکھا جاتا ہے اور مرد اس کو اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں، تو اگر وہ نیک (آدمی کا) جنازہ ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے، مجھے (جلدی) آگے لے چلو اور اگر وہ بدکار کا جنازہ ہوتا ہے تو کہتا ہے، ہائے ہلاکت! اسے کہاں لیے جا رہے ہو؟ اس کی آواز انسان کے سوا ہر چیز سنتی ہے اور اگر انسان اسے سن لے تو (اس کی تاب نہ لا سکے اور) بے ہوش ہو جائے۔'' [بخاري، كتاب الجنائز، باب حمل الرجال الجنازة دون النساء : ١٣١٤]

بھائی، یوسف علیہ السلام کے دربار میں

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ﴾ [یوسف : ۸۸]

''پھر جب وہ اس کے پاس داخل ہوئے تو انھوں نے کہا اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں، سو ہمارے لیے ماپ پورا دے دے اور ہم پر صدقہ کر۔ یقیناً اللہ صدقہ

کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔‘‘

باپ کے حکم کے مطابق باقی ماندہ بھائی تیسری مرتبہ مصر پہنچے اور عزیز مصر کے دربار میں حاضری دی اور کہا کہ جناب عالی! ہم اور ہمارے بال بچے قحط اور خشک سالی کی وجہ سے بہت پریشانی میں ہیں۔ ہم بہت ہی تھوڑی رقم لے کر آئے ہیں (انھوں نے یہ انداز بیان بادشاہ کے دل میں اپنے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے اختیار کیا تھا)، لیکن آپ اپنے جود و سخا سے ہمیں اناج پہلے کی طرح پورا دیجیے اور رقم کم ہونے یا اس کے بے وقعت ہونے کا خیال نہ کیجیے، اللہ تعالیٰ صدقہ اور بھلائی کرنے والوں کو ضرور اچھا بدلا دیتا ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو اپنے بارے میں بتانا

بھائیوں کی بے بسی اور درماندگی دیکھ کر اور صدقے کے سوال پر یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا اور معاملے کو مزید طول دینے کی تاب نہ رہی۔ چنانچہ کچھ ناراضی کا اظہار اور زیادہ تر ان کی غلطی کا عذر خود ہی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴾ [يوسف : ۸۹]

’’اس نے کہا کیا تم نے جانا کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا، جب تم نادان تھے؟‘‘

اپنے خاندان والوں کی غربت و پریشانی اور اپنے باپ کے درد و غم کا حال جان کر یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا اور ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اب قصہ کو مزید طول دینے کی تاب نہ لا سکے اور اپنے بھائیوں کو اپنی درد بھری داستان یاد دلاتے ہوئے کہا کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کے ساتھ نادانی کی وجہ سے ماضی میں جو ظلم و زیادتی کی تھی، کیا وہ تمھیں یاد ہے؟ سیدنا یوسف علیہ السلام کا ظرف ملاحظہ فرمائیے کہ گو بھائیوں کو جتا دیا کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد کرو، مگر ساتھ ہی ان کے دکھے دل کو مزید زخمی نہیں کیا، ان کی معذرت و معافی اور شرمندگی و شرمساری سے پہلے ہی گویا انھیں معافی کی تسلی دے دی کہ یہ تم نے اس وقت کیا جب تم نادان تھے۔ یہ اصلاح اور تربیت کے انداز ہیں، جہاں قدم قدم نرمی اور لحہ لحہ محبت کی فراوانی ہونی چاہیے۔ ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ اتنا غالب ہو کہ انتقام اور نفرت کے سارے جذبے اس کے سامنے کمزور اور بے بس ہو جائیں۔ معلوم ہوا نرم روی اور شستہ لہجہ دعوت کے میدان میں ایسا طریقہ ہے جو پتھر دل اور سخت طبیعت انسان کو بھی پگھلا کر مسحور کر دیتا ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ مہربان و شفیق ہے اور وہ تمام معاملات میں مہربانی و شفقت ہی کو پسند کرتا ہے۔‘‘ [بخاري، كتاب استتابة المرتدين، باب إذا عرض الذمي ...... الخ : ٦٩٢٧]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ مہربان و شفیق ہے اور

مہربانی و شفقت ہی کو پسند کرتا ہے اور شفقت و نرمی (یعنی خوش خلقی) پر وہ چیزیں (دنیا و آخرت میں) دیتا ہے جو سختی کرنے پر نہیں دیتا اور نہ کسی دوسرے فعل پر عطا فرماتا ہے۔'' [مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق : ۲۵۹۳]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے وہ اسے زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے نکل جاتی ہے اسے برا کر دیتی ہے۔'' [مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق : ۲۵۹٤]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ دوڑے کہ اسے تنبیہ کریں، مگر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو، کیونکہ تم لوگ آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، سختی و تنگی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔'' [بخاري، کتاب الأدب، باب قول النبي ﷺ : یسروا ولا تعسروا : ٦١٢٨]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آسانی پیدا کرو اور سختی نہ کرو، خوش خبری دو اور نفرت نہ دلاؤ۔'' [مسلم، کتاب الجهاد، باب في الأمر بالتیسیر و ترك التنفیر : ۱۷۳۳]

عفو و درگزر کی درخشندہ مثال

بھائیوں کو یہ سن کر دھچکا لگا کہ برسوں پرانی بات جو ہمارے سوا کوئی نہیں جانتا اس اجنبی سرزمین میں جاننے والا یہ کون نکل آیا، پھر ان کے نقوش پر غور کرتے ہوئے فوراً نتیجے پر پہنچ گئے اور کہنے لگے:

﴿ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [یوسف : ۹۰]

''انھوں نے کہا کیا یقیناً واقعی تو ہی یوسف ہے؟ کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، یقیناً اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو ڈرے اور صبر کرے تو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے اس سوال سے انھیں پہچان لیا، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ یوسف کا واقعہ ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا، بے حد حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے کہا، کیا واقعی آپ ہی یوسف ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا سگا بھائی بنیامین ہے، اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے کہ آزمائشوں کا دور ختم ہو گیا، ایک مدت کی جدائی کے بعد دونوں بھائی مل گئے ہیں اور ذلت کے بعد عزت اور وحشت و تنہائی کے بعد انس و قربت نصیب ہوئی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے سبب بیان کرتے ہوئے کہا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں ڈرتا رہتا ہے اور تکلیفوں پر صبر کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے اچھے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان

کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اور جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ اسے (سوال کی مصیبت سے) بچا لیتا ہے اور جو بے نیازی اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتا ہے اور جو صبر کا دامن پکڑتا ہے، اللہ اسے صبر کی توفیق دے دیتا ہے اور کوئی شخص ایسا عطیہ نہیں دیا گیا جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر ہو۔“ [بخاري، كتاب الزكوة، باب الاستعفاف عن المسألة : ١٤٦٩ـ مسلم، كتاب الزكوة، باب فضل التعفف والصبر ...... الخ : ١٠٥٣]

بھائیوں کے سامنے اپنے ظلم وستم کا وہ سارا منظر آ گیا جو ان کے ہاتھوں ہوا تھا تو انھوں نے قسم کھا کر آپ کی برتری کا اعتراف کیا۔

﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ﴾ [يوسف : ٩١]

انھوں نے کہا اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً اللہ نے تجھے ہم پر فوقیت دی ہے اور بلاشبہ ہم واقعی خطا کار تھے۔“

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے مقام ومرتبہ اور ماضی میں ان کے حق میں اپنے خطرناک جرم کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم سب پر فضیلت دی ہے اور آپ کو آپ کے تقویٰ اور صبر کی وجہ سے بڑا اونچا مقام عطا کیا ہے اور ہم آپ کے حق میں بڑے گناہ گار اور خطا کار تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انھوں نے فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور توبہ کی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آپس میں ایک دوسرے سے برا سلوک کرنے سے بچو، کیونکہ آپس کی بدسلوکی (دین و ایمان اور امن وسکون کو) مونڈ کر رکھ دینے والی ہے۔“ [ترمذي، كتاب صفة القيامة، باب في فضل صلاح ذات البين...... الخ : ٢٥٠٨]

یوسف علیہ السلام نے انھیں معاف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ [يوسف : ٩٢]

”اس نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھیں بخشے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

یوسف علیہ السلام نے کہا، جاؤ! آج میں نے تمھیں معاف کر دیا۔ ماضی کی غلطی پر تمھارا مؤاخذہ نہیں کروں گا، اللہ بھی تمھیں معاف کر دے اور وہ تو بے حد رحم کرنے والا ہے۔ وہ لوگ کہ عظمت جن کا سرمایۂ افتخار بنا دیا جاتا ہے، وہ ایسے ہی ہوتے ہیں، کشادہ دل اور فراخ حوصلہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے! اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا کیا ستم نہ توڑے تھے، مگر جب فتح مکہ کے موقع پر وہ وقت آیا کہ کل کے سارے ظالم گردنیں جھکائے کھڑے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مظالم فراموش کر دیے، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی چوکھٹ کو پکڑ کر فرمایا: ”اے قریشیو! تمھارا (میرے بارے میں آج) کیا خیال ہے؟“ انھوں نے کہا، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھتیجے اور چچا زاد ہیں اور آپ بڑے مہربان اور کریم ہیں۔ آپ نے ان سے پھر وہی سوال کیا اور

انھوں نے پھر وہی جواب دیا۔ چنانچہ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی: ﴿ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴾ ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھیں بخشے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' [السنن الكبرى للنسائي : ۳۸۳/۷، ح : ۱۱۲۹۸]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر لوگوں (یعنی قریش مکہ) کو مخاطب کر کے (یہ بھی) فرمایا: ''اے لوگو! اللہ نے تمھارے جاہلی غرور و تکبر کو ہوا میں اڑا کر رکھ دیا ہے، لوگو! آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو نیک ہو، اپنے رب کے ہاں پرہیز گار اور معزز ہو اور دوسرا وہ جو بدکار، بدبخت اور اپنے پروردگار کے ہاں گھٹیا ہو۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ [الحجرات : ۱۳] ''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں یہی کچھ کہنا تھا، باقی میں اپنے اور تمھارے لیے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔'' [ابن حبان : ۳۸۲۸۔ ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب و من سورة الحجرات : ۳۲۷۰]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو احسان کا بدلا احسان سے دے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔'' [بخاري، كتاب الأدب، باب ليس الواصل بالمكافئ : ۵۹۹۱]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں، لیکن وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں، میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں، لیکن وہ میرے ساتھ برائی اور بدسلوکی کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ حلم و بردباری سے پیش آتا ہوں، لیکن وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہ تم نے بیان کیا تو گویا تم ان کے منہ میں گرم راکھ رکھ رہے ہو اور تمھارے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مددگار (فرشتہ) رہے گا جو تم کو ان پر غالب رکھے گا، وہ ان کی اذیت رسانیوں اور شر کو دفع کرنے والا ہے، جب تک کہ تم اس صفت پر قائم ہو۔'' [مسلم، كتاب البر والصلة، باب صلة الرحم : ۲۵۵۸]

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرنا

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو معاف کر دینے کے بعد گھر کے حالات معلوم کیے۔ والد کے نابینا ہونے کی خبر پر ان

کے علاج کے لیے اپنی قمیص بھیجی اور سارے گھر والوں کو اپنے پاس مصر لانے کا حکم دیا۔

﴿ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ [يوسف : ٩٣]

''میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائے گا اور اپنے گھر والوں کو، سب کو میرے پاس لے آؤ۔''

اب وقت آ گیا تھا کہ یعقوب علیہ السلام کے درد والم کا دور ختم ہو اور ان کے صبر کا نتیجہ ظاہر ہو۔ یوسف علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے وحی کے مطابق بھائیوں سے کہا کہ تم لوگ میری یہ قمیص لے کر جاؤ، میرے باپ کے چہرے پر اسے ڈالو تو اللہ کے حکم سے ان کی بینائی واپس آ جائے گی اور تم لوگ اپنے خاندان کے تمام افراد کو لے کر یہاں آ جاؤ۔

ادھر مصر سے قافلہ چلا اور یعقوب علیہ السلام فرمانے لگے کہ میں آج یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔

﴿ وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴾ [يوسف : ٩٤، ٩٥]

''اور جب قافلہ جدا ہوا، ان کے باپ نے کہا بے شک میں تو یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں، اگر یہ نہ ہو کہ تم مجھے بہکا ہوا کہو گے۔ انھوں نے کہا اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً تو اپنی پرانی بھول ہی میں ہے۔''

جب بھائیوں کا قافلہ مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے، لیکن تم لوگ تو یہی کہو گے کہ بڑھاپے کی وجہ سے میری عقل متاثر ہو گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو آپ کی وہی پرانی باتیں ہیں، آپ تو ہمیشہ یوسف کی محبت میں اس طرح کی باتیں کرتے رہے ہیں اور ان کی دید کی خواہش لیے جیتے رہے ہیں، حالانکہ وہ مر چکے ہیں، اس لیے آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہییں۔

خوش خبری لانے والا قمیص لے کر پہنچ گیا اور بینائی پلٹ آئی

﴿ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ [يوسف : ٩٦ تا ٩٨]

''پھر جیسے ہی خوشخبری دینے والا آیا اس نے اسے اس کے چہرے پر ڈالا تو وہ پھر بینا ہو گیا۔ کہنے لگا کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بے شک میں اللہ کی طرف سے جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ انھوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کر، یقیناً ہم خطا کار تھے۔ اس نے کہا میں عنقریب تمھارے لیے اپنے رب سے بخشش کی دعا کروں گا، بے شک وہی بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

کہتے ہیں کہ وہ یہودا تھا جس کے سپرد یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص کی تھی۔ جب اس نے وہ قمیص یعقوب علیہ السلام کے

چہرے پر ڈالی تو ان کی بینائی واپس آ گئی۔ تب انھوں نے سب سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تم لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو؟ بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ہم نے یوسف اور آپ کے حق میں جو غلطیاں کی تھیں ان کی اللہ سے ہمارے لیے مغفرت طلب کر دیجیے، تو یعقوب علیہ السلام نے ان سے اس کا وعدہ کیا اور کہا کہ میں تمھارے لیے اللہ سے دعا کروں گا اور وہ تو بڑا معاف کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر رات جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار بزرگ و برتر آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے، پس میں اس کی دعا قبول کر لوں؟ کوئی ہے جو مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے عطا کر دوں؟ کوئی ہے جو استغفار کرے تو میں اسے معاف کر دوں؟'' [بخاري، كتاب التهجد، باب الدعاء و الصلاة من آخر الليل : ١١٤٥]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمھیں فنا کر دے گا اور ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو گناہ کریں گے اور پھر اس سے بخشش مانگیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کو بخشے گا۔'' [مسلم، كتاب التوبة، باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة : ٢٧٤٩]

والدین کا استقبال

یعقوب علیہ السلام کنعان سے سارے اہل خانہ سمیت روانہ ہو کر مصر پہنچے۔ یوسف علیہ السلام نے عمائدین حکومت اور عوام سے مل کر والدین اور افرادِ خانہ کا استقبال کیا۔

﴿ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴾ [يوسف : ٩٩]

''پھر جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو جاؤ، امن والے، اگر اللہ نے چاہا۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کے پاس آمد اور بلادِ مصر کو اپنی جائے قیام بنانے کا ذکر فرمایا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ تم تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ۔ تو اس پیغام پر سب نے رختِ سفر باندھ لیا اور بلادِ کنعان سے بلادِ مصر روانہ ہو گئے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو ان کا مناسب مقام دیا، ان کی خوب دل جوئی کی، انھیں اور سب رشتہ داروں سے کہا کہ اب آپ لوگ بڑے امن و امان کے ساتھ شہر میں داخل ہو جائیں۔

خواب کی سچی تعبیر

مصر پہنچ کر جب مجلس آراستہ ہوئی تو یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے تخت پر اونچا بٹھانے کا حکم دیا اور دوسرے تمام لوگ کرسیوں یا قالینوں پر بیٹھے، جب یوسف علیہ السلام مجلس میں آئے تو تمام مجلس نے ان کی تعظیم کے لیے سجدہ کیا۔

﴿وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ [یوسف : ۱۰۰]

''اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ اس کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے اور اس نے کہا اے میرے باپ! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اسے سچا کر دیا اور بے شک اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکالا اور تمھیں صحرا سے لے آیا، اس کے بعد کہ شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ بے شک میرا رب جو چاہے اس کی باریک تدبیر کرنے والا ہے، بلاشبہ وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

جب یوسف علیہ السلام اپنے ماں باپ کو لے کر دارالسلطنت پہنچے تو انھیں اپنے ساتھ شاہی تخت پر بٹھایا، اس وقت ان کے والدین اور گیارہ بھائی ان کی تعظیم میں سجدے میں گر گئے۔ تب یوسف علیہ السلام نے کہا ابا جان! میرے گزشتہ خواب کی یہی تعبیر ہے، جسے اللہ نے سچا کر دکھایا ہے اور اس نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ مجھے جیل سے نجات دی۔ کنویں سے اپنے نکالے جانے کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو، جنھیں پہلی ملاقات میں کہہ چکے تھے کہ ماضی کی غلطی پر تمھارا مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا اور کہا کہ اس کا یہ بھی احسان ہے کہ آپ سب کو صحرا سے یہاں پہنچا دیا اور شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان حسد کی جو آگ لگائی تھی وہ بجھ گئی اور ہم سب ایک ہو گئے۔

کیا تعظیمی سجدہ شریعت محمدیہ میں جائز ہے؟

یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہ بات جائز تھی کہ وہ جب کسی بڑے انسان کو سلام کرتے تو اس کے لیے سجدۂ تعظیمی بجا لاتے تھے۔ سجدۂ تعظیمی ان کی شریعت میں جائز تھا، لیکن ہماری شریعت میں اسے حرام قرار دے دیا گیا ہے اور سجدے کو صرف اور صرف رب تعالیٰ کے لیے خاص قرار دے دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ [حمٓ السجدۃ : ۳۷] ''نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا، اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے۔'' [مسند أحمد: ۳/ ۱۵۸، ۱۵۹، ح: ۱۲۶۲۰ ۔ ابن حبان: ٤١٦٢]

سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ جب ملک شام سے واپس آئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کیا۔ آپ نے پوچھا: ''اے معاذ! یہ کیا؟'' انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اہل شام کو دیکھا کہ وہ اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں، چنانچہ مجھے دل میں یہ بات اچھی لگی کہ ہم آپ کے لیے یہی کام کیا کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم (یہ کام) نہ کرو، اگر میں کسی کو کسی غیر اللہ کے لیے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کے حضور سجدہ کرے۔'' [ابن ماجه، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المرأة: ١٨٥٣]

اسلام پر خاتمے کی دعا اور ایک اشکال کا جواب

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ [يوسف: ١٠١]

''اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے حکومت سے حصہ دیا اور باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھایا، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا یار و مددگار ہے، مجھے مسلم ہونے کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔''

یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے والدین اور اپنے بھائیوں سے ملا کر ان پر اپنی نعمتوں کا اتمام فرما دیا اور نبوت وحکومت سے سرفراز فرمایا تو انھوں نے اپنے رب سے یہ دعا کی، اے اللہ! جس طرح تو نے مجھے دنیا میں اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے، اسی طرح آخرت کی ابدی اور سرمدی نعمتوں سے بھی شاد کام فرمانا اور جب دنیا سے اٹھانا تو حالت اسلام میں اٹھانا۔ بعض لوگوں کو اس دعا سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا مانگی۔ حالانکہ یہ موت کی دعا نہیں ہے، آخر وقت تک اسلام پر استقامت کی دعا ہے۔ صحیح احادیث میں بھی ایسی دعاؤں کے الفاظ ملتے ہیں، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتوں میں سے ایک نعمت مجھ پر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات میرے گھر میں اور میری باری کے دن ہوئی، آپ اس وقت میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات کے وقت، اس دن جو آپ کی دنیا کی زندگی کا آخری اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن تھا، میرے اور آپ کے لعاب دہن کو جمع کر دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے چمڑے یا لکڑی کا ایک بڑا پیالہ پڑا تھا، اس کے اندر پانی تھا۔ آپ ﷺ بار بار اس پیالے میں ہاتھ ڈبوتے اور پھر گیلے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے: ((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ)) ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،

بے شک موت کے وقت شدت ہوتی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنا سر اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا: ﴿ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى ، فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى ﴾ ''مجھے اعلیٰ دوست سے ملا دے، مجھے اعلیٰ دوست سے ملا دے۔'' یہاں تک کہ آپ ﷺ رحلت فرما گئے اور آپ کا ہاتھ جھک گیا (اور یہ آپ کا آخری کلمہ تھا، جو آپ نے ارشاد فرمایا)۔ [بخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ و وفاته : ٤٤٤٩، ٤٤٥١]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میں نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کروں: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَ تَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَ حُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَ اِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ)) ''یا اللہ! مجھے نیکی کے کاموں کی توفیق دے اور برے کاموں سے مجھے روک دے اور (میرے دل میں) مساکین کی محبت ڈال دے اور جب تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہے تو مجھے فتنہ میں مبتلا کیے بغیر فوت کر لینا۔'' [ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب و من سورة ص : ٣٢٣٣، ٣٢٣٥۔ مسند أحمد : ٣٦٨/١، ح : ٣٤٨٣، ٢٤٣/٥، ح : ٢١٧٠، عن معاذ بن جبل رضي الله عنه]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص مصیبت کے وقت ہرگز موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر وہ لازمی موت کی تمنا کرنا چاہتا ہے تو اسے یوں کہنا چاہیے: ((اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَ تَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ)) ''اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے اس وقت فوت کر جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔'' [بخاري، كتاب المرض، باب تمني المريض الموت : ٥٦٧١]

سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بندہ (زندگی بھر) ایسے کام کرتا ہے جنھیں لوگ جنت والوں کا عمل سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے اور کوئی بندہ (زندگی بھر) ایسے کام کرتا ہے جنھیں لوگ دوزخیوں کا عمل سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ (سنو!) اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔'' [بخاري، كتاب الرقاق، باب الأعمال بالخواتيم وما يخاف منها : ٦٤٩٣]

یہ واقعات وحی الٰہی میں سے ہیں

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴾ [يوسف : ١٠٢]

''یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں، جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو ان کے پاس نہ تھا جب انھوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کیا اور وہ خفیہ تدبیر کر رہے تھے۔''

نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی کا قصہ غیب کی باتیں تھیں، جو آپ کو

بذریعہ وحی بتائی گئی ہیں، تا کہ آپ کے مخالفین اسے سن کر عبرت حاصل کریں اور سمجھیں کہ اگر آپ نبی نہ ہوتے اور آپ پر وحی نازل نہ ہوتی تو کہاں سے اس قصے کی تمام تفصیلات کا علم ہوتا؟ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی انھیں کنویں میں ڈالنے کی سازش کر رہے تھے اور انھیں اپنے ساتھ چلنے پر طرح طرح سے ورغلا رہے تھے تو آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے کہ آپ کو ان کی اس سازش کا پتا چل جاتا اور نہ کسی ایسے آدمی سے آپ کا کبھی تعلق رہا جو اس واقعہ کو جانتا تھا اور جس نے آپ کو سکھلا دیا۔ اس لیے آپ کو جو کچھ معلوم ہوا وحی کے ذریعے سے معلوم ہوا۔

رسول اکرم ﷺ کی سیدنا یوسف علیہ السلام سے ملاقات

سیدنا مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اب جبریل علیہ السلام مجھے لے کر تیسرے آسمان کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں جا کر انھوں نے دروازہ کھلوایا، وہاں بھی پوچھا گیا، کون ہے؟ انھوں نے کہا، جبریل۔ سوال ہوا، تمھارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے کہا، محمد (ﷺ)۔ پوچھا گیا، کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انھوں نے کہا، ہاں! دربان نے کہا، انھیں خوش آمدید! کیا اچھے آنے والے ہیں وہ، پھر دروازہ کھلا اور میں اندر پہنچا تو یوسف علیہ السلام تھے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا، یہ یوسف علیہ السلام ہیں، انھیں سلام کیجیے۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا، نیکوکار بھائی اور صالح پیغمبر کو مرحبا۔'' [بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ٣٨٨٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ١٦٢، عن أنس بن مالك رضي الله عنه]

13

سیدنا ایوب علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک معروف پیغمبر سیدنا ایوب علیہ السلام ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ﴾ [الأنعام : ٨٤]

''اور اس (ابراہیم) کی اولاد میں سے داوٗد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون ہیں۔''

آپ اُن انبیائے کرام میں شامل ہیں، جن کا نام لے کر ان پر وحی نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ﴾ [النساء : ١٦٣]

''بلا شبہ ہم نے تیری طرف وحی کی، جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد (دوسرے) نبیوں کی طرف وحی کی اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب کی طرف وحی کی۔''

ایک صابر اور شاکر نبی

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ ایک صابر اور شاکر نبی کے طور پر ہوا ہے جنھوں نے لمبی مدت تک بیماری، آل اولاد کی ہلاکت اور مال و متاع کے چھن جانے پر صبر کیا، نیز دوبارہ انعامات ربانی حاصل ہونے پر شکر گزاری کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ﴾ [الأنبياء : ٨٣، ٨٤]

''اور ایوب، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک میں، مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم والا ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کر لی، پس اسے جو بھی تکلیف تھی دور کر دی اور اسے اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ ان کی مثل (اور) عطا کر دیے، اپنے پاس سے رحمت کے لیے اور ان لوگوں کی یاد دہانی کے لیے جو عبادت کرنے والے ہیں۔''

یعنی ایوب کو یاد کرو۔ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی آزمائش ان نعمتوں کے ساتھ ہوئی جن پر شکر واجب تھا، جبکہ ایوب علیہ السلام کی آزمائش ایسی تکالیف کے ساتھ ہوئی جن پر صبر لازم تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شکر اور صبر لازم وملزوم ہیں۔ صبر وہی کر سکتا ہے جو شاکر ہو اور شکر وہی کرتا ہے جو صابر ہو۔ بے صبرا شاکر نہیں ہوتا اور ناشکرا صابر نہیں ہوتا۔

ایوب علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے۔ اللہ کی طرف سے ان پر ایسی آزمائش آئی کہ وہ شدید اور لمبی بیماری میں مبتلا ہو گئے، ان کے اہل وعیال بھی جدائی یا فوت ہونے کی وجہ سے ان سے جدا ہو گئے۔ جب کمانے والے ہی نہ رہے تو مال مویشی بھی ہلاک ہو گئے، مگر ایوب علیہ السلام نے ہر مصیبت پر صبر کیا، نہ کوئی واویلا کیا اور نہ کوئی حرف شکایت لب پر لائے۔ جب تکلیف حد سے بڑھ گئی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ ایک یہ کہ اے میرے رب! مجھے شیطان نے بڑا دکھ اور تکلیف پہنچائی ہے۔ دوسری یہ کہ اے میرے رب! مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم والا ہے۔ اس دعا میں انھوں نے اپنی حالت زار بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے کے بیان ہی کو کافی سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حکم دیا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔ انھوں نے پاؤں مارا تو ٹھنڈے پانی کا چشمہ نمودار ہو گیا۔ حکم ہوا کہ اسے پیو اور اس سے غسل کرو۔ وہ مبارک پانی پینے اور اس کے ساتھ غسل کرنے سے ان کی ساری بیماری دور ہو گئی اور وہ پوری طرح صحت مند ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے گھر والے بھی عطا فرما دیے اور اتنے ہی اور عطا فرما دیے۔ بیماری کے دوران انھوں نے کسی پر ناراض ہو کر اسے کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی، اب وہ سزا زیادہ سمجھ کر پریشان تھے کہ اسے اتنے کوڑے ماروں تو زیادتی ہوتی ہے، نہ ماروں تو قسم ٹوٹتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ مشکل بھی حل فرما دی کہ اتنے تنکوں کا مٹھا لے کر ایک دفعہ مار دو، جتنے کوڑے مارنے کی تم نے قسم کھائی تھی، اس سے تمھاری قسم پوری ہو جائے گی، قسم توڑنے کا گناہ نہیں ہوگا۔

قرآن کریم میں مذکور ایوب علیہ السلام کے قصہ سے نصیحت ملتی ہے کہ صبر کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے اور اسمائے حسنیٰ و صفات علیا کے واسطے سے اللہ کے حضور دعا اور گریہ وزاری سے مصیبت دور ہوتی ہے۔ دنیا کی مصیبت وتکلیف اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ بندہ اپنے رب کی نگاہ میں ذلیل و بدبخت ہے۔ صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ پہلے سے کئی گنا زیادہ دیتا ہے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! سب سے سخت امتحان کن لوگوں کا ہوتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”(سب سے زیادہ سخت امتحان) نبیوں کا ہوتا ہے؟ پھر جو ان کے بعد سب سے افضل ہیں، پھر جو ان کے بعد افضل ہیں۔ بندے پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے، اگر وہ اپنے دین (اور ایمان) میں مضبوط ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کا دین (وایمان) کمزور ہے تو اس پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ بندے پر آزمائش (ومصیبت) آتی رہتی ہے، حتیٰ کہ اسے ایسا کر کے چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چل پھر رہا ہوتا ہے اور اس پر کوئی گناہ (باقی) نہیں ہوتا۔“ [ترمذي، کتاب الزهد، باب ما جاء

في الصبر على البلاء : ۲۳۹۸ـ ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء : ٤٠٢٣]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایوب علیہ السلام کپڑے اتار کر غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پر گرنے لگیں، ایوب علیہ السلام مٹھیاں بھر بھر کر کپڑے میں ڈالنے لگے، تو اللہ عزوجل نے آواز دی، ایوب! کیا میں نے تجھے اس سے بے پروا نہیں کر دیا جو تو دیکھ رہا ہے؟ انھوں نے عرض کی، جی ہاں! یا رب! لیکن میں تیری رحمت و برکت سے بے پروا نہیں ہو سکتا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ و أيوب اذ نادى ربه ...... الخ ﴾ : ۳۳۹۱]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی تکالیف پر صبر کرنے کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی احادیث میں بھی فضیلت موجود ہے، عطاء بن ابی رباح جو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا، کیا میں تمھیں ایک جنتی خاتون نہ دکھلاؤں؟ میں نے کہا، کیوں نہیں! تو انھوں نے فرمایا، یہ جو کالے رنگ کی عورت ہے، یہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی، مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے جس کی وجہ سے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کیجیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو صبر کرو (اور اگر صبر کرو گی تو) تمھارے لیے جنت ہے اور اگر چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمھیں عافیت دے۔'' (اب اس خاتون نے سوچا کہ ایک طرف صبر کرنے پر آخرت میں جنت کی ضمانت ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ عافیت کے لیے دعا کرنے کی پیش کش فرما رہے ہیں اور اس میں جنت کی ضمانت نہیں ہے) تو اس نے کہا، میں صبر ہی کرتی ہوں، تاہم میں مرگی کے دورہ میں بے پردہ ہو جاتی ہوں تو آپ بس یہ دعا کر دیجیے کہ میں کم از کم بے پردہ نہ ہوں۔ تو آپ ﷺ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ [بخاري، كتاب المرضى، باب فضل من يصرع من الريح : ٥٦٥٢ـ مسلم، كتاب البر والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض أو حزن : ٢٥٧٦]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جب میں اپنے بندے کو اس کی دو پسندیدہ چیزوں (یعنی آنکھوں) کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالتا ہوں (یعنی اس کی بینائی چھین لیتا ہوں) پھر وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اس کی آنکھوں کے بدلے میں اسے جنت عطا کرتا ہوں۔'' [بخاري، كتاب المرضى، باب فضل من ذهب بصره : ٥٦٥٣]

سیدنا ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور اپنے رب سے صحت کی دعا

اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام پر آنے والی مصیبتوں اور تکلیفوں کا اور انھیں دور کرنے کی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ اذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ۝ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ وَ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴾ [صٓ : ٤١ تا ٤٤]

''اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کر، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک شیطان نے مجھے بڑا دکھ اور تکلیف پہنچائی ہے۔اپنا پاؤں مار، یہ نہانے کا اور پینے کا ٹھنڈا پانی ہے۔اور ہم نے اسے اس کے گھر والے عطا کر دیے اور ان کے ساتھ اتنے اور بھی، ہماری طرف سے رحمت کے لیے اور عقلوں والوں کی نصیحت کے لیے۔ اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) لے اور اسے مار دے اور قسم نہ توڑ، بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا، اچھا بندہ تھا۔ یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی طرح ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کے حالات کو بھی یاد کیجیے، جنھیں ہم نے آزمائشوں میں ڈالا تو انھوں نے صبر سے کام لیا اور حرف شکایت اپنی زبان پر نہ لائے اور نہ ان کے دل میں شکوہ کا گزر ہوا۔ آپ کسی بیماری اور شدید تکلیف میں مبتلا ہو گئے اور کئی سال تک اسی حال میں رہے، جب تکلیف بہت زیادہ ہوگئی تو اپنے رب سے دعا کی اور کہا اے میرے رب! مجھے شیطان نے تکلیف اور عذاب الیم میں مبتلا کر دیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور بذریعہ وحی ان سے کہا کہ آپ زمین پر اپنا پاؤں ماریے، تو پانی کا ایک چشمہ نکل پڑے گا، اس پانی سے نہائیے اور اسے پی لیجیے، آپ کی بیماری دور ہو جائے گی۔ انھوں نے ایسا ہی کیا تو ان کی تکلیف بالکل ختم ہوگئی، جیسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں اور اللہ نے ان پر مزید رحم کرتے ہوئے انھیں ان کا کھویا ہوا خاندان، اولاد اور مال و دولت دوبارہ دے دیے، بلکہ ان کا دوگنا دیا۔ ان کی زندگی ارباب عقل و خرد کے لیے سبق آموز ہے کہ مصیبت کے وقت آدمی کو صبر سے کام لینا چاہیے اور انھوں نے اپنی بیوی کی کسی غلطی پر قسم کھائی تھی کہ اسے سو کوڑے ماریں گے۔ جب اچھے ہو گئے تو اللہ نے ان سے کہا کہ سو تنکوں کا ایک مٹھا لے کر اسے ایک بار مار دیجیے، تاکہ آپ کی قسم پوری ہو جائے۔ آخر میں اللہ نے ایوب علیہ السلام کے صبر کی تعریف کی اور کہا کہ وہ اپنے رب کے بڑے ہی اچھے بندے تھے اور ہر حال میں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشکل کشا، غوث اعظم، گنج بخش اور دستگیر صرف ذاتِ الٰہی ہے۔ مشکلات اور مصائب میں صرف اسے ہی پکارنا چاہیے، نیز امتحان و آزمائش میں صبر و رضا کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ صبر و شکر کرنے والوں کو رب العالمین اپنی خصوصی عنایات سے نوازتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ صبر و شکر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مومن کو جو جسمانی تکلیف، درد، حزن، بیماری یا غم پہنچتا ہے حتیٰ کہ اسے چبھنے والے کانٹے سے بھی اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔'' [بخاري، كتاب المرضى، باب ما جاء في كفارة المرض ... الخ : ٥٦٤١]

ایوب علیہ السلام نے اپنی دعا میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا یعنی مجھے دو قسم کی تکلیف پہنچی ہے، ایک شدید دکھ جو مال و اولاد اور عافیت نہ رہنے کی وجہ سے تھا اور دوسری جسمانی تکلیف جو بیماری کی وجہ سے تھی۔ اس دعا میں ایوب علیہ السلام کا حُسن ادب دیکھیے کہ انھوں نے دکھ اور تکلیف کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی بلکہ شیطان کی طرف کی ہے۔ حالانکہ

رنج ہو یا راحت، برائی ہو یا بھلائی، سب اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے تحت ہے اور وہی سب کا خالق ہے، مگر چونکہ اکثر ان کا تعلق کسی قریب یا بعید وجہ سے شیطان کے ساتھ ہوتا ہے، اس لیے اللہ کے مقرّب بندے شر کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں یا شیطان کی طرف، اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرتے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مرض کی نسبت اپنی طرف اور شفا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی، فرمایا: ﴿وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ [الشعرآء : ٨٠] ''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔'' اور موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے قصے میں یوشع بن نون علیہ السلام نے بھلانے کی نسبت شیطان کی طرف کی، فرمایا: ﴿وَمَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ [الکھف : ٦٣] ''اور مجھے وہ نہیں بھلائی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔'' صحیح مسلم میں نماز کے شروع میں پڑھی جانے والی ایک لمبی دعا رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، جو " وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ" سے شروع ہوتی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: ((لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَ الْخَيْرُ كُلُّهُ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ)) [مسلم، صلاۃ المسافرین، باب الدعاء في صلاۃ اللیل و قیامه : ٧٧١، عن علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ] ''حاضر ہوں اور حاضر ہوں اور خیر ساری تیرے ہاتھ میں ہے اور شر تیری طرف نہیں ہے۔''

ایوب علیہ السلام کی اس دعا میں اور سورۂ انبیاء (۸۳) میں مذکور دعا: ﴿اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ (بے شک میں، مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم والا ہے) میں ایوب علیہ السلام کے دعا کے سلیقے کا اظہار ہو رہا ہے کہ انھوں نے صریح لفظوں میں اپنے مقصد کے اظہار کے بجائے اپنی حالت زار اور رب تعالیٰ کی مہربانی کا ذکر ایسے لفظوں میں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان پر رحم فرما کر شفا دے دی۔

علاج کروانا انبیائے کرام کی سنت ہے

سیدنا ایوب علیہ السلام کے قصے سے بیماری کے علاج اور دوا کا استعمال کرنے کا درس ملتا ہے۔ علاج کرنا اور دوا استعمال کرنا صبر و رضا کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چشمے کا پانی پینے اور اس سے غسل کرنے کا حکم دیا۔ حالانکہ وہ مالک اس کے بغیر بھی شفا دینے پر قادر ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شفا کے حصول کے لیے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بھی علاج کی ترغیب ملتی ہے۔ آپ نے دوا استعمال کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''اللہ کے بندو! دوا استعمال کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی شفا بھی رکھی ہے (یا فرمایا) ہر بیماری کی دوا بھی رکھی ہے، سوائے ایک بیماری کے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''بڑھاپا۔'' [ترمذي، کتاب الطب، باب ما جاء في الدواء والحث علیه : ٢٠٣٨]

آپ نے امت کے لیے صحت بخش دوائیں بھی تجویز فرمائی ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ علاج کرنا اور کروانا

ضروری ہے۔ آپ نے کلونجی کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''سیاہ دانے (کلونجی) کو استعمال کیا کرو کیونکہ اس میں موت کے سوا ہر بیماری کی شفا ہے۔'' [ترمذي، کتاب الطب، باب ما جاء في الحبة السوداء : ٢٠٤١]

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ شہد کو بے حد پسند کرتے تھے اور بیماریوں کے علاج کے لیے اسے تجویز فرماتے تھے، آپ نے فرمایا: ''شفا تین چیزوں میں ہے، پچھنے لگوانے میں، شہد کے پینے میں اور آگ سے داغ لگوانے میں لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے منع کرتا ہوں۔'' [بخاري، کتاب الطب، باب الشفاء في ثلاث : ٥٦٨٠]

بیوی سے حسن سلوک

سیدنا ایوب علیہ السلام کے قصے سے مومن خاوندوں کو اپنی بیویوں سے حسن سلوک کا درس ملتا ہے۔ سیدنا ایوب علیہ السلام حالت صحت اور مالی فراوانی کے ایام میں نہایت نیک سلوک کرتے تھے۔ پھر حالات نے پانسا پلٹا تو وفا شعار بیوی کے سوا سب لوگ آپ کو چھوڑ گئے۔ صالحہ بیوی نے تنگی ترشی کے ایام میں آپ کی خدمت میں کوئی فروگزاشت نہ کی۔ ایک دن کسی بات پر آپ ناراض ہو گئے اور قسم اٹھائی کہ صحت یاب ہونے پر انھیں سو کوڑے بطور سزا ماریں گے۔ آپ صحت یاب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفا شعار زوجہ محترمہ کے لیے سزا میں خصوصی ذریعے سے تخفیف کرا کے، مومنوں کو ایماندار، وفا شعار، تنگی ترشی کی ساتھی بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ مومنوں کو بیویوں سے حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔'' [ترمذي، کتاب المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ : ٣٨٩٥]

14

سیدنا ذوالکفل علیہ السلام کا صابرین میں تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں سیدنا ایوب علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اپنے تین پیغمبروں کا ذکر فرمایا جن میں ایک نبی ذوالکفل علیہ السلام ہیں، ارشاد فرمایا:

﴿وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۚۖ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ۸۵، ۸٦]

''اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ ہر ایک صبر کرنے والوں سے تھا۔ اور ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ یقیناً وہ نیک لوگوں سے تھے۔''

اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والا بتایا ہے، یعنی اللہ کی بندگی اور روز مرہ معاملات میں جو تکلیف ہوتی تھی اس پر صبر کرتے اور گناہوں سے بچتے تھے۔ تینوں کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا تھا، اس لیے کہ وہ صلاح و تقویٰ میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ ذوالکفل کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے کہ وہ نبی تھے یا ولی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبیوں کے ساتھ ان کا ذکر ان کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

سیدنا ذوالکفل علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے تھے

ذوالکفل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں میں سے قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ اذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَ الْاَبْصَارِ ۝ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴾ [صٓ : ۴۵ تا ۴۹]

''اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کر، جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔ بے شک ہم

نے انھیں ایک خاص صفت کے ساتھ چن لیا، جو اصل گھر کی یاد ہے۔اور بلاشبہ وہ ہمارے نزدیک یقیناً چنے ہوئے بہترین لوگوں سے تھے۔اور اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کو یاد کر اور یہ سب بہترین لوگوں سے ہیں۔ یہ ایک نصیحت ہے اور بلاشبہ متقی لوگوں کے لیے یقیناً اچھا ٹھکانا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگانِ مرسلین اور انبیائے عابدین کے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ داؤد، سلیمان اور ایوب کی طرح ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے حالات کو بھی یاد کیجیے جو ہماری اطاعت و بندگی میں بڑی قوت کا مظاہرہ کرتے تھے، دین کی اچھی سمجھ رکھتے تھے اور اسرارِ شریعت سے خوب واقف تھے۔ چونکہ یہ سب ہر دم فکر آخرت میں لگے رہتے تھے، اس کی کامیابی کے لیے کوشاں رہتے تھے اور لوگوں کو اسی کی دعوت دیتے تھے اور دنیا اور اس کی لذتوں پر دھیان نہیں دیتے تھے، اس لیے ہم نے انھیں اپنی خالص اور حقیقی محبت کے لیے خاص کر لیا تھا اور یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اور اصحاب خیر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ہمارے نبی! آپ اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کے حالات کو بھی یاد کیجیے، داؤد علیہ السلام سے ذوالکفل تک کے یہ تمام انبیاء بھی اللہ کے برگزیدہ تھے، ان کا ذکر جمیل دنیا میں ان کے لیے باعث شرف ہے اور آخرت میں اللہ اپنے تمام اہل تقویٰ بندوں کو بہت ہی عمدہ رہنے کی جگہ دے گا، جن میں یہ انبیاء بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔

اَصحاب الرس

اصحاب الرس اور تکذیب انبیاء

اصحاب الرس کا ذکر قرآن مجید میں دو مقامات پر آیا ہے اولاً سورۃ الفرقان میں اور پھر سورۂ قٓ میں۔ سورۃ الفرقان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴾
[الفرقان : ۳۸ ، ۳۹]

''اور عاد اور ثمود کو اور کنویں والوں کو اور اس کے درمیان بہت سے زمانے کے لوگوں کو بھی (ہلاک کر دیا)۔ اور ہر ایک، ہم نے اس کے لیے مثالیں بیان کیں اور ہر ایک کو ہم نے تباہ کر دیا، بری طرح تباہ کرنا۔''

قوم عاد، قوم ثمود اور کنویں کے قریب رہنے والوں نے بھی اپنے اپنے انبیاء کی تکذیب کی اور دوسری بہت سی قوموں نے بھی اپنے انبیاء کی تکذیب کی، تو اللہ تعالیٰ نے سب کو انبیاء کے ذریعے مثالیں دے کر اور دوسری قوموں کے واقعات سنا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کی، لیکن جب ان کے حق میں کوئی دلیل و حجت مفید ثابت نہ ہوئی اور وہ اپنے کفر و عناد پر مصر رہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

سورۂ قٓ میں اصحاب الرس کا ذکر اور عذاب کا تذکرہ

سورۂ قٓ میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب الرس کے تکذیب انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ۝ وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ۝ وَّ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴾ [قٓ : ۱۲ تا ۱۴]

''ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا اور کنویں والوں نے اور ثمود نے۔ اور عاد اور فرعون نے اور لوط کے بھائیوں نے۔ اور درختوں کے جھنڈ والوں نے اور تبع کی قوم نے، ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرے عذاب کا وعدہ ثابت ہو گیا۔''

ان آیات میں کفار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کا حشر بھی گزشتہ امتوں کی طرح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ قریش والوں سے پہلے قوم نوح نے بھی روزِ قیامت، جزا و سزا اور نوح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا تھا، اسی طرح کنویں والوں نے اور ثمود نے اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا، قوم عاد نے ہود علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا اور بت پرستی پر اصرار کیا تھا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانے سے انکار کیا تھا اور قوم لوط کے لوگ عورتوں کے بجائے مردوں کے ساتھ بدکاری کر کے اپنی شہوت پوری کرتے تھے۔ اصحاب ایکہ نے شعیب علیہ السلام کی دعوت ٹھکرا دی تھی اور ناپ تول میں کمی بیشی کرتے تھے اور تبع حمیر کی قوم نے بھی سرکشی کی راہ اختیار کی اور دین کی صحیح باتوں کو ٹھکرا دیا۔ ان تمام قوموں نے اپنے اپنے رسولوں کی اور ان کے لائے ہوئے دین کی تکذیب کی، تو اللہ کا عذاب ان کے لیے واجب ہو گیا۔

اصحاب القریہ

اس قوم کا واقعہ سورۂ یٰسٓ میں بیان کیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾

[یٰسٓ : ۱۳ تا ۱۷]

’’اوران کے لیے بستی والوں کو بطور مثال بیان کر، جب اس میں بھیجے ہوئے آئے۔ جب ہم نے ان کی طرف دو (پیغمبر) بھیجے تو انھوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا، پھر ہم نے تیسرے کے ساتھ تقویت دی تو انھوں نے کہا بے شک ہم تمھاری طرف بھیجے ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا تم ہمارے جیسے بشر ہی تو ہو اور رحمان نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم تو محض جھوٹ ہی کہہ رہے ہو۔ انھوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ یقیناً ہم تمھاری طرف ضرور بھیجے ہوئے ہیں۔ اور ہم پر صاف پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔‘‘

نبی کریم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ وہ کفارِ مکہ کو ایک بستی والوں کا قصہ سنا دیں، جہاں کے رہنے والوں نے کفر و شرک پر اسی طرح اصرار کیا تھا، جس طرح یہ لوگ کر رہے ہیں اور اللہ کے رسولوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا تھا، جیسا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ کر رہے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں چیخ کے ذریعے سے ہلاک کر دیا، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان قریشیوں کا انجام بھی اسی بستی والوں جیسا ہو۔

اس بستی کے رہنے والے کفر و شرک میں مبتلا تھے اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے پہلے دو نبی بھیجے، جن کی انھوں نے تکذیب کی، تو ان کی تائید کے لیے تیسرا نبی بھیجا، ان تینوں نے اہل قریہ کو یقین دلانا چاہا کہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں، لوگوں نے ان کی بھی تکذیب کر دی اور کہا کہ تم نبی کیسے ہو سکتے ہو؟ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو اور اللہ نے کسی انسان کو نبی بنا کر اس پر آسمان سے کبھی کچھ نہیں اتارا ہے، یہ تمھاری افترا پردازی ہے۔ جب ان کا انکار بڑھا تو رسولوں نے اپنی بات میں مزید زور پیدا کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہم بلاشبہ تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ہماری ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ہم اللہ کا پیغام پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ لوگوں تک پہنچا دیں۔

قوم کا رسولوں سے بدشگونی لینا

جب بستی والے دلیل کے ساتھ جواب نہ دے سکے تو دھمکی پر اتر آئے۔ قرآن کریم ان کے طرزِ عمل کو بیان کرتا ہے:

﴿ قَالُوْۤا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَ لَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ۚ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴾ [یٰس : ۱۸، ۱۹]

''انھوں نے کہا بے شک ہم نے تمھیں منحوس پایا ہے، یقیناً اگر تم باز نہ آئے تو ہم ضرور ہی تمھیں سنگسار کر دیں گے اور تمھیں ہماری طرف سے ضرور ہی دردناک عذاب پہنچے گا۔ انھوں نے کہا تمھاری نحوست تمھارے ساتھ ہے۔ کیا اگر تمھیں نصیحت کی جائے، بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔''

کافروں نے رسولوں کی یہ بات سن کر کہا کہ ہم تو تمھاری آمد کو اپنے لیے بدشگونی سمجھ رہے ہیں۔ جب سے تم لوگوں نے اس شہر میں قدم رکھا ہے بارش رک گئی ہے۔ وہ رسول لگ بھگ انھیں دس سال تک اللہ کے دین کی طرف بلاتے رہے، لیکن حق کی طرف مائل ہونے کے بجائے، قوم کا تکبر اور غرور بڑھتا گیا۔ ایک دن بستی والوں نے رسولوں سے کہا کہ اگر تم اپنی دعوت سے باز نہ آئے اور اپنی تحریک بند نہ کی تو ہم لوگ تمھیں سنگسار کر دیں گے اور تمھیں بہت ہی سخت سزا دیں گے۔ رسولوں نے کہا کہ تمھاری شامت اور پکڑ تمھارے کفر اور رسولوں کو جھٹلانے کی وجہ سے ہے، بارش کا رک جانا اور قحط سالی تمھارے گناہوں کی وجہ سے ہے، کیا تم لوگ صرف اس لیے ہمارے وجود سے بدشگونی لے رہے ہو کہ ہم نے تمھیں اللہ کی طرف بلایا ہے اور اس کی وحدانیت کی دعوت دی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ کفر و معاصی میں حد سے گزر گئے ہو۔

اسلام نے بدشگونی اور نحوست کا عقیدہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ بدشگونی کوئی چیز نہیں، جس کام کا ارادہ کر لے اسے کرے، بدشگونی کی وجہ سے اس سے باز نہ آئے، کیونکہ بدشگونی تو شرک ہے۔ اس سلسلہ میں احادیث رسول بہترین راہنمائی کرتی ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بدشگونی کوئی چیز نہیں۔'' [بخاري، كتاب الطب، باب الطيرة : ٥٧٥٤۔ مسلم، كتاب السلام، باب لا عدوى ولا طيرة ..... الخ : ١٠٢/ ٢٢٢٠]

سیدنا معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بدشگونی محض ایک وہم ہے جو تمھارے دل میں گزرتا ہے، یہ وہم تمھیں کسی کام سے نہ روکے۔'' [مسلم، كتاب السلام، باب تحريم الكهانة و إتيان الكهان : ٥٣٧، بعد حديث : ٢٢٢٧]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بیماری متعدی نہیں، بدشگونی کوئی چیز نہیں، الو کی نحوست کوئی چیز نہیں اور ماہِ صفر کی نحوست کوئی چیز نہیں (بلکہ یہ محض وہم ہیں)۔'' [مسلم، كتاب السلام، باب لا عدوى ولا طيرة ..... الخ : ٢٢٢٠]

مردِ صالح کی پکار

جب قوم نے قتل کی دھمکی دی تو یہ خبر ہر طرف پھیل گئی کہ بستی کے لوگ پیغمبروں کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ بستی کے کنارے پر ایک صالح آدمی رہتا تھا وہ دوڑتا ہوا آیا اور قوم کو سمجھانے لگا، قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [یٰسٓ: ۲۰ تا ۲۱]

''اور شہر کے سب سے دور کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا اے میری قوم! ان رسولوں کی پیروی کرو۔ ان کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ سیدھی راہ پائے ہوئے ہیں۔''

اس بستی کے ایک کنارے پر ایک مردِ صالح رہتا تھا جس کا نام حبیب بن موسیٰ نجار تھا، جب اس نے سنا کہ بستی والے اللہ کے رسولوں کے خلاف قتل کی سازش کر رہے ہیں تو وہ رسولوں اور بستی والوں کے لیے خیر خواہی کرتے ہوئے بستی میں آیا اور کہا کہ تم لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کے پیروکار بن جاؤ، جو اپنی دعوت توحید پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے ہیں اور وہ بڑے ہی ہدایت یافتہ، بااخلاق اور باکمال لوگ ہیں۔

حکیمانہ اسلوبِ دعوت

توحید کی دعوت دیتے ہوئے اس مردِ صالح نے نہایت حکیمانہ اسلوب اختیار کیا کہ انھیں مخاطب کرنے کی بجائے اپنے آپ کو مخاطب کر لیا، تاکہ وہ چڑ نہ جائیں۔ قرآن مجید اس کے اسلوب کو نقل کرتا ہے:

﴿وَ مَا لِيَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يُنْقِذُوْنِ ۝ اِنِّيْۤ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِنِّيْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ﴾
[یٰسٓ: ۲۲ تا ۲۵]

''اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا میں اس کے سوا ایسے معبود بنالوں کہ اگر رحمان میرے بارے میں کسی نقصان کا ارادہ کرے تو ان کی سفارش میرے کسی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھے بچائیں گے۔ یقیناً میں تو اس وقت ضرور کھلی گمراہی میں ہوں گا۔ بے شک میں تمھارے رب پر ایمان لایا ہوں، سو مجھ سے سنو۔''

پھر اس مردِ مومن نے دعوت کے لیے بڑا حکیمانہ اسلوب اختیار کیا کہ جو بات لوگوں سے کہنی تھی اس کا مخاطب اپنے آپ کو بناتے ہوئے کہا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ میں اس ذاتِ برحق کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، یعنی کیا وجہ ہے کہ تم لوگ اس اللہ کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے ہو جو تمھارا خالق ہے اور مرنے کے بعد جس کے

پاس تمھیں لوٹ کر جانا ہے۔ کیا یہ بات کسی طرح عقل میں نہیں آتی ہے کہ میں اس خالق و مالک کو چھوڑ کر ایسے بے جان بتوں کی پرستش کروں کہ اگر اللہ مجھے کسی تکلیف میں مبتلا کر دے، تو وہ میرے کسی کام نہیں آئیں گے، وہ نہ اللہ کے پاس سفارشی بن سکتے ہیں اور نہ خود اس تکلیف کو دور کر سکتے ہیں، یعنی یہ کتنی بڑی حماقت آمیز بات ہو گی کہ جن بتوں کو میں اپنے ہاتھوں سے تراشوں، انھی کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں، اگر میں ایسا کروں گا تو میں واضح گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ لوگو! سن لو کہ میں تمھارے رب پر ایمان لے آیا جو ہم سب کا خالق و رازق اور مالک کل ہے، یعنی گواہ رہو کہ میں رب العالمین پر ایمان رکھتا ہوں اور بتوں کا انکار کرتا ہوں۔

اے کاش! میری قوم جان لے......!

اس کی اس بات پر قوم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا قرآن مجید میں اس کا واضح ذکر نہیں ہے، لیکن جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ قوم کے لوگ اس پر پل پڑے اور اسے شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی شہادت کو قبول فرمایا اور شہادت کی دیر تھی کہ اسے جنت میں داخلے کی بشارت مل گئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾

[یٰسٓ : ۲٦، ۲۷]

''اسے کہا گیا جنت میں داخل ہو جا۔ اس نے کہا اے کاش! میری قوم جان لے۔ اس بات کو کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے معزز لوگوں میں سے بنا دیا۔''

رسولوں کی دعوت پر تو یہ لوگ محض دھمکیاں ہی دے رہے تھے، مگر جب اس مردِ حق گو نے ناصحانہ انداز میں ان کے معبودوں کی سب خامیاں ان پر واضح کر دیں تو اسے انھوں نے اپنی اور اپنے معبودوں کی توہین اور ان کی شان میں گستاخی سمجھ کر فوراً قتل کر دیا، تو قتل ہونے کے ساتھ ہی فرشتوں نے اسے یہ خوش خبری دے دی کہ جنت تمھاری منتظر ہے، اس میں داخل ہو جاؤ۔ جب اس نے جنت اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کیا تو کہا اے کاش! میری قوم ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید سمجھ جاتی اور اسے اپنا لیتی، جس کے سبب اللہ نے میرے تمام گناہوں کو معاف کر دیا ہے اور مجھے جنت میں شہداء اور صالحین کا مقام دے کر معزز و مکرم بنایا ہے، تاکہ وہ بھی اس راہ پر چل کر جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیتے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم بقیع غرقد میں ایک جنازہ کے ساتھ تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے۔ آپ کے پاس ایک چھڑی تھی۔ آپ سر جھکائے چھڑی سے زمین پر لکیریں لگانے لگے، پھر فرمانے لگے: ''تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے اور کوئی بھی جان ایسی نہیں ہے کہ جس کا ٹھکانا اللہ نے جنت یا جہنم میں نہ لکھ دیا ہو اور یہ نہ لکھ دیا ہو کہ وہ نیک بخت ہے یا بد بخت ہے۔'' ایک شخص بولا، یا رسول اللہ! پھر ہم اپنے لکھے ہی پر کیوں نہ بھروسا کر لیں اور عمل چھوڑ دیں؟ (یعنی تقدیر کے روبرو عمل کرنا بے فائدہ ہے کہ ہوگا تو وہی جو

قسمت میں ہے) آپ نے فرمایا: '' جو نیک بختوں میں سے ہے وہ نیکوں والے کاموں کی طرف چلے گا اور جو بد بختوں میں سے ہے وہ بد بختوں والے کاموں کی طرف چلے گا۔'' [مسلم، کتاب القدر، باب کیفیۃ خلق الآدمی في بطن أمه ...... الخ : ٢٦٤٧]

ظالم قوم کی ہلاکت

نیک آدمی کی شہادت کے بعد اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ﴾ [یسٓ : ٢٨ تا ٢٩]

''اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔ وہ نہیں تھی مگر ایک ہی چیخ، پس اچانک وہ بجھے ہوئے تھے۔''

مردِ صالح کے قتل کیے جانے کے بعد اس کافر و ظالم قوم کا ہلاک کیا جانا اللہ کے نزدیک ثابت ہو گیا تھا، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری اور نہ اس کی ضرورت تھی، وہ تو ایک چیخ تھی جس کے اثر سے آناً فاناً سبھی ہلاک ہو گئے اور اپنے تمام گناہوں کے ساتھ اچک لیے گئے، تاکہ قیامت کے دن ان کا بوجھ لیے میدانِ محشر میں اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں اور ان کا بدلہ چکھیں۔

رسولوں کا مذاق اڑانے والوں پر اظہارِ حسرت

ایسے لوگوں پر افسوس کا اظہار ہے جو رسولوں کے ساتھ مذاق کرتے رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ [یسٓ : ٣٠]

''ہائے افسوس بندوں پر! ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا رہا مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔''

جو لوگ اللہ کے رسولوں اور اس کے دین کی طرف بلانے والوں کا اس دنیا میں مذاق اڑاتے ہیں اور ان کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں، انھیں قیامت کے دن اس وقت سخت ندامت اٹھانا پڑے گی جب اللہ تعالیٰ ان کے ان اعمالِ مجرمانہ پر ان سے باز پرس کرے گا۔ اس وقت انھیں جس ہلاکت و بربادی کا سامنا ہو گا، اسے دیکھ کر ان کی حالت ایسی ہو گی کہ آسمان و زمین کے تمام رہنے والے بھی اس پر اظہارِ حسرت کریں تو کم ہو گا۔

15

سیدنا یونس علیہ السلام

سیدنا یونس علیہ السلام کا ترکِ وطن

اللہ تعالیٰ نے سیدنا یونس علیہ السلام کو موصل کے علاقے میں نینویٰ والوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ آپ نے انھیں اللہ کی طرف بلایا۔ انھوں نے آپ کی تکذیب کی اور کفر و عناد پر اڑے رہے۔ جب اسی طرح ایک طویل مدت گزر گئی تو یونس علیہ السلام بستی سے نکل گئے اور لوگوں کو فرما گئے کہ تین دن کے بعد اُن پر عذاب آ جائے گا۔ جب یونس علیہ السلام باہر تشریف لے گئے تو قوم کو یقین ہو گیا کہ اب عذاب ضرور نازل ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ کی طرف توجہ پیدا فرما دی۔ انھوں نے نبی کے ساتھ بدسلوکی پر ندامت محسوس کی اور رو رو کر عاجزی کے ساتھ دعائیں مانگیں اور توبہ کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت سے ان پر سے وہ عذاب ٹال دیا جو اُن کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴾ [یونس : ۹۸]

’’سو کوئی ایسی بستی کیوں نہ ہوئی جو ایمان لائی ہو، پھر اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو، یونس کی قوم کے سوا، جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگی میں ہٹا دیا اور انھیں ایک وقت تک سامان دیا۔‘‘

یعنی کوئی ایسی بستی کیوں نہ ہوئی جو رسول کے عذاب سے ڈرانے پر ڈر جاتی اور عذاب آنے سے پہلے ایمان لے آتی، پھر اس کا ایمان اسے نفع دیتا، مگر ایسی کوئی بستی بھی نہ ہوئی، سب اس وقت ہی ایمان لائے جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا، سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے کہ یونس علیہ السلام کے کئی سال دعوت دینے کے باوجود جب وہ ایمان نہ لائے تو یونس علیہ السلام نے ان پر عذاب کے لیے بددعا کی اور انھیں آگاہ کر دیا کہ تم پر عذاب آنے ہی والا ہے اور خود وہاں سے ناراض ہو کر نکل گئے۔ قوم جانتی تھی کہ یونس علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ان کے نکل جانے سے وہ مزید ڈر گئے۔ اس لیے

عذاب آنے سے پہلے ہی پوری بستی نے نہایت عاجزی کے ساتھ کفر سے توبہ کی اور یونس علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ اب یہ ایمان چونکہ بروقت تھا، عذاب دیکھنے سے پہلے تھا، اس لیے اس ایمان نے انھیں یہ نفع دیا کہ ان سے عذاب ہٹا لیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی طبعی عمر تک دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔

سیدنا یونس علیہ السلام کی فضیلت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی بندے کے لیے زیبا نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متیٰ (علیہ السلام) سے بہتر ہوں۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ و إن يونس لمن المرسلين ﴾ : ٣٤١٢۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب في ذكر يونس عليه السلام : ٢٣٧٧]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کہا کہ میں یونس بن متیٰ سے بہتر ہوں تو اس نے جھوٹ بولا۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب قول الله تعالى : ﴿ و إن يونس لمن المرسلين ﴾ : ٤٨٠٥]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میں یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ ﴿ و إن يونس لمن المرسلين ﴾ : ٣٤١٢]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کسی بندے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے: میں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سیدنا یونس بن متی سے بہتر ہوں۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿ و إن يونس لمن المرسلين ﴾ : ٣٤١٦]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ ازرق سے گزرے تو فرمایا: ''یہ کون سی وادی ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''وادیٔ ازرق ہے۔ فرمایا: '' (میری نظروں کے سامنے وہ منظر آ گیا ہے) گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ گھاٹی سے نیچے اُتر رہے ہیں اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے بلند آواز سے (لبیک) پکار رہے ہیں۔'' (پھر آپ چلتے رہے) حتیٰ کہ جب ہرشاء کی گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا: '' یہ کون سی گھاٹی ہے؟'' عرض کیا گیا: ''ہرشاء کی گھاٹی ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''گویا میں یونس بن متیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، وہ ایک سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، اون کا جبہ زیب تن ہے، ان کی اونٹنی کی مہار کھجور کے پتوں (سے بنی ہوئی رسی) کی ہے اور (لبیک) پکار رہے ہیں۔'' [صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات و فرض الصلوات : ١٦٦، مسند أحمد : ٢١٥/١، صحيح ابن حبان : ٣٥/٨ : ٦١٨٦]

یونس علیہ السلام کا کشتی میں سوار ہونا اور مچھلی کا نگلنا

سیدنا یونس علیہ السلام قوم سے مایوس ہو کر علاقہ چھوڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا۔ اس وقت یونس علیہ السلام نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے نجات کی التجا کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

[الأنبیاء : ۸۷، ۸۸]

''اور مچھلی والے کو، جب وہ غصے سے بھرا ہوا چلا گیا، پس اس نے سمجھا کہ ہم اس پر گرفت تنگ نہ کریں گے تو اس نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ظلم کرنے والوں سے ہو گیا ہوں۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں۔''

ذوالنون سے مراد یونس علیہ السلام ہیں۔ ''نون'' مچھلی کو کہتے ہیں، چونکہ مچھلی نے انھیں اللہ کے حکم سے نگل لیا تھا، اسی لیے اللہ نے اس لقب کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے۔ انھیں ''موصل'' کے علاقے میں نینویٰ والوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ یونس علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو دعوت دی اور وہ مسلسل کفر کرتے رہے تو آخر اکتا کر سخت غصے کی حالت میں ان کے حق میں بددعا کی اور عذاب کی دھمکی دے کر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر انھیں چھوڑ کر نکل پڑے۔ جب کہ منصب رسالت کا تقاضا تھا کہ ان کے تمام تر غیظ وغضب اور کفر وطغیان کے باوجود انھی میں رہتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ہرگز انھیں چھوڑ کر نہ جاتے، جیسا کہ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال دعوت میں گزار دیے، نہ اکتائے اور نہ ان کے حق میں بددعا کی، جب تک اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ نہیں بتایا کہ آئندہ ان کی قوم میں سے کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: ﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ﴾ [القلم : ٤٨] ''پس اپنے رب کے فیصلے تک صبر کر اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو۔'' دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ﴾ [الأحقاف : ۳۵] ''پس اولو العزم رسولوں کی طرح صبر کر اور ان کے لیے جلدی (عذاب کا) مطالبہ نہ کر۔'' اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کے بلا اجازت نکلنے کو غلام کا بھاگ جانا قرار دیا ہے، فرمایا: ﴿ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴾ [الصافات : ۱٤۰] ''جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر گیا۔''

تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کا جلیل القدر پیغمبر یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر قابو نہیں پا سکے گا؟ اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ انھوں نے یہ ہرگز نہیں سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر قابو نہیں پا سکے گا، بلکہ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

اپنے پیغمبروں کی معمولی کوتاہی پر بھی سخت خفگی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی حالت کا بیان ہے کہ بلا اجازت ان کے چلے جانے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ سمجھ رہے ہوں کہ مجھے کوئی پکڑ نہیں سکے گا۔ دوسرا جواب اس سے بہتر ہے کہ یہاں "لَّن نَّقْدِرَ" قادر ہونے کے معنی میں نہیں، بلکہ تنگی کرنے اور گرفت کرنے کے معنی میں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ﴾ [الرعد : ٢٦] "اللہ رزق فراخ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے۔" اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ﴾ [الطلاق : ٧] "اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔" آیت کا معنی یہ ہوگا کہ یونس علیہ السلام نے سمجھا کہ ان کے بلا اجازت قوم سے نکل جانے پر ہم ان پر کوئی گرفت نہیں کریں گے۔ بعض اہل علم نے پہلے معنی کو سرے سے غلط قرار دیا ہے۔

یونس علیہ السلام کی مچھلی کے پیٹ میں تسبیح

یونس علیہ السلام قوم سے نکلے تو سمندری سفر کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوئے جو ضرورت سے زیادہ بھری ہوئی تھی۔ طوفان آیا اور سب کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہوا تو کشتی ہلکی کرنے کے لیے سامان پھینکنے کے بعد کچھ آدمیوں کو سمندر میں پھینکنے کا فیصلہ ہوا۔ قرعہ ڈالا گیا تو کئی اور آدمیوں کے ساتھ یونس علیہ السلام کے نام کا قرعہ نکلا، چنانچہ دوسروں کے ساتھ انھیں بھی سمندر میں پھینک دیا گیا، جہاں اللہ کے حکم سے ایک بہت بڑی مچھلی نے انھیں سالم ہی نگل لیا۔ اب وہ ایسی جگہ تھے جہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ یہ ایسا قید خانہ تھا جہاں نہ کوئی ملاقاتی، نہ مقدمہ لڑنے والا، نہ پیروی کرنے والا، نہ قید کی کوئی میعاد، بلکہ تا قیامت قید کا فیصلہ (اگر وہ تسبیح نہ کریں) اور نہ اللہ کے سوا امید کی کوئی روشنی۔ ان کئی اندھیروں میں انھوں نے اپنے رب کو اس حال میں آواز دی کہ وہ غم سے بھرے ہوئے تھے، فرمایا: ﴿ اِذْ نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ﴾ [القلم : ٤٨] "جب اس نے پکارا، اس حال میں کہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔"

اللہ تعالیٰ نے اس سے اگلی آیت میں فرمایا ہے: ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ﴾ "تو ہم نے اس کی دعا قبول کی۔" یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یونس علیہ السلام نے کچھ مانگا ہی نہیں، نہ رہائی اور نہ اس مصیبت سے چھٹکارا، تو اللہ تعالیٰ نے کون سی دعا قبول فرمائی؟ جواب اس کا یہ ہے (واللہ اعلم) کہ انھوں نے اپنی حالت کے مطابق بہترین دعا کی ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میرا مالک و معبود ہے، میں تیرا بندہ اور تیرا غلام ہوں، میں اور میرا سب کچھ تیرے سپرد اور تیرے تابع ہے۔ پھر اس کی تسبیح کی کہ تو ہر عیب اور کمی سے پاک ہے، میری اس آزمائش اور مصیبت میں تیرا کوئی ظلم ہے نہ زیادتی، تیری ذات ظلم سے یکسر پاک ہے۔ تو نے جو کیا مالک اور معبود ہونے کی وجہ سے تیرا حق ہے اور اس میں تیری بے شمار حکمتیں ہیں۔ آخر میں اپنے ظلم کا اعتراف کیا کہ یقیناً مجھ پر جو کچھ گزرا یہ میرے اپنی جان پر

ظلم کی وجہ سے ہے۔ یہ دعا بہترین اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے اعتراف میں درخواست ہو رہی ہے کہ تیرے سوا کوئی مجھے اس مصیبت سے نجات نہیں دے سکتا، تسبیح کے ضمن میں اظہار ہو رہا ہے کہ تو مجھے اس مصیبت سے نکالنے سے عاجز نہیں کہ جس سے نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نہیں اور ہمیشہ سے اپنے ظالموں میں سے ہونے کا اعتراف معافی اور بخشش مانگنے کی لطیف ترین صورت ہے۔ ایوب علیہ السلام نے بھی دعا کے لیے عرض حال اور اللہ کی رحمت کا واسطہ دینے پر اکتفا کیا ہے۔

مشکلات میں یونس علیہ السلام والی دعا کریں

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ''میں مسجد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا اور سلام کہا۔ آپ نے میری طرف دیکھا لیکن سلام کا جواب نہ دیا۔ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''کیا اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا ہوگئی ہے؟'' انھوں نے کہا: ''نہیں، کیا ہوا؟'' میں نے کہا: ''میں ابھی ابھی مسجد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تھا، میں نے سلام کہا، انھوں نے میری طرف دیکھا، لیکن سلام کا جواب نہیں دیا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا: ''آپ نے اپنے بھائی کو سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟'' انھوں نے کہا: ''میں نے تو ایسا نہیں کیا۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا ہے۔'' انھوں نے قسم کھا لی (کہ ایسے نہیں ہوا) انھوں نے بھی قسم کھا لی (کہ ایسے ہوا ہے) پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کچھ یاد آیا۔ فرمایا: ''اللہ مجھے معاف کرے! آپ میرے پاس سے گزرے تھے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان دل میں دہرا رہا تھا۔ مجھے جب بھی وہ فرمان یاد آتا ہے، میرے دل اور آنکھوں پر پردہ آ جاتا ہے۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں آپ کو اس کے بارے میں بتاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پہلی بار دعا کے بارے میں بیان فرمانا شروع کیا، پھر ایک بدو آ گیا اور آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس سے بات مکمل کر کے) اُٹھ کھڑے ہوئے (اور گھر کی طرف چل پڑے) میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا حتیٰ کہ جب مجھے محسوس ہوا کہ اب آپ (میری طرف متوجہ ہوئے بغیر) گھر میں داخل ہو جائیں گے تو میں نے زمین پر پاؤں مارا (اور قدموں کی آواز پیدا کی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کون ہے؟'' ابو اسحاق ہو؟ میں نے کہا: ''جی ہاں! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: قسم ہے اللہ کی! اور تو کوئی بات نہیں، لیکن آپ نے ایک دعا کا ذکر کیا تھا۔ پھر وہ بدو آ گیا اور آپ اس کے ساتھ (بات کرنے میں) مشغول ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ''ذوالنون (یونس علیہ السلام) کی دعا، جو اس نے مچھلی کے پیٹ میں کی ''لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ'' کوئی مسلمان اس کے ساتھ کسی چیز کے بارے میں دعا نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔'' [ترمذي، الدعوات، باب [في دعوة ذي النون] : ۳۵۰۵۔ مسند أحمد : ۱۷۰/۱، ح : ۱۶۴۴]

مچھلی کے پیٹ سے نجات

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی پکار کو قبول کیا اور آپ کو قید سے نجات دے دی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ۝ وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ [الصافات : ۱۳۹ تا ۱۴۸]

’’اور بلاشبہ یونس یقیناً رسولوں میں سے تھا۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر گیا۔ پھر وہ قرعہ میں شریک ہوا تو ہارنے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر مچھلی نے اسے نگل لیا، اس حال میں کہ وہ مستحق ملامت تھا۔ پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بے شک وہ تسبیح کرنے والوں سے تھا۔ تو یقیناً اس کے پیٹ میں اس دن تک رہتا جس میں لوگ اٹھائے جائیں گے۔ پھر ہم نے اسے چٹیل میدان میں پھینک دیا، اس حال میں کہ وہ بیمار تھا۔ اور ہم نے اس پر ایک بیل دار پودا اگا دیا۔ اور اسے ایک لاکھ کی طرف بھیجا، بلکہ وہ زیادہ ہوں گے۔ پس وہ ایمان لے آئے تو ہم نے انھیں ایک وقت تک فائدہ دیا۔‘‘

ان آیات میں یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں عراق کے شہر نینویٰ والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا۔ یونس علیہ السلام نے انھیں ایمان کی دعوت دی، جب انھوں نے اسے قبول نہ کیا تو یونس علیہ السلام نے انھیں عذاب کی دھمکی دی اور جب عذاب آنے میں تاخیر ہوئی تو یونس علیہ السلام شہر سے نکل کر سمندر کی طرف چل دیے۔ جب بندر گاہ پہنچے تو ایک کشتی کہیں روانہ ہونے کے لیے تیار تھی، اس پر سوار ہو گئے، چونکہ اس کا وزن زیادہ تھا، اس لیے بیچ سمندر میں جا کر رک گئی۔ ناخدا نے رائے دی کہ کشتی کا وزن کم کرنا ضروری ہے، ورنہ سارے لوگ ڈوب جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں یونس علیہ السلام ہی کا نام نکلا۔ چنانچہ لوگوں نے انھیں سمندر میں پھینک دیا اور انھیں ایک بڑی مچھلی نے نگل لیا، اس لیے کہ وہ اپنے رب کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کے پاس سے چلے آئے تھے۔ آگے فرمایا کہ یونس علیہ السلام چونکہ اس ابتلا و آزمائش سے قبل کثرت سے نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ تسبیح و تہلیل اور ذکر و عبادت میں مشغول رہتے تھے اور اس وقت بھی انھوں نے اپنے رب کو مدد کے لیے پکارا، تو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مصیبت کے وقت پکارنے پر مدد فرماتا ہے، خوش حالی میں اپنی تسبیح اور ذکر کرنے والوں کا مصیبت میں زیادہ خیال رکھتا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر سوار تھا،

آپ ﷺ نے فرمایا: ”لڑکے! میں تمھیں چند باتیں نہ سکھاؤں جن کے ساتھ تمھیں اللہ تعالیٰ نفع دے گا؟“ میں نے کہا: ”کیوں نہیں!“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا دھیان رکھ، وہ تیرا دھیان رکھے گا۔ اللہ کا دھیان رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ خوش حالی میں اس سے جان پہچان رکھ، وہ سختی میں تیری پہچان رکھے گا۔“ [مسند أحمد : ۳۰۷/۱، ح : ۲۸۰۷]

اس ذکر و دعا کی برکت سے مچھلی نے اللہ کے حکم سے انھیں ساحل سمندر پر لا کر ڈال دیا، ورنہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے یونس علیہ السلام بیمار ہو گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت و تندرستی کا یہ سامان کیا کہ وہاں فوراً بیل دار یقطین کا ایک پودا اگ آیا جس کے پتے ان پر سایہ فگن ہو گئے اور انھیں دھوپ اور مکھی سے بچانے لگے، یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو گئے اور اپنی قوم کے پاس واپس گئے تو دیکھا کہ وہ سب مسلمان ہو چکے ہیں اور ان کے جانے کے بعد انھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی تھی، اس لیے اللہ نے ان سے عذاب کو ٹال دیا تھا۔ آخری آیات میں بتایا گیا کہ یونس علیہ السلام جس قوم کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے ان کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے زیادہ تھی۔ وہ لوگ جب اللہ پر ایمان لے آئے، اسلام کو بحیثیت دین قبول کر لیا اور یونس علیہ السلام کی دعوت پر ایمان لے آئے اور کفر و شرک سے تائب ہو گئے تو اللہ نے ان سے عذاب کو ٹال دیا اور انھیں ایک وقت مقرر تک دنیاوی نعمتوں سے مستفید ہونے کا موقع دے دیا۔

صبر کرنے اور یونس علیہ السلام کی طرح جلدی نہ کرنے کا حکم ربانی

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو صبر کرنے اور اللہ کے فیصلے کا انتظار کرنے کا حکم فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ جلد بازی میں کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھیں، جیسا کہ یونس علیہ السلام سے سرزد ہوا۔ ارشاد فرمایا:

﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اِذْ نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ۝ لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [القلم : ۴۸ تا ۵۰]

”پس اپنے رب کے فیصلے تک صبر کر اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو، جب اس نے پکارا، اس حال میں کہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ اسے اس کے رب کی نعمت نے سنبھال لیا تو یقیناً وہ چٹیل زمین پر اس حال میں پھینکا جاتا کہ وہ مذمت کیا ہوا ہوتا۔ پھر اس کے رب نے اسے چن لیا، پس اسے نیکوں میں شامل کر دیا۔“

یہاں مچھلی والے سے مراد یونس علیہ السلام ہیں۔ انھوں نے اپنے رب کے حکم کا انتظار نہیں کیا اور اس حسنِ ظن کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے چلے جانے پر کوئی گرفت نہیں ہوگی، جلدی میں اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

حزن و ملال سے ان کا دل بھر آیا، دل کے بھر آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس دن ان کے دل میں کئی غم اور صدمے اکٹھے ہو گئے تھے۔ ایک قوم کے ایمان نہ لانے کا غم، دوسرا صریح اجازت کے بغیر چلے آنے کا، تیسرا سمندر میں پھینک دیے

جانے کا اور چوتھا مچھلی کے پیٹ میں قید ہونے کا، ان سب غموں اور صدموں کا علاج انھوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا، تسبیح اور استغفار سے کیا۔ مچھلی کے پیٹ ہی میں انھوں نے اپنے رب کو پکارا اور کہا: ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ٨٧] ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ظلم کرنے والوں سے ہو گیا ہوں۔''

آگے فرمایا کہ اگر اللہ کی رحمت ان کے شامل حال نہ ہوتی اور اللہ ان کی توبہ قبول نہ کرتا، تو مچھلی انھیں کسی ویران جگہ میں پھینک آتی، اس حال میں کہ وہ اپنی غلطی کی وجہ سے لائق سرزنش اور مذموم ہوتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ان پر رحم کرتے ہوئے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انھیں ساحل سمندر پر اگل دے۔ چنانچہ مچھلی نے ایسا ہی کیا۔ اس سب کے باوجود وہ اپنے رب کے مقبول و محمود اور نیکوکار بندے تھے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی شخص کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ مجھے یونس بن متیٰ سے بہتر قرار دے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ : ﴿ و إن يونس لمن المرسلين ﴾ : ٣٤١٣، ٣٤١٦]

16

سیدنا موسیٰ علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام کی شکل و شباہت

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معراج کی رات میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ گندمی رنگ، طویل القامت اور گھنگریالے بالوں والے شخص تھے، گویا ان کا تعلق شنوءہ کے لوگوں سے ہے اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ درمیانے قد، سرخ و سفید رنگت اور سیدھے بالوں والے تھے اور میں نے جہنم کے داروغے اور دجال کو بھی دیکھا۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب : إذا قال أحدكم آمين والملائكة ...... الخ : ۳۲۳۹۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ۱٦٥]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معراج کی رات جب میں موسیٰ علیہ السلام سے ملا تو میں نے ملاحظہ کیا کہ وہ لمبے، کم گوشت اور سیاہ بالوں والے شخص تھے، جیسے کہ شنوءہ (قبیلہ) کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملا، وہ میانہ قامت تھے اور سرخ رنگ گویا وہ ابھی حمام سے نکلے ہیں (یعنی تر وتازہ اور خوش رنگ تھے)۔ پھر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔ پھر میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ تھا اور ایک میں شراب۔ مجھ سے کہا گیا جس کو چاہو پسند کر لو۔ میں نے دودھ لے لیا اور اسے پی لیا۔ تو اس فرشتے نے کہا، آپ کو فطرت کی راہ دکھائی گئی، یا آپ فطرت کو پہنچ گئے، اگر آپ شراب کو اختیار کرتے تو آپ کی (ساری) امت گمراہ ہو جاتی۔'' [مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ۱٦۸]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خود کو پیغمبروں کی ایک جماعت میں پایا۔ دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، وہ چھریرے بدن کے اور گھنگریالے بالوں والے ایک شخص تھے، جیسے شنوءہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ میں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو بھی دیکھا، وہ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ سب سے زیادہ ان کے مشابہ عروہ بن مسعود ثقفی ہیں اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا، وہ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور ان سے سب سے زیادہ مشابہ تمھارے صاحب (یعنی آپ خود) ہیں۔ پھر نماز کا وقت آیا تو میں نے

امامت کروائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو ایک کہنے والے نے کہا، اے محمد! یہ مالک ہیں جہنم کے داروغہ! انھیں سلام کیجیے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو انھوں نے مجھے پہلے سلام کر دیا۔'' [مسلم، کتاب الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال : ۱۷۲]

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حالات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے، بعض مقامات پر اختصار کے ساتھ اور بعض مقامات پر تفصیل کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو راہِ ہدایت دکھانے اور ظلم و ستم سے روکنے کے لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۰ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۰ وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴾ [القصص : ۳ تا ۶]

''ہم تجھ پر موسیٰ اور فرعون کی کچھ خبر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے رہنے والوں کو کئی گروہ بنا دیا، جن میں سے ایک گروہ کو وہ نہایت کمزور کر رہا تھا، ان کے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ بلاشبہ وہ فساد کرنے والوں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جنھیں زمین میں نہایت کمزور کر دیا گیا اور انھیں پیشوا بنائیں اور انھی کو وارث بنائیں۔ اور انھیں زمین میں اقتدار دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان سے وہ چیز دکھلائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرما رہے ہیں کہ آئندہ آیات میں ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا سچا واقعہ سناتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے مفید رہے گا، ان کے ایمان میں پختگی آئے گی اور اللہ کی نصرت و تائید کے وعدے سے ان کے دلوں کو تقویت ملے گی۔ آگے قصے کا آغاز ہو رہا ہے کہ مصر کا بادشاہ، جو فرعون کے لقب سے جانا جاتا تھا، اپنی حکومت و بادشاہت کی رعونت میں بہت آگے بڑھ گیا تھا۔

اس نے سرزمین مصر کے باشندوں کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ واضح رہے کہ فرعون کے زمانے کی تہذیب اور ان کے عقائد بہت حد تک ہندوؤں کی تہذیب اور عقائد سے ملتے جلتے ہیں۔ ہندو بھی چار طبقوں میں تقسیم ہیں، برہمن، کھتری، ویش اور شودر۔ جن میں برہمنوں کو سب پر بالا دست رکھا گیا ہے اور شودر کو انسانیت کی حد سے بھی نیچے گرا دیا گیا ہے۔ مصری تہذیب بھی بادشاہ کی خدائی کے ساتھ گائے کی پجاری تھی، ہندوؤں کا بھی یہی حال ہے۔

فرعونِ مصر نے بھی مصر کے رہنے والوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا اور ان سب کو آپس میں دست و گریبان کر رکھا تھا اور مختلف قسم کی مراعات دے کر یا ان پر ظلم و ستم کر کے انھیں اتنا بے وقعت اور بے بس بنا رکھا تھا کہ وہ کسی بات میں اس سے اختلاف کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، حتیٰ کہ انھوں نے اس کے رب اعلیٰ ہونے کے دعوے کو بھی مان لیا۔ آج کل بھی ملکوں اور قوموں کو محکوم رکھنے کے لیے بڑی طاقتوں کا یہی طریقہ ہے کہ تقسیم کرو اور حکومت کرو۔

فرعون ان میں سے ایک گروہ کو بہت زیادہ ہی کمزور کر رہا تھا۔ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں، جو یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر آئے تھے اور مدت تک نہایت شان و شوکت اور عزت و احترام کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے، پھر اللہ کی نافرمانی اور اپنے اعمال بد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مصر کے اصل باشندوں کو، جو قبطی تھے، ان پر مسلط کر دیا اور اس فرعون نے تو انھیں کمزور اور بے بس کرنے کی انتہا کر دی۔ اس نے ایسا بندوبست کیا کہ قبطی آقا بن کر رہیں اور بنی اسرائیل غلام اور خدمت گار بن کر۔ چنانچہ مشقت کا ہر کام زبردستی ان سے لیا جاتا، مثلاً کھیتی باڑی، عمارتیں بنانے اور نہریں وغیرہ کھودنے کا کام اور گھروں میں خدمت کا کام ان کی عورتوں سے لیا جاتا۔ اس کے علاوہ لڑکوں کو ذبح کر کے عورتوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لیے زندہ رکھا جاتا۔

فرعون کے اس ظلم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کس طرح برداشت کر سکتی تھی، خصوصاً جب مظلوم قوم مسلمان بھی ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: ''مظلوم کی بد دعا سے بچ، کیونکہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔'' [بخاري، كتاب الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء ...... : ۱۴۹۶] یعنی فرعون تو اس مظلوم قوم کو مکمل طور پر نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مگر ہمارا ارادہ یہ تھا کہ ان لوگوں پر احسان کریں جنھیں نہایت کمزور کیا گیا۔ احسان وہ عطیہ ہے جو کسی عوض کے بغیر دیا جائے، یعنی بنی اسرائیل پر فرعون سے نجات کی نعمت اور دوسری نعمتیں محض ہمارا احسان اور فضل و کرم تھا۔

مستضعفین کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کی غیرت جب جوش میں آتی ہے تو وہ ان سے صرف ظلم ہی دور نہیں کرتا، بلکہ انھیں مزید انعامات سے بھی نوازتا ہے۔ چنانچہ فرمایا، ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں اور انھیں دین کی پیشوائی کے ساتھ حکومت و اقتدار کے پیشوا بھی بنائیں، تاکہ کسی کو ان پر ظلم کی جرأت ہی نہ ہو۔

اور انھیں فرعون اور آل فرعون کے غلبے و اقتدار کا اور ان تمام چیزوں کا وارث بنائیں جو وہ چھوڑ کر غرق ہونے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اسی طرح کیا۔ ہامان فرعون کا وزیر تھا، جو ظلم و ستم میں اس کا شریک اور آلہ کار تھا۔ یعنی ہم چاہتے تھے کہ انھیں زمین میں اقتدار بخشیں اور ان کا سکہ جما دیں اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں نے جس خطرے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنا شروع کیا تھا کہ کہیں ان کی تعداد اور قوت اتنی نہ بڑھ جائے کہ وہ ہماری حکومت پر قابض ہو جائیں، بنی اسرائیل ہی کے ذریعے سے وہ خطرہ انھیں حقیقت بنا کر دکھا دیں اور وہ اپنی

آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اللہ کی تقدیر کبھی ٹل نہیں سکتی، نہ اس کے ارادے کو پورا ہونے سے کوئی طاقت روک سکتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور آپ کی حفاظت

قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اور آپ کی حفاظت کے حوالے سے تفصیلات یوں مذکور ہیں:

﴿ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَ لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ [القصص : ۷]

''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا، پھر جب تو اس پر ڈرے تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر اور نہ غم کر، بے شک ہم اسے تیرے پاس واپس لانے والے ہیں اور اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔''

چونکہ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کروا دیتا تھا، تاکہ وہ بچہ زندہ ہی نہ رہے جس کے ہاتھوں اس کی حکومت کو ختم ہونا تھا۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو ان کی ماں بہت پریشان ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں فرشتہ بھیج کر اطمینان دلایا کہ اس کی حفاظت اللہ کرے گا، اس لیے وہ بچے کو دودھ پلاتی رہیں اور جس دن وہ سمجھ لیں کہ اب فرعون کے جاسوسوں کو ان کے گھر میں لڑکا ہونے کی اطلاع ہوگئی ہے تو اسے بے خوف وخطر دریائے نیل میں ڈال دیں اور ان کے بارے میں نہ ڈریں اور نہ پریشان ہوں۔ اللہ قادر مطلق ان کا بچہ ان کے پاس پھر پہنچا دے گا اور انھیں یہ خوش خبری بھی دی کہ ان کا وہ بچہ بڑا ہو کر نبی و رسول ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں نے انھیں ایک مضبوط و محفوظ ٹوکرے میں ڈال کر دریا میں ڈال دیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں

موسیٰ علیہ السلام کا صندوق دریا میں بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا۔ اس کے لوگوں نے دیکھا تو دریا سے نکال کر فرعون کے پاس لے آئے:

﴿ فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝ وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ [القصص : ۸، ۹]

''تو فرعون کے گھر والوں نے اسے اٹھا لیا، تاکہ آخر ان کے لیے دشمن ہو اور غم کا باعث ہو۔ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، امید ہے کہ وہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور وہ سمجھتے نہ تھے۔''

یہ تابوت موجوں پر سفر کرتے کرتے جب اس مقام پر پہنچا جہاں فرعون کے محلات تھے، تو فرعون کے اہل کاروں نے اسے دیکھ لیا اور اسے پکڑ کر فرعون اور اس کی بیوی کے سامنے پیش کر دیا۔ چنانچہ فرعون اور اس کی بیوی اس بچے کو اپنے ہاں لے آئے جو ان کا دشمن اور ان کی تباہی کا باعث بننے والا تھا۔ فرعون کی بیوی آسیہ نے بچے کو دیکھتے ہی کہا کہ یہ تو بہت پیارا بچہ ہے۔ یہ میری اور تمھاری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا، اس لیے دوسرے بچوں کی طرح اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ ممکن ہے کہ ہم دونوں اسے اپنا بیٹا بنا لیں، ہوسکتا ہے کہ آئندہ ہمارے لیے یہ بچہ مفید ثابت ہو۔ ان دونوں کو معلوم نہ تھا کہ جو باتیں وہ کر رہے ہیں وہ خود نہیں کر رہے، بلکہ مشیت الٰہی ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلوا رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بتایا ہے۔ یہ خاتون دنیا کی سب سے بلند مرتبہ خواتین میں سے ایک تھیں۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مردوں میں سے بہت سے کامل ہوئے ہیں، مگر عورتوں میں فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم کے سوا کوئی کامل نہیں ہوئی اور عائشہ کی عورتوں پر برتری ایسے ہی ہے جیسے ثرید کی برتری تمام کھانوں پر۔“ [بخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ و ضرب الله مثلا...... ﴾ : ٣٤١١]

موسیٰ کی ماں کا شدید غم اور بچے کی واپسی

﴿ وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [القصص : ١٠]

”اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہوگیا۔ یقیناً وہ قریب تھی کہ اسے ظاہر کر ہی دیتی، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے اس کے دل پر بند باندھ دیا تھا، تاکہ وہ ایمان والوں میں سے ہو۔“

ام موسیٰ نے وحی کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو دریا کی موجوں کے سپرد کر تو دیا، مگر بعد میں سخت بے تاب ہوگئیں۔ ماں کی مامتا چین نہ لینے دیتی تھی۔ کئی بار دل میں خیال آیا کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈال دیا ہے۔ کوئی مجھ پر مہربانی کرے اور اسے وہاں سے نکال کر مجھے واپس لا دے۔ اس صورت میں کئی طرح کے خطرات نظر آ رہے تھے۔ پھر وحی میں یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ عنقریب وہ بچہ تمھاری طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اس خیال سے پھر دل کو کس قدر قرار آ جاتا تھا۔ یہ اللہ ہی کی مہربانی تھی کہ اس نے ام موسیٰ کے دل کو قرار بخش دیا اور یہ راز فاش نہ ہوا۔

تدبیر الٰہی سے موسیٰ علیہ السلام کی اپنی ماں کے پاس واپسی

﴿ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ [القصص : ۱۱ تا ۱۳]

’’اور اس نے اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے پیچھے جا۔ پس وہ اسے ایک طرف سے دیکھتی رہی اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے۔ اور ہم نے اس پر پہلے سے تمام دودھ حرام کر دیے تو اس نے کہا کیا میں تمھیں ایک گھر والے بتلاؤں جو تمھارے لیے اس کی پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔ تو ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا، تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کرے اور تاکہ وہ جان لے کہ یقیناً اللہ کا وعدہ سچ ہے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔‘‘

جب اِم موسیٰ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دریا برد کر چکی اور دل بے قرار ہونے لگا تو ایک احتیاطی تدبیر اس کے ذہن میں آئی کہ شاید اس تدبیر کا کسی وقت فائدہ پہنچ جائے۔ اس نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ اس دریا کے کنارے کنارے چلتی جاؤ اور بچے کو دیکھتی رہو کہ کہاں جاتا ہے؟ لیکن یہ احتیاط ملحوظ رکھنا کہ اس طریقے سے چھپتی چھپاتی جانا کہ کسی کو یہ گمان نہ ہو سکے کہ یہ لڑکی اس تابوت کی حفاظت کر رہی ہے اور اس کی ٹوہ میں لگی ہوئی ہے۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لیے فرعون کی بیوی آسیہ نے دایہ کو بلوا بھیجا، لیکن انھوں نے اس کا دودھ نہیں پیا۔ کسی اور دایہ کو بلوایا، اس کا دودھ بھی پینے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح بہت سی دایوں کو بلوایا، لیکن بچے نے کسی کا بھی دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ اللہ نے فرعون و آسیہ اور محل کے دیگر رہنے والوں کے دلوں میں ان کی ایسی شدید محبت ڈال دی کہ سبھی پریشان و بے چین ہو گئے اور بات محل سے باہر نکل گئی۔ ان کی بہن تو تمام معاملات کا خاموشی کے ساتھ جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر محل والوں سے کہا کہ مجھے ایک دایہ کا پتا ہے، شاید بچہ اس کا دودھ پینے پر آمادہ ہو جائے اور وہ لوگ اتنے اچھے ہیں کہ بچے کی اچھی دیکھ بھال کریں گے۔ محل والوں نے فوراً اس دایہ کو بلوایا جو موسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں۔ بچے نے ان کی گود میں جاتے ہی ان کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں دریائے نیل سے نکال کر فرعون کے ذریعے سے ان کی ماں کے پاس پہنچا دیا، جہاں وہ ان کی محبت کے زیر سایہ پرورش پانے لگے اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے لگے۔ اللہ نے اِم موسیٰ سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا اور لوگوں کو اس کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔

جوانی میں موسیٰ علیہ السلام کو قوت فیصلہ اور علم عطا کیا جانا

﴿ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ [القصص : ۱٤]

’’اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور پورا طاقتور ہو گیا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم عطا کیا اور اسی طرح نیکی کرنے والوں کو ہم بدلہ دیتے ہیں۔‘‘

یہاں ایک لمبی بات حذف کر دی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے رضاعت کے ایام اپنی والدہ کے پاس گزرے، جس سے انھیں اپنے والدین، بھائی بہن اور خاندان سے شناسائی ہوگئی اور آئندہ بھی اس تعلق کی وجہ سے میل جول جاری رہا، جس سے وہ اپنے آبائے کرام ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کے دین سے واقف ہو گئے اور بنی اسرائیل کی زبوں حالت پر براہ راست مطلع رہنے لگے۔ رضاعت کے بعد شاہی محل میں منتقل ہونے کے ساتھ ان کی پرورش اور تربیت ایک شہزادے کی حیثیت سے ہوئی، انھیں اس وقت کے تمام علوم وفنون، لکھنے پڑھنے اور جہانبانی کے طریقے سکھائے گئے، جنگ میں درکار عام تربیت اور سپہ سالاری کے لیے خاص تربیت دی گئی۔ ان تمام چیزوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی اور تربیت تھی، جس کے ذریعے سے انھیں آنے والی ذمہ داری کے لیے تیار کیا گیا، حتیٰ کہ وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گئے اور ان کے اندر پختگی آ گئی تو اللہ تعالیٰ نے عمر کے ساتھ ساتھ انھیں حکمت و دانائی سے بھی نوازا۔ اپنے ماں باپ کے گھر میں رہ کر اپنے آبا و اجداد ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور یوسف علیہم السلام وغیرہ کی تاریخ دعوت و عزیمت سن سن کر ان کی روح کو بالیدگی ملتی گئی اور قصر شاہی سے منسلک ہونے کی وجہ سے دنیاوی علوم سے بہرہ ور ہوتے رہے اور اس طرح صالحہ ماں کے صالح بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے نوازا۔ اللہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی برتاؤ کرتا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی کی اتفاقی ہلاکت

﴿ وَ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ٝ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴾ [القصص : ۱۵ تا ۱۷]

’’اور وہ شہر میں اس کے رہنے والوں کی کسی قدر غفلت کے وقت داخل ہوا تو اس میں دو آدمیوں کو پایا کہ لڑ رہے ہیں، یہ اس کی قوم سے ہے اور یہ اس کے دشمنوں میں سے ہے۔ تو جو اس کی قوم سے تھا اس نے اس سے اس کے خلاف مدد مانگی جو اس کے دشمنوں سے تھا، تو موسیٰ نے اسے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا۔ کہا یہ شیطان کے کام سے ہے، یقیناً وہ کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔ کہا اے میرے رب! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے۔ تو اس نے اسے بخش دیا، بے شک وہی تو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ کہا اے میرے رب!

اس وجہ سے کہ تو نے مجھ پر انعام کیا، تو میں کبھی بھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔‘‘

ایک دن موسیٰ علیہ السلام قصر شاہی سے نکل کر شہر میں آئے، جہاں عام لوگ رہا کرتے تھے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک جگہ ایک اسرائیلی اور ایک قبطی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ اسرائیلی مظلوم تھا، اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر انھیں ظالم قبطی سے نجات دلانے کے لیے پکارا، انھوں نے قبطی کو ایک گھونسا مار کر ہٹانا چاہا، لیکن اللہ کی مشیت کہ اسی ایک گھونسے سے قبطی کی موت واقع ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام دم بخود رہ گئے اور فوراً ان کے دماغ میں یہ بات آئی کہ جو کچھ ہوا، یقیناً ان کے خلاف شیطان کی سازش کا نتیجہ ہے جو انسان کا کھلا اور گمراہ کن دشمن ہے اور شدت تاثر کی وجہ سے اپنی اس غلطی کو ’’ظلم‘‘ سے تعبیر کیا اور اپنے رب سے مغفرت طلب کی، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا اور ان کے دل میں کسی خاص واسطے سے یہ بات ڈال دی کہ اللہ نے انھیں معاف کر دیا ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے رب! تو نے مجھ پر جو یہ احسان کیا ہے تو میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اب میں فرعون اور فرعونیوں کے ساتھ نہیں رہوں گا، کیونکہ ان کا ظالمانہ رویہ بنی اسرائیلیوں کے خلاف تمام حدوں کو تجاوز کر گیا ہے۔

گو موسیٰ علیہ السلام نے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تھا، مگر پیغمبروں کی شان بڑی ہے، ان کی شان کے لحاظ سے یہ بے احتیاطی بھی مناسب نہ تھی، اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اسے گناہ سمجھا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے طلب گار ہوئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی، مگر موسیٰ علیہ السلام اس کے بعد بھی نادم رہے اور قیامت کے دن جب لوگ ان کے پاس جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کیجیے تو اپنی ندامت کا اظہار کریں گے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (شفاعت کی مفصل حدیث میں) ارشاد فرمایا: ’’لوگ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے، اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے اپنی رسالت اور آپ سے ہم کلام ہو کر آپ کو سارے لوگوں پر فضیلت دی، آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیجیے، آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہماری کیا حالت ہو رہی ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کہیں گے، آج میرا رب اس قدر غصے میں ہے کہ نہ اس سے پہلے اتنے غصے میں آیا نہ اس کے بعد کبھی اتنے غصے میں آئے گا، (دنیا میں) میں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا جسے قتل کرنے کا مجھے کوئی حکم نہ تھا، اب اس کی وجہ سے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے، ہائے میری جان، ہائے میری جان!‘‘ [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ ذرية من حملنا مع نوح ...... ﴾ : ٤٧١٢]

قتل کے راز کا افشاء

﴿ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ

لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ڰ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴾

[القصص : ۱۸ ، ۱۹]

''غرض اس نے شہر میں ڈرتے ہوئے صبح کی، انتظار کرتا تھا، تو اچانک وہی شخص جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی، اس سے فریاد کر رہا تھا۔ موسیٰ نے اس سے کہا یقیناً تو ضرور کھلا گمراہ ہے۔ پھر جونہی اس نے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑے جوان دونوں کا دشمن تھا، اس نے کہا اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے قتل کر دے، جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے، تو نہیں چاہتا مگر یہ کہ زمین میں زبردست بن جائے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔''

موسیٰ علیہ السلام دوسرے دن ڈرتے ڈرتے پھر شہر میں داخل ہوئے، آپ دراصل اس ٹوہ میں تھے کہ کسی کو کل کے واقعہ کی خبر تو نہیں ہوگئی۔ اسی خطرہ کے تحت آپ پوری طرح چوکنے ہو کر شہر میں آئے تھے کہ اگر کسی کو خبر ہوگئی تو میں گرفتار نہ کر لیا جاؤں۔ شہر میں داخل ہو کر آپ نے یہ منظر دیکھا کہ جس کی حمایت میں آپ سے پہلے دن ایک قبطی کا خون ہو گیا تھا، وہی اسرائیلی آج پھر ایک دوسرے قبطی سے الجھ رہا ہے۔ اس نے آج پھر موسیٰ علیہ السلام کو اپنی مدد کے لیے پکارا، موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تو بڑا جھگڑالو معلوم ہوتا ہے، طاقت نہ ہوتے ہوئے سب سے جھگڑتا پھرتا ہے اور لوگوں کے لیے مصائب کا سبب بنتا ہے۔ اسرائیلی کو اس طرح ملامت کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ قبطی کو پکڑ کر اس اسرائیلی کو اس سے نجات دلائیں۔ مگر اسرائیلی یہ سمجھا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے چونکہ آج مجھے ہی ملامت کی ہے، لہٰذا مجھی پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ فوراً بک اٹھا اور کہنے لگا، کیا تم مجھے اس طرح موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہو جس طرح کل تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا؟ تم تو زمین میں ظالم و جابر بن کر رہنا چاہتے ہو، اصلاح پسند نہیں بننا چاہتے۔

موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے صلاح مشورے

﴿ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۫ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ [القصص : ۲۰]

اور ایک آدمی شہر کے سب سے دور کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک سردار تیرے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں، پس نکل جا، یقیناً میں تیرے لیے خیر خواہوں سے ہوں۔''

قبطی نے جب اسرائیلی کے منہ سے یہ بات سنی تو لڑائی جھگڑا چھوڑا اور ایک دم بھاگ کر فرعون اور اس کے اہلکاروں کو یہ اطلاع دے دی کہ کل جو قبطی قتل ہوا تھا اس کا قاتل موسیٰ ہے۔ گویا جس راز پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا تھا

اسے اسی اسرائیلی احمق نے فاش کر ڈالا، جس کی حمایت میں آپ کے ہاتھوں قبطی مارا گیا تھا۔ جب فرعون کے اہلکاروں کو قتل کے مجرم کا پتا چل گیا تو موسیٰ کی گرفتاری اور قتل کا حکم صادر ہو گیا۔ فرعون کے درباریوں ہی میں سے ایک آدمی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا دل سے خیر خواہ تھا۔ وہ فوراً وہاں سے اٹھا اور دوڑتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور کہا کہ فرعون کی مجلس میں تمھارے قتل کی سازش ہو رہی ہے، اس لیے تم فوراً اس شہر سے نکل جاؤ۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہجرت کی راہ پر

﴿ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [القصص : ۲۱]

''تو وہ ڈرتا ہوا اس سے نکل پڑا، انتظار کرتا تھا، کہا اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے بچا لے۔''

موسیٰ علیہ السلام فوراً ہی چھپتے چھپاتے وہاں سے نکلے، تاکہ کہیں پکڑ کر قتل نہ کر دیے جائیں۔ شہر سے نکلتے ہوئے انھوں نے دعا کی کہ میرے رب! مجھے فرعون، فرعونیوں اور ہر ظالم سے نجات دے اور انھیں مجھ تک نہ پہنچنے دے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام خدمت خلق کا فریضہ ادا کرتے ہوئے

﴿ وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫۬ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴾ [القصص : ۲۲ تا ۲٤]

''اور جب اس نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہا میرا رب قریب ہے کہ مجھے سیدھے راستے پر لے جائے۔ اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچا تو اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان کے ایک طرف دو عورتوں کو پایا کہ (اپنے جانور) ہٹا رہی تھیں۔ کہا تمھارا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا ہم پانی نہیں پلاتیں یہاں تک کہ چرواہے پلا کر واپس لے جائیں اور ہمارا والد بڑا بوڑھا ہے۔ تو اس نے ان کے لیے پانی پلا دیا، پھر پلٹ کر سائے کی طرف آ گیا اور اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں، جو بھلائی بھی تو میری طرف نازل فرمائے، اس کا محتاج ہوں۔''

موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر مدین کی طرف چل دیے، جو فرعون کی حدودِ سلطنت سے باہر تھا اور اپنے رب سے دعا کرتے رہے کہ راستے میں ان کے دشمن انھیں نہ پالیں، چنانچہ بحفاظت حدود مصر سے نکل کر مدین کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ چلتے چلتے ایک کنویں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے اور سب اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا

رہے ہیں، لیکن دولڑکیاں الگ کھڑی ہیں۔ ان کے قریب گئے اور پوچھا کہ وہ دور کیوں کھڑی ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ جب سارے چرواہے اپنی بکریوں کو پانی پلا کر ہٹ جائیں گے تو ہم پلا سکیں گی، اس لیے کہ ہمارے والد بوڑھے ہیں۔ اب ان سے یہ کام نہیں ہو سکتا اور ہمارے گھر میں کوئی دوسرا مرد نہیں ہے اور ہم ان مردوں کے ساتھ مزاحمت نہیں کرنا چاہتیں۔ ان دونوں کی بات سن کر موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا، پھر ایک درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئے اور دعا کی کہ میرے رب! روزی حاصل کرنے کا جو ذریعہ ابھی میرے سامنے ظاہر ہوا ہے، میں اس کا محتاج ہوں، یعنی دونوں لڑکیوں کے باپ کو ایک مزدور کی ضرورت ہے اور مجھے روزی کی ضرورت ہے۔

پیغمبروں میں فطری طور پر ہمدردی کا بے پناہ جذبہ ہوتا ہے، جیسا کہ اُمّ المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: ''ہرگز (ایسا) نہیں (ہوگا)، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، کیونکہ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں اور بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور بے روزگار کے لیے کام ڈھونڈتے ہیں اور مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی طرف سے آنے والی مصیبتوں پر مدد کرتے ہیں۔'' [بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي ...... : ۳]

موسیٰ علیہ السلام تھکے ماندے اور بھوکے پیاسے تھے، اس کے باوجود انھوں نے ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے اس کی صفات میں سے صفت ''رب'' کے واسطے سے دعا کی، کیونکہ اس وقت ان کا حال صفت ربوبیت سے فریاد کا تقاضا کرتا تھا۔ بھوک اتنی کہ پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا تھا۔ بے وطنی ایسی کہ کوئی واقفیت نہ کوئی مونس و غم خوار، کوئی گھر نہ ٹھکانا، دشمن کے تعاقب کا مسلسل خوف، غرض ہر لحاظ سے فقر ہی فقر۔ ایسی حالت میں انھوں نے کسی مخلوق کے ساتھ شکوہ نہیں کیا، بلکہ اپنے رب ہی کی جناب میں درخواست پیش کی کہ اے میرے پالنے والے! میں تو جو خیر بھی تو میری طرف نازل فرمائے اس کا محتاج ہوں۔ ''نازل فرمائے'' کا لفظ اس لیے بولا کہ آدمی کو جو کچھ ملتا ہے آسمان سے آتا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴾ [الذاريات : ۲۲] ''اور آسمان ہی میں تمھارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔'' حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا نہایت جامع دعا ہے، دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی ایسی نہیں جو اس میں نہ آ گئی ہو۔ طویل سفر کے بعد غربت اور فقر و فاقہ کی حالت میں عجز و انکسار سے بھری ہوئی یہ جامع دعا موسیٰ علیہ السلام کے لبوں سے نکلی تو ساتھ ہی قبولیت کے آثار بھی ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو محفوظ مقام میسر آ گیا

جب وہ دونوں باپ کے پاس جلدی واپس پہنچ گئیں تو اسے تعجب ہوا اور اس نے ان سے اس کے متعلق پوچھا

انھوں نے موسیٰ کے احسان کا ذکر کیا تو اس نے ان میں سے ایک کو انھیں بلانے کے لیے بھیجا۔

﴿ فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ؗ قَالَتْ إِنَّ أَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [القصص : ۲۵]

''تو ان دونوں میں سے ایک بہت حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی، اس نے کہا بے شک میرا والد تجھے بلا رہا ہے، تاکہ تجھے اس کا بدلہ دے جو تو نے ہمارے لیے پانی پلایا ہے۔ تو جب وہ اس کے پاس آیا اور اس کے سامنے حال بیان کیا تو اس نے کہا خوف نہ کر، تو ان ظالم لوگوں سے بچ نکلا ہے۔''

یہ عورتیں دل ہی دل میں ان کی احسان مند تھیں کہ ایک اجنبی شخص نے ان سے کیسی بھلائی کی ہے۔ واپس جاتے ہوئے مڑ کر جو دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے سائے میں آ بیٹھے ہیں۔ اس سے انھوں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ کوئی مسافر ہے جس کے رہنے کے لیے یہاں کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو ابھی سائے میں بیٹھے اور دعا کیے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ان دونوں میں سے ایک لڑکی نہایت شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرا والد آپ کو بلا رہا ہے۔ آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر ہم پر جو احسان کیا ہے وہ آپ کو اس کا کچھ بدلا دینا چاہتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بے سروسامانی اور شدید ضرورت کی وجہ سے موقع کو غنیمت جانا اور اس کے ساتھ چل پڑے، خود آگے اور لڑکی پیچھے سے انھیں راستہ بتاتی رہی۔ ان لڑکیوں کے باپ کے پاس پہنچ کر جب انھیں ذرا سکون میسر آیا تو اپنا سارا ماجرا ان سے بیان کیا، انھوں نے اطمینان دلایا اور کہا کہ تم ظالموں کی سلطنت کی حدود سے باہر نکل آئے ہو، اب یہاں آرام سے رہو۔ لڑکیوں کے باپ کے نام کے بارے میں قرآن و سنت میں کہیں صراحت موجود نہیں۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد سیدنا شعیب علیہ السلام لیے ہیں، جو اہل مدین کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے، امام شوکانی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ نبوت سیدنا شعیب علیہ السلام سے بہت بعد کا ہے، اس لیے یہاں سیدنا شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ یا آپ کی قوم کا کوئی شخص مراد ہے۔ (واللہ اعلم)

''تو ان دونوں میں سے ایک بہت حیا کے ساتھ چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی۔'' سبحان اللہ! وہ خاتون کس قدر باحیا ہوگی جس کے بہت حیا کی شہادت رب العالمین نے دی ہے۔ ''تَمْشِيْ بِاسْتِحْيَاءٍ'' کے بجائے **''تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ''** اس لیے فرمایا گویا وہ حیا کی سواری پر سوار ہو کر چلی آ رہی تھی، حیا کی ہر صورت اس کی دسترس میں تھی۔ شرم و حیا بڑی اچھی خصلت ہے، بلکہ ایمان کی علامت ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری شخص کے پاس سے گزرے، وہ اپنے بھائی کو شرم و حیا کے بارے میں وعظ و نصیحت کر رہا تھا (کہ اتنی شرم نہ کیا

کر) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو، کیونکہ شرم تو ایمان میں سے ہے۔“ [بخاري، كتاب الإيمان، باب الحياء من الإيمان : ٢٤۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان : ٣٦]

سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگلے نبیوں کی جو باتیں لوگوں کو ملیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب تم شرم نہ کرو تو پھر جو چاہو کرو۔“ [بخاري، كتاب الأدب، باب إذا لم تستح فاصنع ما شئت : ٦١٢٠]

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”شرم و حیا سے ہمیشہ بھلائی ہی ملتی ہے۔“ [بخاري، كتاب الأدب، باب الحياء : ٦١١٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان : ٣٧]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے جو گھر کے کونے میں پردے کے پیچھے بیٹھی رہتی ہے۔ [بخاری، كتاب الأدب، باب الحياء : ٦١١٩۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب كثرة حيائه ﷺ : ٢٣٢٠]

طاقت ور اور امانت دار ملازم

ان دونوں میں سے ایک نے کہا کہ اے ابا جان! آپ اسے مزدور رکھ لیں تا کہ ہم عورتوں کو بکریاں چرانے کی مشقت سے رہائی مل جائے۔

﴿ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴾ [القصص : ٢٦]

”دونوں میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ! اسے اجرت پر رکھ لے، کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے تو اجرت پر رکھے طاقتور، امانت دار ہی ہے۔“

جب موسیٰ علیہ السلام نے کچھ وقت وہاں گزار لیا تو لڑکیوں کا باپ اور ان کے گھر والے آپ کے چال چلن سے بہت حد تک واقف ہو گئے، تو ایک دن دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو تنخواہ پر بکریاں چرانے اور گھر کے دوسرے کام کاج کے لیے ملازم رکھ لیں، اس لیے کہ بہتر ملازم وہ ہوتا ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو اور کنویں کے پاس پہلی ملاقات سے اب تک اس کا جو کردار ہمارے سامنے آیا ہے وہ یہی بتاتا ہے کہ یہ آدمی طاقت ور اور امانت دار ہے کہ اب تک اس نے ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، روز قیامت تین آدمیوں کا میں مدمقابل و مخالف ہوں گا، ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام پر عہد کیا، پھر وعدہ خلافی کی، دوسرا وہ جس نے کسی آزاد شخص کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور بنا کر اس سے پورا کام لیا، لیکن اسے اس کی اجرت نہ دی۔“ [بخاري، كتاب الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجير : ٢٢٧٠]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی بھیجا ہے اس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا، اور آپ نے بھی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چرایا کرتا تھا۔'' [بخاري، كتاب الإجارة، باب رعي الغنم على قراريط : ٢٢٦٢]

''سب سے بہتر شخص جسے تم اجرت پر رکھو وہ ہے جو قوت والا اور امانت دار ہو۔'' یہ وہ قاعدہ ہے جو کسی شخص کو ذمہ داری دیتے وقت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک وقت میں یہ دونوں صفات بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ کوئی شخص اگر کام کی اہلیت اور قوت رکھتا ہے تو امانت میں کمزور ہے اور اگر امین ہے تو قوت و اہلیت نہیں رکھتا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طاقتور مومن، کمزور مومن سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اور بھلائی بہرحال ہر ایک میں موجود ہے۔ جو چیز تجھے نفع دے اس کی حرص کر اور اللہ سے مدد مانگ اور عاجز نہ ہو۔'' [مسلم، كتاب القدر، باب الإيمان بالقدر والإذعان له : ٢٦٦٤]

مشروط نکاح

باپ نے بیٹی کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ مگر جوان بیٹیوں کی موجودگی میں ایک غیر محرم مرد کو گھر میں رکھنا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے اس مرد دانا نے فیصلہ کیا کہ ایک بیٹی کا اس صالح جوان کے ساتھ نکاح کر کے اسے مزدور کے طور پر گھر میں رکھ لے۔

﴿ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴾ [القصص : ٢٧، ٢٨]

''اس نے کہا بے شک میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں، اس (شرط) پر کہ تو آٹھ سال میری مزدوری کرے گا، پھر اگر تو دس پورے کر دے تو وہ تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر مشقت ڈالوں، اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً تو مجھے نیک لوگوں سے پائے گا۔ کہا یہ بات میرے درمیان اور تیرے درمیان (طے) ہے، ان دونوں میں سے جو مدت میں پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔''

وہ شخص ان کے حالات، کردار اور چال چلن کا جائزہ لیتا رہا اور جب اسے موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو ایک دن ان سے کہا کہ میں اپنی ان دونوں بچیوں میں سے ایک کی شادی تم سے کر دینا چاہتا ہوں۔ اس کے عوض آٹھ سال تم میرے ملازم رہو اور بکریاں چراؤ اور اگر تم اپنی طرف سے مزید دو سال میرا کام کر دو گے تو یہ میرے ساتھ تمھارا

تعاون ہوگا، اور ان شاء اللہ تم مجھے اپنے وعدے کا پابند اور اچھا برتاؤ کرنے والا پاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ جو بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوئی ہے، اس کے ہم دونوں پابند رہیں گے اور دونوں مدتوں میں سے جس پر بھی میں عمل کروں، مجھے اختیار حاصل رہے گا، نہ مجھ سے آٹھ سال سے زیادہ کام کرنے کا اور نہ یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ دس سال سے پہلے ہی اپنی بیوی کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں اور ہم دونوں اللہ کو اپنے اس معاہدے پر گواہ بناتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی صالح آدمی کو اپنی بیٹی کے رشتے کی پیش کش خود کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ایسا ہونا چاہیے۔ بے شمار لڑکیاں اس لیے نکاح سے محروم بیٹھی ہیں کہ ان کے والد انتظار میں ہیں کہ کوئی ہم سے رشتہ پوچھے، جبکہ لڑکوں کے والدین انکار کے خوف سے رشتہ مانگنے کی جرأت نہیں کرتے۔ نتیجہ اس کا لڑکے لڑکیوں دونوں کا نکاح سے محروم رہنا ہے۔ صحابہ کرام میں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اس کا بہترین نمونہ ہے۔ ان کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے فوت ہونے سے بیوہ ہوگئی، جو نبی ﷺ کے بدری صحابہ میں سے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور انھیں حفصہ کا رشتہ پیش کیا، انھوں نے کہا، میں اس بارے میں سوچوں گا، کچھ راتیں گزریں تو مجھے ملے اور کہنے لگے: ''میری رائے یہی ٹھہری ہے کہ میں ان دنوں نکاح نہ کروں۔'' عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''پھر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا: ''اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ بنت عمر کا نکاح آپ سے کر دوں۔'' ابوبکر خاموش رہے، مجھے کچھ جواب نہیں دیا، میں دل میں ان پر عثمان سے بھی زیادہ ناراض ہوا۔ چند راتیں گزریں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے نکاح کا پیغام بھیج دیا، تو میں نے حفصہ کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا۔'' [بخاري، كتاب النكاح، باب عرض الإنسان ابنته أو أخته على أهل الخير : ۵۱۲۲] دیکھیے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر غیرت مند کون ہوگا، مگر اپنی بیٹی کے رشتے کی پیش کش خود کر رہے ہیں۔

وَاللهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ: یہ کلمہ عہد کو پختہ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کے بعد اس بزرگ نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ''خیر'' کی تمام چیزیں ان کے لیے مہیا کر دیں، جن کی انھیں ضرورت تھی۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے اہل حیرہ کے ایک یہودی نے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے دو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی تھی؟ میں نے کہا، مجھے معلوم نہیں جب تک میں عرب کے عالم کے پاس جا کر پوچھ نہ لوں۔ چنانچہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور ان سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''انھوں نے وہ مدت پوری کی جو دونوں میں زیادہ اور بہتر تھی (یعنی دس سال)۔ اللہ کا رسول جب بات کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے (یعنی ایسا شخص جو آئندہ رسول بننے والا ہے، وہی مدت پوری کرے گا جو زیادہ کامل ہے)۔'' [بخاري، كتاب الشهادات، باب : ۲۶۸۴]

موسیٰ علیہ السلام کی مصر واپسی اور رستے میں نبوت و معجزات کا ملنا

﴿ فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴾ [القصص : ۲۹ تا ۳۲]

’’پھر جب موسیٰ نے وہ مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلا تو اس نے پہاڑ کی طرف سے ایک آگ دیکھی، اپنے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرو، بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے، ہوسکتا ہے کہ میں تمھارے لیے اس سے کوئی خبر لے آؤں، یا آگ کا کوئی انگارا، تاکہ تم تاپ لو۔ تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے اس بابرکت قطعہ میں وادی کے دائیں کنارے سے ایک درخت سے آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں، جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اور یہ کہ اپنی لاٹھی پھینک۔ تو جب اس نے اسے دیکھا کہ حرکت کر رہی ہے، جیسے وہ ایک سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر چل دیا اور پیچھے نہیں مڑا۔ اے موسیٰ! آگے آ اور خوف نہ کر، یقیناً تو امن والوں سے ہے۔ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر، وہ کسی عیب کے بغیر سفید (چمکدار) نکلے گا اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنا بازو اپنی جانب ملا لے، سو یہ دونوں تیرے رب کی جانب سے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف دو دلیلیں ہیں۔ بلاشبہ وہ ہمیشہ سے نافرمان لوگ ہیں۔‘‘

اس معاہدے کے بعد اس شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا اور عہد و پیمان کے مطابق آپ اس کے گھر رہنے لگے۔ مدت پوری کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام جب اپنے اہل و عیال کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے تو کوہِ طور کے قریب رات کے وقت راستہ بھٹک گئے۔ سخت سردی پڑ رہی تھی، دیکھا کہ پہاڑ کی جانب سے روشنی آ رہی ہے، سمجھے کہ وہاں کچھ لوگ ہیں جنھوں نے آگ جلا رکھی ہے۔ اس لیے اپنے بیوی بچوں سے کہا کہ تم سب یہیں ٹھہرو، میں راستہ پوچھ کر آتا ہوں یا کم از کم تمھیں گرمی پہنچانے کے لیے آگ کا انگارہ لے کر آتا ہوں، وہاں جب پہنچے تو بات ہی کچھ اور تھی۔ وہ وادی تو تجلی الٰہی کے سبب ایک مبارک وادی بن چکی تھی، جس کے دائیں جانب موجود ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں جو سارے جہان کا پالنہار ہے۔ آپ کے ہاتھ میں جو لاٹھی ہے اسے زمین پر ڈال دیجیے، تو ڈالتے ہی وہ ایک ڈراؤنا سانپ بن کر تیزی کے ساتھ حرکت کرنے لگی۔ موسیٰ علیہ السلام یہ کیفیت دیکھ

کر ڈر گئے اور پیچھے کی طرف بھاگ پڑے اور واپس مڑ کر نہیں دیکھا، تو آواز آئی کہ اے موسیٰ! واپس آ یئے اور خوف نہ کھایئے، آپ ہر شر و بلا سے مامون و محفوظ ہیں۔ یہ سب سے بڑا معجزہ تھا جو انھیں عطا کیا گیا تھا۔ واپس آ کر جب پہلی جگہ کھڑے ہوئے تو پھر آواز آئی کہ آپ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالیے، وہ نور کی مانند خوبصورت چمکتا ہوا ظاہر ہوگا اور اپنے دل سے سانپ کا خوف دور کرنے کے لیے اپنا بازو اپنے سینے سے لگا لیجیے، پھر آواز آئی کہ آپ کے رب کی جانب سے یہ دو معجزے ہیں جو آپ کے نبی مرسل ہونے کی دلیل ہیں، انھیں لے کر آپ فرعون اور فرعونیوں کے پاس جایئے، جنھوں نے کفر و سرکشی کی راہ اختیار کر لی ہے۔ میرے سوا غیروں کی عبادت کے ساتھ ساتھ انھوں نے بنی اسرائیل کو بھی اپنا غلام بنا رکھا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام پر نزول وحی کی ابتدا اور اللہ سے ہم کلام ہونے کا واقعہ

﴿ وَهَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ مُوسٰى ۝ إِذْ رَأٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّا أَتٰىهَا نُودِيَ يٰمُوسٰى ۝ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى ۝ إِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي ۙ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي ﴾

[طٰه : ۹ تا ۱٤]

''اور کیا تیرے پاس موسیٰ کی خبر پہنچی ہے۔ جب اس نے ایک آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرو، بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں تمھارے پاس اس سے کوئی انگارا لے آؤں، یا اس آگ پر کوئی رہنمائی حاصل کر لوں۔ تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے آواز دی گئی اے موسیٰ! بے شک میں ہی تیرا رب ہوں، سو اپنی دونوں جوتیاں اتار دے، بے شک تو پاک وادی طویٰ میں ہے۔ اور میں نے تجھے چن لیا ہے، پس غور سے سن جو کچھ وحی کیا جاتا ہے۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔''

ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام پر نزول وحی کی ابتدا اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ''مدین'' میں دس سال گزار کر اپنی بیوی کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے تو مصلحت الٰہی کے مطابق طور سینا کے قریب راستہ کھو بیٹھے، موسم سرما کی سرد اور اندھیری رات تھی، انھیں روشنی اور آگ دونوں کی ضرورت تھی، طور کی طرف سے انھیں آگ کی روشنی نظر آئی تو اپنی بیوی سے بطور خوش خبری کہا کہ تم یہیں رکی رہو، میں تمھارے لیے آگ لے کر آتا ہوں یا شاید وہاں کوئی آدمی مل جائے جو ہماری رہنمائی کرے۔ موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے قریب پہنچے تو وہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ وہاں وادی کے داہنی جانب ایک درخت تھا جو بقعۂ نور بنا ہوا تھا، وہاں سے آواز آئی، اے موسیٰ! میں

آپ کا رب ہوں اور آپ سے مخاطب ہوں اور آپ اس وقت مقدس وادی طویٰ میں کھڑے ہیں۔ اپنے رب کے لیے تعظیم و تواضع اور ادب کا اظہار کرتے ہوئے جوتا اتار دیجیے۔ میں نے آپ کو اس زمانے کے تمام لوگوں کے درمیان سے چن لیا ہے اور اپنی پیغامبری کے لیے منتخب کر لیا ہے، اس لیے اب آپ پر جو وحی نازل ہونے جا رہی ہے اسے غور سے سنیے اور اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیے۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اس لیے صرف میری عبادت کیجیے اور مجھے یاد کرنے کے لیے نماز قائم کیجیے۔

ان آیات میں مذکور حکم سے غالباً یہودیوں نے یہ مسئلہ بنا لیا ہے کہ جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ غلط فہمی دور کرنے کے لیے فرمایا: ''یہودیوں کے خلاف عمل کرو، کیونکہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔'' [أبوداؤد، الصلاۃ، باب الصلاۃ في النعل : ٦٥٢، و صححه الألباني]

اگر دوسری حدیث نہ ہوتی تو اس حدیث کی رو سے جوتوں سمیت نماز پڑھنا فرض تھا۔ وہ حدیث یہ ہے، عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ننگے پاؤں اور جوتا پہن کر (دونوں طرح) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔'' [أبوداؤد، الصلاۃ، باب الصلاۃ في النعل : ٦٥٣]

آیت مذکور میں موجود الفاظ ﴿ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴾ دلیل ہیں کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے جوتے ناپاک تھے، اگر وہ پاک ہوتے تو اس وادی کو پاک بتا کر جوتے اتارنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے، دوران نماز آپ نے اپنے جوتے اتارے اور اپنی بائیں طرف رکھ دیے۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیے۔ جب آپ نے اپنی نماز پوری کی تو فرمایا: ''تمھارے جوتے اتارنے کا باعث کیا ہوا؟'' انھوں نے کہا: ''ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے جوتے اتارے تو ہم نے بھی اتار دیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس جبریل آئے اور انھوں نے مجھے بتایا کہ ان میں گندگی لگی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی مسجد کو آئے تو دیکھ لے، پھر اگر اپنے جوتوں میں کوئی گندگی دیکھے تو اسے مل کر صاف کر لے اور انھیں پہن کر نماز پڑھ لے۔'' [أبوداؤد، الصلاۃ، باب الصلاۃ في النعل : ٦٥٠]

یہ حدیث دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کے حکم کی وجہ وادی کا پاک ہونا اور جوتوں کا ناپاک ہونا تھا۔ یہ وجہ نہ تھی کہ کسی مقدس جگہ میں جوتے پہن کر جانا منع ہے، کیونکہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ مسجد پاک ترین جگہ ہے اور اسے پاک رکھنے کا حکم بھی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور حکم دیا کہ انھیں صاف ستھرا رکھا جائے اور خوشبو دار بنایا جائے۔'' [أبوداؤد، الصلاۃ، باب اتخاذ المساجد في الدور : ٤٥٥۔ ترمذي : ٥٩٤۔ ابن ماجه : ٧٥٨] جوتے پاک ہوں تو مسجد میں جا سکتے ہیں تو کسی اور جگہ کیوں نہیں جا سکتے؟

آیت میں مذکور لفظ ''لِذِكْرِيْ'' کی دو تفسیریں ہیں اور دونوں درست ہیں۔ پہلی یہ کہ نماز کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو، ایک نماز سے فارغ ہو تو اگلی کے انتظار میں مشغول رہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے:
﴿ وَ رَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ ﴾ [بخاري : ٦٨٠٦] اس طرح اس کا سارا وقت ہی نماز میں شمار ہوگا جو اللہ کی یاد کا سب سے اچھا طریقہ ہے۔ ہر وقت یاد رکھنے کا نتیجہ اللہ کی نافرمانی سے اجتناب ہوگا، جیسا کہ ارشاد فرمایا:
﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ﴾ [العنکبوت : ٤٥] ''بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔'' دوسری تفسیر یہ کہ اگر بھول جائے تو یاد آنے پر نماز پڑھ لے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خیبر سے لوٹتے وقت رات کو سفر کرتے رہے، جب آخر شب ہوئی تو آپ کو اونگھ آنے لگی، تب آپ نے پڑاؤ کیا اور بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: ''آج کی رات تم ہمارا پہرا دو۔'' چنانچہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے رہے، جتنی کہ ان کی تقدیر میں تھی اور رسول اللہ ﷺ سو گئے اور آپ کے اصحاب بھی سو گئے۔ پھر جب صبح قریب ہوئی تو بلال رضی اللہ عنہ مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی اونٹنی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور ان کی آنکھ لگ گئی۔ پھر نہ تو رسول اللہ ﷺ ہی جاگے اور نہ بلال رضی اللہ عنہ اور نہ آپ کے صحابہ میں سے کسی کو جاگ آئی، یہاں تک کہ جب ان پر دھوپ پڑی، تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ جاگے۔ آپ گھبرا گئے اور پکارا: ''اے بلال!'' بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میرے نفس کو بھی اسی نے پکڑ لیا جس نے آپ کے نفس کو پکڑا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''اونٹوں کو ہانکو!'' انھوں نے تھوڑی دور اونٹوں کو ہانکا تو پھر رسول اللہ ﷺ اترے۔ آپ نے وضو کیا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہنے کا حکم دیا، سو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کی اقامت کہی اور رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا: ''جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آ جائے تب پڑھ لے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾ [طٰه : ١٤] ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔'' [مسلم، كتاب المساجد، باب قضاء الصلوة الفائتة و استحباب تعجيل قضائها : ٦٨٠]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی نماز کے وقت سو یا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو اس کو چاہیے کہ جب یاد آ جائے تو نماز پڑھ لے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴾ [طٰه : ١٤] ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔'' [مسلم، كتاب المساجد، باب قضاء الصلوة الفائتة ...... الخ : ٣١٦/٦٨٤۔ بخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب من نسي صلاة فليصل إذا ذكر : ٥٩٧]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص نماز بھول جائے یا سو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے اسی وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے، بس اس کا یہی کفارہ ہے۔'' [بخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب من نسي الصلاة ...... الخ : ٥٩٧۔ مسلم، كتاب المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة ...... الخ : ٣١٤، ٣١٥/٦٨٤]

موسیٰ علیہ السلام کی نو نشانیاں

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو نو روشن نشانیوں کے ساتھ مبعوث فرمایا اور یہ نشانیاں ان کی نبوت و صداقت کے قطعی دلائل تھے۔ وہ نو نشانیاں یہ تھیں: ① عصا ② ید بیضا ③ قحط سالی ④ دریا کا پھٹ جانا ⑤ طوفان ⑥ ٹڈیوں کا عذاب ⑦ جوؤں کا عذاب ⑧ مینڈکوں کا عذاب اور ⑨ خون کا عذاب۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴾

[بني إسرائيل : ۱۰۱، ۱۰۲]

’’اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں دیں، سو بنی اسرائیل سے پوچھ، جب وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا یقیناً میں تو تجھے اے موسیٰ! جادو زدہ سمجھتا ہوں۔ اس نے کہا بلاشبہ یقیناً تو جان چکا ہے کہ انھیں آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نہیں اتارا، اس حال میں کہ واضح دلائل ہیں اور یقیناً میں تو اے فرعون! تجھے ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں۔‘‘

مشرکین مکہ نے رسول اکرم ﷺ سے جب نشانیوں کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو نو نشانیاں دی گئی تھیں وہ انھی مطلوبہ نشانیوں کے برابر تھیں، لیکن پھر بھی فرعون اور اس کے پیروکار ایمان نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا۔ اہل مکہ کے مطالبے کے باوجود نشانیاں اس لیے نہیں بھیجی جا رہیں کہ اگر ان کے آ جانے کے بعد بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے تو انھیں ہلاک کر دیا جائے گا، جبکہ اللہ مالک کائنات انھیں یکسر ختم نہیں کرنا چاہتا۔

ان تمام نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی فرعون ایمان نہیں لایا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں کہ تمھاری عقل میں جادو کی وجہ سے خلل واقع ہو گیا ہے کہ ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا، تمھیں معلوم ہے کہ یہ نشانیاں اس اللہ نے نازل کی ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور دل سے اللہ کی ہدایت طلب کرنے والوں کے لیے ان میں بڑی عبرتیں ہیں، لیکن تم اپنے کبر و عناد کی وجہ سے ان کا انکار کر رہے ہو اور انھیں جادو کا اثر بتا رہے ہو۔ اے فرعون! میرا خیال ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے دور کر دیے گئے ہو اور بالآخر تم ہلاک کر دیے جاؤ گے۔

قوم فرعون کی قحط کے ساتھ آزمائش

﴿ وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ

قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الأعراف : ۱۳۰، ۱۳۱]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے فرعون کی آل کو قحط سالیوں اور پیداوار کی کمی کے ساتھ پکڑا، تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔ تو جب ان پر خوش حالی آتی تو کہتے یہ تو ہمارے ہی لیے ہے اور اگر انھیں کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھ والوں کے ساتھ نحوست پکڑتے۔ سن لو! ان کی نحوست تو اللہ ہی کے پاس ہے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔''

جادوگروں کے شکست کھا جانے اور ان کے ایمان لے آنے کے بعد فرعون کے لیے یہ بات آفتاب کی طرح واضح ہو چکی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے، لیکن غرور ونخوت اور جھوٹی معبودیت کے زعم میں کفر و عناد پر مصر رہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے پہلے اسے اور اس کی قوم کو قحط سالی میں مبتلا کیا کہ اب بھی شاید توبہ کی توفیق ہو جائے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں خوشحالی اور امن و عافیت کی کڑی آزمائش میں مبتلا کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے فخر و تکبر میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ جب قحط سالی آئی تو کہنے لگے کہ یہ سب موسیٰ اور بنی اسرائیل کی وجہ سے ہو رہا ہے اور جب خوشحالی آئی تو کہنے لگے کہ ہم تو اس کے حق دار ہیں۔ اسی لیے اللہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام امور کا مدبر اور ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور خوشحالی اور قحط سالی اسی کے اختیار میں ہے، موسیٰ اور بنی اسرائیل کے وجود سے بدشگونی لینا تمھارے کفر و عناد کا نتیجہ ہے۔

''طَآئِر'' کے معنی ہیں ''اڑنے والا'' یعنی پرندہ۔ چونکہ پرندے کے بائیں یا دائیں اڑنے سے وہ لوگ نیک فال یا بدفال لیا کرتے تھے، اس لیے یہ لفظ مطلق فال کے لیے بھی استعمال ہونے لگ گیا اور یہاں یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی مرض متعدی نہیں، (ماہ) صفر کی نحوست اور الو کی نحوست بھی کوئی چیز نہیں۔'' [بخاري، كتاب الطب، باب لا هامة : ۵۷۷۰۔ مسلم، كتاب السلام، باب لا عدوى ولا طيرة : ۲۲۲۰]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے۔'' تین دفعہ یہ فرمایا، پھر فرمایا: ''اور ہم میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی وہم ہو ہی جاتا ہے، مگر اللہ عزوجل اسے توکل کی برکت سے زائل کر دیتا ہے۔'' [أبوداؤد، كتاب الطب، باب في الطيرة : ۳۹۱۰۔ ترمذي، كتاب السير، باب ما جاء في الطير : ۱۶۱۴]

قوم فرعون کی سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف عذاب

﴿وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ

﴿وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾
[الأعراف : ۱۳۲ ، ۱۳۳]

''اور انھوں نے کہا تو ہمارے پاس جو نشانی بھی لے آئے، تاکہ ہم پر اس کے ساتھ جادو کرے تو ہم تیری بات ہرگز ماننے والے نہیں۔تو ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون، جو الگ الگ نشانیاں تھیں، پھر بھی انھوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔''

جب وہ قحط سالی اور پھلوں کی کمی کی گرفت کے باوجود کفر اور سرکشی پر ڈٹ گئے اور اس مصیبت کو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر مزید سختیاں نازل ہونا شروع ہوئیں جو فرعون اور اس کی فوجوں کے مکمل خاتمے اور غرق ہونے کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔ قحط سالیوں کے بعد ''الطُّوْفَانَ'' یعنی سخت بارش اور سیلاب شروع ہوا جس سے ان کی زندگی دشوار ہوگئی تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی کہ تمھارا اپنے رب سے جو عہد اور معاملہ ہے اسے پیش کر کے اس سے ہمارے لیے یہ عذاب دور کرنے کی دعا کرو، اگر تم نے ہم سے یہ عذاب دور کروا دیا تو ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تمھارے ساتھ بھیج دیں گے۔ ظالم اب بھی اپنے اور ساری کائنات کے رب کو موسیٰ علیہ السلام کا رب ہی کہہ رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب ٹلا تو مدت کی سوکھی زمین نے پانی کی فراوانی کی وجہ سے بے حساب چارا اور غلہ پیدا کیا، یہ ان کی خوش حالی کے ساتھ آزمائش تھی، جس سے وہ سب عہد و پیمان بھول کر کہنے لگے کہ یہ سیلاب تو ہمارے لیے نعمت تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان پر ''الْجَرَادَ'' (ٹڈیوں) کا عذاب بھیجا جو ان کے درخت، چارے اور لکڑیاں تک چٹ کر گئیں۔ انھوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے انھی الفاظ میں عذاب ٹالنے کی دعا کی درخواست کی جو اوپر ذکر ہوئے ہیں۔ یہ عذاب دور ہوا تو پھر خوش حالی کا ایک وقفہ آیا کہ بچی کھچی فصل سے بھی بے شمار غلہ پیدا ہوا، جسے کاٹ کر انھوں نے اپنے گھروں میں محفوظ کر لیا اور اپنے خیال میں کم از کم سال بھر کے لیے بے فکر ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام سے کیا ہوا عہد و پیمان پھر بھول گئے۔ اب ان پر ''الْقُمَّلَ'' کا عذاب نازل ہوا، یعنی جوئیں، چچڑیاں، چھوٹے چھوٹے کالے کیڑے، گھن کے کیڑے، پسو وغیرہ، ان سب پر ''الْقُمَّلَ'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ انسانوں اور جانوروں کے جسموں، کپڑوں اور بستروں پر جوؤں، پسوؤں اور کھٹملوں کی یلغار ہوگئی۔ غلے کو گھن لگ گیا، پسوانے کے لیے بوریاں لے جاتے تو آٹے کا فقط ایک تھیلا نکلتا، پھر مجبور ہو کر انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اسی طرح دعا کی درخواست کی۔ جب ان کی دعا سے وہ بلا ٹلی اور راحت و آرام کا وقفہ آیا تو اپنے عہد سے پہلے کی طرح پھر گئے، اب ان پر ''الضَّفَادِعَ'' یعنی ''مینڈکوں'' کا عذاب آیا اور وہ اس کثرت سے پھیل گئے کہ ہر چیز اور برتن میں مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے، کھانا کھاتے ہوئے لقمے کی جگہ اچھل کر منہ میں مینڈک جا پڑتا، لیٹتے تو بستر اور جسم مینڈکوں سے بھر جاتا۔ مجبور ہو کر انھوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام

سے یہ عذاب ٹالنے کے لیے دعا کی درخواست انھی وعدوں کے ساتھ کی، مگر جب عافیت ملی تو پھر ایمان لانے اور بنی اسرائیل کو آزادی دینے سے انکار کر دیا۔ اب ان پر خون کا عذاب آیا، کھانے یا پینے کی جو چیز رکھتے خون میں بدل جاتی، پانی کے برتنوں اور ذخیروں نے خون کی صورت اختیار کر لی۔ بعض مفسرین نے خون کے عذاب میں نکسیر کی وبا کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ ان کے رجوع اور درخواست پر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ عذاب ٹلا تو پھر اپنے کیے ہوئے عہد سے پھر گئے۔ اب اللہ تعالیٰ کے انتقام کا وقت آ گیا اور ان سب کو اللہ کی آیات و معجزات جھٹلانے اور ان سے جان بوجھ کر غفلت اختیار کرنے کی پاداش میں سمندر میں غرق کر دیا گیا۔ ان آیات میں اس غرق کی تفصیلات بیان نہیں ہوئیں، وہ سورۂ یونس، شعراء اور طٰہٰ وغیرہ میں بیان ہوئی ہیں، کیونکہ یہاں اصل مقصد کفار کو سختی اور خوش حالی کی آزمائش کی پروا نہ کرتے ہوئے کفر پر اصرار کے انجام سے ڈرانا ہے۔ ”اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ“ سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب اور عافیت کے یہ وقفے یکے بعد دیگرے آئے۔

فرعون کو دعوت کا حکم اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بھائی ہارون کے بارے میں سوال

﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴾ [القصص : ۳۳ تا ۳۵]

”کہا اے میرے رب! بے شک میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کیا ہے، اس لیے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ اور میرا بھائی ہارون، وہ زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے، تو اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے، بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ کہا ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو ضرور مضبوط کریں گے اور تم دونوں کے لیے غلبہ رکھیں گے، سو وہ تم تک نہیں پہنچیں گے، ہماری نشانیوں کے ساتھ تم دونوں اور جنھوں نے تمھاری پیروی کی، غالب آنے والے ہو۔“

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا یہ حکم سن کر کہا کہ میرے رب! میں نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا، اس لیے ڈرتا ہوں کہ وہاں کے لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح گفتگو کی قدرت رکھتے ہیں، اس لیے انھیں بھی اپنا رسول اور میرا معاون و مددگار بنا دے، اگر میں اکیلا گیا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ وہ میرے ساتھ ہوں گے تو میں جو کچھ فرعون سے کہوں گا، اسے وہ اپنی فصیح زبان میں مزید شرح و بسط کے ساتھ اس کے سامنے بیان کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طلب منظور کر لی اور کہا کہ ہم آپ کے بھائی کو آپ کا معاون و مددگار بناتے ہیں اور آپ دونوں ہمارے معجزے لے کر فرعون کے پاس جائیے۔ بہر حال غلبہ آپ کو اور آپ کے پیروکاروں ہی کو حاصل ہوگا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں

﴿ وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۙ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ؕ وَ يَضِيْقُ صَدْرِيْ وَ لَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَ لَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴾ [الشعراء : ۱۰ تا ۱٤]

''اور جب تیرے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ ان ظالم لوگوں کے پاس جا۔ فرعون کی قوم کے پاس، کیا وہ ڈرتے نہیں۔ اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ اور میرا سینہ تنگ پڑتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی، سو تو ہارون کی طرف پیغام بھیج۔ اور ان کا میرے ذمے ایک گناہ ہے، پس میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ کے رب نے موسیٰ کو طور کے پاس آواز دی اور کہا کہ آپ ظالم قوم، قوم فرعون کے پاس جائیے اور ان سے کہیے، کیا انھیں اللہ کے عذاب کا خوف نہیں ہے کہ کفر و سرکشی پر اصرار کر رہے ہیں اور بنی اسرائیل پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس عظیم ذمہ داری کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی ناتوانی کا اظہار کیا اور اللہ سے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے جس کے نتیجہ میں میں تنگ دل ہو جاؤں گا اور میری زبان بھی نہیں چلتی، اس کے سبب میں پیغام رسانی کی ذمہ داری پوری نہیں کر سکوں گا، اس لیے میرے رب! تو جبریل کو میرے بھائی ہارون کے پاس وحی دے کر بھیج دے، تاکہ وہ بھی تیرا رسول ہو جائے اور میری مدد کرے۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا، اے میرے رب! میں نے قبطیوں کے حق میں ماضی میں ایک گناہ بھی کیا ہے، یعنی جب میں مصر میں تھا تو غلطی سے ایک قبطی میرے ہاتھوں مارا گیا تھا، تو مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ کہیں مجھے قتل نہ کر دیں اور پیغام رسانی کا کام نہ کر سکوں۔

موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے دو اہداف، توحید کی دعوت اور بنی اسرائیل کی آزادی

﴿ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ [الشعراء : ۱۵ تا ۱۷]

''فرمایا ہرگز ایسے نہ ہوگا، سو تم دونوں ہماری نشانیوں کے ساتھ جاؤ، بے شک ہم تمھارے ساتھ خوب سننے والے ہیں۔ تو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ یہ کہ

تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔“

اللہ تعالیٰ نے کہا، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگ آپ کو قتل کر دیں، آپ دونوں ہمارے معجزات لے کر جائیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں اور فرعون کو دعوتِ توحید دیتے وقت آپ دونوں کی اس سے جو بات ہوگی اسے ہم سنتے رہیں گے۔ آپ دونوں فرعون کے پاس جائیے، اس سے کہیے کہ ہم دونوں رب العالمین کے پیغمبر ہیں اور یہ بھی کہیے کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ ملک شام جانے کی اجازت دے دو۔

فرعون کا حقارت آمیز انداز

﴿قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [الشعراء: ۱۸، ۱۹]

”اس نے کہا کیا ہم نے تجھے اپنے اندر اس حال میں نہیں پالا کہ تو بچہ تھا اور تو ہم میں اپنی عمر کے کئی سال رہا۔ اور تو نے اپنا وہ کام کیا، جو تو نے کیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔“

جابر و متکبر اور اپنے آپ کو معبود سمجھنے والا فرعون یہ کب گوارا کرسکتا تھا کہ اسی کے گھر میں پروردہ ایک معمولی بنی اسرائیلی بچہ بڑا ہوکر اس کے بالمقابل کھڑا ہو، رسول ہونے کا دعویٰ کرے اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کرے، اس لیے اس نے حقارت آمیز انداز میں کہا کہ کیا تو وہی نہیں ہے جو میرے گھر میں پلا بڑھا تھا اور ایک مدت تک ہمارے ساتھ رہا تھا؟ ہماری روٹی کھاتا رہا تھا اور تو نے ایک آدمی کو بھی قتل کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تو بڑا احسان فراموش ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا دلیرانہ جواب

﴿قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ﴾ [الشعراء: ۲۰ تا ۲۲]

”کہا میں نے اس وقت وہ کام اس حال میں کیا کہ میں خطا کاروں سے تھا۔ پھر میں تم سے بھاگ گیا جب میں تم سے ڈرا تو میرے رب نے مجھے حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا۔ اور یہ کوئی احسان ہے جو تو مجھ پر جتلا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا، میں نہیں سمجھتا تھا کہ ٹھوکر لگانے یا گھونسا مارنے سے وہ آدمی مر جائے گا۔ میرا مقصد اسے قتل کرنا ہرگز نہیں تھا۔ پھر میں تمھارے علاقے سے بھاگ کر مدین چلا گیا، اس ڈر سے کہ کہیں تم لوگ مجھے

قتل نہ کر دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، مجھے اللہ نے حکمت و نبوت سے نوازا اور اپنا رسول بنایا ہے، مجھ پر اپنے جس احسان کا تم ذکر کر رہے ہو وہ تو لائق ذکر نہیں ہے، اس لیے کہ تم نے تو میری پوری قوم یعنی بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ مجھے تو تم نے اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ تم نے اپنے گمان کے مطابق مجھے اپنا بیٹا بنانا چاہا تھا، یہ بھی تمھاری خود غرضی تھی۔

پروردگار عالم کے متعلق فرعون کا توہین آمیز انداز

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ [الشعراء : ۲۳ تا ۲۸]

''فرعون نے کہا اور رب العالمین کیا چیز ہے؟ کہا جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور اس کا بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ اس نے ان لوگوں سے کہا جو اس کے ارد گرد تھے، کیا تم سنتے نہیں؟ کہا جو تمھارا رب اور تمھارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔ کہا یقیناً تمھارا یہ پیغمبر، جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، ضرور پاگل ہے۔ اس نے کہا جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور اس کا بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے، اگر تم سمجھتے ہو۔''

فرعون نے پوچھا، وہ رب العالمین کہ جس کے تم دونوں رسول ہونے کا دعویٰ کر رہے ہو، وہ کون ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ فرعون کے اس اسلوب کلام میں غایت درجہ تکبر اور اللہ تعالیٰ کی شان میں حد درجہ گستاخی عیاں تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ رب العالمین وہی ہے جو آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے، اگر تم کسی چیز پر یقین کرنا چاہتے ہو تو یہ بات بدرجۂ اولیٰ یقین کرنے کی ہے۔ اس لیے کہ اس کے دلائل آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب سن کر سرداران قوم اور ارکانِ حکومت کی طرف متوجہ ہوا اور کبر و غرور کے ساتھ کہنے لگا کہ ذرا تم لوگ اس کی بات تو سنو، میں اس سے اس کے رب کی حقیقت پوچھ رہا ہوں اور وہ اس کے افعال بتا رہا ہے، یعنی میرے علاوہ کوئی رب العالمین ہے ہی نہیں تو وہ کیسے اپنے کسی دوسرے رب کی حقیقت بتا سکتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ وہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو اور اپنی پوری قوم کو دھوکا دے رہا ہے اور حقیقت کا اعتراف کرنے سے کترا رہا ہے، تو اس کی اور حاضرین مجلس کی مزید آنکھیں کھول دینے کے لیے انھوں نے کہا کہ وہی جو تمھارا رب ہے اور تمھارے گزشتہ آبا و اجداد کا رب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے صراحت کر دی کہ اے فرعون کے ماننے والو! تم رب العالمین کے ایک حقیر بندے فرعون کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ فرعون جب لاجواب ہو گیا تو اپنی قوم کو مطمئن کرنے کے لیے کہنے لگا کہ موسیٰ پاگل ہو گیا ہے اور اس کی بات پاگلوں کی بڑ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب اور ان دونوں کے درمیان

کی ہر چیز کا رب ہے اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ تھوڑی سی عقل رکھنے والا آدمی بھی اسے سمجھتا ہے۔ یعنی اے فرعون! تمھاری عقل ماری گئی ہے کہ اتنی سادہ سی بات تمھیں سمجھ میں نہیں آتی۔

فرعون کی دھمکی اور موسیٰ علیہ السلام کے کچھ معجزے

ہر ظالم و جابر اور باطل کے علمبردار حکمران کا وتیرہ ہے کہ جب وہ دلیل کے میدان میں شکست کھاتا ہے تو آخری حربے کے طور پر طاقت کے استعمال کی دھمکی دیتا ہے، فرعون نے بھی دھمکی دی کہ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمھیں قید کر دوں گا۔

﴿ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴾ [الشعراء : ۲۹ تا ۳۳]

''کہا یقیناً اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور ہی قید کیے ہوئے لوگوں میں شامل کر دوں گا۔ کہا کیا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح چیز لے آؤں؟ اس نے کہا تو اسے لے آ، اگر تو سچوں سے ہے۔ پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ واضح اژدہا تھی۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید (چمکدار) تھا۔''

فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی اس معقول اور مدلل گفتگو سے بالکل لاجواب ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی دعوت کو پھیلانے کے لیے عزم صمیم کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، تو ڈرانے اور دھمکانے والا طریقہ اختیار کیا جو ہمیشہ سے ان متکبروں کا طریقہ رہا ہے کہ جن کے پاس اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے دلائل نہیں ہوتے۔ اس نے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنایا تو میں تمھیں جیل کی اندھیر کوٹھڑی میں ڈال دوں گا جہاں مر کر گل سڑ جاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب سن کر سمجھ لیا کہ فرعون ان کے دلائل کے سامنے بالکل لاجواب ہو گیا ہے اور اس میں ایک گونہ کمزوری آ گئی ہے۔ اسی لیے انھوں نے نرم اسلوب اختیار کرتے ہوئے کہا کہ کیا میں تمھارے سامنے اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا معجزہ پیش کروں جو ثابت کر دے گا کہ میں اپنے دعویٰ میں بالکل سچا ہوں؟ تو فرعون نے کہا کہ ہاں! اگر سچے ہو تو پیش کرو۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی، تو وہ سچ مچ کا ایک سانپ بن کر دوڑنے لگی۔ مسند ابی یعلیٰ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک لمبی روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ وہ سانپ کچھ دیر کے بعد فرعون کی طرف بڑھنے لگا تو اس نے ڈر کے مارے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اسے پکڑ لو، موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا (تو وہ لاٹھی بن

گیا۔)[مسند أبي يعلى : ٢/٥١٩، ح : ٢٦١٠]

اس کے بعد انھوں نے اپنے گریبان سے اپنا ہاتھ نکالا، تو وہ بغیر برص کی بیماری کے خوبصورت چمکتا ہوا نظر آنے لگا۔

موسیٰ علیہ السلام کا نبوت کے لیے انتخاب سورۂ طٰہٰ کی روشنی میں

﴿ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴾ [طٰہٰ : ٤٠، ٤١]

''پھر کئی سال تو مدین والوں میں ٹھہرا رہا، پھر تو ایک مقرر اندازے پر آیا اے موسیٰ! اور میں نے تجھے اپنے لیے خاص طور پر بنایا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر ایک احسان یہ بھی کیا کہ انھوں نے فرعون کے گھر میں بڑے ہو کر ایک قبطی کو غلطی سے قتل کر دیا تو سبھی فرعونی ان کے قتل کے در پے ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام وہاں سے جان بچا کر بھاگ نکلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی۔ اسی طرح نبی بننے سے پہلے گوناگوں آزمائشوں سے گزرے اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور جب فرعونیوں کے ڈر سے بھاگ کر مدین پہنچے تو ایک مرد صالح نے سارا ماجرا سن کر کہا کہ اب تمھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہاں آ کر ظالموں سے تم نجات پا چکے ہو۔ چنانچہ وہاں آٹھ یا دس سال اس نیک شخص کی زیر تربیت رہے اور پھر حکمتِ الٰہی کے تحت وہاں سے اپنی بیوی کو لے کر چلے اور جب طور سینا کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں پیغمبری عطا کی اور ان سے ہم کلام ہوا۔ طور تک اس وقت ان کا پہنچنا اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے مقدر تھا جس کی انھیں کوئی خبر نہیں تھی۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے اور مختلف مراحل سے گزار کر اس کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل بنایا ہے، لہٰذا فرعون اور بنی اسرائیل کو میرا پیغام اچھی طرح پہنچا دیجیے اور انھیں مجھ پر ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے کی دعوت دیجیے، تاکہ انھیں دنیا و آخرت میں بھلائی حاصل ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے وہ حدیث بیان کی، جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی، تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا، آپ نے لوگوں کو مشقت میں ڈال دیا اور انھیں جنت سے نکلوا دیا؟ سیدنا آدم علیہ السلام نے فرمایا، آپ وہی ہیں جنھیں اللہ نے اپنی رسالت سے ممتاز فرمایا اور اپنے لیے پسند فرمایا اور تورات عطا فرمائی؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، ہاں! پھر سیدنا آدم علیہ السلام نے فرمایا، کیا آپ نے اس میں یہ نہیں پڑھا کہ میری پیدائش سے پہلے یہ سب میرے لیے لکھ دیا گیا تھا؟ کہا، ہاں! الغرض سیدنا آدم علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر دلیل میں غلبہ پا گئے۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ واصطنعتك لنفسي ﴾ : ٤٧٣٦۔ مسلم، كتاب القدر، باب حجاج آدم و موسى صلى الله عليهما وسلم : ٢٦٥٢]

فرعون کو دلائل و معجزات کے ساتھ دعوتِ توحید

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا کہ اسے نرمی اور دلائل کے ساتھ دعوت حق پہنچائیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے احسن انداز میں اسے تبلیغ کی مگر وہ متکبر کسی طور پر نہ سمجھا بلکہ اپنی ہٹ دھرمی اور دشمنی پر ڈٹا رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَ لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ [طٰه : ٤٢ تا ٤٤]

’’تو اور تیرا بھائی میری آیات لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ، بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے۔ پس اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرلے، یا ڈر جائے۔‘‘

اے موسیٰ! آپ اور آپ کے بھائی ہارون جن کے لیے آپ نے دعا کی ہے، میرے دونوں معجزات لے کر، جن کا ظہور میری قدرت سے آپ کے سامنے ہو چکا ہے، دعوت کے لیے آگے بڑھیے اور آپ دونوں پر اب تک میں نے جو احسانات و انعامات کیے ہیں انھیں یاد رکھیے اور تبلیغ رسالت میں تن دہی سے کام لیجیے۔ آپ دونوں میرا پیغام لے کر فرعون کے پاس جائیے جس نے سرکشی کی راہ اختیار کر لی ہے اور اپنے آپ کو ایک بندۂ عاجز ماننے کے بجائے رب اور معبود ہونے کا دعویٰ کر بیٹھا ہے اور دیکھیے آپ دونوں کا اسلوب بیان نرم ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ نرم گفتگو بڑے بڑے ظالموں اور سرکشوں کو بھی بعض اوقات موم بنا دیتی ہے۔ شاید کہ آپ دونوں کی باتیں اسے غور و فکر پر مجبور کر دیں اور وہ ایمان و ہدایت کی راہ اپنا لے، یا ڈرے کہ اگر کفر و ظلم پر مصر رہا تو اللہ کا عذاب اسے اپنی گرفت میں لے لے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ’’پس اس سے بات کرو، نرم بات، اس امید پر کہ وہ نصیحت حاصل کرلے، یا ڈر جائے۔‘‘ عظیم الشان نصیحت پر مشتمل ہے، دیکھیے! فرعون ظلم و استبداد اور سرکشی و بغاوت میں حد سے بڑھا ہوا تھا، موسیٰ اس وقت سارے انسانوں میں سب سے پسندیدہ اور اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ فرعون سے مخاطب ہوتے وقت لب و لہجہ نرم رکھیں اور اسے ملائمت و شائستگی سے دعوت دیں، ہر داعی کو یہی اسلوب اختیار کرنا چاہیے، کیونکہ دعوت الی اللہ سے مقصود مخاطب کی ہدایت اور اصلاح ہوتی ہے نہ کہ اپنی برتری ثابت کرنا، یا سخت کلامی سے دل کا غصہ نکالنا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: ’’اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔‘‘ [النحل : ١٢٥]

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔‘‘ [مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق : ٢٥٩٢]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! بے شک اللہ نرم ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے اور جو کچھ وہ نرمی پر عطا فرماتا ہے سختی پر عطا نہیں فرماتا اور نہ اس کے علاوہ کسی اور چیز پر عطا فرماتا ہے۔'' [مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق : ۲۵۹۳]

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا فرعون سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کا انھیں ثابت قدم رکھنا

﴿ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ۝ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴾ [طٰہٰ : ۴۵ تا ۴۸]

''دونوں نے کہا اے ہمارے رب! یقیناً ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا، یا کہ حد سے بڑھ جائے گا۔ فرمایا ڈرو نہیں، بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ تو اس کے پاس جاؤ اور کہو بے شک ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، پس تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور انھیں عذاب نہ دے، یقیناً ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آئے ہیں اور سلام اس پر جو ہدایت کے پیچھے چلے۔ بے شک ہم، یقیناً ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک عذاب اس پر ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔''

دونوں بھائیوں نے اللہ کا حکم پانے کے بعد جب حالات پر غور کیا اور اپنی بے کسی اور فرعون کے قہر و جبروت کا تصور کیا تو انسانی فطرت کے مطابق ڈرے اور اس کا اپنے رب سے اظہار کرتے ہوئے کہا، اے ہمارے رب! ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں غضب و غصے میں وہ ہمیں قتل نہ کر دے، یا کوئی سخت سزا نہ دے دے، یا اس کی سرکشی اور بڑھ جائے اور تیری شان و عظمت کے خلاف کوئی بات نہ کر بیٹھے، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اطمینان دلایا اور کہا کہ ڈرنے کی ایسی کوئی بات نہیں، میں آپ دونوں کے ساتھ ہوں، آپ دونوں اور اس کے درمیان جو گفتگو ہو گی اور جو کچھ وقوع پذیر ہو گا، اسے میں سنوں گا اور دیکھوں گا اور تم دونوں کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ اس لیے آپ دونوں اس کے پاس جائیے اور اس سے کہیے کہ ہم دونوں تمھارے رب کے پیغامبر ہیں، تمھارے پاس اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ تم بنی اسرائیل کو قید و بند سے آزاد کر دو، انھیں عذاب دینا بند کرو اور ہمارے ساتھ انھیں ہمارے وطن فلسطین جانے دو اور یہ بھی کہیے کہ ہمارے پاس تمھارے رب کی جانب سے ہمارے رسول ہونے کی دلیل یعنی معجزے موجود ہیں۔ حکیمانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے اس سے کہیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تصدیق نہیں کرے گا اور اس کے دین سے روگردانی کرے گا، وہ اس کے عذاب کا مستحق ہو گا۔

﴿ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴾: یعنی اگر تو ہدایت کی بات کو مان لے تو تیرے لیے بھی سلامتی ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کو خط لکھتے وقت بھی یہی انداز اختیار کیا، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے جو خط شاہ روم ہرقل کو لکھا تھا، اس میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے بعد یہ مضمون لکھا تھا: ''یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے شاہ روم ہرقل کے نام ہے۔ جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو۔ اس کے بعد یہ کہ میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں، تم اسلام قبول کرلو تو سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عنایت فرمائے گا۔'' [بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ : ٧۔ مسلم، كتاب الجهاد، باب كتب النبي إلى هرقل...... الخ : ١٧٧٣]

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی گفتگو

﴿ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴾ [طه : ٤٩ تا ٥٤]

''اس نے کہا تو تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ!؟ کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی، پھر راستہ دکھایا۔ اس نے کہا تو پہلے زمانوں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ کہا ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے، میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ وہ جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور تمھارے لیے اس میں راستے جاری کیے اور آسمان سے کچھ پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ساتھ کئی قسمیں مختلف نباتات سے نکالیں۔ کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو چراؤ، بے شک اس میں عقلوں والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔''

فرعون نے ان کی پوری بات سننے کے بعد کہا، اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ساری مخلوق کو اس کی مخصوص شکل وصورت میں پیدا کیا ہے، پھر سبھی کو طلبِ رزق کے گر سکھائے اور ان کی نسلوں کی بقا کے لیے وسائل واسباب مہیا فرما کر انھیں استعمال کرنے کا طریقہ بھی سکھایا ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بتایا کہ ان کا رب وہ ہے جس نے ساری مخلوقات کو پیدا کیا ہے، انھیں روزی دی ہے اور انھیں زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا ہے تو وہ لاجواب ہو گیا، آخر شکست خوردہ ہو کر کہنے لگا کہ پھر ان اقوام گزشتہ کے بارے میں تم کیا کہو گے جو بتوں کی پوجا کرتی تھیں؟ جیسے نوح، ہود، لوط اور صالح علیہم السلام کی قومیں، جو ایک اللہ پر ایمان نہیں لائیں اور بتوں کی پرستش کرتی ہوئی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان تمام قوموں کے اعمال کا اللہ کو پورا پورا علم ہے۔ ان کا ہر قول وعمل ان کے نامۂ اعمال میں محفوظ ہے اور روز قیامت انھیں ان کا بدلہ مل جائے گا۔ میرے رب کے دائرۂ علم سے کوئی ادنیٰ چیز بھی خارج نہیں ہے اور نہ اس پر نسیان طاری ہوتا ہے، میرا رب

ان دونوں عیوب اور دیگر تمام نقائص سے یکسر پاک ہے۔ میرا رب وہ ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے فرش بنا دیا ہے، تاکہ تم اس پر زندگی گزار سکو اور میرا رب وہ ہے جس نے زمین پر تمھارے لیے راستے ہموار کر دیے ہیں، تاکہ تم ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو اور میرا رب وہ ہے جو آسمان سے بارش نازل کرتا ہے جس سے نہریں بہتی ہیں اور کنویں بھرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا جواب ختم ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو اپنی وحدانیت پر ایمان لانے کی نصیحت کے طور پر فرمایا کہ ہم ہی اس پانی کے ذریعے سے انواع واقسام کے پودے، پھل اور درخت وغیرہ پیدا کرتے ہیں، جو رنگ، مزہ، بو اور دیگر اوصاف و خصائص میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے عقل تقاضا کرتی ہے کہ تم ہم پر ایمان لے آؤ، ان پودوں اور پھلوں میں سے جو تمھارے کھانے کے لیے ہیں انھیں خود کھاؤ اور جو تمھارے جانوروں کے لیے ہیں وہ انھیں کھلاؤ۔ مذکورہ بالا تمام اعمال اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ رب العزت ہر بات پر قادر ہے، اس کا علم ہر شے کو محیط ہے اور اس کی رحمت تمام مخلوقات کو شامل ہے، اس لیے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، لیکن ان دلائل سے صرف اہل عقل و دانش ہی مستفید ہوتے ہیں۔

﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴾ [طٰه : ٥٥]

''اسی سے ہم نے تمھیں پیدا کیا اور اسی میں تمھیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمھیں ایک اور بار نکالیں گے۔''

یعنی تم سب کے باپ آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی سے بنایا گیا اور تمام غذائیں بھی مٹی سے نکلتی ہیں، مرنے کے بعد خواہ کوئی انسان قبر میں دفن ہو یا نہ ہو، بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کے اجزا بھی مٹی ہی میں مل جائیں گے۔ قیامت کے روز انھی اجزا کو دوبارہ جمع کر کے اور ان میں روح پھونک کر زندہ کر دیا جائے گا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴾ [الأعراف : ٢٥] ''فرمایا تم اسی میں زندہ رہو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔''

بعض روایات میں دفنانے کے بعد تین مٹھیاں مٹی ڈالتے وقت اس آیت کا پڑھنا نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے، لیکن یہ روایات سنداً ضعیف ہیں، تاہم آیت کے بغیر تین مٹھیاں مٹی ڈالنے والی روایت جو ابن ماجہ میں ہے، وہ صحیح ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازے پر نماز پڑھی، پھر میت کی قبر پر آئے اور اس کے سر کی طرف (مٹی کی) تین مٹھیاں ڈالیں۔'' [ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في حثو التراب في القبر : ١٥٦٥]

فرعون تمام نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی ایمان نہ لایا اور معجزات کو جادو قرار دیا

﴿ وَ لَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ۝ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴾ [طٰه : ٥٦ تا ٦٠]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اسے اپنی نشانیاں سب کی سب دکھلائیں، پس اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔ کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں ہماری سرزمین سے اپنے جادو کے ذریعے نکال دے اے موسیٰ! تو ہم بھی ہرصورت تیرے پاس اس جیسا جادو لائیں گے، پس تو ہمارے درمیان اور اپنے درمیان وعدے کا ایک وقت طے کر دے کہ نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تو، ایسی جگہ میں جو مساوی ہو۔ کہا تمھارے وعدے کا وقت زینت کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں۔ پس فرعون واپس لوٹا، پس اس نے اپنے داؤ پیچ جمع کیے، پھر آ گیا۔''

یہاں آیات سے مراد وہ نو نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں، وہ نشانیاں یہ ہیں، لاٹھی، ید بیضاء، قحط سالی، پھلوں کی کمی، طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈک اور خون۔

موسیٰ علیہ السلام لمبے عرصے تک فرعون کو دعوت توحید دیتے رہے اور اس طویل مدت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا نشانیاں بھیج کر اسے راہ دکھائی، لیکن وہ کبر و غرور میں سب کو جھٹلاتا رہا اور ایمان لانے سے انکار کرتا رہا، بلکہ اس کے برعکس موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم مصر والوں کو اپنے جادو کے زور سے اس وہم میں مبتلا کرنا چاہتے ہو کہ اللہ نے تمھیں اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے، تاکہ ہماری سلطنت اور ملک مصر پر قابض ہو جاؤ اور ہمیں یہاں سے نکال دو۔ سن لو کہ ہم تمھارے جادو کا توڑ اس سے قوی جادو سے کریں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تم نبی نہیں بلکہ جادوگر ہو۔ اس لیے تم خود ہی ہمارے درمیان مقابلے کا ایک وقت مقرر کر دو، جس کی ہم میں سے کوئی خلاف ورزی نہ کرے اور اس کے لیے ایک ایسی جگہ مقرر کر دو جہاں کھڑے ہو کر سبھی لوگ مقابلہ دیکھ لیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہمارے درمیان مقابلے کا وقت عید کا دن رہا اور لوگ مقابلہ دیکھنے کے لیے صبح کے وقت جمع ہو جائیں تاکہ دن کی پوری روشنی میں اسے دیکھ سکیں۔ اس گفتگو کے بعد فرعون نے اپنی مجلس برخواست کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کو مغلوب کرنے کے لیے اپنی سازش کے تانے بانے درست کرنے شروع کر دیے اور ملک کے تمام بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ جیتنے کے لیے اپنے تئیں تمام انتظام مکمل کر لیے۔

دونوں گروہوں کا اجتماع

﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَ يَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى﴾ [طٰہٰ: ٦١ تا ٦٤]

''موسیٰ نے ان سے کہا تمھاری بربادی ہو! اللہ پر کوئی جھوٹ نہ باندھنا، ورنہ وہ تمھیں عذاب سے ہلاک کر دے گا

اور یقیناً ناکام ہوا جس نے جھوٹ باندھا۔ تو وہ اپنے معاملے میں آپس میں جھگڑ پڑے اور انھوں نے پوشیدہ سرگوشی کی۔ کہا بے شک یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں، چاہتے ہیں کہ تمھیں تمھاری سرزمین سے اپنے جادو کے ذریعے نکال دیں اور تمھارا وہ طریقہ لے جائیں جو سب سے اچھا ہے۔ سو تم اپنی تدبیر پختہ کرو، پھر صف باندھ کر آجاؤ اور یقیناً آج وہ کامیاب ہوگا جس نے غلبہ حاصل کر لیا۔''

جب جادوگر وقت مقررہ پر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آئے، تو انھوں نے ان سے ازراہ حجت کہا کہ تم لوگ اللہ کے بارے میں افترا پردازی نہ کرو اور اپنے جادو کے ذریعے سے محض خیالی چیز پیش کر کے لوگوں کو دھوکا نہ دو، اگر تم ایسا کرو گے تو ایک دردناک عذاب کے ذریعے سے اللہ تمھیں نیست و نابود کر دے گا اور جان لو کہ افترا پرداز ہمیشہ گھاٹے میں رہتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سن کر جادوگروں میں اختلاف ہو گیا اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ کوئی جادوگر ہے یا واقعی اللہ کا رسول ہے۔ بالآخر ان کی یہی رائے ہوئی کہ یہ دونوں جادوگر ہی ہیں، اپنے جادو کے ذریعے سے فرعون اور ہمیں سرزمین مصر سے نکال کر خود سلطنت پر قابض ہو جانا چاہتے ہیں اور ہماری جگہ اپنی قوم کو یہاں بسا کر ہمارے اچھے بھلے دین اور اخلاق کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم لوگ ایک بات پر متفق ہو جائیں اور صف بنا کر آگے بڑھیں، تاکہ دیکھنے والوں پر ہمارا رعب پڑے اور پھر آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آج جو غالب ہوگا وہ فرعون اور فرعونیوں کی جانب سے خوب داد و دہش پائے گا۔

آخر باہمی مشورے کے بعد مال و دولت اور جاہ و منصب کی حرص نے ان سب کو مقابلے پر متفق کر دیا اور فیصلہ یہ ٹھہرا کہ یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اقتدار حاصل کر کے تمھیں تمھارے وطن سے نکال دیں اور تمھارے دین و مذہب کو، جو سب سے اچھا ہے اور تمھاری عیش و عشرت والی بہترین زندگی کو حکومت پر قبضہ کر کے ختم کر دیں۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو بھوکے بھیڑیے، جو بھیڑ بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں، وہ انھیں اس قدر برباد کرنے والے نہیں جس قدر آدمی کی مال اور بلند مرتبہ (شہرت) کی حرص اس کے دین کو برباد کرنے والی ہے۔'' [ترمذي، الزهد، باب حديث ما ذئبان جائعان...... : ۲۳۷٦۔ ابن حبان : ۳۲۲۸]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' (جھوٹ سے بچو، کیونکہ) جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔'' [مسلم، كتاب البر و الصلة، باب قبح الكذب و حسن الصدق و فضله : ۲٦۰۷]

موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی

فرعون کے جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنا کمال دکھائیں۔ بصورت دیگر ہم بھی پہلے اپنا جادو دکھانے

پر تیار ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم پھینکو۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکمت پوشیدہ تھی کہ ان کے جادو کا سارا کمال لوگوں کے سامنے آنے کے بعد اسے حق کے مقابلے میں بے حقیقت ثابت کیا جائے۔

﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴾ [طٰہٰ : ٦٥ تا ٦٩]

”انھوں نے کہا اے موسیٰ! یا تو یہ کہ تو پھینکے اور یا یہ کہ ہم پہلے ہوں جو پھینکے۔ کہا بلکہ تم پھینکو، تو اچانک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں، اس کے خیال میں ڈالا جاتا تھا، ان کے جادو کی وجہ سے کہ واقعی وہ دوڑ رہی ہیں۔ تو موسیٰ نے اپنے دل میں ایک خوف محسوس کیا۔ ہم نے کہا خوف نہ کر، یقیناً تو ہی غالب ہے۔ اور پھینک جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ نگل جائے گا جو کچھ انھوں نے بنایا ہے، بے شک انھوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ جادوگر کی چال ہے اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتا جہاں بھی آئے۔“

جب جادوگروں کے درمیان اتفاق ہو گیا کہ مقابلہ کیسے کیا جائے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ پہلے تم ابتدا کرو گے یا ہم شروع کریں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ پہلے تم ہی ڈالو اور انھوں نے ایسا اس لیے کہا کہ جب جادوگر اپنا کرتب دکھا چکیں گے اور ان کے خیالی سانپوں کو موسیٰ کی لاٹھی نگل جائے گی، تو معجزۂ نبوی زیادہ واضح شکل میں درس عبرت بن کر لوگوں کے سامنے آئے گا۔ جادوگروں نے جب اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینکیں تو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ جادو کے اثر سے دوڑ رہی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام بحیثیت انسان ان سانپوں سے ڈر گئے یا اس بات سے ڈر گئے کہ کہیں لوگ جادوگروں کے کرتب سے متاثر تو نہ ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ وہ جو چیز پیش کرنے جا رہے تھے وہ بھی ان کے جادو سے ملتی جلتی تھی، ان کی لاٹھیاں اور رسیاں بھی سانپ نظر آ رہی تھیں اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو بھی سانپ کی شکل اختیار کرنا تھی، تو موسیٰ علیہ السلام گھبرائے کہ پتا نہیں لوگ جادو اور معجزے کے درمیان فرق کر پائیں گے کہ نہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی گھبراہٹ دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ پریشان نہ ہوں، تجھے ان کے مقابلے میں فتح نصیب ہو گی اور معجزۂ الٰہی کے سامنے ان کی ایک نہیں چلے گی۔ آپ کے دائیں ہاتھ میں جو لاٹھی ہے، اسے زمین پر ڈال دیجیے، انھوں نے ایسا ہی کیا اور وہ لاٹھی ایک مہیب و تیز طرار اژدھا بن کر جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگلنے لگی اور تمام لوگ اور جادوگر اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے، یہاں تک کہ میدان میں ایک سانپ بھی باقی نہ رہا، جادو شکست کھا گیا اور اللہ تعالیٰ کا معجزہ غالب آ گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ انھوں نے جو کچھ بنایا تھا وہ جادوگروں کا کرتب تھا اور جادوگر کوئی بھی چال چلے کامیاب نہیں ہو سکتا۔

جادوگروں کا ایمان لانا اور فرعون کی جادوگروں کو سرزنش

﴿فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ۝ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ﴾ [طٰہٰ : ۷۰، ۷۱]

’’تو جادوگر گرا دیے گئے، اس حال میں کہ سجدہ کرنے والے تھے، انھوں نے کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔ کہا تم اس پر اس سے پہلے ایمان لے آئے کہ میں تمھیں اجازت دوں، یقیناً یہ تو تمھارا بڑا ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے، پس یقیناً میں ہر صورت تمھارے ہاتھ اور تمھارے پاؤں مخالف سمت سے بری طرح کاٹوں گا اور ضرور ہر صورت تمھیں کھجور کے تنوں پر بری طرح سولی دوں گا اور یقیناً تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کون عذاب دینے میں زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔‘‘

جب جادوگروں نے تمام ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو جادوگری کے تمام علوم وفنون کی وجہ سے انھیں یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ابھی انھوں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ کوئی جادو نہیں ہے، وہ تو وہ حق ہے جس کی حقانیت میں کوئی شبہ نہیں ہے اور یہ سب کچھ اس اللہ کی قدرت سے ہوا ہے جو کہتا ہے ’’ہو جا‘‘ تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس لیے تمام جادوگر اللہ کے لیے سجدے میں گر گئے اور پکار اٹھے کہ ہم ہارون و موسیٰ علیہما السلام کے رب پر ایمان لے آئے۔ فرعون نے جب دیکھا کہ ان جادوگروں نے تمام لوگوں کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا اور اسے ڈر ہوا کہ کہیں دوسرے لوگ بھی ان کی پیروی نہ کرنے لگیں، تو اپنی طاقت کے غرور میں اس نے ان سے کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم لوگ موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے ہو، مجھے یقین ہو گیا کہ یہی موسیٰ وہ بڑا جادوگر ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے اور تم سب نے مل کر سازش کر رکھی ہے، تاکہ اہل مصر کو تم ان کے ملک سے نکال دو۔ فرعون نے ان نئے مسلمانوں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ میں تم میں سے ہر ایک کا ایک ہاتھ اور دوسری جانب کا ایک پاؤں کاٹ دوں گا اور کھجوروں کے درختوں پر سولی دے کر لٹکا دوں گا، تب تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا عذاب زیادہ شدید اور دائمی ہے یا موسیٰ کے رب کا، جس کے ڈر سے تم موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے ہو۔

جادوگروں کی استقامت

﴿قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ﴾ [طٰہٰ : ۷۲، ۷۳]

''انھوں نے کہا ہم تجھے ہرگز ترجیح نہ دیں گے ان واضح دلائل پر جو ہمارے پاس آئے ہیں اور اس پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، سو فیصلہ کر جو تو فیصلہ کرنے والا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو اس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرے گا۔ بے شک ہم اپنے رب پر اس لیے ایمان لائے ہیں کہ وہ ہمارے لیے ہماری خطائیں بخش دے اور جادو کے وہ کام بھی جن پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے اور اللہ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔''

ان نئے مسلمانوں پر اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا، سچ ہے کہ ایمان صادق کے سامنے دنیا کی کوئی جھوٹی طاقت قدم نہیں جما سکتی۔ حق کے اس سیل رواں میں ہر مادی قوت خس و خاشاک کی مانند بہ جاتی ہے، انھوں نے کہا کہ ہمارے سامنے جن معجزات الٰہیہ کا ظہور ہو چکا ہے، ان پر اور اس ذات برحق پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، ہم تمھیں ہرگز ترجیح نہیں دیں گے۔ اس لیے تمھیں جو کرنا ہو کر ڈالو، تمھارے فیصلے اور احکامات صرف اس دنیا میں چلیں گے جو محض ایک عارضی ٹھکانا ہے، ہماری زندگی کا مقصد تو اب صرف آخرت کی کامیابی ہے۔

نومسلموں نے فرطِ جوش ایمانی میں بلاخوف وخطر کہا کہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں، تاکہ وہ ہمارے سابقہ گناہوں کو معاف کر دے اور موسیٰ اور ہارون ؊ کا مقابلہ کرنے کے لیے جس جادوگری پر تم نے ہمیں مجبور کیا تھا اسے بھی معاف کر دے۔ اور ایمان وعمل صالح والوں کے لیے اللہ کا ثواب بہتر ہوتا ہے، جبکہ نافرمانوں کے لیے اس کے عذاب کی مدت بہت لمبی ہے۔

جادوگروں کا فرعون کے سامنے وعظ

﴿ إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۝ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّىٰ ﴾
[طٰہٰ : ٧٤ تا ٧٦]

''بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا تو یقیناً اسی کے لیے جہنم ہے، نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ جیے گا۔ اور جو اس کے پاس مومن بن کر آئے گا کہ اس نے اچھے اعمال کیے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جن کے لیے سب سے بلند درجے ہیں۔ ہمیشگی کے باغات، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے اور یہ اس کی جزا ہے جو پاک ہوا۔''

ان آیات میں کافر ومومن کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ جس کی موت کفر پر ہوگی اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جہاں نہ اسے موت آئے گی کہ عذاب سے چھٹکارا پالے اور نہ ایسی زندگی ہوگی جس میں اسے سکون میسر ہو۔ وہاں وہ زندہ ہوتے ہوئے عذاب نار سے ایسی شدید تکلیف اٹھائے گا کہ ہر دم اس پر موت کی کیفیت طاری رہے گی۔ سیدنا ابوسعید

خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اصلی جہنمی تو جہنم ہی میں پڑے رہیں گے، انھیں وہاں نہ موت آئے گی اور (نہ آرام کی) زندگی ملے گی، ہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنھیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، جہاں اللہ انھیں موت دے دے گا اور وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے۔ پھر شفاعت کی اجازت کے بعد گروہ گروہ کر کے نکالے جائیں گے اور جنت کی نہروں کے کناروں پر انھیں پھیلا دیا جائے گا اور جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ ان پر پانی ڈالو، تو وہ اس طرح اگیں گے جیسے دانہ اس مٹی میں اگتا ہے جسے پانی بہا کر لاتا ہے۔“ یہ سن کر ایک شخص کہنے لگا، گویا رسول اللہ ﷺ کچھ زمانہ جنگل میں گزار چکے ہیں۔ [مسلم، کتاب الإیمان، باب إثبات الشفاعة و إخراج الموحدین من النار : ۱۸۵۔ مسند أحمد : ۲۰/۳، ح : ۱۱۱۵۷]

اور جو اس دنیا میں ایمان و عمل صالح والی زندگی گزارے گا، تو قیامت کے دن اس کے درجات بلند ہوں گے، اس کا ٹھکانا وہ جنت عدن ہوگی جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہاں وہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے اور یہ بدلہ اس کو ملے گا جس نے دنیا میں اپنے آپ کو کفر و معاصی کی آلائشوں سے پاک رکھا ہوگا۔ یعنی ان کے لیے جنت ہوگی جس میں بلند و بالا درجات، پر امن بالا خانے اور پاکیزہ و نفیس مکانات ہوں گے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان میں ہے اور ان میں سے سب سے اعلیٰ درجہ فردوس ہے، اسی سے جنت کی چاروں نہریں جاری ہوتی ہیں۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے، تو تم اللہ سے جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کی دعا کیا کرو۔“ [ترمذي، کتاب صفة الجنة، باب ما جاء في صفة درجات الجنة : ۲۵۳۱۔ مسند أحمد : ۳۱۶/۵، ح : ۲۲۷۶۱۔ مستدرك حاكم : ۸۰/۱، ح : ۲۶۹]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت والے اپنے سے اوپر بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم اس چمکتے ستارے کو دیکھتے ہو جو صبح کے وقت آسمان کے مشرقی یا مغربی کنارے میں رہ گیا ہو، ان میں سے ایک دوسرے سے افضل ہوگا۔“ صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہ درجات تو انبیاء کے ساتھ خاص ہوں گے، جنھیں ان کے سوا کوئی نہ پا سکے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ ان لوگوں کے لیے ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور نبیوں کو سچا جانا۔“ [بخاري، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة و أنها مخلوقة : ۳۲۵۶۔ مسلم، کتاب الجنة و صفة نعیمها، باب ترائي أهل الجنة أهل الغرف ...... الخ : ۲۸۳۱]

سورۂ اعراف میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ

﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىِٕهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ [الأعراف : ۱۰۳]

’’پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا تو انھوں نے ان کے ساتھ ظلم کیا۔ پھر دیکھ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟‘‘

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور قوم فرعون کی ہدایت کے لیے نشانیاں دے کر مبعوث کیا، لیکن انھوں نے ان نشانیوں کا انکار کر دیا اور اپنے کفر و شرک اور تکبر پر اڑے رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ [النمل : ١٤] ’’اور انھوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل ان کا اچھی طرح یقین کر چکے تھے، پس دیکھ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔‘‘ یعنی جنھوں نے اللہ کے راستے سے روکا اور اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں سمندر میں ڈبو دیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ اے محمد (ﷺ)! آپ دیکھ لیجیے کہ زمین میں کفر و شرک کے ذریعے فساد پھیلانے والوں کا انجام کیسا ہوتا ہے؟

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مناظرہ

﴿وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾

[الأعراف : ١٠٤ تا ١٠٨]

’’اور موسیٰ نے کہا اے فرعون! بے شک میں جہانوں کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں۔ اس بات پر پوری طرح قائم ہوں کہ اللہ پر حق کے سوا نہ کہوں، بلاشبہ میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل لے کر آیا ہوں، سو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ اس نے کہا اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو وہ لے آ، اگر تو سچوں میں سے ہے۔ تو اس نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ ایک ظاہر اژدہا تھی۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید چمکنے والا تھا۔‘‘

موسیٰ علیہ السلام اپنی دعوت لے کر فرعون کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور میں تمھیں اللہ کی طرف سے حق بات بتانے اور اپنی صداقت کی نشانی لے کر آیا ہوں۔ فرعون نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو جس نشانی کا ابھی ذکر کیا ہے اسے دکھاؤ۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دی جو ایک عظیم و مہیب سانپ میں بدل گئی اور اپنا ہاتھ اپنی جیب یا بغل کے نیچے سے نکالا تو سفید و شفاف بن گیا اور اس سے خوبصورت روشنی پھوٹ کر نکلنے لگی، جسے ہر آدمی دیکھنے لگا۔

فرعونیوں کا موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر قرار دینا

﴿ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۙ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۙ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴾ [الأعراف : ۱۰۹ تا ۱۱۲]

''فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا یقیناً یہ تو ایک ماہرفن جادوگر ہے۔ جو چاہتا ہے کہ تمھیں تمھاری سرزمین سے نکال دے، تو تم کیا حکم دیتے ہو؟ انھوں نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو مؤخر رکھ اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دے۔ کہ وہ تیرے پاس ہر ماہرفن جادوگر لے آئیں۔''

جب قوم فرعون کے سرداروں نے لاٹھی کو سانپ کی شکل میں اور ہاتھ کو بغیر کسی بیماری کے سفید و شفاف دیکھ لیا، تو کہنے لگے کہ یہ تو کوئی بہت بڑا ماہر جادوگر ہے، (جادو اس لیے کہا کہ عوام کے دل و دماغ پر ان معجزات کا اثر نہ ہو) یہ تو تمھیں ملک مصر سے اپنے جادو کے ذریعے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اس کے بعد فرعون نے سرداروں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ چنانچہ سب نے مشورہ دیا کہ موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو بند کر دیجیے اور لوگوں کو پورے ملک میں بھیج کر ماہر جادوگروں کو جمع کیجیے۔ اس زمانے میں سرزمین مصر میں جادو کا بہت چرچا تھا اور جادوگروں کی بڑی اہمیت تھی۔ اسی لیے ان لوگوں نے سمجھا کہ موسیٰ کا کارنامہ بھی جادو کے قبیل سے ہے اور بڑے جادوگر ہی اس کی کاٹ کر سکتے ہیں۔

جادوگروں کا جمع ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنا

﴿ وَ جَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴾ [الأعراف : ۱۱۳ تا ۱۱۶]

''اور جادوگر فرعون کے پاس آئے، انھوں نے کہا یقیناً ہمارے لیے ضرور کچھ صلہ ہوگا، اگر ہم ہی غالب ہوئے۔ کہا ہاں! اور یقیناً تم ضرور مقرب لوگوں سے ہو گے۔ انھوں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تو پھینکے، یا ہم ہی پھینکنے والے ہوں۔ کہا تم پھینکو۔ تو جب انھوں نے پھینکا، لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انھیں سخت خوف زدہ کر دیا اور وہ بہت بڑا جادو لے کر آئے۔''

یعنی ملک کے تمام جادوگر جمع ہو گئے اور فرعون سے یہ شرط منوائی کہ اگر وہ موسیٰ پر غالب آ گئے تو انھیں اس کا مناسب انعام ملے گا۔ فرعون نے کہا کہ ہاں، اگر وہ غالب آ گئے تو وہ درباریوں اور معزز لوگوں میں داخل کر لیے جائیں گے۔

جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کو اختیار دیا کہ چاہو تو تم پہلے اپنے فن کا مظاہرہ کرو، یا پھر ہم اپنے کمالات دکھائیں۔ گویا انھیں اپنے اوپر بھرپور اعتماد تھا کہ غلبہ انھی کو حاصل ہوگا، چاہے بعد میں اپنا کرتب دکھلائیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ پہلے تم لوگ اپنی قوت کا مظاہرہ کرو۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ جب لوگ ان کے کارناموں کو دیکھ لیں گے تو پھر معجزۂ الٰہی کا ظہور ہوگا اور اپنی پوری قوت کے ساتھ دیکھنے والوں کے دل و دماغ پر اثر ڈالے گا، چنانچہ انھوں نے لوگوں کی آنکھوں کو مسحور کر دیا، لوگ سمجھنے لگے کہ واقعی ان کے سامنے سانپ دوڑ رہے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا غالب آنا اور جادوگروں کا ایمان لانا

﴿ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۚ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴾

[الأعراف : ۱۱۷ تا ۱۲۲]

”اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنی لاٹھی پھینک، تو اچانک وہ ان چیزوں کو نگلنے لگی جو وہ جھوٹ موٹ بنا رہے تھے۔ پس حق ثابت ہو گیا اور باطل ہو گیا جو کچھ وہ کر رہے تھے۔ تو اس موقع پر وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر واپس ہوئے۔ اور جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے۔ انھوں نے کہا ہم جہانوں کے رب پر ایمان لائے۔ موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔“

اس وقت اللہ نے اپنے بندے اور رسول موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ اب تمھارے دائیں ہاتھ میں جو لاٹھی ہے اسے زمین پر پھینک دو، انھوں نے ایسا ہی کیا اور وہ لاٹھی جادوگروں کے تمام جھوٹے سانپوں کو نگلنے لگی، یہ دیکھ کر فرعون، اس کے کارکنان اور اس قوم کے لوگ ذلیل و رسوا ہو کر واپس لوٹنے لگے اور جادوگر ﴿ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴾ کہتے ہوئے سجدے میں گر گئے۔

ایمان لانے کے بعد جادوگروں کو فرعون کی دھمکی اور ان کا جواب

﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۚ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴾

[الأعراف : ۱۲۳ تا ۱۲۶]

”فرعون نے کہا تم اس پر اس سے پہلے ایمان لے آئے کہ میں تمھیں اجازت دوں، بے شک یہ تو ایک چال ہے جو تم نے اس شہر میں چلی ہے، تا کہ تم اس سے اس کے رہنے والوں کو نکال دو، سو تم جلد جان لو گے۔ یقیناً میں

ضرور تمھارے ہاتھ اور تمھارے پاؤں مخالف سمت سے بری طرح کاٹوں گا، پھر یقیناً تم سب کو ضرور بری طرح سولی دوں گا۔ انھوں نے کہا یقیناً ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اور تو ہم سے اس کے سوا کس چیز کا بدلہ لے رہا ہے کہ ہم اپنے رب کی آیات پر ایمان لے آئے، جب وہ ہمارے پاس آئیں، اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں اس حال میں فوت کر کہ فرماں بردار ہوں۔‘‘

جب حق واضح ہو گیا اور تمام جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے، تو فرعون نے اپنی ذلت و رسوائی پر پردہ ڈالنے کے لیے کہا کہ تم لوگ میری اجازت کے بغیر موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ یہاں آنے سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ مل گئے تھے اور ایک رچی رچائی سازش کے مطابق یہاں آئے ہو کہ پہلے تم لوگ موسیٰ کے خلاف بظاہر اپنی اپنی تیزی دکھاؤ گے اور پھر اس کے سامنے جھک جاؤ گے، تاکہ تم سب مل کر قبطیوں کو یہاں سے نکال دو اور ان کی جگہ لے لو۔ موسیٰ (علیہ السلام) تمھارا بادشاہ بن جائے اور اس کے ساتھ تم لوگ رہنے لگو، تو عنقریب تم لوگ اپنے انجام کو پہنچ جاؤ گے۔ وہ خبیث شخص سمجھتا تھا کہ یہ جادوگر زمین میں فساد برپا کرنے والے ہیں، لہٰذا وہ ان کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو فسادیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، کہا کہ میں تمھارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کٹوا دوں گا اور کھجور کے تنوں پر تم سب کو سولی دے دوں گا۔ ایمان لانے والے جادوگروں کو جب فرعون نے یہ دھمکی دی تو انھوں نے کہا کہ ہمیں تمھاری سزا کی کوئی پروا نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بہتر ہے اور وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اس لیے تو جو فیصلہ کرنا چاہے کر لے، ہم تیرے عذاب کو صبر کے ساتھ برداشت کر لیں گے، تاکہ کل کے عذاب سے بچ جائیں۔

دن کے ابتدائی حصے میں یہ لوگ جادوگر تھے، مگر آخری حصے میں نیکوکار اور شہداء بن گئے۔

سورۂ یونس میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مناظرے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے مابین ہونے والے مناظرے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىِٕهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ اَسِحْرٌ هٰذَا وَ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ [یونس : ۷۵ تا ۷۸]

’’پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تو انھوں نے بہت تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ تو جب ان کے پاس ہمارے ہاں سے حق آیا تو کہنے لگے بے شک

یہ تو کھلا جادو ہے۔موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں (یہ) کہتے ہو، جب وہ تمھارے پاس آیا، کیا جادو ہے یہ؟ حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔انھوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس راہ سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور اس سرزمین میں تم دونوں ہی کو بڑائی مل جائے؟ اور ہم تم دونوں کو ہرگز ماننے والے نہیں۔''

موسیٰ اور ہارون ؊ کی جلالت شان اور فرعون کے ساتھ عقیدۂ توحید کے سلسلہ میں ان کا جو مناظرہ ہوا، اس کی خاص اہمیت کے پیش نظر ان کا ذکر مستقل طور پر کیا گیا ہے۔جب موسیٰ اور ہارون ؊ دعوت توحید لے کر فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس گئے تو انھوں نے تکبر وعناد سے کام لیا اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اس لیے کہ ان کے سابقہ جرائم کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی اور جب انھوں نے آسمانی معجزوں کے آگے اپنے آپ کو بے بس پایا تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔تو موسیٰ علیہ السلام نے انھیں جواب دیا کہ کیا تم اللہ کی طرف سے بھیجے گئے حق کو جادو کہتے ہو؟ یہ جادو کیسے ہوسکتا ہے؟ جادوگر کو تو کبھی حقیقی کامیابی نہیں مل سکتی۔جب فرعون نے اس دلیل کے سامنے اپنے آپ کو بالکل عاجز پایا تو کہنے لگا کہ کیا تم ہمیں ہمارے آبا و اجداد کے دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہو؟ اور کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمھیں اپنا حاکم و آقا مان لیں؟ ایسا نہیں ہوسکتا، ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

فرعون اور اس کے ساتھی اپنے شرکیہ عقائد کی وجہ سے مذہبی برتری بھی جتاتے رہتے تھے اور سرزمین مصر کی حکومت پر قبضے کی وجہ سے تمام وسائل کے مالک بن کر سیاسی طور پر بھی سب سے بڑے بنے ہوئے تھے، اس لیے انھوں نے یہ دو الزام دھر دیے۔معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح کی ہر تحریک، پرانی ہو یا نئی، وقت کے تمام فرعون اس پر یہی الزام رکھتے ہیں کہ ان لوگوں کا مقصد اصلاح نہیں، بلکہ ہماری مذہبی سیادت اور سیاسی برتری کو ختم کرنا اور اپنی حکومت قائم کرنا ہے، جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے بھی کہا تھا کہ یہ شخص محض تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے، فرمایا: ﴿ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ﴾ [المؤمنون : ٢٤] ''یہ چاہتا ہے کہ تم پر برتری حاصل کر لے۔'' حالانکہ انبیاء اور مصلحین محض اصلاح کے لیے آتے ہیں، اگر حکمران اسلام قبول کر لیں اور خود ہی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیں تو ان کی حکومت سے تعرض نہیں کیا جاتا۔مثلاً اس دور میں محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے ابن سعود کے ذریعے سے توحید و سنت کی دعوت کو پھیلایا، خود حکومت طلب نہیں کی، نہ ان کی اولاد میں سے کسی نے یہ خواہش یا کوشش کی۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے وقت کے حاکموں کو جہاد پر ابھار کر اور ان کا ساتھ دے کر تاتاریوں کو مار بھگایا، خود کوئی عہدہ نہ طلب کیا نہ قبول کیا۔اس لیے ہرقل نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اگر چاہتے ہو کہ تمھاری حکومت قائم رہے تو اسلام قبول کر لو، مگر وہ بدنصیب نکلے اور ہرقل بھی ان کی بادشاہت کے طمع میں ایمان سے محروم رہا۔رسول اللہ ﷺ نے مسلمان ہونے والے قبائل کے سرداروں کو اور مختلف علاقوں کے مسلمان ہونے والے بادشاہوں، مثلاً ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ وغیرہ کو ان کے

عہدوں پر قائم رکھا۔ آخر میں فرعون کے ساتھیوں نے نہایت ڈھٹائی سے کہا کہ ہم تم دونوں کو ہرگز ماننے والے نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو قرار دیتے ہوئے جادوگر طلب کر لیے:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ [یونس : ۷۹ تا ۸۲]

’’اور فرعون نے کہا میرے پاس ہر ماہر فن جادوگر لے کر آؤ۔ تو جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا پھینکو جو کچھ تم پھینکنے والے ہو۔ تو جب انھوں نے پھینکا، موسیٰ نے کہا تم جو کچھ لائے ہو یہ تو جادو ہے، یقیناً اللہ اسے جلدی باطل کر دے گا۔ بے شک اللہ مفسدوں کا کام درست نہیں کرتا۔ اور اللہ حق کو اپنی باتوں کے ساتھ سچا کر دیتا ہے، خواہ مجرم برا ہی جانیں۔‘‘

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو اژدھا بن کر زمین پر حرکت کرتے اور ان کے ہاتھ سے نور کی شعاعوں کو پھوٹتے دیکھا تو سمجھا کہ یہ بھی کوئی جادو ہے، اس لیے اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ ملک کے تمام بڑے جادوگروں کو جمع کرو۔ موسیٰ نے ان جادوگروں سے کہا کہ پہلے تم لوگ اپنی قوت کا مظاہرہ کرو۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ فرعون کی عزت کی قسم ! بے شک ہم ہی لوگ غالب آنے والے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ پھینکو جو کچھ تم پھینکنے والے ہو تو انھوں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو زمین پر پھینک دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ یہ جادو ہے، اللہ کا معجزہ نہیں ہے۔ اللہ عنقریب معجزے کی قوت سے اسے زائل کر دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین میں فساد پھیلانے والوں کے عمل کو کامیاب نہیں بناتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی، وہ اژدھا بن کر ان کے جادو کے سانپوں کو نگل گئی اور فرعون کے نہ چاہنے کے باوجود حق غالب ہو کر رہا۔

فرعون کی طاقت وقوت کے استعمال کی دھمکی اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزے

﴿قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ﴾
[الشعراء : ۲۹ تا ۳۳]

’’کہا یقیناً اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور ہی قید کیے ہوئے لوگوں میں شامل کر دوں

گا۔ کہا کیا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح چیز لے آؤں؟ اس نے کہا تو اسے لے آ، اگر تو سچوں سے ہے۔ پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ واضح اژدہا تھی۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید (چمکدار) تھا۔"

فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی معقول اور مدلل گفتگو سے بالکل لاجواب ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی دعوت کو پھیلانے کے لیے عزم صمیم کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں، تو ڈرانے اور دھمکانے والا طریقہ اختیار کیا جو ہمیشہ سے ان متکبروں کا طریقہ رہا ہے کہ جن کے پاس اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے دلائل نہیں ہوتے۔ اس نے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود بنایا تو میں تمھیں جیل کی اندھیر کوٹھڑی میں ڈال دوں گا جہاں مر کر گل سڑ جاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب سن کر سمجھ لیا کہ فرعون ان کے دلائل کے سامنے بالکل لاجواب ہو گیا ہے اور اس میں ایک گونہ کمزوری آ گئی ہے۔ اسی لیے انھوں نے نرم اسلوب اختیار کرتے ہوئے کہا کہ کیا میں تمھارے سامنے اللہ تعالیٰ کا معجزہ پیش کروں جو ثابت کر دے گا کہ میں اپنے دعویٰ میں بالکل سچا ہوں؟ تو فرعون نے کہا کہ ہاں! اگر سچے ہو تو پیش کرو۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی، تو وہ سچ مچ کا ایک سانپ بن کر دوڑنے لگی۔ مسند ابی یعلیٰ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک لمبی روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ وہ سانپ کچھ دیر کے بعد فرعون کی طرف بڑھنے لگا تو اس نے ڈر کے مارے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اسے پکڑ لو، موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑ لیا (تو وہ لاٹھی بن گیا۔)
[مسند أبي يعلى : ٢/ ٥١٩، ح : ٢٦١٠]

اس کے بعد انھوں نے اپنے گریبان سے اپنا ہاتھ نکالا، تو وہ بغیر برص کی بیماری کے خوبصورت چمکتا ہوا نظر آنے لگا۔

فرعون کی چال

﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ﴾ [الشعراء : ٣٤ تا ٣٧]

"اس نے ان سرداروں سے کہا جو اس کے ارد گرد تھے، یقیناً یہ تو ایک بہت ماہر فن جادوگر ہے۔ جو چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ساتھ تمھیں تمھاری سرزمین سے نکال دے، تو تم کیا حکم دیتے ہو؟ انھوں نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو مؤخر رکھ اور شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دے۔ کہ وہ تیرے پاس ہر بڑا جادوگر لے آئیں، جو بہت ماہر فن ہو۔"

فرعون دونوں نشانیاں دیکھ کر تاڑ گیا کہ یہ کوئی مافوق العادت چیز ہے، لیکن اس نے اپنے اردگرد فرعونیوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے کہا کہ یہ تو کوئی بہت بڑا جادوگر ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمھاری سرزمین پر قابض ہو جائے اور تمھیں اس سے بے دخل کر دے۔ اس نے یہ بات موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت پھیلانے کے لیے کہی، تاکہ لوگ ان کی بات نہ مانیں۔ فرعون نے کہا کہ اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ فرعونیوں نے اس سے کہا کہ آپ ان دونوں بھائیوں کے بارے میں فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کیجیے اور حکم دے دیجیے کہ ملک کے تمام ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا جائے۔

موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ

﴿ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ وَّ قِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۙ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴾ [الشعراء : ٣٨ تا ٤٠]

’’تو جادوگر ایک مقرر دن کے طے شدہ وقت کے لیے جمع کر لیے گئے۔ اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہونے والے ہو؟ شاید ہم ان جادوگروں کے پیروکار بن جائیں، اگر وہی غالب رہیں۔‘‘

لہٰذا ایسا ہی ہوا اور اس کے حکم کے مطابق فرعونیوں کی عید کے دن صبح کے وقت سارے جادوگر جمع ہو گئے۔ تمام لوگوں کو وقت پر جمع ہونے کی خوب ترغیب دلائی گئی تھی، تاکہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور موسیٰ کی شکست کا نظارہ کر کے اس پر ایمان نہ لائیں۔ لیکن ان کی اس جدو جہد سے موسیٰ علیہ السلام کی خواہش پوری ہوئی کہ جب اللہ کا معجزہ ظاہر ہو تو سب لوگ اسے دیکھیں، تاکہ حق اور باطل ان کی آنکھوں کے سامنے عیاں ہو جائے۔

﴿ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَىِٕنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴾ [الشعراء : ٤١، ٤٢]

’’پھر جب جادوگر آ گئے تو انھوں نے فرعون سے کہا کیا واقعی ہمارے لیے ضرور کچھ صلہ ہوگا، اگر ہم ہی غالب ہوئے؟ کہا ہاں اور یقیناً تم اس وقت ضرور مقرب لوگوں سے ہو گے۔‘‘

جب تمام جادوگر مقابلے کے لیے میدان میں اکٹھے ہو گئے تو انھوں نے فرعون کو اپنی حیثیت کا احساس دلانے اور موقع سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے اس سے پوچھا کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آ گئے تو کیا ہمیں داد و دہش سے نوازا جائے گا؟ تو فرعون نے جواب دیا کہ تمھیں تمھاری اجرت بھی ملے گی اور مزید برآں تمھیں دربار کے خاص لوگوں میں شامل کر لیا جائے گا۔

﴿ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَ عِصِيَّهُمْ وَ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ

الْغٰلِبُوْنَ ۝ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴾ [الشعراء : ٤٣ تا ٤٥]

''موسیٰ نے ان سے کہا پھینکو جو کچھ تم پھینکنے والے ہو۔ تو انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں اور انھوں نے کہا فرعون کی عزت کی قسم! بے شک ہم، یقیناً ہم ہی غالب آنے والے ہیں۔ پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ ان چیزوں کو نگل رہی تھی جو وہ جھوٹ بنا رہے تھے۔''

جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ پہلے تم اپنی جادوگری کا مظاہرہ کرو گے یا ہم لوگ کریں؟ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ پہلے تم لوگ ہی جو کرنا چاہتے ہو کرو۔ تو جادوگروں نے اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں میدان میں ڈال دیں اور ڈالتے وقت فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ یقیناً میدان ہمارے ہاتھ میں رہے گا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے پورا میدان سانپوں سے بھر گیا۔ موسیٰ علیہ السلام یہ خوفناک منظر دیکھ کر دل میں ڈر گئے، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بذریعہ وحی حکم دیا کہ آپ اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دیجیے، لاٹھی کا زمین پر ڈالنا تھا کہ وہ ایک ہیبت ناک سانپ بن کر جادوگروں کے تمام جھوٹے سانپوں کو نگل گئی۔

جادوگروں فرعون کی تعظیم کے لیے اس کی عزت کی قسم کھائی کہ ہم ضرور ہی جیتیں گے۔ اس سے جادوگروں کا مقصد فرعون کو خوش اور موسیٰ علیہ السلام کو مرعوب کرنا تھا۔ جاہلیت میں لوگ اس قسم کی قسمیں کھایا کرتے تھے، اسلام میں اس سے منع کر دیا گیا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے باپوں کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے، جسے قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے، یا خاموش رہے۔'' [بخاري، الأيمان والنذور، باب لا تحلفوا بآبائكم : ٦٦٤٦]

اس کے باوجود آج کل بعض مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات کی قسم کھانے پر مطمئن نہیں ہوتے، بلکہ اپنے پیر و مرشد یا کسی بزرگ کی قبر کی قسم کھاتے ہیں، یا عام رواج کے مطابق کہہ دیتے ہیں مجھے تیری قسم یا تیرے سر کی قسم وغیرہ، اس طرح وہ دوسروں کی عظمت کا اظہار کرتے ہیں، تو جس طرح اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھانا گناہ ہے مخلوق کی سچی قسم کھانا اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔

فرعون اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے والے جادوگروں کی گفتگو

﴿ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الشعراء : ٤٦ تا ٥١]

’’تو جادوگر نیچے گرا دیے گئے، اس حال میں کہ سجدہ کرنے والے تھے۔ انھوں نے کہا ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے۔ موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ کہا تم اس پر ایمان لے آئے، اس سے پہلے کہ میں تمھیں اجازت دوں، بلاشبہ یہ ضرور تمھارا بڑا ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے، سو یقیناً تم جلدی جان لو گے، میں ضرور ہر صورت تمھارے ہاتھ اور تمھارے پاؤں مخالف سمت سے بری طرح کاٹوں گا اور یقیناً تم سب کو ضرور بری طرح سولی دوں گا۔ انھوں نے کہا کوئی نقصان نہیں، بے شک ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ بے شک ہم لالچ رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے لیے ہماری خطائیں معاف کرے گا، اس لیے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے بنے ہیں۔‘‘

جادوگر یہ منظر دیکھ کر فوراً ایمان لے آئے اور سجدے میں گر گئے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جادو نہیں بلکہ اللہ کا عطا کیا ہوا معجزہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں۔ جادوگروں نے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ہیں، جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا رب ہے۔ جادوگروں کے یکایک ایمان لانے سے فرعون ڈر گیا کہ کہیں پوری قوم نہ ایمان لے آئے اور وہ تنہا رہ جائے، اس لیے اس نے دھمکی دیتے ہوئے جادوگروں سے کہا کہ تم لوگ میری اجازت کے بغیر موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو، اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ موسیٰ ہی وہ بڑا جادوگر ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے۔ فرعون نے کہا، تمھیں عنقریب اپنے کیے کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ میں تم میں سے ہر ایک کا ایک جانب کا ہاتھ اور دوسری جانب کا ایک پاؤں کاٹ دوں گا اور کھجور کے درختوں پر سولی دے کر لٹکا دوں گا۔ مسلمان ہونے والے جادوگروں نے اس کے جواب میں کہا کہ دنیاوی سزا سے ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوگا، بلکہ اگر ہم قتل کر دیے جائیں گے تو اپنے رب کے پاس اجر عظیم پائیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہمارے کفر اور جادوگری کے گناہ کو اس وجہ سے معاف کر دے گا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد ہم لوگ پوری قوم سے پہلے ایمان لے آئے ہیں۔

درباریوں کا کفر و عناد اور فرعون کا بنی اسرائیل کے قتل کے لیے تیار ہونا

جب یہ عظیم واقعہ پیش آیا جو فرعونیوں کے لیے ایک ناقابل برداشت حادثہ تھا کیونکہ قبطی موسیٰ علیہ السلام سے شکست کھا گئے اور جن جادوگروں کو وہ اپنی مدد کے لیے لائے تھے، وہ بھی سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر آپ کے ساتھی بن گئے تو اس سے فرعونیوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ کفر و عناد میں مزید سخت ہو کر حق سے اور بھی دور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں فرمایا:

﴿ وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾

[الأعراف : ۱۲۷ تا ۱۲۹]

''اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑے رکھے گا، تا کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں اور وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے؟ اس نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو بری طرح قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور یقیناً ہم ان پر قابو رکھنے والے ہیں۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ اس کا وارث اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے بناتا ہے اور اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔ انھوں نے کہا ہمیں اس سے پہلے ایذا دی گئی کہ تو ہمارے پاس آئے اور اس کے بعد بھی کہ تو ہمارے پاس آیا۔ اس نے کہا تمھارا رب قریب ہے کہ تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمھیں زمین میں جانشین بنا دے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔''

موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی اور جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد بنی اسرائیل کے آدمی بڑی تعداد میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ حالات کے اس انقلاب نے فرعون اور اس کے حواریوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسی لیے درباریوں نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور کہا کہ اگر انھیں اسی طرح آزاد چھوڑ دیا گیا تو یہ لوگ آپ کی رعایا کو خراب کریں گے، ملک میں فساد برپا کریں گے اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ کر موسیٰ کے رب کی عبادت کی دعوت دیں گے۔ فرعون نے ان کی بات مان کر کہا کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتوں کو اپنی خدمت کے لیے زندہ رکھیں گے۔

جب فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر لیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف رجوع کرنے، اسی سے مدد مانگنے اور اسی پر بھروسا کرنے اور صبر کرنے کی نصیحت کی۔ ساتھ ہی یہ بشارت دی کہ بالآخر غلبہ تمھیں ہی حاصل ہوگا اور زمین کے سردار آل فرعون نہیں بلکہ تم ہو گے، اس لیے کہ زمین کا مالک اللہ ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔

بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا کہ اس سرزمین پر ہم تو پریشان ہی رہے ہیں۔ آپ کی ولادت سے پہلے ہمارے بچوں کو اس لیے قتل کیا گیا کہ کہیں موسیٰ نہ پیدا ہو جائے اور اب جب آپ نبی مرسل بن کر آئے ہیں تب بھی ہمارے بچوں کو قتل کیا جا رہا ہے، تا کہ ہمارا وجود ہی ختم ہو جائے، تو موسیٰ علیہ السلام نے پہلے جس بشارت کی طرف اشارہ کیا تھا، اس کی صراحت کر دی کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ہی تمھارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا اور تمھیں زمین کی سیادت عطا کرے گا۔

سورۂ مومن میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ

﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَ لْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ﴾

[المؤمن : ۲۳ تا ۲۷]

”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انھوں نے کہا جادوگر ہے، بہت جھوٹا ہے۔پس جب وہ ہمارے ہاں سے حق لے کر ان کے پاس آیا تو انھوں نے کہا ان لوگوں کے بیٹوں کو، جو اس کے ہمراہ ایمان لائے ہیں، قتل کرو اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو اور نہیں کافروں کی چال مگر سراسر نا کام۔اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو پکار لے، بے شک میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمھارا دین بدل دے گا، یا یہ کہ زمین میں فساد پھیلا دے گا۔اور موسیٰ نے کہا بے شک میں نے اپنے رب اور تمھارے رب کی پناہ لی ہے ہر اس متکبر سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ہمارے نبی! ہم نے آپ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں، دلائل اور برہان دے کر فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا۔موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کے سامنے اپنے رب کی دعوتِ توحید پیش کی اور عصائے موسیٰ، ید بیضا اور دیگر معجزات پیش کیے، جو ان کے رسول ہونے پر پوری صراحت کے ساتھ دلالت کرتے تھے، تو فرعونیوں سے کچھ نہ بن پڑا، وہ کہنے لگے کہ یہ تو بہت بڑا جھوٹا اور جادوگر ہے۔ پھر آپس میں سازش کی کہ جو لوگ موسیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں کو خدمت کے لیے زندہ رکھا جائے۔اس سے مقصود بنی اسرائیل کی اہانت، ان کی تعداد کم کرنا اور ان کے دلوں میں یہ بات بٹھانا تھی کہ موسیٰ ہی ان کی بربادی اور ہلاکت کا سبب ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کافروں کی سازش دھری کی دھری رہ گئی، دین موسوی پھیلتا گیا، بنی اسرائیل کی نسل میں افزائش ہوتی رہی اور بالآخر فرعون اور فرعونی اپنے آخری انجام کو پہنچ گئے۔فرعون نامراد جب اللہ کے معجزوں کے مقابلے میں پے در پے شکست کھاتا گیا، تو اپنی قوم کے سامنے اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لیے کہنے لگا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں موسیٰ کو موت کے گھاٹ اتار دوں، پھر کبر و نخوت کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے اس کے رب کی کوئی پروا نہیں ہے، اسے وہ اپنی مدد کے لیے بلا لے۔اپنے فیصلے کی تائید میں یہ دلیل پیش کی کہ اے میری قوم کے لوگو! مجھے ڈر ہے کہ وہ اپنی ساحرانہ چالوں کے ذریعے سے تمھارے دل و

دماغ پر نہ چھا جائے اور تم لوگ اس سے متاثر ہو کر اس کا دین و مذہب قبول کر لو، تمھاری عادات و اطوار بدل جائیں اور زمین فساد سے بھر جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب اس کی دھمکی کی خبر ہوئی تو انھوں نے اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور کہا کہ میں ہر اس متکبر سے جو یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے، اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ وہی اپنے دین کا محافظ اور اپنے مومن بندوں کا حامی و ناصر ہے، چنانچہ اللہ نے انھیں اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

گویا موسیٰ علیہ السلام کو جب اس بات کا علم ہوا کہ فرعون مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو انھوں نے اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ وہ دشمنوں سے بچنے کے لیے اپنے رب کی پناہ طلب کرتے اور اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جب کسی قوم (کے حملے) کا ڈر ہوتا تو (اللہ تعالیٰ سے) یہ دعا کرتے: « اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ » ''اے اللہ! ہم تجھے ان کے مقابلے میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔''
[أبو داوٗد، الوتر، باب ما یقول الرجل إذا خاف قومًا : ۱۵۳۷]

ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں ڈالے جانے کے وقت ''حَسْبِيَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ'' کہنا اور اصحاب الاخدود والے لڑکے کا ''اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْهِمْ بِمَا شِئْتَ'' [بخاري : ٤٥٦٤۔ مسلم : ۳۰۰۵] کہنا بھی دشمنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی بہت عمدہ مثالیں ہیں۔

آلِ فرعون کے ایک مومن شخص کا اعلانِ حق

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان کی حمایت میں ایک ایسے آدمی کو کھڑا کر دیا جو فرعون کی آل میں سے تھا اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا مگر اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا:

﴿ وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَ مَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴾
[المؤمن : ۲۸، ۲۹]

''اور فرعون کی آل میں سے ایک مومن آدمی نے کہا جو اپنا ایمان چھپاتا تھا، کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے ''میرا رب اللہ ہے'' حالانکہ یقیناً وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو تمھیں اس کا کچھ حصہ پہنچ جائے گا جس کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے والا، سخت جھوٹا ہو۔ اے

میری قوم! آج تمھی کو بادشاہی حاصل ہے، اس حال میں کہ (تم) اس سرزمین میں غالب ہو، پھر اللہ کے عذاب سے کون ہماری مدد کرے گا، اگر وہ ہم پر آ گیا؟ فرعون نے کہا میں تو تمھیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود رائے رکھتا ہوں اور میں تمھیں بھلائی کا راستہ ہی بتا رہا ہوں۔''

آل فرعون کا ایک آدمی پوشیدہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان رکھتا تھا۔ جب اس نے فرعون کی بات سنی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی بات کر رہا ہے تو اس نے جرأت کر کے کہا کہ تم لوگ ایک آدمی کو صرف اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ صرف اللہ کے رب ہونے کا قائل ہے۔ حالانکہ وہ اپنے اور اپنے عقیدے کی صداقت پر تمھارے سامنے ایسے دلائل پیش کر چکا ہے جن کی تم تردید نہیں کر سکے ہو۔ مردِ مومن نے اس کے بعد اپنے لہجہ میں تھوڑی سی نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا، اگر ہم مان لیں کہ وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا نقصان اسے ہی پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت دونوں جگہ اس کے جھوٹ کی اسے سزا دے گا اور اگر وہ سچا ہے اور تم اسے تکلیف دو گے تو جس دنیاوی اور اخروی عذاب کی وہ دھمکی دیتا ہے اس کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی اس آدمی کو کامیاب نہیں کرتا جو حد سے تجاوز کرنے والا اور جھوٹا ہوتا ہے۔

مردِ مومن نے جب دیکھا کہ اس کی بات نے فرعون اور فرعونیوں پر کچھ مثبت اثر ڈالا ہے تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں مزید نصیحت کی اور کہا، اے میری قوم کے لوگو! آج تم لوگ ملک مصر کے بادشاہ ہو اور تمھیں غلبہ حاصل ہے تو اللہ کا شکر ادا کرو اور عذابِ الٰہی کو دعوت نہ دو۔ اس لیے کہ اگر عذاب آ گیا تو ہمیں اور تمھیں کوئی اس سے بچا نہ سکے گا۔ فرعون نے جب اس مردِ مومن کی یہ بات سنی تو اپنی قوم کو دھوکا دینے کے لیے اور انھیں یہ باور کرانے کے لیے کہ وہ ان کے لیے بڑا مخلص ہے، کہنے لگا کہ جو رائے مجھے تمھارے حق میں بہتر معلوم ہوتی ہے، یعنی موسیٰ کا قتل کیا جانا، وہی میں نے تمھارے سامنے پیش کی ہے۔ میں نے تو تمھاری صحیح راہنمائی کرنا چاہی ہے، تاکہ موسیٰ زندہ رہ کر تمھارا دین نہ بدل دے اور سرزمین مصر میں فساد کا سبب نہ بنے۔

مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بندہ مردانگی اور ایمان دونوں سے متصف تھا۔ اس کے مرد کامل اور مومن کامل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے افضل جہاد کیا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افضل جہاد ظالم بادشاہ یا ظالم امیر کے سامنے عدل کی بات کہنا ہے۔'' [أبو داوٗد، الملاحم، باب الأمر والنهي : ٤٣٤٤]

اس مردِ مومن کی نصیحت کے حوالے سے مفسر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''فرعون کے سامنے یہ کہنا: '' اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ '' (کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے) بہت بڑی بات ہے (اس سے بڑی کوئی دلیری نہیں ہو سکتی)۔'' ہاں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ بیان

کیا ہے وہ اس سے بھی بڑی بات ہے۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ جو ایذا پہنچائی وہ مجھے بتائیں، تو انھوں نے فرمایا: ''ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کندھا پکڑ لیا اور اپنا کپڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں ڈال کر اسے بہت سختی کے ساتھ گھونٹ دیا، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور اسے کندھے سے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور کہا: ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے، حالانکہ یقیناً وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں لے کر آیا ہے۔'' [بخاري، كتاب التفسير، سورة المؤمن : ٤٨١٥]

اہلِ علم فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مردِ مومن سے بھی زیادہ شجاع تھے، کیونکہ وہ اپنا ایمان چھپاتا تھا، جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کھلم کھلا مومن تھے، جو سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور دفاع میں ان کے لیے اس مردِ مومن سے زیادہ خطرہ تھا۔ اس کے باوجود انھوں نے یہ بات صرف زبان سے نہیں کہی بلکہ عملاً عقبہ کو دھکا دے کر پیچھے بھی ہٹا دیا۔

قبطی مومن کا اتمامِ حجت

مردِ مومن نے جب فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی رائے پر اصرار اور تمام سرداروں کا خاموش رہ کر اس کی تائید کرنا دیکھا تو اس نے مصلحت کا لبادہ اتار کر صریح الفاظ میں ان سے کہا:

﴿ وَ قَالَ الَّذِيْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَ يٰقَوْمِ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۙ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ [المؤمن : ٣٠ تا ٣٣]

''اور اس شخص نے کہا جو ایمان لایا تھا، اے میری قوم! بے شک میں تم پر (گزشتہ) جماعتوں کے دن کی مانند سے ڈرتا ہوں۔ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کے حال کی مانند سے جو ان کے بعد تھے اور اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کے ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور اے میری قوم! یقیناً میں تم پر ایک دوسرے کو پکارنے کے دن سے ڈرتا ہوں۔ جس دن تم پیٹھ پھیرتے ہوئے بھاگو گے، تمھارے لیے اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہو گا اور جسے اللہ گمراہ کر دے پھر اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔''

اس مومن آدمی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اگر تم نے موسیٰ کو قتل کر دیا تو مجھے ڈر ہے کہ تم پر بھی اللہ کا کوئی عذاب نازل ہو جائے گا، جو تمھیں ہلاک کر دے گا، جیسے گزشتہ زمانوں میں ان قوموں کا انجام ہوا جنھوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی۔ قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود اور ان کے بعد آنے والی دیگر قوموں نے

تمھاری ہی طرح کا رویہ اختیار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب انھیں ہلاک کر دیا۔ اے میری قوم کے لوگو! میں تمھارے بارے میں قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، جس دن تم حساب کے بعد از خود میدانِ محشر سے جہنم کی طرف بھاگ رہے ہو گے۔ اس دن تمھیں عذاب الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ قیامت کے دن ہر مجرم افسوس کا اظہار کرے گا، مجرم آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے اور اپنی بدحالی پر افسوس کا اظہار کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام سے پہلے یوسف علیہ السلام کی بھی تکذیب

مردِ مومن نے قبطیوں کو نصیحت کرتے ہوئے ان کے آبا و اجداد کے زمانے کا حال یاد کرایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمھارے پاس یوسف علیہ السلام آئے اس وقت بھی تمھارا یہی حال تھا:

﴿وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴾ [المؤمن: ٣٤]

''اور بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے تمھارے پاس یوسف واضح دلیلیں لے کر آیا تو تم اس کے بارے میں شک ہی میں رہے، جو وہ تمھارے پاس لے کر آیا، یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گیا تو تم نے کہا اس کے بعد اللہ کبھی کوئی رسول نہ بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ ہر اس شخص کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہو۔''

مردِ مومن نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، اے اہل مصر! موسیٰ سے پہلے تمھارے پاس یوسف بن یعقوب علیہما السلام معجزات اور اپنی صداقت کی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور تمھیں ایک مدت تک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے رہے۔ خود ان کا اعلیٰ ترین کردار اور ان کی پاک دامنی ان کے نبی ہونے کی گواہی دیتے رہے، لیکن تم لوگ ان کے لائے ہوئے دین توحید میں شک ہی کرتے رہے اور جب ان کی وفات ہو گئی تو تم بہت خوش ہوئے اور اپنے کفر کی وجہ سے کہنے لگے کہ اب یوسف کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا۔ یعنی تم نے یوسف اور اس کے بعد آنے والے انبیاء کا انکار کر دیا۔ یہ تمھاری ضلالت و گمراہی کی انتہا تھی۔ اللہ تعالیٰ افترا پردازی میں حد سے تجاوز کرنے والے اور ہر بات میں شک کرنے والے کو اسی طرح گمراہ کر دیتا ہے۔

حق کی آواز دبانے کے لیے شیطانی ہتھکنڈے

اس بندۂ مومن نے گمراہ لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ

يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴾ [المؤمن : ٣٥]

''وہ لوگ جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں، بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، بڑی ناراضی کی بات ہے اللہ کے نزدیک اور ان کے نزدیک جو ایمان لائے۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر، سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔''

اب اس اللہ کے بندے نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ حق کی آواز دبانے کے لیے شیطانی ہتھکنڈے استعمال کرتے اور اللہ کی جانب سے بغیر کسی حجت و برہان کے اس کی آیتوں میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، تاکہ لوگ ایمان نہ لائیں، ان کا یہ کردار اللہ اور اس کے مومن بندوں کی نظر میں بہت ہی زیادہ مبغوض ہے۔ ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا کر ان سے نور بصیرت چھین لیتا ہے، پھر وہ حق و باطل کی تمیز سے محروم ہو جاتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے، پھر اگر وہ گناہ چھوڑ دے، استغفار کرے اور توبہ کر لے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرے تو وہ نقطہ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ زنگ سارے دل پر چھا جاتا ہے۔'' [ترمذي، ابواب تفسير القرآن باب و من سورة ويل للمطففين : ٣٣٣٤]

محل تعمیر کرنے کا فرعونی مذاق

فرعون نے جب دیکھا کہ اس کے پاس اس مردِ مومن کی کسی بات کا جواب نہیں ہے تو اس نے اس کی نصیحت کا اثر ختم کرنے اور مذاق اڑانے کے لیے اپنے وزیر ہامان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میرے لیے ایک بلند و بالا عمارت بناؤ تاکہ میں راستوں تک پہنچ جاؤں۔

﴿وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ﴾
[المؤمن : ٣٦، ٣٧]

''اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا، تاکہ میں راستوں پر پہنچ جاؤں۔ آسمانوں کے راستوں پر، پس موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں اور بے شک میں اسے یقیناً جھوٹا گمان کرتا ہوں۔ اور اس طرح فرعون کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا اور وہ سیدھی راہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی تدبیر تباہی ہی میں تھی۔''

یہ فرعون کی سرکشی اور تمرد کا بیان ہے کہ اپنے طبعی تکبر کا اظہار کرتے ہوئے ہامان سے کہنے لگا کہ میرے لیے ایک نہایت بلند و بالا عمارت بناؤ، جس کے ذریعے سے میں آسمان کے راستے طے کروں اور موسیٰ کے معبود کو دیکھوں، حالانکہ میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں کہ میرے سوا اس کا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفر و تکبر

میں حد سے تجاوز کر جانے کی وجہ سے فرعون کے دل پر مہر لگا دی گئی اور اس کی بداعمالیوں اور کفر کو اس کی نگاہوں میں خوبصورت بنا کر راہِ حق کی اتباع کرنے سے روک دیا گیا اور اس کی سازش اور اس کی چال اس کے کسی کام نہ آئی۔

مردِ مومن نے بھلائی کا راستہ دکھایا

مردِ مومن نے فرعون کے استہزاء سے صرف نظر کرتے ہوئے قوم کو نصیحت جاری رکھی:

﴿وَ قَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۚ یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ؗ وَ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ ۞ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ [المؤمن : ۳۸ تا ۴۰]

”اور اس شخص نے کہا جو ایمان لایا تھا، اے میری قوم! میرے پیچھے چلو، میں تمھیں بھلائی کا راستہ بتاؤں گا۔ اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو معمولی فائدے کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً آخرت، وہی رہنے کا گھر ہے۔ جس نے کوئی برائی کی تو اسے ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا اور جس نے کوئی نیک عمل کیا، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہوا تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اس میں بے حساب رزق دیے جائیں گے۔“

ایمان لانے والے اس بندے نے دعوت و تبلیغ کے لیے اپنی کوشش جاری رکھتے ہوئے کہا، اے میری قوم کے لوگو! میں نے جس دین کو قبول کر لیا ہے اسے تم لوگ بھی قبول کر لو، میں تمھیں اس راہ پر لے چلوں گا جو جنت کی راہ ہے۔ اے میری قوم کے لوگو! یہ دنیاوی زندگی چند روزہ ہے، جسے بہرحال ختم ہو جانا ہے اور آخرت کی زندگی جو اس زندگی کے بعد آنے والی ہے، وہی درحقیقت ابدی امن و استقرار اور سکون و راحت کی زندگی ہے، اس لیے تمھیں اس ابدی زندگی کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یاد رکھو! حساب کا دن بہت ہی قریب ہے، جو شخص اس دنیا میں برائی کرے گا تو اسے اس کے برابر سزا ملے گی اور جو لوگ، مرد ہوں یا عورتیں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوئے عمل صالح کریں گے، وہ جنت میں داخل ہوں گے، جہاں انھیں بغیر کسی پریشانی کے ان گنت نعمتیں اور بے شمار روزی ملے گی۔

خطاب کا اختتام اور فریقین کا انجام

اس شخص نے اظہارِ تعجب کرتے ہوئے استفہامیہ انداز میں پوچھا کہ اے میری قوم یہ تمھاری کس طرح کی حق شناسی ہے کہ میں تو تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو۔

﴿وَ يٰقَوْمِ مَا لِيْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَى النَّارِ۝ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ١ٞ وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَا فِي الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ۝ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ١ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِيْۤ اِلَى اللّٰهِ١ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ [المومن : ٤١ تا ٤٤]

’’اور اے میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤں جس کا مجھے کچھ علم نہیں اور میں تمھیں سب پر غالب، بے حد بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ کوئی شک نہیں کہ یقیناً تم مجھے جس کی طرف بلاتے ہو اس کے لیے کسی طرح پکارنا نہ دنیا میں (درست) ہے اور نہ آخرت میں اور یہ کہ یقیناً ہمارا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور یہ کہ یقیناً حد سے بڑھنے والے، وہی آگ میں رہنے والے ہیں۔ پس عنقریب تم یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘

مردِ مومن نے فرعونیوں سے یہ بھی کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں تو تمھیں راہِ نجات پر چلنے کی دعوت دیتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور موسیٰ علیہ السلام اس کے رسول ہیں، جبکہ تم لوگ مجھے کفر وشرک کی دعوت دیتے ہو اور اللہ کے ساتھ ایسے جھوٹے معبودوں کو شریک بنانے کو کہتے ہو جن کے معبود ہونے کا مجھے علم نہیں ہے۔ میں تمھیں اس اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو زبردست ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور جو بڑا معاف کرنے والا ہے۔ تم لوگ مجھے جن بتوں کی عبادت کی دعوت دیتے ہو، انھیں پکارنے کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہے کہ وہ ہماری تکلیفوں اور مصیبتوں کو دور کر دیں گے اور ہماری ضرورتیں پوری کر دیں گے اور نہ آخرت ہی میں ہمارے سفارشی بن کر عذاب کو ٹال سکیں گے، کیونکہ وہ تو پتھر ہیں۔ یاد رکھو کہ ہمیں بہرحال لوٹ کر اللہ کے پاس ہی جانا ہے۔ اس دنیا میں جو لوگ حد سے تجاوز کریں گے، اللہ کا انکار کر کے لوگوں پر ظلم کریں گے اور بے گناہوں کا خون بہائیں گے تو آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اس نے مزید کہا، لوگو! جب عذابِ الٰہی تمھیں چاروں طرف سے گھیرے گا اس وقت تم مجھے اور میری باتیں یاد کرو گے۔ میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں، وہ اپنے فرماں بردار اور نافرمان تمام بندوں سے خوب واقف ہے۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ کون جزائے خیر کا مستحق ہے اور کون عذاب کا؟

عذابِ قبر کا ثبوت

فرعون اس مومن کی واشگاف الفاظ میں نصیحت پر جتنا بھی غضب ناک ہوا ہو اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے علی الاعلان اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکا۔

﴿ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ [المؤمن : ٤٥ ، ٤٦]

''تو اللہ نے اسے ان کے برے نتائج سے بچالیا جو انھوں نے تدبیریں کیں اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔ جو آگ ہے، وہ اس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی، آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے اس داعی الی اللہ کو پہلے تو فرعون اور فرعونیوں سے نجات دی اور جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ سمندر میں غرق ہوا تو اسے ڈوبنے سے بچا لیا۔ فرعون اور فرعونیوں کو بدترین عذاب نے آ گھیرا، وہ دنیا میں نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ سمندر میں ڈبو دیے گئے۔ قبر اور برزخ میں صبح و شام یعنی ہر وقت ان کی روحوں کو آگ کا عذاب دیا جاتا ہے اور جب قیامت آئے گی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ فرعون اور فرعونیوں کو شدید ترین عذاب میں ڈال دیا جائے۔ یہ آیت کریمہ اہل سنت کے اس استدلال کی بہت بڑی دلیل ہے کہ قبروں کے اندر برزخی زندگی میں عذاب ہوگا۔ عذاب قبر نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کی خدمت گزار ہوا کرتی تھی۔ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی اس کے ساتھ کوئی حسن سلوک کرتیں تو وہ انھیں (ایک دعا دیتی) کہتی، اللہ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ سے سوال کیا، اے اللہ کے رسول! کیا قیامت سے پہلے قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں تو! یہ کس نے کہا؟'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ جو یہودی عورت ہے، جب بھی ہم اس کے ساتھ کوئی حسن سلوک کرتے ہیں تو وہ کہتی ہے کہ اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہود جھوٹے ہیں اور وہ تو (اس سے زیادہ) جھوٹ اللہ عزوجل پر باندھا کرتے ہیں، قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔'' کہتی ہیں کہ پھر کچھ دن ہی گزرے جتنے اللہ نے چاہا کہ ایک دن کپڑا لپیٹے ہوئے دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، آپ نے باآواز بلند فرمایا: ''اے لوگو! اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے تم پر چھا جائیں گے۔ لوگو! اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روتے اور کم ہنستے۔ لوگو! قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرو، کیونکہ عذاب قبر حق ہے۔'' [مسند أحمد : ٨١/٦، ح : ٢٤٥٧٤]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت ایک یہودی عورت میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ تم لوگ قبروں میں آزمائے جاؤ گے؟ اسے سن کر رسول اللہ ﷺ گھبرا گئے اور فرمایا: ''یہود ہی آزمائے جاتے ہیں۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر چند دن

بعد آپ نے فرمایا: ''کیا تو جانتی ہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں کے فتنہ میں ڈالے جاؤ گے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فتنۂ قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ [مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر ...... الخ : ٥٨٤۔ مسند أحمد : ٨٩/٦، ح : ٢٤٦٣٦]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک یہودی عورت آئی اور اس نے عذاب قبر کا ذکر کیا اور ساتھ اس نے دعا دی کہ اللہ تجھے عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ اس پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عذاب قبر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''ہاں عذاب قبر برحق ہے۔'' فرماتی ہیں، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ [بخاری، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر ...... الخ : ١٣٧٢]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی جب اپنی قبر میں لٹا دیا جاتا ہے اور دفن کرنے والے واپس لوٹتے ہیں، تو وہ ان کے قدموں کی چاپ سنتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، جو اسے بٹھا دیتے ہیں، وہ اس سے پوچھتے ہیں کہ تو اس آدمی یعنی محمد ﷺ کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا؟ اب اگر وہ مومن ہے تو کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے، اللہ نے اس کے بدلے تجھے جنت میں ٹھکانا دیا ہے۔ وہ ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھ لیتا ہے۔'' قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ پھر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''لیکن کافر یا منافق سے جب سوال کیا جاتا ہے کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے، میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ لوگ اس شخص کے بارے میں کہتے تھے میں بھی وہی کچھ کہہ دیتا تھا۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ نہ تو خود سمجھا اور نہ کسی سمجھ دار کی پیروی کی۔ پھر اسے لوہے کے ہتھوڑے سے ایسی شدید ضرب لگائی جاتی ہے کہ وہ چلا اٹھتا ہے، جنوں اور انسان کے سوا اس کے آس پاس والے سب اس کی چیخ پکار سنتے ہیں۔'' [بخاري، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر ...... الخ : ١٣٧٤]

سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سورج غروب ہونے کے بعد باہر نکلے، آپ نے ایک آواز سنی، تو فرمایا: ''یہود کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔'' [بخاري، كتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر : ١٣٧٥]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''بلاشبہ یقیناً ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں! (وہ واقعی بڑی ہیں) ان میں جو ایک ہے وہ چغلی کھایا کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔'' [بخاري، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغيبة والبول : ١٣٧٨]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، وَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ» [بخاري، كتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر : ۱۳۷۷] ''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور آگ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنے سے۔''

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جب کبھی کوئی شخص مر جاتا ہے تو ہر صبح و شام اس کا ٹھکانا اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتی ہے تو جنت سے اور اگر وہ جہنمی ہے تو جہنم سے اور کہا جاتا ہے کہ تیری اصل جگہ یہ ہے جہاں تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھیجے گا۔'' [مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه ...... الخ : ۲۸۶۶/٦٦ ـ بخاري، كتاب الجنائز، باب الميت يعرض عليه مقعده بالغداة والعشي : ۱۳۷۹]

فرعونیوں کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مذاق

یہ ان لوگوں کے تکبر اور گمراہی کا بیان ہے کہ انھوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو اہمیت نہ دی جو آپ اللہ کی طرف سے لائے تھے۔ ان پر جب بھی معجزانہ آزمائش آتی تھی وہ وعدہ کرتے تھے کہ وہ اپنا رویہ تبدیل کر کے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے لیکن وہ اصلاح کی بجائے عہد شکنی کرتے رہے اور پھر ان پر ہر بار پہلے سے بڑا عذاب آتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں بار بار مہلت دی لیکن وہ باز نہ آئے۔ آخر کار ان پر اللہ کی گرفت آ گئی۔ وہ دوسروں کے لیے ایک عبرت کی کہانی بن کر رہ گئے:

﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىِٕهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴾ [الزخرف : ٤٦، ٤٧]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو اس نے کہا بے شک میں تمام جہانوں کے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ تو جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آیا، اچانک وہ ان کے بارے میں ہنس رہے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے و رسول موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھیں فرعون اور اس کی قوم کے امراء، وزراء، قائدین، پیروکاروں اور قبطی و اسرائیلی رعایا کی طرف مبعوث فرمایا، تاکہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کی پوجا سے منع کریں۔ انھیں بڑے بڑے معجزات بھی عطا کیے، مثلاً ید بیضا اور عصا۔ اس کے علاوہ طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈکوں اور خون کے عذاب اور پھر فصلوں، جانوروں اور پھلوں کی کمی کی

صورت میں عذاب، مگر اس سب کے باوجود انھوں نے تکبر کیا اور اتباع و اطاعت سے انکار کیا اور ان معجزات کے لانے والے کی تکذیب کی اور اس کا مذاق اڑایا۔

فرعونیوں کا کفر وعناد

﴿ وَ مَا نُرِيهِمْ مِنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴾

[الزخرف : ٤٨ تا ٥٠]

''اور ہم انھیں کوئی نشانی نہیں دکھلاتے تھے مگر وہ اپنے جیسی (پہلی نشانی) سے بڑی ہوتی اور ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا، تاکہ وہ لوٹ آئیں۔ اور انھوں نے کہا اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے اس کے ذریعے دعا کر جو اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے، بے شک ہم ضرور ہی سیدھی راہ پر آنے والے ہیں۔ پھر جب ہم ان سے عذاب ہٹا لیتے، اچانک وہ عہد توڑ دیتے تھے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ فرعون اور فرعونیوں کا استہزا کچھ اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ نشانیاں ہی اس قابل نہ تھیں کہ ان پر اثر انداز ہوتیں، بلکہ وہ ایسا محض کبر وعناد کی وجہ سے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر نشانی پہلی نشانی سے بڑی ہوتی تھی۔ ہم نے انھیں دنیاوی عذاب میں بھی مبتلا کیا کہ شاید اس طرح وہ رجوع الی اللہ کریں، لیکن جب عذاب کی سختی سے تلملا اٹھے تو موسیٰ سے کہا، اے جادوگر! تم کہتے ہو کہ تمھارا رب تم پر ایمان لانے والوں سے عذاب کو ٹال دیتا ہے، تو دعا کرو کہ وہ ہم سے عذاب کو دور کر دے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور جسے تم راہ ہدایت کہتے ہو اسے اختیار کر لیں گے، چنانچہ ہم نے ان سے عذاب کو ٹال دیا، تو وہ فوراً بدعہدی کر بیٹھے اور ضلالت و گمراہی میں اور آگے بڑھتے چلے گئے۔

اب ان کا حال دیکھیے کہ وہی شخص جسے وہ جادوگر سمجھتے تھے نہایت عاجزی کے ساتھ اسی سے دعا کی درخواست کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست کا ذکر فرماتے ہوئے ان کے دل کی حالت کا ذکر اپنے الفاظ میں فرمایا ہے۔ مقصود ان پر طعن ہے کہ جب جادوگر سمجھتے ہو اور ہمیشہ اسے اسی لفظ سے یاد کرتے ہو تو اس سے دعا کی درخواست کیسی؟ اور اگر مستجاب الدعاء کہتے ہو تو جادوگر کیوں سمجھتے ہو؟ یہ ایسے ہی ہے کہ قریش جو رسول اللہ ﷺ کو جادوگر کہتے تھے اور آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے، مشکل وقت میں وہ رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست بھی کیا کرتے تھے، جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کا حال بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: ''قریش نے اسلام قبول کرنے میں دیر کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر بددعا کی: ''اے اللہ! ان کے خلاف یوسف (علیہ السلام) کے قحط والے سات سالوں جیسے سات سالوں کے ساتھ

میری مدد فرما۔'' تو انھیں قحط نے آ لیا، یہاں تک کہ وہ اس میں برباد ہو گئے اور مردار اور ہڈیاں کھا گئے اور آدمی کو آسمان و زمین کے درمیان دھواں سا نظر آتا تھا۔ تو آپ ﷺ کے پاس ابوسفیان آیا اور کہنے لگا: ''اے محمد! آپ ہمیں صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور حال یہ ہے کہ آپ کی قوم برباد ہوگئی ہے، اس لیے اللہ سے دعا کیجیے۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب سورة الروم : ٤٧٧٤] اس حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ کی دعا سے قحط دور ہوا تو پھر منکر ہو گئے۔

فرعون کا اپنی قوم سے خطاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا مؤاخذہ

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے رسالت کے اہل نہ ہونے کے اپنے خیال میں کئی دلائل گھڑے اور ابلاغ کے جتنے وسائل ہو سکتے تھے ان کے ساتھ پوری قوم میں منادی کرائی:

﴿ وَ نَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ۬ وَّ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝ فَلَوْ لَاۤ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴾ [الزخرف : ٥١ تا ٥٤]

''اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کی، اس نے کہا اے میری قوم! کیا میرے پاس مصر کی بادشاہی نہیں ہے؟ اور یہ نہریں میرے تحت نہیں چل رہیں؟ تو کیا تم نہیں دیکھتے؟ بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں، وہ جو حقیر ہے اور قریب نہیں کہ وہ بات واضح کرے۔ پس اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے، یا اس کے ہمراہ فرشتے مل کر کیوں نہیں آئے؟ غرض اس نے اپنی قوم کو ہلکا (بے وزن) کر دیا تو انھوں نے اس کی اطاعت کر لی، یقیناً وہ نافرمان لوگ تھے۔''

جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عذاب ٹل گیا تو فرعون اپنے دل میں ڈرا کہ کہیں لوگ واقعی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آئیں، اس لیے اس نے پینترا بدلتے ہوئے لوگوں سے کہا کہ کیا میں حکومت مصر کا مالک نہیں ہوں؟ کیا دریائے نیل کی چاروں شاخیں میرے محل کے پاس سے نہیں گزرتی ہیں، کیا تم لوگ میری ان تمام نعمتوں اور قدرتوں کا مشاہدہ نہیں کرتے ہو؟ تو پھر میں بہتر ہوں یا یہ حقیر انسان؟ یعنی موسیٰ، جو اپنی خدمت آپ کرتا ہے اور اپنی بات واضح نہیں کر پاتا۔ اگر یہ واقعی پیغمبر ہے اور بڑا آدمی ہے تو اس کے بھیجنے والے نے اسے سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنا دیے؟ تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا کہ واقعی یہ کوئی بڑا انسان ہے، یا پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کے ساتھ کچھ فرشتے ہوتے جو ہر دم اس کے ساتھ رہتے اور اس کی نبوت کی گواہی دیتے؟

فرعون نے اپنی قوم کے دل میں یہ بات ڈالنا چاہی کہ رسول کو بڑی شان و شوکت والا اور فرشتوں میں گھرا ہوا ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس کی شیطانی چال کام کر گئی، لوگوں نے اس کی بات مان لی اور موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ وہ لوگ پہلے ہی سے اللہ کی بندگی سے برگشتہ تھے۔

اللہ نے فرعونیوں کو دریا میں ڈبو کر نشانِ عبرت بنا دیا

﴿ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴾ [الزخرف : ٥٥ ، ٥٦]

”پھر جب انھوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا، پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ پس ہم نے انھیں پیچھے آنے والوں کے لیے پیش رو اور مثال بنا دیا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب فرعون اور فرعونیوں نے ہمارے غیظ و غضب کو بھڑکا دیا، موسیٰ اور ان کے معجزات کی تکذیب کی، انھیں جادوگر کہا اور ایمان لانے کا وعدہ کر کے بدعہدی کی، تو ہم نے ان سے انتقام لے لیا اور تمام کو دریا میں ڈبو کر انھیں آنے والی قوموں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ عزوجل ظالم کو مہلت دیتا ہے (اس کی باگ ڈھیلی کرتا ہے، تاکہ وہ خوب نافرمانی کر لے اور عذاب کا مستحق ہو جائے)، تاہم پھر جب وہ پکڑتا ہے تو اسے چھوڑتا نہیں۔“ [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ و كذلك أخذ ربك إذا أخذ القرى ...... الخ ﴾ : ٤٦٨٦۔ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم : ٢٥٨٣]

سورۂ قصص میں موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے دربار میں جانا

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ قَالَ مُوْسٰى رَبِّيْۤ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ [القصص : ٣٦ ، ٣٧]

”تو جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا یہ تو ایک گھڑے ہوئے جادو کے سوا کچھ نہیں اور ہم نے یہ اپنے پہلے باپ دادا میں نہیں سنا۔ اور موسیٰ نے کہا میرا رب اسے زیادہ جاننے والا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا اور اس کو بھی جس کے لیے اس گھر کا اچھا انجام ہوگا، بے شک حقیقت یہ ہے کہ ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔“

موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی معجزات لے کر فرعون کے پاس پہنچے، موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میں اللہ کا نبی مرسل ہوں اور یہ معجزے میری صداقت کی نشانیاں ہیں اور پھر دونوں معجزات کا اس کے سامنے مظاہرہ کیا، تو فرعون کہنے لگا کہ یہ موسیٰ تو کہیں سے جادو سیکھ کر آ گیا ہے، بڑا شعبدہ باز ہو گیا ہے اور اس نے اپنی شعبدہ بازی سے ہماری آنکھوں کو مسحور کر دیا ہے، لاٹھی کو سانپ اور ہاتھ کو روشن اور چمکتا ہوا ظاہر کر رہا ہے۔ ہم اور ہمارے باپ دادا نے آج تک ایسا

جادو نہیں دیکھا تھا، یا یہ نہیں سنا تھا کہ کوئی انسان نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، یا یہ کہ اس دنیا کا کوئی دوسرا معبود ہے جو انسانوں کو اپنے پیغمبر بنا کر معجزات کے ساتھ انھی جیسے انسانوں کے پاس بھیجتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی معاندانہ باتوں کا جواب دیتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ تم گمراہ، کافر اور جہنمی ہو، بلکہ نہایت نرمی کے ساتھ اپنے بارے میں کہا کہ میرا رب زیادہ جانتا ہے کہ اس نے تمھارے لیے اور تمھاری قوم کے لیے روشنی اور ہدایت دے کر کسے بھیجا ہے اور کس کا انجام بہتر ہوگا؟ یعنی کسے موت کے وقت فرشتے رحمت و رضائے الٰہی اور جنت کی بشارت دیں گے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کفر و سرکشی کے ذریعے سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

فرعون کا تکبر

﴿ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ [القصص : ٣٨]

’’اور فرعون نے کہا اے سردارو! میں نے اپنے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں جانا، تو اے ہامان! میرے لیے مٹی پر آگ جلا، پھر میرے لیے ایک اونچی عمارت بنا، تاکہ میں موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں اور بے شک میں یقیناً اسے جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں۔‘‘

فرعون موسیٰ علیہ السلام کی یہ پر اثر دعوت سن کر ڈر گیا کہ لوگ اس پر ایمان نہ لے آئیں۔ اس لیے جانتے ہوئے کہ اس کا رب اللہ ہے، محض اپنی قوم کو دھوکا دینے کے لیے کہنے لگا کہ لوگو! مجھے تو معلوم نہیں کہ میرے سوا تمھارا کوئی معبود ہے کہ جس کی بندگی اور اطاعت کی جائے۔ اپنے کبر و جبروت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی کمال قدرت کا یقین دلانے کے لیے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ پختہ اینٹوں کا ایک بلند محل بناؤ، جس پر چڑھ کر میں ذرا موسیٰ کے معبود کا سراغ لگاؤں، حالانکہ میں تو اسے ابھی سے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

فرعونیوں پر اللہ کے عذاب کا کوڑا برسا

﴿ وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [القصص : ٣٩، ٤٠]

’’اور وہ اور اس کے لشکر کسی حق کے بغیر زمین میں بڑے بن بیٹھے اور انھوں نے گمان کیا کہ بے شک وہ ہماری طرف واپس نہیں لائے جائیں گے۔ تو ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا، پھر انھیں سمندر میں پھینک دیا۔ سو دیکھ ظالموں کا انجام کیسا تھا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونیوں کے بارے میں فرمایا، بجائے اس کے کہ وہ اللہ کے عاجز اور متواضع بندے بن کر رہتے، انھوں نے سرزمین مصر میں اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے متکبر و مغرور اور بڑا بنا کر پیش کیا، جس کے وہ کسی طرح بھی اہل نہ تھے۔ اس لیے کہ ہر قسم کی کبریائی اور بڑائی تو صرف اللہ کے لیے ہے۔ انھوں نے بعث بعد الموت اور قیامت کا انکار کر دیا اور سمجھ بیٹھے کہ اس زندگی کے بعد اب کوئی زندگی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اپنی گرفت میں لے لیا اور سمندر میں ڈبو دیا۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ کفر کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ آپ دیکھ لیجیے۔

کوئی کسی کا حامی و ناصر نہ ہوگا

﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴾ [القصص : ٤١، ٤٢]

”اور ہم نے انھیں ایسے پیشوا بنایا جو آگ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن وہ دور دفع کیے گئے لوگوں سے ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے انھیں رہتی دنیا تک کے لیے کفر و سرکشی کرنے والوں کا سرغنہ بنا دیا کہ ایسے لوگ ہر دور میں اور ہر جگہ انھی کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے، کفر و شرک اور گناہوں کا ارتکاب کر کے جہنم کے حق دار بنیں گے اور قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، بلکہ ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ آگے فرمایا کہ ہم نے اس دنیا میں ان پر لعنت بھیج دی اور اپنی رحمت سے دور کر دیا اور آخرت میں بھی وہ ہماری ہر خیر و رحمت سے دور کر دیے جائیں گے اور عذاب نار کے ذریعے سے ان کے چہرے بگاڑ دیے جائیں گے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کی قوم کو بددعا

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی حد سے بڑھتی ہوئی سرکشی دیکھی تو اپنے رب سے یوں دعا مانگی:

﴿ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [يونس : ٨٨، ٨٩]

”اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! بے شک تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں بہت سی زینت اور اموال عطا کیے ہیں، اے ہمارے رب! تاکہ وہ تیرے راستے سے گمراہ کریں، اے ہمارے رب! ان

کے مالوں کو مٹا دے اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے، پس وہ ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ فرمایا بلاشبہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، پس دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستے پر ہرگز نہ چلو جو نہیں جانتے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی ہزار کوشش کے باوجود فرعون اور اس کے سرداروں کے کبر وغرور میں کمی نہیں آئی اور ان کا کفر و عناد بڑھتا ہی جا رہا ہے اور ان کے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے تو انھوں نے ان کے خلاف بد دعا کر دی اور کہا کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس لیے تو اسباب زینت اور مال و دولت نہیں دی تھی کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے روکیں۔ اے اللہ! تو ان کی دولت کو تاراج کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، تاکہ اب وہ اسلام لانے کا سوچیں بھی نہ، یہاں تک کہ تیرا سخت عذاب انھیں آ دبوچے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں نے تمھاری دعا قبول کر لی، تم دونوں حق پر قائم رہو اور جلدی نہ کرو، جب اللہ کا مقرر کردہ وقت آ جائے گا تو عذاب آ ہی جائے گا۔ جلد بازی سے کام لینا اور اللہ کے وعدے کا یقین نہ کرنا نادانوں کا طریقہ ہے۔

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور فرعون کا تعاقب

﴿وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِیْنَ ۝ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ۝ وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآىِٕظُوْنَ ۝ وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ﴾ [الشعراء : ٥٢ تا ٥٦]

''اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو رات کو لے چل، یقیناً تمھارا پیچھا کیا جائے گا۔ تو فرعون نے شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیج دیے۔ کہ بے شک یہ لوگ تو ایک تھوڑی سی جماعت ہیں۔ اور بلاشبہ یہ ہمیں یقیناً غصہ دلانے والے ہیں۔ اور بے شک ہم یقیناً سب چوکنے رہنے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت خشکی کے بجائے سمندر کی طرف چل پڑیں اور انھیں بتا دیا کہ فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آپ کا پیچھا کرے گا، لیکن آپ بڑھتے چلے جائیے گا، وہ لوگ آپ لوگوں کو نہیں پکڑ سکیں گے۔ فرعون کو جب خبر ہوئی تو اس نے اپنی فوجوں کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا اور بنی اسرائیل کو ان کی نگاہوں میں کمزور ظاہر کرنے کے لیے کہا کہ ان کی تعداد ہی کیا ہے، ان کی حرکتوں نے ہمیں ناراض کر دیا ہے۔ فرعون نے کہا کہ ہم موسیٰ اور بنی اسرائیل کے مکر سے خوب واقف ہیں اور ان کے شر سے بچنے کے لیے چوکنا ہیں۔ اس لیے اے میری فوج کے جوانو! چلو انھیں جلد از جلد جا لیں اور گھیر کر واپس لائیں۔

چند ہی دنوں میں فرعون نے بنی اسرائیل کے تعاقب کے لیے ایک لشکر جرار تیار کر لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان

سب کو ان کی عیش و عشرت کی جگہوں سے نکالا اور پھر سمندر میں غرق کر دیا:

﴿ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ۭ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ [الشعراء : ٥٧ تا ٥٩]

”تو ہم نے انھیں باغوں اور چشموں سے نکال دیا۔ اور خزانوں سے اور عمدہ جگہ سے۔ ایسے ہی ہوا اور ہم نے ان کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انھیں کشاں کشاں سرزمین مصر، اس کے باغات، نہروں، خزانوں اور عیش کی جگہوں سے دور کر کے موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے لگا دیا، اس طرح ہم نے انھیں ان کے گھروں، املاک اور جائدادوں سے الگ کر دیا اور بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔

قرآن مجید میں لشکر فرعون کے نکلنے اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا پیچھا کرنے کی تفصیلات کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴾ [الشعراء : ٦٠ تا ٦٢]

”تو انھوں نے سورج نکلتے ان کا پیچھا کیا۔ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا بے شک ہم یقیناً پکڑے جانے والے ہیں۔ کہا ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ مجھے ضرور راستہ بتائے گا۔“

فرعون اور اس کی فوج کے لوگوں نے طلوعِ آفتاب کے وقت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی مارے ڈر کے کہنے لگے کہ اب تو ہم پکڑ لیے گئے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے پورے ایمان و یقین کے ساتھ کہا کہ ہرگز نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، میرا رب میرے ساتھ ہے اور وہ راہ نجات کی طرف میری ضرور راہنمائی کرے گا۔

سمندر حکم الٰہی سے پھٹ گیا

﴿ فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَ اَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾ [الشعراء : ٦٣ تا ٦٦]

”تو ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مار، پس وہ پھٹ گیا تو ہر ٹکڑا بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ اور وہیں ہم دوسروں کو قریب لے آئے۔ اور ہم نے موسیٰ کو اور جو اس کے ساتھ تھے، سب کو بچا لیا۔ پھر دوسروں کو ڈبو دیا۔“

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ آپ اپنی لاٹھی سمندر کے پانی پر ماریے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور آلِ یعقوب کے بارہ گروہوں کے لیے سمندر میں بارہ راستے بن گئے اور پانی اونچے پہاڑ کی طرح دونوں کناروں پر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ فرعون اور اس کی فوجوں کو سمندر کے قریب لاتا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی سمندر میں بنے راستوں سے گزر کر دوسری طرف چلے گئے، تو فرعون نے بھی اپنی فوج کے ساتھ انھی راستوں سے گزرنا چاہا اور جب وہ بیچ سمندر میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی طرح کھڑے پانی کو ان پر لوٹا دیا اور وہ سب کے سب ڈوب گئے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو دیکھا کہ وہ عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: ''یہ دن کیا (اہمیت رکھتا) ہے، جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟'' انھوں نے کہا، یہ ایک اچھا اور عظیم دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات دلائی تھی، اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا تھا اور ہم بھی اس دن کی تعظیم کرتے ہوئے روزہ رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہم موسیٰ علیہ السلام کے تمھاری نسبت زیادہ حق دار ہیں۔'' تو آپ ﷺ نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ [بخاري، كتاب الصوم، باب صوم يوم عاشوراء : ٢٠٠٤۔ مسلم، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء : ١١٣٠]

ایک ہی پانی کے ذریعے کسی کو بچا لینے اور کسی کو غرق کر دینے میں یقیناً بہت بڑی نشانی ہے:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ [الشعراء : ٦٧، ٦٨]

''بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور بے شک تیرا رب، یقیناً وہی سب پر غالب، بے حد رحم والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ اور فرعون کا یہ واقعہ بہت ہی عبرت انگیز ہے اور اللہ کی عظیم قدرتوں کی دلیل ہے، نیز فرمایا کہ فرعونیوں میں سے چند ہی ایمان لائے، باقی سب فرعون ہی کی پیروی کرتے رہے، یہاں تک کہ غرقاب ہو گئے۔ آخر میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کا رب ہر حال میں غالب ہے اور اپنے دشمنوں سے ضرور انتقام لیتا اور اپنے نیک بندوں پر رحم کرتا ہے اور انھیں تکلیف و مصیبت سے نجات دیتا ہے۔

سورۂ طٰہٰ میں مومنوں کی نجات اور فرعونیوں کی غرقابی کا واقعہ

﴿وَ لَقَدْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى ۙ۬ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰى﴾ [طٰه : ٧٧ تا ٧٩]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جا، پس ان کے لیے سمندر میں ایک خشک راستہ بنا، نہ تو پکڑے جانے سے خوف کھائے گا اور نہ ڈرے گا۔ پس فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا تو انھیں سمندر سے اس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے انھیں ڈھانپا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے پر نہ ڈالا۔''

سیدنا موسیٰ علیہ السلام ایک طویل مدت تک فرعون اور فرعونیوں کو دعوت اسلام دیتے رہے، لیکن وہ اپنے کفر پر مصر رہے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر سرزمین مصر سے نکل جائیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ بحر قلزم کی طرف جانے لگے تو فرعون نے اپنی فوج کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنی لاٹھی پانی پر ماری، پانی دو طرف ہو گیا اور خشک راستہ بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر بے خوف و خطر چل پڑے اور پیچھے پیچھے فرعون اور اس کا لشکر بھی چل پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ بیچ میں پہنچا، تو پانی نے انھیں ہر طرف سے آ گھیرا اور سبھی اس میں غرق ہو گئے۔ فرعون نے اپنے کفر و تکبر کی وجہ سے اپنی قوم کو ہلاکت میں ڈال دیا اور انھیں راہ راست کی طرف نہ جانے دیا۔

بنی اسرائیل کی نجات کا واقعہ اور موسیٰ علیہ السلام کا فرعونیوں سے خطاب

﴿ وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝ اَنْ اَدُّوْۤا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ وَ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْۤ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [الدخان : ۱۷ تا ۱۹]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا اور ان کے پاس ایک بہت باعزت رسول آیا۔ یہ کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو، بے شک میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ اور یہ کہ اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، بے شک میں تمھارے پاس واضح دلیل لانے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے کفارِ قریش سے پہلے قومِ فرعون کو بھی ایمان باللہ اور اطاعت و بندگی کا حکم دے کر آزمایا، لیکن انھوں نے کفر کو پسند کر لیا۔ ہم نے ان کے پاس اپنا ایک رسول بھیجا تھا جن کا اللہ اور مومنوں کے نزدیک بڑا مقام تھا اور جو حسب نسب میں اونچے اور نہایت بلند اخلاق کے مالک تھے۔ وہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام تھے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تم اللہ کے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو آزاد کر دو اور انھیں میرے ساتھ ان کے آبائی وطن جانے دو، اس لیے کہ وہ آزاد لوگ ہیں اور ظلم و جور کی وجہ سے اس ملک سے باہر نکل جانا چاہتے ہیں۔ دیکھو! میں تمھاری طرف سچا اور امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تاکہ تمھیں نافرمانی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراؤں۔ انھوں نے فرعون سے یہ بھی کہا کہ اللہ کی ربوبیت کا انکار اور اپنے رب ہونے کا دعویٰ کر کے اور اس کے نبی

کی تکذیب اور اس کے بندوں پر ظلم و ستم ڈھا کر اللہ کے خلاف اعلانِ بغاوت نہ کرو، جبکہ میں اپنے دعویٰ کی صداقت پر واضح اور صریح دلیل پیش کرتا ہوں۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اندر ہی اندر پھیلنے لگی حتیٰ کہ فرعون کی قوم کے کئی آدمی بھی پوشیدہ طور پر ایمان لے آئے تو اس وقت فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اس بات سے اپنے اور تمھارے رب کی پناہ پکڑتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔

﴿ وَ اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴾ [الدخان : ۲۰]

’’اور بے شک میں اپنے رب اور تمھارے رب کی پناہ پکڑتا ہوں، اس سے کہ تم مجھے سنگسار کر دو۔‘‘

یعنی تم نے جو مجھے پتھروں سے مار کر ہلاک کرنے کی دھمکی دی ہے، تو میں نے اس ذاتِ برحق کی بارگاہ میں پناہ لے لی ہے جو میرا اور تم سب کا رب ہے، اس لیے اب مجھے تمھاری طرف سے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا اور اللہ کی طرف سے میری حفاظت اس بات کی دلیل ہے کہ میں کذاب و مفتری نہیں ہوں، کیونکہ وہ افترا پردازوں کو پناہ نہیں دیتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور مجھے ایذا نہ پہنچاؤ۔

﴿ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴾
[الدخان : ۲۱ تا ۲۳]

’’اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو مجھ سے الگ رہو۔ آخر اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک یہ مجرم لوگ ہیں۔ پس میرے بندوں کو رات کے کسی حصے میں لے جا، بے شک تم پیچھا کیے جانے والے ہو۔‘‘

موسیٰ علیہ السلام نے ان سے یہ بھی کہا کہ اگر تم لوگ میری نبوت پر ایمان نہیں لاتے، تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، مجھے ایذا نہ پہنچاؤ، لیکن جب ہر ممکن کوشش کے باوجود قبطیوں نے ان کی دعوت قبول نہ کی، بلکہ انھیں قتل کرنے کی ٹھان لی، تو انھوں نے اپنے رب سے دعا کی۔

فرمایا، اے میرے رب! یہ مجرم و مفسد لوگ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی، انھیں بذریعہ وحی حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات وہاں سے نکل جائیں، انھیں یہ بھی خبر دی کہ فرعون اور دیگر قبطی انھیں گھیر کر واپس لانے کے لیے ان کا پیچھا کریں گے۔

﴿ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴾ [الدخان : ۲٤]

’’اور سمندر کو اپنے حال پر ٹھہرا ہوا چھوڑ دے، بے شک وہ ایسا لشکر ہیں جو غرق کیے جانے والے ہیں۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ جب آپ بحر قلزم پار کر جائیں تو اپنی لاٹھی مار کر دریا کو اس کی

اصل حالت میں لوٹانے کی کوشش نہ کیجیے، اسے اسی طرح کشادہ کھلا ہوا چھوڑ دیجیے، تاکہ اس میں فرعون اور فرعونی داخل ہوں اور انھیں ڈبو دیا جائے۔ ان کے انجام کی خبر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی اس لیے دے دی، تاکہ ان کا ڈر جاتا رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعون اور اس کے لشکر کو ڈبو دیا۔

﴿ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَ زُرُوْعٍ وَ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴾ [الدخان : ٢٥ تا ٢٨]

''کتنے ہی وہ چھوڑ گئے باغات اور چشمے۔ اور کھیتیاں اور عمدہ مقام۔ اور خوش حالی، جس میں وہ مزے اڑانے والے تھے۔ اسی طرح ہوا اور ہم نے ان کا وارث اور لوگوں کو بنا دیا۔''

فرعون اور فرعونی اپنے پیچھے بہت سے باغات اور چشمے، بہت سی کھیتیاں اور زیب و زینت سے آراستہ بہت سی محافل و مجالس چھوڑ گئے اور بہت سی دوسری نعمتیں، مثلاً مال و دولت اور جاہ و حشم وغیرہ بھی چھوڑ گئے، جو ان کے عیش و آرام کا سامان تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انھیں ان تمام نعمتوں سے نکال باہر کیا اور ان چیزوں کا وارث دوسروں کو بنا دیا۔

﴿ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴾ [الدخان : ٢٩]

''پھر نہ ان پر آسمان و زمین روئے اور نہ وہ مہلت پانے والے ہوئے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آل فرعون کی تباہی پر کسی کو افسوس نہ ہوا، ان کے اعمال ہی ایسے تھے کہ ان کی ہلاکت پر کسی کے افسوس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھیں مہلت نہیں دی گئی، بلکہ فوراً پکڑ لیے گئے، اس لیے کہ اللہ ان کی فطرت سے خوب واقف تھا کہ اگر انھیں مہلت بھی دے دی جائے تب بھی وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو کر ایمان نہیں لائیں گے۔

﴿ وَ لَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۙ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾
[الدخان : ٣٠، ٣١]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی۔ فرعون سے، بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ایک سرکش شخص تھا۔''

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا، ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا، ان کی عورتوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے زندہ رکھتا تھا اور ان سے مشکل ترین کام لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر کے بنی اسرائیل کو اس رسوا کن عذاب سے نجات دے دی۔ آخر میں فرعون کی ہلاکت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ فرعون بڑا ہی متکبر تھا اور کفر باللہ، ظلم اور ارتکاب معاصی میں حد سے تجاوز کر گیا تھا۔

فرعون کی آخری لمحے ایمان لانے کی ناکام کوشش

سرکش، باغی، ظالم اور مغرور و متکبر فرعون نے جب موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو جھٹ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے رب کو تسلیم کر لیا لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴾ [یونس : ۹۰ تا ۹۲]

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا تو فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے پا لیا تو اس نے کہا میں ایمان لے آیا کہ بے شک حق یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں سے ہوں۔ کیا اب؟ حالانکہ بے شک تو نے اس سے پہلے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں سے تھا۔ پس آج ہم تجھے تیرے (خالی) بدن کے ساتھ بچا لیں گے، تاکہ تو ان کے لیے نشانی بنے جو تیرے بعد ہوں اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے یقیناً غافل ہیں۔''

موسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے ساتھ جب دریا کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کرتا ہوا ان کے قریب آ گیا ہے اور قریب ہے کہ انھیں آ لے، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنی لاٹھی پانی پر ماریں۔ انھوں نے جونہی ایسا کیا، دریا کا پانی دو حصوں میں بٹ کر دو پہاڑوں کی مانند کھڑا ہو گیا، زمین خشک ہو گئی اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ دریا پار کر گئے۔ فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور جب بیچ دریا میں پہنچا تو اللہ نے دریا کا کھڑا پانی ان پر چھوڑ دیا اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ فرعون نے جب اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل کے لوگ ایمان لائے ہیں اور میں اب مسلمان ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان کو رد کر دیا اور کہا کہ اب ایمان کا کوئی فائدہ نہیں ہے، جبکہ اس لمحہ سے پہلے تک تم نافرمانی کرتے رہے ہو اور زمین میں فساد پھیلاتے رہے ہو۔ آج میں تمھارے جسم کو ایک اونچی زمین پر ڈال دوں گا تاکہ تم آنے والی نسلوں کے لیے نشانِ عبرت بنے رہو اور تاکہ لوگ جان لیں کہ تو ایک حقیر بندہ تھا، رب اور معبود نہیں تھا۔ فرعونیوں کی ہلاکت کا یہ واقعہ عاشوراء کے دن پیش آیا، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تو اس نے کہا میں

اس اللہ وحدہ لا شریک لہ پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے تو جبریل علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا، اے محمد! کاش آپ اس وقت مجھے دیکھتے کہ میں اس کے منہ میں کیسے کیچڑ ٹھونس رہا تھا، اس خیال سے کہ کہیں اس کی بات پوری ہونے پر اللہ کی رحمت اس کی دست گیری نہ کرے۔'' [ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة يونس : ۳۱۰۷]

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کے حالات

فرعون اور اس کی کافر قوم کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو بے شمار نعمتوں سے نوازا خصوصاً غلامی سے نجات اور امن کی نعمت سے سرفراز کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴾
[الأعراف : ۱۳۷]

''اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے، اس سرزمین کے مشرقوں اور اس کے مغربوں کا وارث بنا دیا، جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور تیرے رب کی بہترین بات بنی اسرائیل پر پوری ہوگئی، اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا اور ہم نے برباد کر دیا جو کچھ فرعون اور اس کے لوگ بناتے تھے اور جو عمارتیں وہ بلند کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد بنی اسرائیل کو زمین کی سیادت عطا کی، مصر و شام کے علاقے ان کے زیر تصرف آ گئے، یہ وہی لوگ تھے جنھیں فرعون نے اپنا غلام بنا رکھا تھا اور جن کے ہزاروں بچوں کو قتل کروا دیا تھا، لیکن جب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور مصائب و آلام پر صبر و استقامت سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں زمین کا مالک بنا دیا اور فرعونیوں کے محلات اور باغات کو تاراج کر دیا۔

بنی اسرائیل کا دریا کے پار اترنا اور خواہشِ بت پرستی

اللہ تعالیٰ نے انھیں سمندر سے پار کر دیا تو انھوں نے بیت المقدس ارضِ شام کا رخ کیا۔ ابھی چلے ہی تھے کہ ان کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو اپنے کچھ بتوں پر مجاور بنے بیٹھے تھے۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر دیا کہ ہمارے لیے بھی ان کے معبودوں جیسے معبود بنا دو:

﴿وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾
[الأعراف : ۱۳۸، ۱۳۹]

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں پر آئے جو اپنے کچھ بتوں پر جمے بیٹھے تھے، کہنے

لگے اے موسیٰ! ہمارے لیے کوئی معبود بنا دے، جیسے ان کے کچھ معبود ہیں؟ اس نے کہا بے شک تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کرتے ہو۔ بے شک یہ لوگ، تباہ کیا جانے والا ہے وہ کام جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے چلے آرہے ہیں۔''

بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے آزاد ہونے اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دریا پار کرنے کے بعد جزیرہ نمائے سینا کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ان کا گزر ایسی قوم کے پاس سے ہوا جو بتوں کی پرستش کرتی تھی۔ انھیں دیکھ کر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمیں بھی ایک ایسا ہی بت چاہیے، جس کے سامنے ہم جھکیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ کی شان وعظمت سے بالکل ناواقف ہو۔ ان بت پرستوں کا شرک ان کے لیے مہلک اور ان کا عمل سراسر باطل ہے۔

دوسری قوموں کی نقالی احساس کمتری کی غماز ہوتی ہے۔ احساس کمتری سے آدمی اسلامی چیزوں کو برا اور غیر اسلامی چیزوں کو اچھا سمجھنے لگتا ہے اور یہ چیز ایمان کے منافی ہے۔ کافروں کی چیزوں اور ان کے طریقوں کو پسند کرنا گویا کفر کو پسند کرنا ہے اور ایسے آدمی کا ایمان درحقیقت ایمان ہی نہیں۔ سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے حنین کی طرف جا رہے تھے کہ انھوں نے کفار کا ایک بیری کا درخت دیکھا، جس کے پاس وہ بیٹھے رہتے اور اس کے ساتھ وہ اپنا اسلحہ بھی لٹکا لیتے تھے۔ اس درخت کو ''ذات انواط'' کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد ہم بیری کے ایک بہت بڑے اور سرسبز و شاداب درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک ''ذات انواط'' مقرر فرما دیجیے، جیسا کہ کافروں کے لیے ''ذات انواط'' ہے، تو آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تمھاری یہ بات اسی طرح ہے جس طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿ اِجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴾ ''ہمارے لیے کوئی معبود بنا دے، جیسے ان کے کچھ معبود ہیں؟ تو اس نے کہا بے شک تم ایسے لوگ ہو جو نادانی کرتے ہو۔'' بے شک یہ پہلے لوگوں کے طور طریقے ہیں اور تم ضرور ان کی روش اختیار کرو گے۔'' [مسند أحمد : ۵/ ۲۱۸، ح : ۲۱۹۵۶۔ ترمذي، کتاب الفتن، باب ما جاء لترکبن سنن من کان قبلکم : ۲۱۸۰]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو (یاد رکھیے!) مشابہت کرنے والا اسی قوم میں (شمار) ہوگا۔'' [أبو داوٗد، کتاب اللباس، باب في لبس الشھرۃ : ۴۰۳۱]

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی کے ساتھ نصیحت

﴿ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾

[الأعراف : ١٤٠، ١٤١]

''کہا کیا میں اللہ کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اس نے تمھیں جہانوں پر فضیلت بخشی ہے۔ اور جب ہم نے تمھیں فرعون کی آل سے نجات دی، وہ تمھیں برا عذاب دیتے تھے، تمھارے بیٹوں کو بری طرح قتل کرتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے یہ بھی کہا کہ تم کیسی بہکی بات کرتے ہو، کیا جس اللہ نے تم پر اتنے احسانات کیے اور تمھیں جہانوں پر فضیلت بھی عطا کی، اسے چھوڑ کر میں تمھارے لیے پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے بت تلاش کروں؟ یعنی یہ ناشکری اور احسان ناشناسی میں کس طرح کر سکتا ہوں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں کہ اس نے انھیں فرعون کی قید اور اس کے قہر سے نجات بخشی، ان کی ذلت و رسوائی کو عزت و سربلندی میں بدل دیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن کو دریا میں غرق کر کے ان کے دلوں کو سکون اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔

بنی اسرائیل کا جہاد سے انکار اور دشت نوردی

جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے اور بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے تو ان کا سامنا وہاں کی زبردست اقوام سے ہوا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ ان کافر قوموں کے خلاف جہاد کریں اور انھیں بیت المقدس کی سرزمین سے نکال دیں، جس کے بارے میں اللہ نے ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی زبانی ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو ملے گی۔ انھوں نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر خوف مسلط کر دیا اور انھیں چالیس سال کی طویل مدت کے لیے میدان تیہ میں بھٹکنے دیا، وہ چلتے رہے، سفر کرتے رہے، اِدھر اُدھر آتے جاتے رہے حتیٰ کہ چالیس سال بیت گئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۬ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ

فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ [المائدة : ٢٠ تا ٢٦]

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تمھیں بادشاہ بنا دیا اور تمھیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اے میری قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اس نے تمھارے لیے لکھ دی ہے اور اپنی پیٹھوں پر نہ پھر جاؤ، ورنہ خسارہ اٹھانے والے ہو کر لوٹو گے۔ انھوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک اس میں ایک بہت زبردست قوم ہے اور بے شک ہم ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے، یہاں تک کہ وہ اس سے نکل جائیں، پس اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہونے والے ہیں۔ دو آدمیوں نے کہا، جو ان لوگوں میں سے تھے جو ڈرتے تھے، ان دونوں پر اللہ نے انعام کیا تھا، تم ان پر دروازے میں داخل ہو جاؤ، پھر جب تم اس میں داخل ہو گئے تو یقیناً تم غالب ہو اور اللہ ہی پر پس بھروسا کرو، اگر تم مومن ہو۔ انھوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز اس میں کبھی داخل نہ ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں، سو تو اور تیرا رب جاؤ، پس دونوں لڑو، بے شک ہم یہیں بیٹھنے والے ہیں۔ اس نے کہا، اے میرے رب! بے شک میں اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں، سو تو ہمارے درمیان اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان علیحدگی کر دے۔ فرمایا پھر بے شک وہ ان پر چالیس سال حرام کی ہوئی ہے، زمین میں سر مارتے پھریں گے، پس تو ان نافرمان لوگوں پر غم نہ کر۔''

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ نے تم پر جو انعامات کیے ہیں انھیں یاد کرو، تم میں انبیاء مبعوث کیے اور تمھیں بادشاہوں کی حیثیت دی کہ تم پر کسی دوسری قوم کی حکومت نہیں چلتی اور تمھیں ایسی ایسی نعمتوں سے نوازا جو تمھارے زمانے کی دوسری قوموں کو نہیں ملیں۔ پھر کہا اے میری قوم! تم لوگ مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جس میں اللہ نے تمھارے لیے سکون و قرار رکھا ہے، تم لوگ شہر کا دروازہ کھول کر اچانک دشمن پر حملہ کر دو اور انھیں مغلوب بنا لو اور شکست خوردہ ہو کر پیچھے مڑ کر نہ بھاگو، لیکن انھوں نے یہ بات نہ مانی اور موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ اے موسیٰ! اس شہر میں تو بڑے جابر قسم کے لوگ رہتے ہیں، ہم تو اس وقت تک وہاں نہیں جائیں گے، جب تک وہ لوگ اس شہر سے نکل نہیں جاتے۔ ان کی اس ذہنی شکست کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دس نقیبوں نے عمالقہ کے بارے میں اپنے قبائل کو ڈرایا تھا۔ صرف دو نے راز کی حفاظت کی تھی، جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ دو آدمی جو اللہ سے ڈرنے والے تھے اور جن پر اللہ کا فضل تھا، انھوں نے کہا کہ اگر تم لوگ اچانک شہر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ تو غالب آ جاؤ گے، اگر تم لوگ اہل ایمان ہو تو تمھیں اللہ پر بھروسا کرنا چاہیے۔ لیکن انھوں نے پوری خست و دنایت کے ساتھ جواب دیا کہ جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم لوگ ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ تم اور تمھارا رب جا کر ان سے جنگ کرو، ہم تو یہیں رہیں گے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اعلانِ براءت کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رب! میں اور میرا بھائی

ہارون، ہم اپنی اپنی ذات کے مالک ہیں، ہم اس قوم سے عاجز آ گئے، اب ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ تو اللہ نے کہا کہ ہم نے چالیس سال تک کے لیے سرزمینِ مقدس کو ان پر حرام کر دیا۔ یہ لوگ اب اسی صحرائے سینا میں بھٹکتے رہیں گے۔ آپ ان فاسق لوگوں کے بارے میں کوئی افسوس نہ کریں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل میں انبیاء ہی حکمران ہوا کرتے تھے، جب کبھی کسی نبی کی وفات ہو جاتی تھی تو اس کی جگہ دوسرا نبی لے لیا کرتا تھا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل : ٣٤٥٥۔ مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة : ١٨٤٢]

غزوۂ بدر کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا انتہائی شاندار جواب

جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ارضِ مقدسہ میں داخل ہونے کے لیے کہا اور فرمایا کہ اللہ کے وعدے اور بشارت کے مطابق تمھارے داخل ہونے کی دیر ہے کہ دشمن بھاگ جائے گا، تو انھوں نے حد سے بڑھا ہوا گستاخانہ جملہ کہا: ''جا تو اور تیرا رب لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔'' اس کے برعکس بدر کے موقع پر دشمن سے اچانک آمنا سامنا ہونے کے باوجود اصحاب رسول اللہ ﷺ نے کمال عزم و ہمت اور شجاعت و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے لیے روانہ ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر مشورہ طلب کیا تو انصاری کہنے لگے کہ اے گروہ انصار! رسول اللہ ﷺ کا روئے سخن تمھاری طرف ہے تو انصار نے کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا روئے سخن ہماری طرف ہے تو ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ ''سو تو اور تیرا رب جاؤ، پس دونوں لڑو، بے شک ہم یہیں بیٹھنے والے ہیں'' اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ برک غماد تک بھی جانے کا حکم دیں گے تو ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ [مسند أحمد : ١٨٨/٣، ح : ١٢٩٥٩۔ السنن الكبرى للنسائي، كتاب التفسير، باب قوله تعالى : ﴿قالوا يا موسى إنا لن ندخلها أبدا﴾ : ١١٤١۔ ابن حبان : ٤٧٣١]

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن عرض کی، اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ ''سو تو اور تیرا رب جاؤ، پس دونوں لڑو، بے شک ہم یہیں بیٹھنے والے ہیں'' نہیں آپ چلیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ فرطِ مسرت سے جگمگا اٹھا۔ [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿فاذهب أنت وربك فقاتلا إنا ههنا قاعدون﴾ : ٤٦٠٩]

بنی اسرائیل میدان تیہ میں

بنی اسرائیل نے جب اس قوم کے خلاف جہاد کرنے سے انکار کر دیا جنھیں وہ زور آور سمجھتے تھے۔ اس کی سزا کے طور پر وہ صحرا میں بھٹکتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ وہ چالیس سال تک یہاں سے نکل نہیں سکیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴾ [طٰہٰ : ۸۰ تا ۸۲]

''اے بنی اسرائیل! بے شک ہم نے تمھیں تمھارے دشمن سے نجات دی اور تمھیں پہاڑ کی دائیں جانب کا وعدہ دیا اور تم پر من اور سلویٰ اتارا۔ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمھیں دی ہیں اور ان میں حد سے نہ بڑھو، ورنہ تم پر میرا غضب اترے گا اور جس پر میرا غضب اترا تو یقیناً وہ ہلاک ہو گیا۔ اور بے شک میں یقیناً اس کو بہت بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھے راستے پر چلے۔''

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی تھیں اور ان پر جو احسانات کیے تھے انھی کا ذکر ہو رہا ہے اور انھیں نصیحت کی جا رہی ہے کہ وہ اللہ کا شکر بجا لائیں، تاکہ وہ نعمتیں باقی رہیں اور ناشکری نہ کریں، تاکہ اللہ کے عذاب و غضب سے بچے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے دشمن فرعون سے نجات دی، پھر انھیں حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور سینا کے پاس جائیں، تاکہ اللہ تعالیٰ جب ان سے ہم کلام ہو تو اس منظر کو دیکھ کر ان کا ایمان راسخ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ بھی احسان کیا کہ میدان تیہ میں انھیں کھانے کے لیے من و سلویٰ عطا کیا اور نصیحت کی کہ ہماری دی ہوئی حلال روزی کھاؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو، ورنہ ہمارے غیظ و غضب کے مستحق ہو جاؤ گے اور جس پر ہمارا غضب نازل ہو جاتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور جو کفر و شرک اور معصیت و نفاق سے توبہ کرتا ہے، ایمان والوں کی سی زندگی اختیار کرتا ہے اور اس پر ثابت قدم رہتا ہے تو ہم اسے معاف کر دیتے ہیں۔ خواہ اس نے کیسا ہی گناہ کیا ہو۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے روایت کی، فرمایا: ''ایک بندہ گناہ کر بیٹھا تو اس نے کہا، اے اللہ! میرا گناہ بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (میرے) بندے نے گناہ کیا، پھر اس نے جان لیا کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر مؤاخذہ بھی کرتا ہے، اس آدمی نے پھر گناہ کیا اور کہا کہ اے میرے مالک! میرا گناہ بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندہ نے ایک گناہ کیا اور اس نے جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر مؤاخذہ بھی کرتا ہے۔ اس آدمی نے پھر گناہ کیا اور کہا کہ اے میرے پالنے والے! میرا گناہ بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا اور اس نے جان لیا کہ اس کا ایک اللہ ہے، جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر مؤاخذہ بھی کرتا ہے، تو اے بندے! اب تو جو چاہے عمل کر، میں نے تجھے بخش دیا۔'' [مسلم، کتاب التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب ...... الخ : ۲۷۵۸]

بنی اسرائیل پر انعامات ربانی کی بارش

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے پے در پے انعامات و احسانات کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے فرعون کے عذاب سے نجات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾ [البقرة : ۴۹]

''اور جب ہم نے تمھیں فرعون کی قوم سے نجات دی، جو تمھیں برا عذاب دیتے تھے، تمھارے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''

اس آیت میں آل فرعون سے مراد فرعون، اس کا لشکر اور اس کے پیروکار ہیں۔ قرآن کریم کے ذکر کردہ واقعے کے مطابق فرعون نے ایک خواب دیکھا، جس کی تاویل اسے یہ بتائی گئی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ذریعے اس کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو ذبح کر دیا جائے، بنی اسرائیل ان پریشانیوں سے گزرتے رہے، یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انھیں فرعون کے عذاب سے نجات دلائی۔

قوم فرعون کا غرق

﴿ وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾ [البقرة : ۵۰]

''اور جب ہم نے تمھاری وجہ سے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمھیں نجات دی اور ہم نے فرعون کی قوم کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ احسان جتایا کہ اس نے ایک خطرناک موقع پر ان کے لیے سمندر پھاڑ دیا اور بنی اسرائیل نے سمندر کو پار کر لیا، لیکن جب فرعون اور اس کی فوج نے جو بنی اسرائیل کا پیچھا کر رہے تھے، سمندر کو پار کرنا چاہا اور وہ بیچ راستے میں پہنچے تو سمندر کا پانی دونوں طرف سے مل گیا اور فرعون مع اپنی فوج کے اس میں غرق ہو گیا۔

بچھڑا پرستی کے بعد معافی کا انعام

﴿ وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ

﴿مِّنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ﴾ [البقرة : ٥١ ، ٥٢]

''اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کی میعاد مقرر کی، پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو پکڑ لیا اور تم ظالم تھے۔ پھر ہم نے اس کے بعد تمھیں معاف کر دیا، تا کہ تم شکر کرو۔''

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو جب تم نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا تھا اور میں نے تمھیں معاف کر دیا جس وقت موسیٰ علیہ السلام اس میعاد مقررہ کے لیے گئے تھے جو اللہ نے ان کے لیے مقرر فرما دی تھی۔ اور وہ میعاد مقررہ چالیس رات تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کو کتاب کا عنایت کیا جانا

﴿وَ اِذۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَ الۡفُرۡقَانَ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ﴾ [البقرة : ٥٣]

''اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور (حق و باطل میں) فرق کرنے والی چیز عطا کی، تا کہ تم ہدایت پاؤ۔''

ممکن ہے کتاب یعنی تورات ہی کو فرقان سے بھی تعبیر کیا گیا ہو، کیونکہ ہر آسمانی کتاب حق و باطل کو واضح کرنے والی ہوتی ہے، ارشاد فرمایا: ﴿ثُمَّ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِىۡۤ اَحۡسَنَ وَتَفۡصِيۡلًا لِّـكُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ﴾ [الأنعام: ١٥٤] ''پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اس شخص پر (نعمت) پوری کرنے کے لیے جس نے نیکی کی اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت کے لیے، تا کہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لے آئیں۔''

اپنے آپ کو قتل کرنے کی صورت میں بنی اسرائیل کی توبہ

﴿وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اِنَّكُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ بِاتِّخَاذِكُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰى بَارِئِكُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ عِنۡدَ بَارِئِكُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ﴾ [البقرة : ٥٤]

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! بے شک تم نے بچھڑے کو اپنے پکڑنے کے ساتھ اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو، پس اپنے آپ کو قتل کرو، یہ تمھارے لیے تمھارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہتر ہے، تو اس نے تمھاری توبہ قبول کر لی، بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

بچھڑے کو معبود بنانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دنیا میں سخت سزا دی، ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ سَيَنَالُهُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَذِلَّةٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُفۡتَرِيۡنَ﴾ [الأعراف : ١٥٢] ''بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو پکڑا عنقریب انھیں ان کے رب کی طرف سے بڑا غضب پہنچے گا اور بڑی رسوائی دنیا کی

زندگی میں اور ہم جھوٹ باندھنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔‘‘

بنی اسرائیل نے ایک دوسرے کو قتل کیا، وہ اپنے کیے پر نادم ہوئے اور مغفرت کی دعائیں کرنے لگے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِيٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [الأعراف : ۱۴۹] ’’اور جب وہ پشیمان ہوئے اور انھوں نے دیکھا کہ بے شک وہ تو گمراہ ہوگئے ہیں، تو انھوں نے کہا یقیناً اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور ہی خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔‘‘

بنی اسرائیل میں جس طرح شادی شدہ زانی کی سزا رجم تھی۔ اسی طرح شرک کے ارتکاب پر بھی انھیں قتل کی سزا سنائی گئی اور اس پر عمل ہوا۔ ہماری امت میں بھی ارتداد کی سزا قتل ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جو شخص اپنا دین بدل لے (یعنی مرتد ہو جائے) اسے قتل کر دو۔‘‘ [بخاري، كتاب الجهاد، باب لا يعذب بعذاب الله : ۳۰۱۷]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے مگر تین میں سے ایک سبب سے: (قصاص میں) جان کے بدلے جان، شادی شدہ زانی، اپنے دین کو چھوڑنے والا، جماعت کو ترک کر دینے والا۔‘‘ [بخاري، كتاب الديات، باب قول الله تعالىٰ : ﴿ إن النفس بالنفس ...... الخ ﴾ : ۶۸۷۸]

مگر اتنی تخفیف کر دی گئی کہ مرتد توبہ کر لے تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ البتہ رجم کی حد توبہ کے باوجود جاری کی جائے گی۔

سرداروں کا اللہ کے دیدار کا مطالبہ اور اللہ تعالیٰ کا ان کو مار کر زندہ کرنا

جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا تو بنی اسرائیل کے ۷۰ لوگوں نے کہا کہ ہم تمھاری اس بات پر ہرگز یقین نہیں کریں گے۔ جب تک ہم خود اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں اس پر اللہ کی طرف سے عذاب آیا اور یہ مر گئے پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [البقرة : ۵۵، ۵۶]

’’اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز تیرا یقین نہ کریں گے، یہاں تک کہ ہم اللہ کو کھلم کھلا دیکھ لیں، تو تمھیں بجلی نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے تمھیں تمھارے مرنے کے بعد زندہ کیا، تاکہ تم شکر کرو۔‘‘

بنی اسرائیل نے کوہِ طور پر پہنچ کر مطالبہ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو علانیہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے اس مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے ایک عذاب بھیجا۔ وہ عذاب زلزلہ اور صاعقہ کی صورت میں تھا۔ زلزلہ آیا، بجلی گری اور بجلی کے گرنے سے وہ لوگ

ہلاک ہوئے، ارشاد فرمایا: ﴿ وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴾ [الأعراف : ۱۵۵] ''اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے مقررہ وقت کے لیے چنے، پھر جب انھیں زلزلے نے پکڑا تو اس نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو انھیں اس سے پہلے ہلاک کر دیتا اور مجھے بھی، کیا تو ہمیں اس کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بے وقوفوں نے کیا ہے؟ یہ نہیں ہے مگر تیری آزمائش، جس کے ساتھ تو گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جسے چاہتا ہے، تو ہی ہمارا یار و مددگار ہے، سو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بخشنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔''

معلوم ہوا کہ ایمان لانے کی شرط کے طور پر اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا مطالبہ بہت بڑی گستاخی ہے۔

بادلوں کا سایہ اور من وسلویٰ کا نزول

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ انعام اور احسان بھی فرمایا کہ ان پر بادلوں کا سایہ فرمایا اور ان کے کھانے کے لیے آسمان سے من وسلویٰ نازل فرمایا۔

﴿ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ [البقرة : ۵۷]

''اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ اتارا، کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمھیں دی ہیں اور انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا اور لیکن وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کیا کرتے تھے۔''

صحرائے سینا میں ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا اور صحرا کی دھوپ انھیں جلائے دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر خاص قسم کے بادل کا سایہ کر دیا اور کھانے کے لیے 'من وسلویٰ' کا انتظام فرما دیا۔

من وسلویٰ کا ذکر ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ اس طرح کرتا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ [طٰه : ۸۰، ۸۱] ''اے بنی اسرائیل! بے شک ہم نے تمھیں تمھارے دشمن سے نجات دی اور تمھیں پہاڑ کی دائیں جانب کا وعدہ دیا اور تم پر من اور سلویٰ اتارا۔ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمھیں دی ہیں۔''

''من'' کی تفسیر میں سب سے صحیح رسول اللہ ﷺ کی تفسیر ہے، جسے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھمبی ''مَنّ'' (کی قسم) سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔'' [بخاري، كتاب الطب، باب المن شفاء للعين : ۵۷۰۸]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عجوہ (مدینہ منورہ کی اعلیٰ کھجور) جنت سے ہے اور یہ زہر سے شفا ہے اور کھمبی ''مَنّ'' سے ہے، اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔'' [ترمذي، كتاب الطب، باب ما جاء في الكمأة والعجوة : ٢٠٦٦]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ '' مَنّ '' متعدد چیزیں تھیں، جو صحرا میں خود بخود پیدا ہوتی تھیں ان میں سے ایک ''کھمبی'' بھی تھی۔ اسی طرح وہ میٹھی گوند بھی ''مَنّ'' کی ایک قسم تھی جو ابن عباس اور مجاہد سے ''مَنّ'' کی تفسیر میں آئی ہے۔ ''سلویٰ'' اسم جنس ہے واحد ''سلواۃ'' آتا ہے، بٹیر یا بٹیر سے ملتا جلتا پرندہ ہے۔ صحرا میں اللہ کے حکم سے بے شمار پرندے آجاتے اور وہ انھیں پکڑ کر کھا لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اور انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا اور لیکن وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کیا کرتے تھے۔'' یعنی ہم نے تو انھیں یہ حکم دیا تھا کہ یہ رزق جو ہم نے تمھیں عطا فرمایا ہے، اسے کھاؤ اور اپنے رب کا شکر بجا لاؤ لیکن انھوں نے اپنے رب کے حکم کی مخالفت کی، کفر کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا، حالانکہ انھوں نے خود اپنی آنکھوں سے روشن نشانیوں، معجزاتِ قاطعہ اور بہت سے خرقِ عادت امور کا مشاہدہ بھی کر لیا تھا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے اصحاب کے مقابلے میں کس قدر فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طویل سفر بھی کیے اور بہت سے غزوات میں شرکت فرمائی اور ہر ہر موقع پر صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا، کبھی بھی نہ کسی دوں ہمتی کا ثبوت دیا اور نہ کسی کٹ حجتی کا مظاہرہ کیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر سفر بھی طویل تھا، موسم بھی شدید ترین گرم اور بہت سی مشکلات کا بھی سامنا تھا لیکن اس کے باوجود انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ طلب کیا نہ کوئی اور مطالبہ کیا، حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بہت آسان تھا۔ ہاں، البتہ جب بھوک کی وجہ سے مشکل میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے میں برکت کے لیے دعا کی درخواست کی، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوۂ تبوک میں لوگوں کو بھوک لگی تو انھوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹوں کو نحر کر لیں، تاکہ کھائیں اور تیل کی مالش کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا کر لو۔'' اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اگر آپ نے ایسا کیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی، آپ ایسا کیجیے کہ لوگوں کو اپنے بچے ہوئے کھانے کے ساتھ بلائیے، پھر آپ اللہ سے ان کے لیے برکت کی دعا کیجیے، شاید اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' پھر آپ نے ایک دستر خوان منگوایا اور اسے بچھا دیا، پھر آپ نے بچا ہوا کھانا منگوایا، کوئی ایک مٹھی جو لایا، کوئی

ایک مٹھی کھجور لایا، کوئی روٹی کے ٹکڑے لایا، یہاں تک کہ دستر خوان پر کچھ کھانا جمع ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے برکت کی دعا کی، پھر فرمایا: ''اپنے برتن بھر لو۔'' چنانچہ تمام برتن بھر لیے گئے۔ اتنی برکت ہوئی کہ سب کے پیٹ بھر کر بھی (بہت کچھ) بچ گیا۔ [مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی من مات علی التوحید دخل الجنة قطعًا : ۲۶/۴۵]

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے پانی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، جیسا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: ''ان شاء اللہ کل تم لوگ تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے۔ جب تک دن نہ چڑھ جائے تم وہاں نہیں پہنچو گے۔ آگاہ رہو! جو شخص بھی اس چشمے پر پہنچے، جب تک میں نہ پہنچ جاؤں وہ پانی کے چشمے کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔'' پھر جب (اگلے روز دن چڑھے) ہم اس چشمے کے پاس پہنچے تو دو آدمی اس چشمے کے پاس پہنچ چکے تھے، چشمے کے پانی کا حال یہ تھا کہ جوتی کے تسمے کے برابر پانی کی دھار ٹپک رہی تھی، آپ نے ان دو آدمیوں سے پوچھا: ''تم نے اس پانی کو ہاتھ تو نہیں لگایا؟'' انھوں نے کہا، جی ہاں! لگایا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے جو اللہ کو منظور تھا ان کی سرزنش کی۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے مجاہدین نے چلوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی ایک برتن میں جمع کیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ اس پانی میں دھوئے، پھر وہی پانی اس چشمہ میں ڈال دیا، اب تو وہ چشمہ جوش مار کر بہنے لگا۔ پھر لوگوں نے پانی پیا اور (جانوروں کو) پلانا شروع کر دیا۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''اے معاذ! اگر تیری زندگی رہی تو تو دیکھے گا کہ اس پانی کی وجہ سے یہاں باغات ہی باغات ہو جائیں گے۔'' [مسلم، کتاب الفضائل، باب في معجزات النبي ﷺ : ۷۰۶، بعد الحدیث : ۲۲۸۱]

اس سے جہاں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قدرت کا اظہار اور رسول اللہ ﷺ کی متابعت کی برکت ثابت ہوتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتباعِ نبوی کا کس قدر اکمل نمونہ تھے۔

یہودیوں کی مذمت کہ فتح کے موقع پر انھوں نے شکر کے بجائے تلبیس کو اختیار کیا

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم فرمایا کہ عاجزی کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے اور گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو جاؤ اور کھاؤ پیو، لیکن انھوں نے اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے تلبیس کا راستہ اختیار کیا:

﴿ وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾ [البقرة : ۵۸، ۵۹]

''اور جب ہم نے کہا اس بستی میں داخل ہو جاؤ، پس اس میں سے کھلا کھاؤ جہاں چاہو اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو بخش دے، تو ہم تمھیں تمھاری خطائیں بخش دیں گے اور ہم نیکی کرنے والوں کو جلد ہی زیادہ دیں گے۔ پھر ان لوگوں نے جنھوں نے ظلم کیا، بات کو اس کے خلاف بدل دیا جو ان سے کہی گئی تھی، تو ہم نے ان لوگوں پر جنھوں نے ظلم کیا تھا، آسمان سے ایک عذاب نازل کیا، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔''

بیت المقدس فتح ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ اس فتح کی شکر گزاری میں اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں کی طرح سجدہ ریز ہو کر اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو جاؤ اور ''**حِطَّةٌ**'' کہتے جاؤ، لیکن وہ اپنے سرینوں کے بل ''**حِطَّةٌ**'' کی بجائے '' حَبَّةٌ فِيْ شَعَرَةٍ '' کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ چونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی غایت درجہ اہانت تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں طاعون میں مبتلا کر دیا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کو حکم تو یہ ہوا تھا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور ''**حِطَّةٌ**'' (ہمیں بخش دے) کہتے ہوئے داخل ہوں لیکن وہ اپنی سرینوں کو گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور ''**حِطَّةٌ**'' کو بدل کر ''حَبَّةٌ فِيْ شَعَرَةٍ '' کہنے لگے (یعنی ہم گندم کے دانے چاہتے ہیں)۔'' [بخاري، کتاب التفسیر، باب ﴿ و إذ قلنا ادخلوا هذه القرية ...... الخ ﴾ : ٤٤٧٩]

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طاعون کا مرض رجز (یعنی عذاب) ہے، تم سے پہلے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اسے عذاب کے طور پر نازل فرمایا تھا۔'' [مسلم، کتاب السلام، باب الطاعون والطيرة والكهانة و نحوها : ٢٢١٨۔ السنن الكبرى للنسائي : ٣٦٣/٤، ح : ٧٥٢٣۔ ابن حبان : ٢٩٥٢]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم کسی علاقے کے بارے میں یہ سنو کہ وہاں طاعون کا مرض پھیلا ہوا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب یہ مرض کسی ایسے علاقے میں پھیل جائے جہاں تم موجود ہو تو تم اس علاقے کو چھوڑ کر نہ جاؤ۔'' [بخاري، کتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون : ٥٧٢٨۔ مسلم، کتاب السلام، باب الطاعون والطيرة ...... الخ : ٢٢١٨/٩٧]

بارہ چشمے پھوٹ نکلے

﴿ وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴾ [البقرة : ٦٠]

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی اس پتھر پر مار، تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بلاشبہ سب لوگوں نے اپنے پینے کی جگہ معلوم کر لی، کھاؤ اور پیو اللہ کے دیے ہوئے میں سے اور زمین میں فساد کرتے

ہوئے دنگا نہ مچاؤ۔‘‘

بنی اسرائیل ایسی سرزمین میں آباد تھے، جہاں نہ پانی کے چشمے تھے نہ دریا، موسیٰ علیہ السلام نے پانی کے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ پتھر پر اپنی لاٹھی مارو۔ انھوں نے ماری تو بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ارشاد فرمایا: ﴿ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۚ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۚ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ [الأعراف: ١٦٠] ’’اور ہم نے انھیں بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا، جو کئی گروہ تھے اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی، جب اس کی قوم نے اس سے پانی مانگا کہ اپنی لاٹھی اس پتھر پر مار تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بلاشبہ سب لوگوں نے اپنی پانی پینے کی جگہ معلوم کر لی اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ان پر من اور سلویٰ اتارا، کھاؤ ان پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمھیں عطا کیں اور انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا اور لیکن وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے تھے۔‘‘

من وسلویٰ کے بجائے ناقص کھانے کا مطالبہ

﴿ وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآىِٕهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ۚ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۚ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۚ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾ [البقرة: ٦١]

’’اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے، سو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر، وہ ہمارے لیے کچھ ایسی چیزیں نکالے جو زمین اپنی ترکاری اور اپنی ککڑی اور اپنی گندم اور اپنے مسور اور اپنے پیاز میں سے اگاتی ہے۔ فرمایا کیا تم وہ چیز جو کمتر ہے، اس چیز کے بدلے مانگ رہے ہو جو بہتر ہے، کسی شہر میں جا اترو تو یقیناً تمھارے لیے وہ کچھ ہوگا جو تم نے مانگا، اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کی طرف سے بھاری غضب کے ساتھ لوٹے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور نبیوں کو حق کے بغیر قتل کرتے تھے، یہ اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزرتے تھے۔‘‘

بنی اسرائیل نے من اور سلویٰ کو ایک کھانا اس لیے قرار دیا کہ روزانہ یہی کھانے کو ملتا اور اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی تھی، پرندوں کا گوشت اور صحرا کی فطری خودرو چیزیں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور صحت کے لیے بہترین غذا تھیں، پھر انھیں آزادی اور فراغت حاصل تھی جس میں وہ علم حاصل کر سکتے تھے اور جہاد کی تیاری کر کے عزت و اقتدار حاصل

کر سکتے تھے۔ مگر انھوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی اور ان چیزوں کا مطالبہ کرنے لگے جن کے وہ زمانۂ غلامی میں عادی تھے۔ اور جو ''من و سلویٰ'' کے مقابلے میں بالکل ہیچ تھیں، پھر اس کے لیے کھیتی باڑی میں مشغول ہونا پڑتا تھا، جو ہمیشہ فاتح قومیں مفتوح قوموں سے کرواتی ہیں اور جس میں مکمل مشغولیت کا نتیجہ ذلت و مسکنت ہے۔ سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ہل اور کھیتی باڑی کا کوئی اوزار دیکھا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: ''یہ چیزیں کسی گھر میں داخل نہیں ہوتیں مگر اللہ تعالیٰ اس گھر میں ذلت داخل کر دیتا ہے (یعنی جو حد سے زیادہ کھیتی باڑی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اپنے دینی فرائض سے بھی غافل ہو جاتے ہیں تو ذلت ان کا مقدر بن جاتی ہے)۔''

[بخاري، كتاب المزارعة، باب ما يحذر من عواقب الاشتغال بآلة الزرع ...... الخ : ٢٣٢١]

اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھیتی باڑی حرام ہے بلکہ مراد اس کام میں کھو جانا اور جہاد ترک کرنا ہے۔

یہودیوں کا مقدر ذلت و محتاجی ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ذلت و رسوائی اور محتاجی و بے نوائی کو یہودیوں سے چمٹا دیا گیا، یعنی اسے ان کے لیے شرعاً اور قدراً لازم قرار دے دیا گیا کہ وہ ہمیشہ ذلیل ہی رہیں گے جو بھی ان کو پائے گا ذلیل و رسوا ہی کرے گا اور وہ خود بھی ذلیل و رسوا ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مسلمانوں کے پاؤں تلے ذلیل و رسوا کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے ان سے جزیہ بھی وصول کیا۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نبیوں کو بغیر حق کے قتل کیا۔ انبیاء کو قتل کرنا اس قدر شنیع جرم ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روز قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہو گا جسے کسی نبی نے قتل کیا، یا جس نے کسی نبی کو قتل کیا، دوسرا اس شخص کو جو ضلالت و گمراہی کا امام ہو اور تیسرا تصویریں بنانے والے کو۔'' [مسند أحمد : ٤٠٧/١، ح : ٣٨٦٧۔ كشف الأستار عن زوائد البزار : ٢٣٨/٢، ح : ١٦٠٣]

یہود قتل انبیاء میں بہت بے باک تھے، خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض الموت میں مبتلا تھے تو آپ نے فرمایا: ''اے عائشہ! خیبر میں کھایا ہوا (زہر آلود) لقمہ مسلسل مجھے تکلیف دیتا رہا، حتیٰ کہ اب میری شہ رگ کٹنے کا وقت (آ گیا) ہے۔''

[بخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ و وفاته ......لخ : ٤٤٢٨، بعد الحديث : ٤٤٣٠]

موسیٰ علیہ السلام کی چالیس راتوں کی عبادت

﴿ وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ

هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ [الأعراف : ١٤٢]

''اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کی میعاد مقرر کی اور اسے دس راتوں کے ساتھ پورا کر دیا، سو اس کے رب کی مقررہ مدت چالیس راتیں پوری ہوگئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم میں تو میرا جانشین رہ اور اصلاح کرنا اور مفسدوں کے راستے پر نہ چلنا۔''

فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے کے بعد ضرورت لاحق ہوئی کہ بنی اسرائیل کی ہدایت و راہنمائی کے لیے کوئی کتاب انھیں دی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کے لیے کوہ طور پر بلایا، جس میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اسے چالیس کر دیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت ہارون علیہ السلام کو، جو ان کے بھائی بھی تھے اور نبی بھی، اپنا جانشین مقرر کر دیا تاکہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کا کام کرتے رہیں اور انھیں ہر قسم کے فساد سے بچائیں۔ اس آیت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا دیدارِ الٰہی کے لیے سوال

﴿ وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الأعراف : ١٤٣]

''اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آیا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھے گا اور لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھ، سو اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ تو جب اس کا رب پہاڑ کے سامنے ظاہر ہوا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا، پھر جب اسے ہوش آیا تو اس نے کہا تو پاک ہے، میں نے تیری طرف توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔''

جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف ہوا تو شدتِ شوق اور غایت محبت میں اللہ تعالیٰ کی دید کا سوال کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس دنیا میں آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے، اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو مطمئن کرنے کے لیے کہا کہ اس پہاڑ کو دیکھیے، اگر وہ میری تجلی کی تاب لے آئے اور اپنی جگہ باقی رہ جائے تو آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔ چنانچہ اللہ کی تجلی پہاڑ پر ظاہر ہوئی تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور وہ اپنی جگہ باقی نہ رہ سکا اور موسیٰ علیہ السلام اس منظر کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو اللہ کی پاکی بیان کی اور دوبارہ ایسا سوال کرنے سے توبہ کی۔

فرمانِ باری تعالیٰ ﴿ لَنْ تَرٰىنِيْ ﴾ میں حرف ''لَنْ'' یہاں دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ کی نفی کے لیے استعمال ہوا

ہے، ورنہ قرآن پاک اور بہت سی متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ مومنین اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن دیکھیں گے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ [القیامۃ : ۲۲، ۲۳] ''اس دن کئی چہرے تر و تازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔''

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا حجاب بھی نور ہے، اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کے چہرۂ اقدس کے انوار سے وہ تمام مخلوق جل جائے جس تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔'' [مسلم، کتاب الإیمان، باب في قوله ﷺ : إن اللہ لا ینام ...... الخ : ۱۷۹]

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ جسے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ﴾ [الأعراف : ۱۴۳] ''اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھے گا اور لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھ، سو اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ تو جب اس کا رب پہاڑ کے سامنے ظاہر ہوا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نور میں سے اِس کی مثل ظاہر کیا۔'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی نصف خنصر انگلی (چھنگلی) کے ساتھ اشارہ کیا۔ [مستدرك حاكم : ۲۵/۱، ح : ٦٧۔ مسند أحمد : ۱۲۵/۳، ح : ۱۲۲٦٨۔ ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب و من سورة الأعراف : ۳۰۷٤]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے چہرے پر تھپڑ مارا گیا تھا، اس نے عرض کی، اے نبی! تیرے ایک انصاری صحابی نے میرے منہ پر تھپڑ مار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے بلاؤ۔'' چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے بلایا تو آپ نے فرمایا: ''تم نے اس کے منہ پر تھپڑ کیوں مارا ہے؟'' انھوں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میں یہودیوں کے پاس سے گزر رہا تھا تو میں نے سنا کہ اس نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں سے برگزیدہ کیا! میں نے سوچا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی (اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بزرگی دی ہے)؟ میں اس کی بات پر غضبناک ہو گیا اور میں نے اسے تھپڑ مار دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دیا کرو، قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرشِ الٰہی کے ایک پایہ کو پکڑے ہوئے ہوں گے، نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہوں گے یا طور پر بے ہوش ہونے کے بدلے میں بے ہوش ہوئے ہی نہیں ہوں گے۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ و لما جاء موسى لميقاتنا و كلمه ربه ﴾ : ٤٦٣٨۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسى عليه السلام : ۲۳۷۳]

موسیٰ علیہ السلام کا امتیاز اور ان کے لیے تختیوں کا عطیہ

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے لیے تمھیں چنا ہے اور یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

﴿قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ [الأعراف : ١٤٤]

''فرمایا اے موسیٰ ! بے شک میں نے تجھے اپنے پیغامات اور اپنے کلام کے ساتھ لوگوں پر چن لیا ہے، پس لے لے جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔''

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی تکریم کے طور پر انھیں خوشخبری دی کہ میں نے آپ کو اپنا رسول بنانے اور آپ سے ہم کلام ہونے کے لیے آپ کو اوروں کے مقابلے میں چن لیا ہے۔ اس لیے اس نعمت کو قبول کیجیے اور اللہ کا شکر ادا کیجیے۔ آیت میں کلمہ ''النَّاسِ'' سے مراد صرف موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے لوگ ہیں، یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے زمانے کے لوگوں پر فضیلت دی تھی۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کا سردار بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تختیوں کو لینے اور قوم کو ان میں لکھے احکام کی پیروی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [الأعراف : ١٤٥]

''اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں ہر چیز کے بارے میں نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، سو انھیں قوت کے ساتھ پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کی بہترین باتوں کو پکڑے رکھیں، عنقریب میں تمھیں نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔''

یہ تورات کی تختیاں تھیں، جن میں بنی اسرائیل کی دینی اور دنیوی راہنمائی و بھلائی کی ہر بات نوشتہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان تختیوں کو وہ اس عزم کے ساتھ لیں کہ اس میں موجود احکام پر عمل پیرا ہوں گے اور نواہی سے اجتناب کریں گے اور غیروں کی اذیت پر صبر اور درگزر کریں گے۔ لیکن جو لوگ میرے اوامر کو ٹھکرائیں گے اور میری بندگی سے اعراض کریں گے تو عنقریب دیکھ لیں گے کہ ہلاکت و بربادی ان کا انجام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے تختیوں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل اپنے ہاتھ سے لکھ دی ہے اور یہ تختیاں تورات ہی پر مشتمل تھیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''آدم اور موسیٰ علیہما السلام میں بحث ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اے آدم! آپ ہمارے والد ہیں، آپ نے ہمیں بہت گھاٹا دیا اور جنت سے نکلوا دیا۔ آدم نے کہا، تم موسیٰ ہو، اللہ نے تمھیں اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف بخشا اور تمھارے لیے اپنے ہاتھ سے تورات لکھی،

تم مجھے ایک ایسی بات (یعنی تقدیر) پر ملامت کر رہے ہو، جو اس نے میرے پیدا ہونے سے چالیس سال پہلے ہی میرے لیے مقدر کر دی تھی؟ چنانچہ آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔'' [بخاري، كتاب القدر، باب تحاج آدم و موسى عند الله : ٦٦١٤۔ مسلم، كتاب القدر، باب حجاج آدم و موسى عليهما السلام : ٢٦٥٢۔ أبو داوٗد، كتاب السنة، باب في القدر : ٤٧٠١]

بچھڑے کی پوجا کا قصہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور تشریف لے گئے اور قوم شیطان کے بہکاوے میں آ کر بچھڑے کو پوجنا شروع ہو گئی۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی اس حماقت کا علم ہوا تو اپنے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام اور قوم پر سخت ناراض ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ لَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَ لَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ يَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [الأعراف : ١٤٨، ١٤٩]

''اور موسیٰ کی قوم نے اس کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا لیا، جو ایک جسم تھا، جس کی گائے جیسی آواز تھی۔ کیا انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ بے شک وہ نہ ان سے بات کرتا ہے اور نہ انھیں کوئی راستہ بتاتا ہے۔ انھوں نے اسے پکڑا اور وہ ظالم تھے۔ اور جب وہ پشیمان ہوئے اور انھوں نے دیکھا کہ بے شک وہ تو گمراہ ہو گئے ہیں، تو انھوں نے کہا یقیناً اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور ہی خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

موسیٰ علیہ السلام جب چالیس راتوں کے لیے کوہِ طور پر گئے تو پیچھے سے سامری نامی شخص نے سونے کے زیورات اکٹھے کر کے ایک بچھڑا تیار کیا، یہ بچھڑا کچھ کچھ بیل کی آواز نکالتا تھا۔ چنانچہ سامری نے انھیں دھوکا دیا اور کہا کہ یہی ہمارا وہ معبود ہے جس نے ہمیں فرعون سے نجات دلائی تھی۔ سب نے اس کی بات مان لی اور ہارون علیہ السلام کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اس بچھڑے کی عبادت کرنے لگے۔ بنی اسرائیل کی آنکھوں پر جہالت اور گمراہی کی پٹی بندھ گئی تھی، اسی لیے تو انھیں یہ سوچنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی کہ یہ بچھڑا نہ ان سے باتیں کرتا ہے اور نہ کسی خیر کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ پھر خالق ارض و سما کے بجائے وہ ان کا معبود کیسے ہو جائے گا؟ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں واپس آئے، انھیں اس حالت میں پایا اور انھیں ان کی گمراہی کے بارے میں آگاہ فرمایا تب انھیں اپنی گمراہی کا احساس ہوا اور اپنی غلطی پر نادم ہوئے، تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے رحم و مغفرت کی دعا کی۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی سخت سرزنش

﴿ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ

﴿ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [الأعراف : ١٥٠]

''اور جب موسیٰ غصے سے بھرا ہوا، افسوس کرتا ہوا اپنی قوم کی طرف واپس آیا تو اس نے کہا بری ہے جو تم نے میرے بعد میری جانشینی کی، کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی، اور اس نے تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کے سر کو پکڑ لیا، اسے اپنی طرف کھینچتا تھا۔ اس نے کہا اے میری ماں کے بیٹے! بے شک ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھے کہ مجھے قتل کر دیتے، سو دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ کر اور مجھے ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر۔''

موسیٰ علیہ السلام کو وہاں کوہِ طور ہی پر بذریعہ وحی یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ سامری نے ایک بچھڑا تیار کیا ہے اور قوم کے بہت سے لوگ گئو سالہ پرستی میں مبتلا ہو چکے ہیں، لہٰذا وہ جب واپس اپنی قوم کے پاس آئے تو غصہ اور رنج پہلے ہی سے طبیعت میں موجود تھا، آتے ہی لوگوں سے کہا کہ میرے بعد تم نے یہ کیا گل کھلا دیے کہ فوراً کفر و شرک والی زندگی تم میں عود آئی؟ پھر اسی غصے کے عالم اور دینی حمیت کے جوش میں تختیاں نیچے پھینک دیں اور سیدنا ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال کھینچتے ہوئے کہا کہ تم نے میرا قائم مقام بن کر یہ سب کچھ کیسے برداشت کر لیا؟ اس کے مقابلہ میں سیدنا ہارون علیہ السلام نے بڑے پیار سے اور معذرت خواہانہ انداز میں کہا، میرے ماں جائے بھائی! ذرا میری بات سن لو، میں نے انھیں سمجھانے میں کچھ کوتاہی نہیں کی، مگر یہ اتنے سرکش لوگ ہیں کہ میری بات کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے، بلکہ الٹا مجھے مار ڈالنے کی دھمکیاں دینے لگے تھے، لہٰذا ان بدبختوں کو مجھ پر ہنسنے اور بغلیں بجانے کا موقع نہ دو اور یہ ہرگز نہ سمجھو کہ انھوں نے جو ظلم اور شرک کیا ہے وہ میری شہ پر کیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا شدید غصہ دو کاموں کی صورت میں ظاہر ہوا، ایک الواح کو پھینکنا اور دوسرے سیدنا ہارون علیہ السلام کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دیکھنے اور سننے میں بہت فرق ہے۔ اس بات کی طرف رہنمائی یہ حدیث بھی کرتی ہے، جس میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، مشاہدہ کرنے والا سنی ہوئی خبر والے کی طرح نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی کہ ان کی قوم کے لوگوں نے (ان کے بعد) بچھڑے کے معاملے میں کیا کیا ہے تو (انھیں غصہ تو آیا لیکن) انھوں نے تختیوں کو نہیں پھینکا، لیکن جب انھوں نے (اس چیز کا) معائنہ و مشاہدہ کیا جو ان کی قوم نے کیا تو انھوں نے تختیاں پھینک دیں اور وہ ٹوٹ گئیں۔'' [مسند أحمد : ۲۷۱/۱، ح : ۲۴۵۱۔ مستدرك حاكم : ۳۲۱/۲، ح : ۳۲۵۰۔ ابن حبان : ۶۲۱۳، ۶۲۱۴]

جب موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام پر عتاب فرمایا تو انھوں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ مجھے ان جیسا نہ سمجھیے اور ان

کے ساتھ نہ ملائیے۔ ہارون علیہ السلام نے یہاں موسیٰ علیہ السلام کو ''اے میری ماں کے بیٹے'' کہہ کر اس لیے مخاطب کیا کہ موسیٰ علیہ السلام زیادہ رحمت و شفقت کا مظاہرہ فرمائیں، ورنہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی ہیں، دونوں ایک ہی ماں باپ کے بیٹے ہیں۔ ''شَمَاتَةٌ'' کا معنی کسی نقصان پر دشمن کا خوش ہونا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ''شَمَاتَةَ الْأَعْدَاءِ'' سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کرتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَ دَرَكِ الشَّقَاءِ وَ سُوْءِ الْقَضَاءِ وَ شَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ)) ''اے اللہ! میں تجھ سے مصیبت کی سختی، تباہی تک پہنچ جانے، قضا و قدر کی برائی اور دشمنوں کے خوش ہونے سے پناہ مانگتا ہوں۔'' [بخاري، كتاب الدعوات، باب التعوذ من جهد البلاء : ٦٣٤٧]

ہارون علیہ السلام کے عاجزانہ لہجے اور عذر سے موسیٰ علیہ السلام نرم ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِأَخِيْ وَ أَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ [الأعراف : ١٥١]

''اس نے کہا اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر لے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم والا ہے۔''

سیدنا ہارون علیہ السلام کے حلیمانہ جواب سے جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت کچھ اعتدال پر آئی کہ انھوں نے اس معاملہ میں اپنے بھائی پر زیادتی کی ہے، تو فوراً اپنے پروردگار کی طرف رجوع کیا کہ مجھے بھی بخش دے اور اگر میرے بھائی سے ان لوگوں کو شرک سے باز رکھنے میں کچھ کوتاہی واقع ہوئی ہے تو اسے بھی معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

ہارون علیہ السلام بڑے عزت و عظمت والے پیغمبر تھے، معراج کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کی سیدنا ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جیسا کہ سیدنا مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام مجھے لے کر اوپر کو چل دیے، حتیٰ کہ پانچواں آسمان آ گیا اور انھوں نے دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا، کون ہے؟ جبریل نے جواب دیا، جبریل۔ پوچھا تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ فرمایا، محمد (ﷺ) ہیں۔ پوچھا گیا، کیا انھیں مدعو کیا گیا ہے؟ فرمایا، جی ہاں! دربان فرشتے نے کہا، خوش آمدید! انھیں خوش آمدید! کیا ہی اچھے آنے والے ہیں وہ۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں (پانچویں آسمان کی سیر سے) فارغ ہوا تو وہاں ہارون علیہ السلام تھے۔ جبریل علیہ السلام نے مجھے آگاہ کیا کہ یہ ہارون علیہ السلام ہیں، انھیں سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور کہا، صالح بھائی اور نیک نبی کے لیے مرحبا۔'' [بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ٣٨٨٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ١٦٢]

بچھڑے کے پجاری غضب الٰہی کا شکار ہوئے

بچھڑے کی پرستش کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب یہ ہوا کہ جب تک ان میں سے بعض نے بعض کو قتل نہیں کیا ان کی توبہ قبول نہیں ہوئی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖۚ وَ فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴾

[الأعراف : ١٥٢ تا ١٥٤]

’’بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو پکڑا عنقریب انھیں ان کے رب کی طرف سے بڑا غضب پہنچے گا اور بڑی رسوائی دنیا کی زندگی میں اور ہم جھوٹ باندھنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے برے اعمال کیے، پھر ان کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے، بے شک تیرا رب اس کے بعد ضرور بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو اس نے تختیوں کو اٹھا لیا اور ان کی تحریر میں ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔‘‘

بچھڑے کی پوجا کی وجہ سے بنی اسرائیل پر جو غضب الٰہی واقع ہوا تھا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک ان کی توبہ کو قبول نہ فرمایا جب تک ان میں سے بعض نے بعض کو قتل نہ کر دیا۔

آیت میں مذکور لفظ ﴿ وَذِلَّةٌ ﴾ سے مراد وہ ذلت و رسوائی ہے جس میں بنی اسرائیل دنیا کی زندگی میں مبتلا ہوئے۔ ہاں جنھوں نے توبہ کر لی، ان کے لیے اللہ غفور و رحیم ہے۔ معلوم ہوا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے، خواہ کفر و شرک یا نفاق اور اللہ و رسول کی مخالفت جیسا کبیرہ گناہ ہی کیوں نہ ہو، بشرطیکہ خالص توبہ ہو۔

آگے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا غصہ جب فرو ہوا اور انھیں خیال آیا کہ حالت غضب میں انھوں نے اللہ کی طرف سے دی گئی تختیاں زمین پر پھینک دی تھیں تو انھیں فوراً اٹھا لیا، کیونکہ وہ تو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت و رحمت کا سرچشمہ تھیں۔

بنی اسرائیل کا بچھڑے کی پوجا کرنے کا واقعہ سورۂ طٰہٰ کی روشنی میں

﴿ وَ مَاۤ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِيْ وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ۬ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴾

[طه : ٨٣ تا ٨٦]

’’اور تجھے تیری قوم سے جلد کیا چیز لے آئی اے موسیٰ!؟ کہا وہ یہ میرے نشان قدم پر ہیں اور میں تیری طرف

جلدی آ گیا اے میرے رب! تاکہ تو خوش ہو جائے۔ فرمایا پھر بے شک ہم نے تو تیری قوم کو تیرے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے اور انھیں سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ تو موسیٰ اپنی قوم کی طرف پلٹا غصے سے بھرا ہوا، افسوس کرتا ہوا، کہا اے میری قوم! کیا تمھارے رب نے تمھیں اچھا وعدہ نہ دیا تھا؟ پھر کیا وہ مدت تم پر لمبی ہوگئی، یا تم نے چاہا کہ تم پر تمھارے رب کی طرف سے کوئی غضب اترے؟ تو تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی۔''

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو لے کر طور کے پاس جائیں اور وہاں چالیس دن اور رات کا روزہ رکھیں، تاکہ اللہ انھیں تورات عطا کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے ہم کلام ہونے کے شوق میں عجلت سے کام لیا اور اکیلے طور کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہہ گئے کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر اطمینان سے آئیں۔ ان کی روانگی کے بعد سامری نے بنی اسرائیل کو فتنے میں ڈال دیا۔ اس نے فرعونیوں کے چھوڑے ہوئے زیورات سے ایک بچھڑا بنایا اور اس میں جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے کھر کے نیچے کی ایک مٹھی مٹی ڈال دی، جس کی وجہ سے اس سے ایک آواز نکلنے لگی اور بنی اسرائیل اس سے متاثر ہو کر اس کی عبادت کرنے لگے اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں گئے۔ جب چالیس دن کی مدت پوری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی بنی اسرائیل کی گمراہی کی خبر دی۔

اس آیت کریمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی عجلت پر عتاب ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر تنہا آنے کی کیوں عجلت کی، جبکہ آپ کو حکم یہ تھا کہ انھیں ساتھ لے کر آتے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ لوگ میرے پیچھے آ رہے ہیں اور میں نے شدت شوق میں جلدی کی تھی، تاکہ تیرے حکم کی بجا آوری میں مجھ سے ذرا بھی تاخیر نہ ہو اور تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا کہ ہم نے آپ کی روانگی کے بعد آپ کی قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے انھیں گمراہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام کو شدید غصہ آیا اور وہ بنی اسرائیل کے حال پر کف افسوس ملنے لگے اور واپس آ کر ان سے باز پرس کی اور انھیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ یاد دلایا کہ اس نے تو مجھے طور سینا کے پاس اس لیے بلایا تھا کہ تمھیں تورات دے، لیکن تم احسان فراموش نکلے اور چند دن بھی میرا انتظار نہ کر سکے اور مجھ سے عقیدۂ توحید پر ثابت قدم رہنے کا جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دے دی۔

انھوں نے وعدہ خلافی کا نہایت بودا عذر پیش کیا کہ اس وعدہ خلافی میں ہمارا کوئی اختیار ہی نہ تھا سامری نے ہمیں پھسلایا ہی اس طرح کہ ہم میں نیک و بد کی پہچان ہی نہ رہ گئی۔

﴿ قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَ لٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمْ وَ اِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ۝ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّ لَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ﴾ [طٰہٰ : ۸۷ تا ۸۹]

''انھوں نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے تیرے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی اور لیکن ہم پر لوگوں کے زیوروں

کے کچھ بوجھ لاد دیے گئے تھے تو ہم نے انھیں پھینک دیا، پھر اس طرح سامری نے (بنا) ڈالا۔ پس اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا، جو محض جسم تھا، اس کے لیے گائے کی آواز تھی، تو انھوں نے کہا یہی تمھارا معبود اور موسیٰ کا معبود ہے، سو وہ بھول گیا۔ تو کیا وہ دیکھتے نہیں کہ وہ نہ ان کی کسی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان کا مالک ہے اور نہ کسی نفع کا۔''

بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم نے اپنی مرضی سے آپ سے کیے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ ہوا یہ کہ ہماری عورتوں کے پاس فرعونیوں کے زیورات تھے، جب آپ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو ''سامری'' نے ہم سے کہا کہ یہ تاخیر اس لیے ہو رہی ہے کہ تمھارے پاس فرعونیوں کی عورتوں کے جو زیورات ہیں وہ تمھارے لیے حلال نہیں ہیں، اس لیے تم لوگ ان سے چھٹکارا حاصل کر لو۔ چنانچہ ہم نے تمام زیورات کو ایک گڑھے میں پھینک دیا، پھر سامری نے ان زیورات سے ایک بچھڑا بنا لیا، جس سے ایک آواز نکلنے لگی تو سامری اور اس کے ساتھیوں نے لوگوں سے کہا کہ یہی ہمارا اور موسیٰ کا رب ہے، موسیٰ علیہ السلام نے غلطی کی ہے کہ اپنے رب کی تلاش میں طور کی طرف گئے ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عقل کے دشمن انھی بچھڑے کے پجاریوں کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ کیا وہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ وہ بچھڑا نہ ان کی کسی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کا کوئی نفع و نقصان اس کے اختیار میں ہے، پھر اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

سیدنا ہارون علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے منع کرنا

﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَ اَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ﴾ [طٰہٰ : ۹۰ تا ۹۴]

''اور بلاشبہ یقیناً ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم! بات یہی ہے کہ اس کے ساتھ تمھاری آزمائش کی گئی ہے اور یقیناً تمھارا رب رحمان ہی ہے، سو میرے پیچھے چلو اور میرا حکم مانو۔ انھوں نے کہا ہم اسی پر مجاور بن کر بیٹھے رہیں گے، یہاں تک کہ موسیٰ ہماری طرف واپس آئے۔ کہا اے ہارون! تجھے کس چیز نے روکا، جب تو نے انھیں دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ کہ تو میری پیروی نہ کرے؟ تو کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ اس نے کہا اے میری ماں کے بیٹے! نہ میری ڈاڑھی پکڑ اور نہ میرا سر، میں تو اس سے ڈرا کہ تو کہے گا تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔''

ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تنبیہ کی تھی کہ تم لوگ بچھڑے کو اپنا معبود بنا کر گمراہ ہو گئے ہو، تمھارا رب وہ اللہ ہے

جس کی صفت رحمٰن ہے، اس لیے میری بات مانو اور اسی کی عبادت کرو، تو ان گمراہ لوگوں نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے تک ہم اپنے اسی معبود کی عبادت کریں گے۔ ہارون علیہ السلام نے جب اس بت پرستی پر ان کا اصرار دیکھا تو ان بارہ ہزار افراد کو لے کر الگ ہو گئے جنھوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام جب واپس پہنچے اور لوگوں کو بچھڑے کے گرد ناچتے اور گاتے دیکھا تو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہنے لگے کہ جب آپ نے ان کو گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو آ کر مجھے خبر کیوں نہ کی، آپ نے میرے حکم کی کیسے مخالفت کی! شدت ناراضی میں ان کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے، تو ہارون علیہ السلام نے کہا کہ میری ماں جائے بھائی! میری داڑھی اور سر کے بال نہ کھینچو، میں نے تو یہ سوچا کہ اگر میں صرف موحدین کو لے کر تمھارے پاس آ جاتا ہوں اور بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کو چھوڑ دیتا ہوں تو تم کہو گے کہ آپ نے بنی اسرائیل کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور میری بات کا خیال نہیں کیا کہ میری عدم موجودگی میں ان کی دیکھ بھال کیجیے گا۔

آیت میں مذکور لفظ "لِحْيَةٌ" سے مراد داڑھی ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کی عظیم سنت ہے اور امور فطرت میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بہت سی احادیث اس کی فرضیت و اہمیت پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مشرکین کی مخالفت کرو، یعنی داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو کاٹو۔'' اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''مونچھیں اچھی طرح کاٹو اور داڑھیاں چھوڑ دو۔'' [بخاري، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار : ٥٨٩٢، ٥٨٩٣۔ مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة : ٢٥٩/٥٤]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مونچھیں کاٹو اور داڑھیوں کو ڈھیل دے دو اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔'' [مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة : ٢٦٠]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مونچھیں کاٹنے اور داڑھی چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ [مسلم، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة : ٢٥٩/٥٣]

سامری نے بچھڑا کیسے بنایا تھا؟

﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ﴾ [طه : ٩٥، ٩٦]

''کہا تو اے سامری! تیرا معاملہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی، سو میں نے رسول کے پاؤں کے نشان سے ایک مٹھی اٹھا لی، پھر میں نے وہ ڈال دی اور میرے دل نے اسی طرح کرنا میرے لیے خوشنما بنا دیا۔''

جمہور مفسرین نے ﴿ الرَّسُوۡلِ ﴾ سے مراد جبریل علیہ السلام لیے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جبریل کے گھوڑے کو گزرتے ہوئے سامری نے دیکھا اور اس کے قدموں کے نیچے کی مٹی اس نے سنبھال کر رکھ لی، جس میں کچھ خرق عادت اثرات تھے۔ اس مٹی کی مٹھی اس نے پگھلے ہوئے زیورات یا بچھڑے میں ڈالی تو اس میں سے ایک قسم کی آواز نکلنی شروع ہوگئی جو ان کے فتنے کا باعث بن گئی۔

سامری کی سزا اور بچھڑے کو جلانا

موسیٰ علیہ السلام نے سامری کا عذر گناہ سن کر جو بدتر از گناہ تھا اسے ایسی سزا سنائی جو شاید کسی کو بھی نہ دی گئی ہو۔

﴿ قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِی الۡحَيٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَ اِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰۤی اِلٰهِكَ الَّذِیۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِی الۡيَمِّ نَسۡفًا ﴾ [طٰہٰ : ۹۷]

”کہا پس جا کہ بے شک تیرے لیے زندگی بھر یہ ہے کہ کہتا رہے ”ہاتھ نہ لگانا“ اور بے شک تیرے لیے ایک اور بھی وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی تجھ سے ہرگز نہ کی جائے گی اور اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو مجاور بنا رہا، یقیناً ہم اسے ضرور اچھی طرح جلائیں گے، پھر یقیناً اسے ضرور سمندر میں اڑا دیں گے، اڑانا اچھی طرح۔“

موسیٰ علیہ السلام نے سامری کی زبانی تفصیلات سننے کے بعد اللہ کے حکم سے اسے شہر بدر کر دیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ کوئی آدمی بھی اس سے بات نہ کرے اور ہر شخص اس سے قطع تعلق کرے۔ ایک مفہوم تو یہ ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے اسے اللہ کا یہ فیصلہ سنا دیا کہ اسے ہمیشہ کے لیے چھوت چھات کی بدترین بیماری لگ جائے گی اور وہ جب تک زندہ رہے گا اس کا حال یہ ہوگا کہ کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دے گا اور ہر شخص سے کہے گا کہ میرے قریب نہ آؤ۔ ﴿ لَا مِسَاسَ ﴾ کا بہترین مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سامری پر لوگوں کی قربت کو حرام کر دیا، وہ جب بھی کسی کو چھوتا تو دونوں کو شدید بخار آ جاتا، اس لیے کسی آدمی کو اپنے سے قریب ہوتے دیکھ کر بھاگ پڑتا اور چیخنے لگتا کہ میرے قریب نہ آؤ۔ چنانچہ وہ شہر سے نکل کر جنگل میں چلا گیا اور جانوروں کی سی زندگی گزارنے لگا اور اسی حال میں مر گیا۔ یہ دنیاوی سزا تھی جو سامری کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی اور عذاب آخرت کے بارے میں اسے بتایا گیا کہ اس کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آ جائے گا تو اسے عذاب بھگتنا پڑے گا اور وہ کسی صورت بھی اس سے بچ نہیں سکے گا۔

آیت کے آخر میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا کہ تم جس معبود کے سامنے ہر دم جھکے رہتے تھے، ہم اسے جلا کر خاکستر بنا دیں گے اور اس کی راکھ سمندر میں پھینک دیں گے، تاکہ اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، درحقیقت ان کا مقصد سامری اور دیگر بت پرستوں کے سامنے ان کے اس جھوٹے معبود کی حقارت کا اظہار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا عمل اس بات کی دلیل ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کے لیے جو چیز بھی استعمال ہو رہی ہو اسے مسمار کرنا،

جلانا اور اس کا نام و نشان مٹا دینا لازم ہے، خواہ وہ کوئی بت ہو یا درخت یا قبر۔ ابو الہیاج الاسدی (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے داماد) فرماتے ہیں کہ مجھے علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا؟ وہ یہ ہے کہ کسی مجسّمے کو نہ چھوڑو جسے مٹا نہ دو اور کسی اونچی قبر کو نہ چھوڑو جسے برابر نہ کر دو۔'' [مسلم، کتاب الجنائز، باب الأمر بتسویة القبر : ٩٦٩]

اللہ کی شان دیکھیے، اونچی قبریں برابر کرنے پر علی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا جنھیں تمام قبر پرست، اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی دنیوی و اخروی ذلت و رسوائی کا باعث اہلِ کتاب کی پیروی میں قبر پرستی اور شرک کی دوسری صورتوں میں مبتلا ہونا اور توحید سے منہ موڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو اپنی توحید کی طرف پلٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سامری کو مخاطب ہونے کے بعد موسیٰ نے قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ [طه : ٩٨]

''تمھارا معبود تو اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔''

سامری کے مشرکانہ عقیدے اور بت پرستی کی تردید کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے عقیدۂ توحید بیان کیا کہ تم سب کا معبود اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے، وہ بچھڑا بھی نہیں جس کے ذریعے سے سامری نے تم سب کو گمراہ کر دیا تھا۔ پھر کہا کہ اس ذات واحد کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور اس کے سوا ہر شخص کا علم اور قدرت ناقص ہے۔ اس لیے اس ذات واحد کے سوا کوئی دوسرا معبود کیسے ہو سکتا ہے؟

ستر علمائے بنی اسرائیل کوہِ طور پر

موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ستر علماء کے ساتھ کوہِ طور پر قوم کی گوسالہ پرستی سے توبہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں جہاں وہ ایک اور آزمائش کا سامنا کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ﴾ [الأعراف : ١٥٥]

''اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے مقررہ وقت کے لیے چنے، پھر جب انھیں زلزلے نے پکڑا تو اس نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو انھیں اس سے پہلے ہلاک کر دیتا اور مجھے بھی، کیا تو ہمیں اس کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بے وقوفوں نے کیا ہے؟ یہ نہیں ہے مگر تیری آزمائش، جس کے ساتھ تو گمراہ

کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جسے چاہتا ہے، تو ہی ہمارا یار و مددگار ہے، سو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بخشنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ بنی اسرائیل کے ستر (۷۰) منتخب آدمیوں کو لے کر کوہ طور پر جائیں اور بنی اسرائیل نے جو بچھڑے کی پرستش کی ہے اس کی معافی کے لیے اللہ کے سامنے توبہ و استغفار کریں۔ جب وہ لوگ مقررہ جگہ پہنچے تو اچانک ایک زلزلہ آیا اور وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! اگر تو چاہتا تو انھیں اور مجھے یہاں آنے سے پہلے بھی ہلاک کر سکتا تھا۔ اے اللہ! تو ہمیں ہمارے نادانوں نے جو کچھ کیا اس کی وجہ سے ہلاک نہ کر۔ یہ تو تیری ہی طرف سے ایک آزمائش تھی، جس میں تو نے انھیں ڈال دیا تھا۔ حقیقت میں گمراہی اور ہدایت تو تیرے ہاتھ میں ہے۔ اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ زندہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت پرہیزگاروں کے لیے ہے

﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾
[الأعراف: ١٥٦]

''اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی، بے شک ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ فرمایا میرا عذاب، میں اسے پہنچاتا ہوں جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، سو میں اسے ان لوگوں کے لیے ضرور لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور (ان کے لیے) جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔''

پہلے موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے گناہوں کی معافی مانگی اور اس کے بعد دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کا یہ جواب دیا کہ میں گناہ گاروں میں سے جسے چاہتا ہوں عذاب دیتا ہوں اور اس کی حکمت کو میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہوتی ہے اور جسے چاہتا ہوں معاف کر دیتا ہوں۔ دنیا میں میری رحمت ہر نیک و بد اور تمام مخلوقات کے لیے عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اسی رحمتِ عامہ کی وجہ سے دنیا میں ہر جاندار کو روزی ملتی ہے، دنیاوی نعمتوں میں ہر نیک و بد شریک ہے، لیکن آخرت کی نعمت، جسے رحمتِ خاصہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، وہ صرف اللہ کے ان بندوں کے ساتھ خاص ہوگی جو اس دنیاوی زندگی میں گناہوں سے بچیں گے، زکاۃ دیں گے اور اللہ کی آیتوں پر ایمان لائیں گے اور ان پر عمل کریں گے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: « اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا

عَذَابَ النَّارِ ﴾ ''اے اللہ! اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے۔'' [بخاري، كتاب الدعوات، باب قول النبي ﷺ : ربنا اتنا في الدنيا حسنة : ٦٣٨٩]

آیت کریمہ میں مذکور الفاظ ﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ میرا عذاب تو صرف ان کافروں اور نافرمانوں کے لیے مخصوص ہے جنھیں میں ان کی نافرمانی پر سزا دینا چاہتا ہوں، کیونکہ عذاب دینا میری غالب صفت نہیں بلکہ وہ میرا ایک فعل ہے جو عدل کے تقاضے کے نتیجے میں ظاہر ہوتا ہے۔ میری اصل اور غالب صفت جس کے ساتھ کائنات کا نظام چل رہا ہے، وہ میری رحمت ہے، جس سے کائنات کی ہر چیز فیض یاب ہو رہی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنا میں ایک دیہاتی صحابی نے حالت نماز میں کہا، اے اللہ ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی دوسرے پر رحم نہ فرما۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو اس دیہاتی صحابی سے فرمایا: ''تم نے ایک بڑی وسیع چیز کو محدود کر دیا۔'' اس سے آپ کی مراد اللہ کی رحمت تھی۔ [بخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم : ٦٠١٠]

اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں بھی خاص نیکوکاروں کے لیے ہوتی اور کفر و نافرمانی پر فوراً مؤاخذہ ہوتا تو وہ روئے زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کیے، ننانوے (۹۹) حصے اپنے پاس رکھے اور زمین پر (صرف) ایک حصہ بھیجا، تو اسی ایک حصے کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے اور وحشی جانور اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہیں اور رحمت کے ننانوے حصے اس نے اپنے پاس رکھے ہیں، جن کے ساتھ وہ قیامت والے دن اپنے (موحد) بندوں پر رحم کرے گا۔'' [مسلم، كتاب التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى : ٢٧٥٢، ٢٧٥٣۔ بخاري، كتاب الأدب، باب جعل الله رحمة في مائة جزء : ٦٠٠٠]

گائے ذبح کرنے کا واقعہ

بنی اسرائیل میں گائے کی تقدیس کا عقیدہ غلامی کے زمانے سے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس عقیدے کو ختم کرنے کے لیے کوئی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔

﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ

لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴾ [البقرة : ٦٧ تا ٧١]

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو، انھوں نے کہا کیا تو ہمیں مذاق بناتا ہے؟ کہا میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہو جاؤں۔ انھوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر، وہ ہمارے لیے واضح کرے وہ (گائے) کیا ہے؟ کہا بے شک وہ فرماتا ہے بے شک وہ ایسی گائے ہے جو نہ بوڑھی ہے اور نہ بچھڑی، اس کے درمیان جوان عمر کی ہے، تو کرو جو تمھیں حکم دیا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر، وہ ہمارے لیے واضح کرے اس کا رنگ کیا ہے؟ کہا بے شک وہ فرماتا ہے کہ بلاشبہ وہ گائے زرد رنگ کی ہے، اس کا رنگ خوب گہرا ہے، دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے۔ انھوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر، وہ ہمارے لیے واضح کرے وہ (گائے) کیا ہے؟ بے شک گائیں ہم پر ایک دوسری کے مشابہ ہوگئی ہیں اور یقیناً ہم اگر اللہ نے چاہا تو مقصد کو پہنچنے ہی والے ہیں۔ کہا بے شک وہ فرماتا ہے کہ بے شک وہ ایسی گائے ہے جو نہ جوتی ہوئی ہے کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہے، صحیح سالم ہے، اس میں کسی اور رنگ کا نشان نہیں۔ انھوں نے کہا اب تو صحیح بات لایا ہے۔ پس انھوں نے اسے ذبح کیا اور وہ قریب نہ تھے کہ کرتے۔''

مصر میں غلامی کے زمانے میں غالب قوم کے اثر سے بنی اسرائیل میں گائے کی تقدیس کا عقیدہ سرایت کر گیا تھا۔ اس کا ظہور اس وقت بھی ہوا جب موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لیے طور پہاڑ پر گئے تو انھوں نے بچھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ اب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس عقیدے کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے کوئی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اس پر انھوں نے اسے مذاق سمجھا کہ بھلا گائے بھی ذبح کی جا سکتی ہے۔ کہنے لگے کیا تو ہم سے مذاق کرتا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ جاہلوں سے ہو جاؤں۔ معلوم ہوا مذاق اور ٹھٹھا جاہلوں کا کام ہے، البتہ مزاح اور خوش طبعی الگ چیز ہے اس میں کوئی بات حقیقت کے خلاف نہیں ہوتی، نہ اس میں کسی کی تحقیر و تنقیص ہوتی ہے۔ بلکہ جس سے خوش طبعی کی جائے وہ خود بھی خوشی محسوس کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی مزاح کیا کرتے تھے۔

آیت کریمہ میں مذکور لفظ ''بَقَرَةً'' کی تنوین سے ظاہر ہے کہ وہ کوئی گائے ذبح کر دیتے تو کافی تھا۔ مگر وہ تو گائے ذبح کرنے پر آمادہ ہی نہ تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے سرتابی بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انھوں نے پے در پے سوال کیے، جن کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کسی طرح جان چھوٹ جائے، مگر وہ جتنے سوال کرتے گئے پھنستے گئے، آخر اس شوخ زرد رنگ کی گائے پر بات آ پہنچی جو عبادت کے لیے مثال سمجھی جاتی تھی۔

اس واقعہ سے بیجا سوالات کی قباحت بھی ظاہر ہے۔ عمل پر آمادہ انسان زیادہ سوالات کرتا ہی نہیں۔ نبی ﷺ نے

اس سے خاص طور پر بچنے کی تاکید بھی فرمائی ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھے چھوڑے رکھو جب تک میں تمھیں (کسی چیز کا حکم دینے میں) چھوڑے رکھوں، کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرت سے سوال اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے برباد ہو گئے۔ میں جب تمھیں کوئی حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اسے لے لو اور جب میں تمھیں کسی چیز سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو۔'' [مسلم، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر : ۱۳۳۷]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جو تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ مجھے لکھ دیجیے، تو انھوں نے لکھا کہ آپ ﷺ بے فائدہ بہت سوال کرنے سے منع کرتے تھے اور مال ضائع کرنے اور ماؤں کی نافرمانی کرنے سے منع کرتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے اور اپنا حق محفوظ رکھنے اور دوسروں کا حق نہ دینے سے اور بلا ضرورت مانگنے سے منع فرماتے تھے۔ [بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من كثرة السؤال ...... الخ : ۷۲۹۲۔ مسلم، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل ...... الخ : ۵۹۳، بعد الحديث : ۱۷۱۵]

مقتول کو زندہ اور قاتل کا تعین کرنا

﴿ وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ [البقرة : ۷۲، ۷۳]

''اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا، پھر تم نے اس کے بارے میں جھگڑا کیا اور اللہ اس بات کو نکالنے والا تھا جو تم چھپا رہے تھے۔ تو ہم نے کہا اس پر اس کا کوئی ٹکڑا مارو، اس طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا اور تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، تاکہ تم سمجھو۔''

بنی اسرائیل کے کسی شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا اور جو لوگ قاتل کو جانتے تھے انھوں نے اس پر پردہ ڈال دیا، اب وہ ایک دوسرے پر الزام دھرنے لگے اور جھگڑا شروع ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے ذبح شدہ گائے کا کوئی حصہ مقتول پر مارنے کا حکم دیا، جس سے اس نے زندہ ہو کر مقتول کی نشاندہی کر دی۔ شروع سے یہودیوں کی عادت بد ہے کہ وہ پہلے قتل و غارت اور فتنہ و فساد کرتے ہیں اور پھر حقائق کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے پتھر سے ایک لڑکی کا سر کچل ڈالا اور وہ اس کے چاندی کے زیور اتار کر لے گیا، پھر اس لڑکی کو نبی کریم ﷺ کے پاس لایا گیا تو اس کے جسم میں جان ابھی باقی تھی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تجھے فلاں نے مارا؟'' اس نے سر کے اشارے سے کہا کہ نہیں، آپ نے دوبارہ پوچھا (کہ کیا فلاں نے مارا؟) تو اس نے سر کے اشارے سے انکار کیا۔ آپ نے جب تیسری مرتبہ (ایک یہودی کے بارے میں) پوچھا تو اس نے سر کے اشارے سے اقرار کیا، چنانچہ آپ نے اس یہودی کو دو پتھروں میں کچل کر قتل کر دیا۔ [بخاري، كتاب الديات، باب من أقاد

بالحجر : ٦٨٧٩۔ مسلم، کتاب القسامة، باب ثبوت القصاص في القتل بالحجر وغيره ...... الخ : ١٦٧٢]

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ﴾ سے صاف ظاہر ہے کہ گائے کا ٹکڑا مارنے سے وہ مقتول زندہ ہوگیا، فرمایا: اس طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، تاکہ تم سمجھو۔ یعنی یہ واقعہ قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرنے کی بھی دلیل اور ایک نشانی ہے۔ کیونکہ جو ایک مردہ کو زندہ کرسکتا ہے وہ تمام مردوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے۔

سیدنا موسیٰ و خضر علیہما السلام کے سفر میں پر اسرار واقعات

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اولو العزم رسل میں سے ایک بلند مرتبہ اور صاحب قدر و منزلت رسول ہیں۔ ایک دفعہ وہ مجمع عام میں خود کو سب سے بڑا عالم کہہ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا اور انھیں ان سے بڑے عالم کی خبر دی اور پھر ان سے حصول علم کی خبر دی اور پھر ان سے حصول علم کی خواہش موسیٰ علیہ السلام کو ایک طویل صبر آزما اور علمی سفر پر روانہ کر دیتی ہے۔ اس واقعہ میں علم، حصول علم اور معلم و متعلّم کے بے شمار فضائل و مناقب پنہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں اس واقعے کی تفصیلات ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ٞ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ٞ وَ مَاۤ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَ اتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ٜ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ٜ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ٜ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اِسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ

يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖۗ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۚ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ [الكهف : ٦٠ تا ٨٢]

’’اور جب موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا میں نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں، یا مدتوں چلتا رہوں۔ تو جب وہ دونوں ان کے آپس میں ملنے کے مقام پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، تو اس نے اپنا راستہ سمندر میں سرنگ کی صورت بنالیا۔ پھر جب وہ آگے گزر گئے تو اس نے اپنے جوان سے کہا ہمارا دن کا کھانا لا، بے شک ہم نے اپنے اس سفر سے تو بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔ اس نے کہا کیا تو نے دیکھا جب ہم اس چٹان کے پاس جا کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی بھول گیا اور مجھے وہ نہیں بھلائی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے اپنا راستہ سمندر میں عجیب طرح سے بنالیا۔ اس نے کہا یہی ہے جو ہم تلاش کر رہے تھے، سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے۔ تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے ہاں سے ایک رحمت عطا کی اور اسے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا۔ موسیٰ نے اس سے کہا کیا میں تیرے پیچھے چلوں؟ اس (شرط) پر کہ تجھے جو کچھ سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ بھلائی مجھے سکھا دے۔ اس نے کہا بے شک تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ اور تو اس پر کیسے صبر کرے گا جسے تو نے پوری طرح علم میں نہیں لیا۔ اس نے کہا اگر اللہ نے چاہا تو تو مجھے ضرور صبر کرنے والا پائے گا اور میں تیرے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ کہا پھر اگر تو میرے پیچھے چلا ہے تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں مت پوچھنا، یہاں تک کہ میں تیرے لیے اس کا کچھ ذکر شروع کروں۔ سو دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے اسے پھاڑ دیا۔ کہا کیا تو نے اسے اس لیے پھاڑ دیا ہے کہ اس کے سواروں کو غرق کر دے، بلاشبہ یقیناً تو ایک بہت بڑے کام کو آیا ہے۔ کہا کیا میں نے نہ کہا تھا کہ یقیناً تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ کہا مجھے اس پر نہ پکڑ جو میں بھول گیا اور مجھے میرے معاملے میں کسی مشکل میں نہ پھنسا۔ پھر وہ دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ ایک لڑکے سے ملے تو اس نے اسے قتل کر دیا۔ کہا کیا تو نے ایک بے گناہ جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کر دیا، بلاشبہ یقیناً تو ایک بہت برے کام کو آیا ہے۔ کہا کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ یقیناً تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ کہا اگر میں تجھ سے اس کے بعد کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً تو میری طرف سے پورے عذر کو پہنچ چکا ہے۔ پھر وہ دونوں چلے،

یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی والوں کے پاس آئے، انھوں نے اس کے رہنے والوں سے کھانا طلب کیا تو انھوں نے انکار کر دیا کہ ان کی مہمان نوازی کریں، پھر انھوں نے اس میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے تو اس نے اسے سیدھا کر دیا۔ کہا اگر تو چاہتا تو ضرور اس پر کچھ اجرت لے لیتا۔ کہا یہ میرے درمیان اور تیرے درمیان جدائی ہے، عنقریب میں تجھے اس کی اصل حقیقت بتاؤں گا جس پر تو صبر نہیں کر سکا۔ رہی کشتی تو وہ چند مسکینوں کی تھی، جو سمندر میں کام کرتے تھے، تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی چھین کر لے لیتا تھا۔ اور رہا لڑکا تو اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے تو ہم ڈرے کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا۔ تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کو ان کا رب اس کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور شفقت میں زیادہ قریب ہو۔ اور رہ گئی دیوار تو وہ شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک تھا تو تیرے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، تیرے رب کی طرف سے رحمت کے لیے اور میں نے یہ اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ یہ ہے اصل حقیقت ان باتوں کی جن پر تو صبر نہیں کر سکا۔''

سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا، نوف بکالی (جو کعب احبار کا ربیب ہے، اس) کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ وہ موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اللہ کا دشمن غلط کہتا ہے، ہمیں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ آپ سے پوچھا گیا، سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا، میں۔ چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی، کیونکہ آپ نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی تھی (یعنی یوں نہیں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ دو دریاؤں کے سنگم پر میرا ایک بندہ ہے، جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی، یا رب! میں اس سے کیسے مل سکتا ہوں؟ رب تعالیٰ نے فرمایا، ٹوکری میں ایک مچھلی رکھ کر ساتھ لے لو، جہاں وہ گم ہو جائے وہ وہیں ملیں گے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی لے کر ٹوکری میں رکھ لی اور (سفر پر) روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے خادم یوشع بن نون بھی تھے۔ (چلتے چلتے) وہ ایک چٹان کے پاس پہنچے اور دونوں سر رکھ کر سو گئے۔ (اس دوران میں) ٹوکری میں مچھلی تڑپی اور ٹوکری سے نکل کر سمندر میں جا گری، سمندر میں وہ ایک سرنگ سی بناتی گزر گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی گزرگاہ سے پانی کی روانی روک دی تھی اور یوں وہ ایک طاق سا بن گیا۔ (یہ منظر یوشع نے دیکھا تھا، پھر) جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع بن نون انھیں مچھلی کے بارے میں بتانا بھول گئے۔ چنانچہ وہ دن کا بقیہ حصہ اور بعد ازاں رات بھر چلتے رہے۔ اگلے دن

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''ہمارا دن کا کھانا لا، بے شک ہم نے اپنے اس سفر سے تو بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔'' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ تب محسوس ہوئی جب وہ اس جگہ سے آگے چل پڑے جہاں پہنچنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ تب آپ کے خادم نے آپ سے عرض کی: ﴿اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ ۡوَمَآ اَنْسٰىنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا﴾ ''اس نے کہا کیا تو نے دیکھا جب ہم اس چٹان کے پاس جا کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی بھول گیا اور مجھے وہ نہیں بھلائی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے اپنا راستہ سمندر میں عجیب طرح سے بنا لیا۔'' فرمایا: ''مچھلی کے لیے سرنگ بن گئی۔'' اور یہ چیز موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے لیے تعجب کا باعث تھی۔ تب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ ''اس نے کہا یہی ہے جو ہم تلاش کر رہے تھے، سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے۔'' وہ دونوں اپنے نشانات قدم دیکھتے دیکھتے چٹان تک جا پہنچے، دیکھا کہ ایک آدمی کپڑا اوڑھے موجود ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سلام کہا، خضر علیہ السلام نے کہا، اس سرزمین میں سلام کہاں سے آ گیا؟ آپ نے فرمایا، میں موسیٰ ہوں۔ انھوں نے کہا، بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا، جی ہاں! میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو جو علم عطا ہوا ہے وہ آپ مجھے بھی سکھا دیں۔ انھوں نے کہا: ﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا﴾ ''بے شک تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔'' اے موسیٰ! میرے پاس اللہ کی طرف سے ایک علم ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے، وہ آپ کو حاصل نہیں اور آپ کو اللہ کی طرف سے ایک علم ملا ہے جو اس نے آپ کو سکھایا ہے، وہ مجھے حاصل نہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا﴾ ''اگر اللہ نے چاہا تو تو مجھے ضرور صبر کرنے والا پائے گا اور میں تیرے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔'' سیدنا خضر علیہ السلام نے آپ سے فرمایا: ﴿قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ ''کہا پھر اگر تو میرے پیچھے چلا ہے تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں مت پوچھنا، یہاں تک کہ میں تیرے لیے اس کا کچھ ذکر شروع کروں۔'' پھر وہ دونوں چل دیے، وہ ساحل پر پیدل چل رہے تھے کہ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری، انھوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ وہ انھیں سوار کر لیں۔ انھوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان کر بغیر کرائے کے سوار کر لیا۔ جب وہ کشتی میں سوار تھے تو آپ نے اچانک دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے بسولے کے ساتھ کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا مگر آپ نے ان کی کشتی ہی توڑ دی، تاکہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں۔ یہ تو آپ نے بڑی (خطرناک) بات کر دی؟ خضر علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا﴾ ''کیا میں نے نہ کہا تھا کہ یقیناً تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔'' موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ﴾ ''مجھے اس پر نہ پکڑ جو میں بھول گیا اور مجھے میرے معاملے میں کسی مشکل میں نہ پھنسا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ پہلا سوال موسیٰ علیہ السلام سے بھول کر ہوا۔'' اس دوران میں ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے سمندر سے چونچ بھر لی۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا، میرا اور تیرا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہی (معمولی اور قلیل) ہے، جیسے سمندر کے مقابلے میں چڑیا کی چونچ میں جانے والا پانی۔ پھر (دریائی سفر مکمل ہونے پر) وہ کشتی سے نکلے، وہ کنارے پر چلے جا رہے تھے کہ اچانک خضر علیہ السلام کو ایک لڑکا نظر آیا، وہ دیگر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کا سر پکڑا اور ہاتھ کے ساتھ اس کا سر جسم سے جدا کر کے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ﴾ ''کیا تو نے ایک بے گناہ جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کر دیا، بلاشبہ یقیناً تو ایک بہت برے کام کو آیا ہے۔'' وہ کہنے لگے: ﴿ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ ''کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ یقیناً تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔'' یہ واقعہ پہلے سے زیادہ سخت تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ ﴾ ''کہا اگر میں تجھ سے اس کے بعد کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً تو میری طرف سے پورے عذر کو پہنچ چکا ہے۔ پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی والوں کے پاس آئے، انھوں نے اس کے رہنے والوں سے کھانا طلب کیا تو انھوں نے انکار کر دیا کہ ان کی مہمان نوازی کریں، پھر انھوں نے اس میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے تو اس نے اسے سیدھا کر دیا۔'' یعنی جھکی ہوئی تھی، سو خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اسے ٹھیک کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، ہم نے ان لوگوں سے کھانا مانگا تو انھوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا: ﴿ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴾ ''اگر تو چاہتا تو ضرور اس پر کچھ اجرت لے لیتا۔'' خضر علیہ السلام نے کہا: ﴿ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴾ ''یہ میرے درمیان اور تیرے درمیان جدائی ہے، عنقریب میں تجھے اس کی اصل حقیقت بتاؤں گا جس پر تو صبر نہیں کر سکا۔'' اس کے بعد پورا واقعہ بیان فرمایا (جو سورۂ کہف کی آیت ۸۲ تک ذکر ہوا ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جی چاہتا ہے کہ کاش! موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی اور باتیں بھی بیان فرماتا۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ و إذ قال موسى لفتاه لا أبرح ...... الخ ﴾ : ٤٧٢٥۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه السلام : ٢٣٨٠]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا فرماتے تو پہلے اپنے آپ سے ابتدا فرماتے اور کہتے: ''اللہ کی رحمت ہو ہم پر اور موسیٰ پر۔'' پھر فرمایا: ''اگر وہ صبر کر لیتے تو وہ اپنے صاحب (خضر علیہ السلام)

سے بہت عجائب دیکھتے، لیکن انھوں نے خود ہی کہہ دیا: ﴿اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا﴾ ''اگر میں تجھ سے اس کے بعد کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً تو میری طرف سے پورے عذر کو پہنچ چکا ہے۔'' [أبو داوٗد، کتاب الحروف والقراءات، باب : ۳۹۸٤۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر : ۱۷۲/۲۳۸۰]

دولت کے پجاری قارون کا قصہ

تکبر ایک ایسی صفت ہے جو صرف خالق کائنات کی شان کے لائق ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس صفت کا اہل نہیں جس نے بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کسی نعمت کی وجہ سے تکبر و غرور کو اپنایا، اللہ تعالیٰ نے اسے نشانِ عبرت بنا کر رکھ دیا۔ قارون کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جس نے دولت کی بنا پر گھمنڈ اور تکبر میں مبتلا ہو کر عبرت ناک سزا پائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْهِمْ ۪ وَ اٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ۝ وَ ابْتَغِ فِیْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ﴾ [القصص : ۷٦، ۷۷]

''بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا، پس اس نے ان پر سرکشی کی اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیے کہ بلاشبہ ان کی چابیاں یقیناً ایک طاقتور جماعت پر بھاری ہوتی تھیں۔ جب اس کی قوم نے اس سے کہا مت پھول، بے شک اللہ پھولنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے اس میں آخرت کا گھر تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ مت بھول اور احسان کر جیسے اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد مت ڈھونڈ، بے شک اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

قارون صرف یہی نہیں کہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا، بلکہ امام مالک بن دینار رحمہ اللہ کے نزدیک وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی بھی تھا، لیکن کفر و سرکشی کی وجہ سے فرعون سے جا ملا تھا اور اللہ تعالیٰ نے کفر کے بالخصوص جن تین سرغنوں کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تھا، ان میں سے ایک تھا۔ اس قارون کو اللہ تعالیٰ نے بڑا مال دار بنایا تھا اور یہی اس کے کفر و طغیان کا سبب تھا اور تکبر کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ کہتا تھا کہ میں نے یہ دولت اپنے زور بازو سے حاصل کی ہے۔ قارون کو اس کی قوم یعنی بنی اسرائیل کے مسلمانوں نے نصیحت کی کہ دنیا کی چمک دمک پر اتنا زیادہ نہ اتراؤ کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ایسی خوشی کو پسند نہیں کرتا جس کے سبب انسان آخرت سے غافل ہو

جائے اور دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے، کیونکہ ہر برائی اور فساد کی جڑ یہی ہے۔ اللہ نے تمھیں دولت دی ہے، اسے کار خیر میں خرچ کر کے آخرت کی کامیابی طلب کرو اور اس دولت سے بغیر فضول خرچی اور تکبر کے اپنی ذات کو فائدہ پہنچانا نہ بھولو۔ جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، تم بھی اللہ کے بندوں کے ساتھ بھلائی کرنا نہ بھولو اور اس مال کے ذریعے سے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اس لیے کہ فساد پھیلانے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

متکبر و مغرور قارون

اس مغرور اور متکبر نے کہا کہ مجھ پر اللہ کا کوئی احسان نہیں یہ سب کچھ تو مجھے صرف اس علم کی وجہ سے دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔

﴿قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِىٓ ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِۦ مِنَ ٱلْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْـَٔلُ عَن ذُنُوبِهِمُ ٱلْمُجْرِمُونَ﴾ [القصص : ۷۸]

''اس نے کہا مجھے تو یہ ایک علم کی بنا پر دیا گیا ہے، جو میرے پاس ہے۔ اور کیا اس نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ اس سے پہلے کئی نسلیں ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ جماعت والی تھیں اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔''

ان نصیحتوں کے جواب میں اس نے کہا کہ مجھے کسب وتجارت کا جوفن آتا ہے، یہ دولت تو اسی کا نتیجہ اور ثمر ہے، اللہ کے فضل وکرم سے اس کا کیا تعلق ہے؟ یا کہنے لگا کہ اللہ نے مجھے یہ مال اس علم کی بدولت دیا ہے جو میرے پاس ہے اور مجھے اس کا حق دار سمجھ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس کافرانہ بات کا یہ جواب دیا کہ اگر طاقت اور مال اللہ کے نزدیک فضیلت کا سبب ہوتا تو گزشتہ زمانوں میں بہت سی قوموں کو اللہ ہلاک نہ کرتا، جو قارون سے زیادہ مال دار اور اس سے زیادہ طاقت ور تھیں۔ کثرتِ معاصی اور کثرتِ جرائم کے سبب جب کسی قوم کو ہلاک کیے جانے کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو انھیں مہلت نہیں دی جاتی اور ان سے پوچھا نہیں جاتا کہ انھوں نے وہ گناہ کیوں کیے تھے اور ان کے پاس عذر کیا ہے؟

قارون کا ٹھاٹھ کے ساتھ نکلنا اور قوم کی خواہش

قارون نے مال و دولت پر اپنے تکبر اور غرور کے زبانی اظہار کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اس نے لوگوں کے سامنے اس کی نمائش کا بھی اہتمام کیا۔

﴿فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ فِى زِينَتِهِۦ ۖ قَالَ ٱلَّذِينَ يُرِيدُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا يَٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ أُوتِىَ قَٰرُونُ

إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴾ [القصص : ۷۹، ۸۰]

''پس وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت میں نکلا۔ ان لوگوں نے کہا جو دنیا کی زندگی چاہتے تھے، اے کاش! ہمارے لیے اس جیسا ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے، بلاشبہ وہ یقیناً بہت بڑے نصیب والا ہے۔ اور ان لوگوں نے کہا جنھیں علم دیا گیا تھا، افسوس تم پر! اللہ کا ثواب اس شخص کے لیے کہیں بہتر ہے جو ایمان لایا اور اس نے اچھا عمل کیا اور یہ چیز نہیں دی جاتی مگر انھی کو جو صبر کرنے والے ہیں۔''

ایک دن قارون اپنی شان و شوکت اور جھوٹی کبریائی کی نمائش کے لیے اپنے تمام جاہ و حشم کے ساتھ خوبصورت ترین لباس زیب تن کیے شہر کی شاہراہ پر نکلا، جب لوگوں نے اس کا یہ تزک و احتشام دیکھا تو ان کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور دنیاوی زندگی کے خواہاں حضرات اس کا یہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر کہنے لگے کہ کاش ہمارے پاس بھی قارون جیسی دولت ہوتی اور ہم بھی اس کی طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے، یہ تو بڑی قسمت کا مالک ہے۔ بنی اسرائیل کے علمائے صالحین نے ان کی یہ بات سن کر کہا کہ تمھاری نگاہوں سے آخرت اوجھل ہوگئی ہے اور تم دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہو، حالانکہ اللہ کی جنت کے مقابلے میں دنیا کی ان عارضی نعمتوں کی کوئی حیثیت نہیں اور جنت اسے ملے گی جو ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا، مگر اس نصیحت سے وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو صبر و استقامت کے ساتھ اللہ کے دین پر قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن اور صالح بندوں کو آخرت میں جو بدلہ عطا فرمائے گا وہ اس مال و دولت سے کہیں بہتر ہے جسے تم دیکھ رہے ہو، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ کسی کے وہم و گمان میں ان کا گزر ہوا۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله ﴿ فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعين ﴾ : ٤٧٧٩۔ مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب صفة الجنة : ٢٨٢٤]

قارون کا اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسنا

اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ تکبر پسند نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اہل و عیال سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

﴿ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ﴾ [القصص : ۸۱]

''تو ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر نہ اس کے لیے کوئی جماعت تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ اپنا بچاؤ کرنے والوں سے تھا۔''

اللہ تعالیٰ نے قارون کو اس کے کفر اور تکبر کی وجہ سے اس کے گھر بار سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ اس وقت اللہ کے مقابلے میں کوئی گروہ اس کی مدد کے لیے نہیں آیا اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا۔ قارون کی اس حالت پر درج ذیل حدیث منطبق ہوتی ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک شخص اپنا تہ بند لٹکائے (فخر سے) جا رہا تھا (اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ تکبر پسند نہیں آیا، چنانچہ) اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو زمین میں دھنسا دیا اور اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔'' [بخاري، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء : ٥٧٩٠۔ مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم التبختر في المشي مع إعجابه بثيابه : ٢٠٨٨]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص دو دھاری دار چادروں میں اتراتا ہوا نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور بلا شبہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔'' [مسند أحمد : ٤٠/٣، ح : ١١٣٥٩]

قارون کے دھنسنے سے قوم کا نصیحت حاصل کرنا

قارون کے زمین میں دھنسنے سے ان لوگوں نے نصیحت حاصل کی جو مال و دولت اور جاہ و حشمت میں قارون کے مرتبے کے حصول کی تمنا کر رہے تھے۔

﴿ وَ اَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [القصص : ٨٢]

''اور جن لوگوں نے کل اس کے مرتبے کی تمنا کی تھی انھوں نے اس حال میں صبح کی کہ کہہ رہے تھے افسوس! اب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے، اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ نے ہم پر احسان کیا تو وہ ضرور ہمیں دھنسا دیتا، افسوس! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پاتے۔''

جن لوگوں نے قارون کا تزک و احتشام دیکھ کر اس جیسی دولت کی تمنا کی تھی، جب انھوں نے اسے اس کے گھر بار سمیت زمین میں دھنستے دیکھا تو اپنی تمنا پر نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق لوگوں میں روزی تقسیم کرتا ہے، کسی کو خوب روزی دیتا ہے اور کسی پر اس کے دروازے تنگ کر دیتا ہے۔ روزی میں وسعت اور تنگی نیک بختی یا بد بختی کی دلیل نہیں ہے، ورنہ قارون اپنے مال و اسباب کے ساتھ زمین میں دھنسا نہ دیا جاتا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور کبر و غرور میں مبتلا ہو کر اللہ کے دین اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں تو دنیا و آخرت میں نامرادی ان کی قسمت بن جاتی ہے۔

آخرت کی نعمتیں عجز و انکسار کرنے والے مومنوں کے لیے ہیں

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾
[القصص : ۸۳]

''یہ آخری گھر، ہم اسے ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو نہ زمین میں کسی طرح اونچا ہونے کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ کسی فساد کا اور اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔''

فرمایا کہ آخرت کا گھر اور اس کی ابدی و سرمدی اور غیر فانی نعمتوں کو اس نے اپنے ان بندوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو عجز و انکسار سے کام لیتے ہیں اور ملک میں ظلم و فساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت اور اس کی ابدی نعمتیں انھی لوگوں کو ملیں گی۔

سورۂ عنکبوت میں قارون کی مذمت

﴿ وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۫ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴾
[العنکبوت : ۳۹]

'' اور قارون اور فرعون اور ہامان کو، اور بلاشبہ یقیناً ان کے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آیا، تو وہ زمین میں بڑے بن بیٹھے اور وہ بچ نکلنے والے نہ تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے قارون، فرعون اور ہامان کو بھی ان کے کفر و استکبار کی وجہ سے ہلاک کر دیا، قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور فرعون و ہامان کو سمندر کی موجوں کے حوالے کر دیا، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس اللہ کی کھلی اور صریح نشانیاں لے کر آئے تھے۔ آپ نے انھیں توحید کی دعوت پیش کی، اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اس کی بندگی کی طرف بلایا، لیکن انھوں نے کبر کی راہ اختیار کی اور ایک اللہ کی بندگی کا انکار کر دیا، تو وہ اللہ سے بچ کر کہاں جا سکتے تھے؟

قارون کو زمین میں دھنسانے کا تذکرہ

﴿ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾
[العنکبوت : ۴۰]

'' تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ میں پکڑ لیا، پھر ان میں سے کوئی وہ تھا جس پر ہم نے پتھراؤ والی ہوا بھیجی اور ان میں سے کوئی وہ تھا جسے چیخ نے پکڑ لیا اور ان میں سے کوئی وہ تھا جسے ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کوئی وہ تھا جسے ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے اور لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا کافروں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ قومِ عاد کو ایک تیز اور ٹھنڈی ہوا کے ذریعے سے ہلاک کیا، جس نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی اور ان میں سے ہر ایک کو اوپر اٹھا کر سر کے بل زمین پر دے مارا، جس سے ان کے سر جسموں سے الگ ہو گئے۔ اصحابِ مدین اور قومِ ثمود کو چیخ کے ذریعے سے ہلاک کیا، قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور فرعون کو سمندر میں ڈبو دیا، جو کچھ ان کے ساتھ ہوا، ان کے شرک و کفر اور گناہوں کی وجہ سے ہوا، اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔

آیت مذکور میں موجود الفاظ ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ﴾ میں اشارہ قارون کی طرف ہے، جس نے سرکشی، بغاوت اور کفر کی روش اختیار کرتے ہوئے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی، زمین میں اکڑ کر چلنے لگا، بے پناہ غرور کا اظہار کر کے اترانے لگا اور اپنے آپ پر بڑا فخر کرنے لگا، وہ گمان کرتا تھا کہ زمین میں اس سے بہتر اور کوئی انسان نہیں ہے، بہر حال جب اس نے بہت ہی غرور اور فخر کے ساتھ چلنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''جو شخص اس کی محافظت کرے گا، یہ قیامت کے دن اُس کے لیے نور، دلیل اور باعث نجات بن جائے گی اور جس نے اس کی محافظت نہ کی یہ قیامت کے دن اُس کے لیے نہ نور بنے گی نہ دلیل نہ نجات کا باعث۔ وہ شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔'' [مسند أحمد : ٢/ ١٦٩]

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی شان و عظمت احادیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بے شمار معجزات سے نوازا اور انھیں نہایت بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ نبی آخر الزمان ﷺ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے فرامین میں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے، آپ کے ان فرامین میں اسلام کے اوصافِ حمیدہ کا روشن اظہار ہے۔ بخلاف یہود و نصاریٰ کے جو تعصب اور کینہ میں مبتلا اور انبیائے کرام کی توہین کے مرتکب ہیں۔

بنی اسرائیل کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کی ایذا رسانی کا واقعہ روایت کرتے ہوئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام بڑے شرمیلے اور ستر پوشی کرنے والے آدمی تھے۔ اللہ سے شرم و حیا کی وجہ سے ان کے جسم کا کوئی بھی (قابل ستر) حصہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بنی اسرائیل کے بعض لوگوں نے ان کو ستایا، وہ کہنے لگے، موسیٰ علیہ السلام جو اس قدر اپنا جسم چھپاتے ہیں تو ضرور ان میں کوئی عیب ہے، یا تو برص ہے یا فتق ہے یا پھر کوئی اور بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بے عیبی لوگوں پر ظاہر ہو جائے تو ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام (غسل کے لیے) الگ ہوئے۔ انھوں نے اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھ کر نہانا شروع کیا، جب نہا چکے اور پتھر پر سے کپڑے

لینے لگے تو پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ پڑا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی لی اور پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے بھاگے، اے پتھر! میرے کپڑے، اے پتھر! میرے کپڑے، وہ پتھر بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں جا کر رک گیا اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ دیکھ لیا۔ انھوں نے دیکھا کہ اللہ نے جو مخلوق پیدا کی ہے اس میں وہ بہترین جسم والے ہیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس عیب سے جو وہ ان کی طرف منسوب کرتے تھے، بری کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لے کر پہنے اور پتھر کو عصا سے مارنا شروع کیا۔ اللہ کی قسم! پتھر میں ان کی مار سے نشان پڑ گئے، تین یا چار یا پانچ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی تو اللہ نے اسے اس سے پاک ثابت کر دیا جو انھوں نے کہا تھا اور وہ اللہ کے ہاں بہت مرتبے والا تھا۔“ [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، بابٌ : ٣٤٠٤۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسٰى عليه السلام : ٣٣٩، بعد حديث : ٢٣٧١]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کیا تو انصار کا ایک شخص کہنے لگا، اللہ کی قسم! اس تقسیم سے محمد (ﷺ) کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی نہیں ہے۔ میں نبی ﷺ کے پاس گیا اور آپ سے اس بات کا ذکر کیا، تو غصے سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے، یقیناً ان کو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی، لیکن انھوں نے صبر کیا۔“ [بخاري، كتاب الأدب، باب من أخبر صاحبه بما يقال فيه : ٦٠٥٩۔ مسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام : ١٠٦٢]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ پر (بطور کشف و مشاہدہ کے) امتیں پیش کی گئیں تو ایک ایک دو دو نبی گزرتے رہے اور ان کے ساتھ ان کے ماننے والے بھی گزرتے رہے، کوئی نبی ایسا بھی تھا کہ اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ اتنے میں اچانک ایک بڑا گروہ میرے سامنے ظاہر ہوا، میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ کیا یہ میری امت ہے؟ لیکن مجھے بتلایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم ہے اور آپ افق کی طرف دیکھیں، (میں نے اس طرف دیکھا) تو ایک بہت بڑا گروہ تھا جو افق پر چھایا ہوا ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ ادھر ادھر آسمان کے دوسرے کناروں کی طرف دیکھو، میں نے دیکھا کہ ایک جماعت ہے جو تمام افق پر چھائی ہوئی ہے۔ مجھ سے کہا گیا، یہ آپ کی امت ہے اور اس کے ساتھ ستر ہزار آدمی ایسے ہیں جو جنت میں بغیر حساب اور عذاب کے داخل ہوں گے۔“ آپ (یہ بیان کرنے کے بعد اپنی مجلس سے) اٹھے اور گھر تشریف لے گئے۔ لوگوں نے ان لوگوں کے متعلق بحث کرنا شروع کر دی، جو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں جائیں گے۔ بعض نے کہا، شاید یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہو گا۔ بعض نے کہا، شاید یہ وہ لوگ ہوں گے جو اسلام میں پیدا ہوئے اور

اللہ تعالیٰ کے ساتھ انھوں نے کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ اس طرح انھوں نے (اپنے اپنے گمان کے مطابق) کئی چیزوں کا ذکر کیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ آپ نے پوچھا: ''تم کس چیز میں بحث کر رہے تھے؟'' انھوں نے آپ کو ساری بات بتلائی تو آپ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ خود جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور نہ کسی اور سے کرواتے ہیں اور نہ بدشگونی لیتے ہیں اور صرف اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔'' (یہ سن کر) عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا، اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا: ''تو ان میں سے ہے۔'' پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا، میرے لیے بھی دعا فرمائیں، اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا: ''عکاشہ اس معاملہ میں تجھ سے سبقت لے گیا ہے۔'' [بخاري، كتاب الطب، باب من اكتوى أو كوى غيره : ٥٧٠٥۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب : ٢٢٠]

موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایا پکڑے ہوئے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص اور یہودیوں میں سے ایک شخص کے درمیان تکرار ہوئی۔ مسلمان نے کہا، اس ذات کی قسم، جس نے محمد ﷺ کو سارے جہان والوں میں سے منتخب کیا! یہودی نے کہا، اس ذات کی قسم، جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہان والوں میں سے منتخب کیا! یہ سننا تھا کہ مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے چہرے پر ایک طمانچہ جڑ دیا۔ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور سارا واقعہ بیان کیا، جو اس کے اور مسلمان کے درمیان بیتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دیا کرو، کیونکہ (قیامت کے دن جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو) سب لوگ بے ہوش جائیں گے، پھر (دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو) سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایا پکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے ہوں گے، یا ان لوگوں میں داخل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) مستثنیٰ فرما دیا ہے۔'' [مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسى صلى الله عليه وسلم : ٢٣٧٣/١٦٠]

قیامت کے دن اہل ایمان کا موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایمان والے جمع ہوں گے اور کہیں گے، بہتر ہے کہ ہم اپنے رب کے سامنے کسی کی سفارش پہنچائیں، تو سب مل کر سیدنا آدم (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے۔ ان سے کہیں گے کہ آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور فرشتوں سے

آپ کو سجدہ کروایا اور پھر تمام چیزوں کے نام آپ کو بتائے، چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کیجیے، تا کہ وہ ہمیں اس (مصیبت کی) جگہ سے نکال کر آرام وسکون کی جگہ پہنچائے۔ وہ کہیں گے، میں اس لائق نہیں۔ دراصل وہ اپنی لغزش کو یاد کر کے (اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے) شرمائیں گے۔ وہ کہیں گے، تم نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ کہ وہ پہلے رسول ہیں جو اہل زمین کی طرف بھیجے گئے۔ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ وہ بھی کہیں گے، میں اس لائق نہیں۔ وہ اپنے رب سے اس چیز کا سوال کرنا جس چیز کا انھیں علم نہیں تھا، یاد کریں گے اور (اللہ کے پاس جاتے ہوئے) شرمائیں گے اور کہیں گے، تم رحمٰن کے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ ان کے پاس جائیں گے (اور ان سے عرض کریں گے) وہ کہیں گے، میں اس لائق نہیں ہوں، تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور انھیں تورات عنایت فرمائی۔ پھر یہ لوگ ان کے پاس جائیں گے (ان سے عرض کریں گے) وہ کہیں گے میں اس لائق نہیں۔ دراصل دنیا میں جو انھوں نے ایک جان کو بغیر جان کے قتل کیا تھا وہ اس کو یاد کر کے اپنے رب سے شرمائیں گے اور کہیں گے تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ (پھر وہ لوگ ان کے پاس جا کر ان سے عرض کریں گے) تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں، وہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں وہاں سے چل کر اللہ کے حضور حاضر ہونے کی اجازت چاہوں گا، چنانچہ مجھے اجازت ملے گی۔ میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدے میں پڑا رہنے دے گا، پھر ارشاد ہوگا، (اے میرے محبوب!) اپنا سر اٹھاؤ اور سوال کرو، تمھیں دیا جائے گا، کہو! تمھاری بات سنی جائے گی، سفارش کرو! تمھاری سفارش قبول کی جائے گی۔ تو میں سر اٹھا کر اپنے مالک کی ایسی تعریف کروں گا جو وہ اس وقت مجھے سکھائے گا۔ پھر میں سفارش کروں گا، لیکن سفارش کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ چنانچہ میں ان لوگوں کو جنت میں پہنچا دوں گا، پھر پلٹ کر اللہ کے پاس آؤں گا اور اس کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر ویسا ہی ہوگا جیسا پہلے ہوا تھا۔ اب کے پھر میرے لیے سفارش کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی، میں ان لوگوں کو بھی جنت میں پہنچا دوں گا۔ پھر تیسری بار اللہ کے پاس حاضر ہوں گا، اسی طرح پھر چوتھی بار اپنے رب کے پاس حاضر ہوں گا اور عرض کروں گا، اے میرے رب! اب تو دوزخ میں وہی لوگ رہ گئے ہیں جن کو قرآن نے روک لیا ہے اور جن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔'' [بخاری، کتاب التفسیر، باب قول اللہ تعالٰی : ﴿ و علم ادم الأسماء كلها ﴾ : ٤٤٧٦۔ مسلم، کتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها : ١٩٣]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (قیامت کے دن کے احوال کے متعلق تفصیلی روایت میں) بیان کرتے ہیں کہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: ''اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف سے رسالت اور آپ سے گفتگو کرنے کی فضیلت دی۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کہیں گے: آج اللہ تعالیٰ بہت غضب ناک ہے۔ اتنا غضب ناک تو وہ نہ پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ بس مجھے آج اپنی فکر ہے۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ ذرية من حملنا مع نوح...... الخ ﴾ : ٤٧١٢]

معراج کی رات چھٹے آسمان پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

معراج کی رات چھٹے آسمان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: ''یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں انھیں سلام کہیے!'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''میں نے انھیں سلام کہا تو انھوں نے فرمایا: ''نیک نبی اور نیک بھائی کو خوش آمدید!'' جب میں ان کے پاس سے گزر کر آگے بڑھا تو وہ آبدیدہ ہو گئے۔ ان سے کہا گیا: ''آپ کیوں اشکبار ہو گئے ہیں؟'' انھوں نے فرمایا: ''میں روتا ہوں کہ میرے بعد آنے والے ایک جوان کی امت سے اتنے افراد جنت میں داخل ہوں گے جو میری امت کے جنتیوں سے زیادہ ہوں گے۔''

[مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى السموات و فرض الصلوات : ١٦٤]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب مجھے (معراج کی) رات کو (مکہ سے بیت المقدس تک) لے جایا گیا تو میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔'' [مسند أحمد : ١٤٨/٣ و صحيح مسلم، كتاب الفضائل موسى عليه السلام، ح : ٢٣٧٥]

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا حج کعبہ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ ازرق سے گزرے تو فرمایا: ''یہ کون سی وادی ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''وادیٔ ازرق ہے۔ فرمایا: ''(میری نظروں کے سامنے وہ منظر آ گیا ہے) گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ گھاٹی سے نیچے اتر رہے ہیں اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے بلند آواز سے (لبیک) پکار رہے ہیں۔'' (پھر آپ چلتے رہے) حتیٰ کہ جب ہرشاء کی گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا: ''یہ کون سی گھاٹی ہے؟'' عرض کیا گیا: ''ہرشاء کی گھاٹی ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''گویا میں یونس بن متیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں، وہ ایک سرخ اونٹنی پر سوار ہیں،

اون کا جبہ زیب تن ہے، ان کی اونٹنی کی مہار کھجور کے پتوں (سے بنی ہوئی رسی) کی ہے اور (لبیک) پکار رہے ہیں۔''
[صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات و فرض الصلوات، حديث : ١٦٦ و مسند أحمد : ٢١٥/١ و صحيح ابن حبان : ٣٥/٨، حديث : ٦١٨٦]

مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم لوگ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں تھے کہ دجال کی بات چل نکلی کہ اس کی پیشانی پر (ک، ف، ر) لکھا ہوا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟'' مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: '' کہتے ہیں کہ اس کی پیشانی پر (ک، ف، ر) لکھا ہوا ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''میں نے یہ بات تو نبی علیہ السلام سے نہیں سنی لیکن آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا: '' ابراہیم علیہ السلام کی شکل و شباہت معلوم کرنا چاہو تو اپنے ساتھی (سیدنا محمد ﷺ) کو دیکھ لو اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے، گھنگریالے بالوں والے تھے۔ وہ ایک اونٹ پر سوار تھے جس کی نکیل کھجور کے پتوں کی تھی۔ گویا میں انھیں دیکھ رہا ہوں کہ (لبیک) پکارتے ہوئے وادی سے اتر رہے ہیں۔'' [مسند أحمد : ٢٧٧/١ و صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ، حديث : ١٦٦]

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی وفات

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف (ان کی روح قبض کرنے کے لیے) بھیجا گیا۔ جب وہ آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انھیں تھپڑ مار دیا۔ وہ اپنے ربّ تعالیٰ کے پاس گئے اور عرض کی: '' تو نے مجھے جس بندے کی طرف بھیجا ہے، وہ مرنا نہیں چاہتا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''دوبارہ ان کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ کسی بیل کی پشت پر ہاتھ رکھیں، اُن کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے، اتنے سال عمر (مزید) مل جائے گی۔'' (ملک الموت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا یہ پیغام پہنچایا۔) آپ نے فرمایا: ''یا ربّ! اس کے بعد کیا ہوگا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پھر موت آ جائے گی۔'' موسیٰ نے فرمایا: ''تب ابھی (وفات کا حکم قبول ہے۔'') اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ آپ کو ارضِ مقدس کے اتنا قریب کر دے جتنی دور پتھر جا سکتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور ارضِ مقدس کے قریب وفات دی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو آپ کی قبر مبارک دکھا دیتا جو راستے کے کنارے سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب وفات موسى و ذكره بعد، حديث : ٣٤٠٧]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' موت کا فرشتہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس روح قبض کرنے آیا اور آپ سے کہا: ''اپنے رب کے پاس چلیے!'' موسیٰ علیہ السلام نے تھپڑ مار کر موت کے فرشتے کی آنکھ پھوڑ دی۔''
[بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب وفاة موسى و ذكره بعد، حديث : ٣٤٠٧]

اس کے بعد اسی طرح پوری حدیث بیان کی جیسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بعض واقعات پیش آنے کی امید تھی اور آپ کی خواہش تھی کہ (قوم کو) وہ واقعات آپ کی زندگی میں پیش آ جائیں، مثلاً میدانِ تیہ سے نکل کر ارضِ مقدس میں پہنچنا لیکن اللہ کی تقدیر کا یہ فیصلہ تھا کہ آپ کی وفات سیدنا ہارون علیہ السلام کے بعد میدانِ تیہ ہی میں ہو۔

﴿ 17,18 ﴾

سیدنا زکریا اور سیدنا یحییٰ علیہما السلام

زکریا علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے لیے دعا

اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار بندوں کی آزمائش کبھی نعمت عطا کر کے اور کبھی نعمت نہ دے کر کرتا ہے۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کی آزمائش اولاد جیسی نعمت سے محرومی کے ساتھ ہوئی، حتیٰ کہ ایک روز زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام، جو کہ ان کی زیر کفالت تھیں، کو بے موسم پھل کھاتے دیکھا تو بے اختیار اپنے رب کو پکارا کہ الٰہی مجھے نیک اولاد سے بہرہ مند فرما۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا اور دعا کی قبولیت کا تذکرہ سورۂ مریم، آل عمران اور الانبیاء میں کیا ہے:

﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚۖ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖۗ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴾ [مریم : ۱ تا ٦]

"کٓھٰیٰعٓصٓ۔ تیرے رب کی اپنے بندے زکریا پر رحمت کا ذکر ہے۔ جب اس نے اپنے رب کو چھپی آواز سے پکارا۔ کہا اے میرے رب! یقیناً میں ہوں کہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر بڑھاپے سے شعلے مارنے لگا اور اے میرے رب! میں تجھے پکارنے میں کبھی بے نصیب نہیں ہوا۔ اور بے شک میں اپنے پیچھے قرابتداروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی شروع سے بانجھ ہے، سو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر۔ جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب! اسے پسند کیا ہوا بنا۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سیدنا زکریا علیہ السلام پر اپنے فضل و کرم کا ذکر کیا ہے جو بنی اسرائیل کے بہت ہی عظیم المرتبت نبی اور سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے والد تھے۔ انھوں نے رات کی تاریکی میں جب دنیا سو رہی تھی، اپنے رب سے سرگوشی کے انداز میں دعا کی اور کہا کہ اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں اور سر کے بال بالکل سفید ہو

گئے ہیں۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تو نے میری دعا قبول نہ کی ہو، اے میرے مالک! میرے بعد میری قوم کی باگ ڈور میرے جن رشتہ داروں کے ہاتھ میں جائے گی وہ اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر بھروسا کیا جائے، ان میں سے کوئی ایسا نہیں جو دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھ سکے، مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ میرے دعوت الی اللہ کے مقصد کو نقصان پہنچائیں گے۔ میری بیوی تو بانجھ ہے، اس لیے تو محض اپنے فضل و کرم سے مجھے ایک لڑکا عطا فرما جو علم و نبوت اور دعوت و تبلیغ کے کاموں میں میرا اور خاندان یعقوب کے دیگر انبیاء کا وارث بنے اور اے میرے رب! تو اسے بلند اخلاق و کردار والا بنا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔'' [مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل زکریا علیہ السلام : ۲۳۷۹]

زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے اللہ! تو ہمیشہ میری دعا قبول فرماتا رہا ہے اور میں نے جب بھی تجھ سے مانگا تو نے مجھے کبھی بھی محروم نہیں کیا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان (کے مطابق اس) کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے، سو جب بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوں۔ پس جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر فرشتوں کی مجلس میں یاد کرتا ہوں۔'' [بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى : ﴿ ويحذركم الله نفسه ﴾ ...... الخ : ۷۴۰۵۔ مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب الحث على ذكر الله تعالى : ۲۶۷۵]

سیدنا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے۔ قرآن مجید کی اس آیت ﴿ يَرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ﴾ سے بعض لوگ انبیاء کی دنیاوی جائداد کی وراثت کی دلیل بناتے ہیں، حالانکہ ان آیات ہی میں اس کا رد موجود ہے، کیونکہ زکریا علیہ السلام ایسے وارث کی دعا کر رہے ہیں جو ان کا اور آل یعقوب کا وارث بنے۔ ظاہر ہے کہ اولاد تو اپنے باپ کی دنیوی جائداد کی وارث ہوتی ہے، پورے خاندان اور قوم کی وارث نہیں ہوتی، اس لیے یہاں علمی ورثہ ہی مراد ہے۔ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا (یعنی انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔'' [بخاري، كتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس : ۳۰۹۳۔ مسلم، كتاب الجهاد، باب قول النبي ﷺ : لا نورث ما تركنا فهو صدقة : ۱۷۵۸، عن عائشة رضي الله عنها]

زکریا علیہ السلام نے بیٹے کا سوال کرتے ہوئے یہ دعا بھی کی کہ یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں، سب کا پسندیدہ ہو۔ اللہ جسے پسند کرلے لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، پس تو بھی اس سے محبت کر۔ تو جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر جبریل علیہ السلام آسمان والوں (فرشتوں) میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے سو تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر اس شخص کے لیے زمین میں بھی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔'' [بخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة : ۳۲۰۹۔ مسلم، كتاب البر والصلة، باب إذا أحب الله عبدًا ...... الخ : ۲٦۳۷]

دعا کی قبولیت

اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور بانجھ اور بوڑھی بیوی کو اولاد کے قابل بنا کر یحییٰ علیہ السلام عطا فرما دیے۔

﴿ يٰزَكَرِيَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴾ [مريم : ۷]

''اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہے، اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور کہا، اے زکریا! ہم آپ کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اور یہ نام اس سے پہلے کسی کا نہیں تھا۔

قبولیت دعا کے بعد تعجب

﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴾ [مريم : ۸، ۹]

''کہا اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری بیوی شروع سے بانجھ ہے اور میں تو بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ گیا ہوں۔ کہا ایسے ہی ہے، تیرے رب نے فرمایا ہے یہ میرے لیے آسان ہے اور یقیناً میں نے تجھے اس سے پہلے پیدا کیا جب کہ تو کچھ بھی نہ تھا۔''

زکریا علیہ السلام نے یہ خوش خبری پا کر، ظاہری حالات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر اظہار حیرت کیا اور کہا، میرے رب! میری بیوی کے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، کیونکہ وہ تو بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے اس مرحلے میں داخل ہو چکا ہوں جس کے بعد کوئی تدبیر اور کوئی علاج مفید نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جیسا آپ نے چاہا ویسا ہی ہوگا۔ پھر ان کی حیرت و استعجاب دور کرنے کے لیے مزید کہا، آپ کا رب کہتا ہے کہ ایسا کرنا یعنی بہت ہی بوڑھے باپ اور ہمیشہ سے بانجھ ماں سے بچہ پیدا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور میری قدرت مطلقہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں حیرت

کی آپ کے لیے کوئی بات بھی نہیں ہونی چاہیے۔ میں تو آپ کو اس سے پہلے ایک حقیر نطفہ کے ذریعے سے عدم سے وجود میں لا چکا ہوں۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا فرمایا، جسے اس نے تمام زمین سے جمع کیا، چنانچہ آدم علیہ السلام کی اولاد اس مٹی کے لحاظ سے مختلف ہوئی ہے، کئی ان میں سے سرخ ہیں اور کئی سفید، کئی سیاہ اور کئی درمیانے رنگ کے اور ان میں سے بعض نرم مزاج ہیں تو بعض سخت مزاج۔'' [أبو داوٗد، كتاب السنة، باب في القدر : ٤٦٩٣۔ ترمذي، كتاب التفسير، باب ومن سورة البقرة : ٢٩٥٥]

حمل کی علامت

زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا فرمائی کہ اے اللہ! مجھے کوئی ایسی نشانی بھی بتا دے کہ ان حالات میں ہمارے ہاں لڑکے کی پیدائش ہونے والی ہو تو مجھے پہلے سے اس کا پتا چل جائے:

﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ○ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴾ [مريم : ١٠، ١١]

''کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تندرست ہوتے ہوئے لوگوں سے تین راتیں بات نہیں کرے گا۔ تو وہ عبادت خانے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا، پس انھیں اشارے سے کہا کہ پہلے اور پچھلے پہر تسبیح کرو۔''

زکریا علیہ السلام نے کہا، میرے رب ! مجھے کوئی نشانی بتا دے، تاکہ میرے دل کو مزید اطمینان حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ کے لیے نشانی یہ ہوگی کہ زبان و جسم کے بالکل صحیح و سالم ہونے کے باوجود تین دن اور تین رات کسی سے بات نہ کر سکیں گے۔ جب زکریا علیہ السلام کی آواز بند ہوگئی تو محراب سے نکل کر فوراً اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے اشارہ کی زبان میں کہا کہ تم لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو جاؤ۔

لڑکے کی ولادت اور اس کے اوصاف

﴿ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَ كَانَ تَقِيًّا ۙ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَ لَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ○ وَ سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴾ [مريم : ١٢ تا ١٥]

''اے یحییٰ! کتاب کو قوت سے پکڑ اور ہم نے اسے بچپن ہی میں فیصلہ کرنا عطا فرمایا۔ اور اپنی طرف سے شفقت اور پاکیزگی (عطا کی) اور وہ بہت بچنے والا تھا۔ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا تھا اور وہ

سرکش، نافرمان نہ تھا۔ اور سلام اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن فوت ہوگا اور جس دن زندہ ہو کر اٹھایا جائے گا۔"

زکریا علیہ السلام کے گھر وہ لڑکا پیدا ہو گیا۔ اس کا نام خود اللہ تعالیٰ نے یحییٰ رکھا اور جب اس نے ہوش سنبھالا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا، اے یحییٰ! تورات کا علم اچھی طرح حاصل کرو۔ اس لیے کہ بنی اسرائیل کے لوگ تورات ہی پڑھتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمام انبیائے بنی اسرائیل اور علماء و احبار لوگوں کے درمیان اسی کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ وہ تورات کو اچھی طرح پڑھتے اور اس میں موجود احکام و شرائع کا فہم حاصل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں علم و حکمت، فہم تورات اور اعمال صالحہ کی توفیق دے دی تھی۔ ان کے دل میں اپنے والدین، رشتہ داروں، غیروں اور اللہ کی تمام مخلوق کے لیے رحمت و شفقت کا بے پایاں جذبہ پایا جاتا تھا۔

﴿ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا ﴾ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ کی رحمت و شفقت ہمیشہ ان کے شامل حال تھی۔ وہ گناہوں سے یکسر پاک اور ایسے نیک تھے کہ گناہ کا کبھی سوچا ہی نہیں اور اپنے ماں باپ کے ایسے مطیع و فرماں بردار تھے کہ کبھی ان کے سامنے کسی بات پر نہیں اکڑے اور نہ ان کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمام آفات و بلیات سے امن و سلامتی کی خبر دے دی اور ان کے لیے سلام و تحیہ بھیج دیا، جس دن وہ پیدا ہوئے اس دن شیطان کے چوکا لگانے سے امان میں رہے، جب وفات پائی تو قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے اور جب دوبارہ اٹھائے جائیں گے تو انھیں کوئی گھبراہٹ لاحق نہیں ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا یحییٰ علیہ السلام پر انعام خاص اور انتہائے عنایت تھی کہ ان تینوں حالات میں انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن و امان حاصل رہا کہ جب آدمی شدید خوف و وحشت محسوس کرتا ہے تو ضرورت محسوس کرتا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ ہو۔

سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو ملنے والے احکام کے حوالے سے سیدنا حارث اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو پانچ باتوں کے بارے میں حکم دیا تھا کہ وہ خود بھی اس پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں۔ قریب تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو نصیحت کرنے میں دیر کر دیتے، چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ آپ بنی اسرائیل کو بھی ان باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیں، تو اب یا تو آپ بنی اسرائیل کو ان باتوں کا حکم دیں، ورنہ میں ان کو حکم دوں گا۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا، اگر تم نے مجھ پر سبقت کی تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں دھنسا نہ دیا جاؤں اور مجھ پر عذاب نہ نازل ہو جائے۔ الغرض یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ جب پوری مسجد بھر گئی تو باقی لوگ اونچے مقامات پر بیٹھ گئے، تب یحییٰ علیہ السلام (نے وعظ شروع کیا، انھوں) نے کہا، اللہ عزوجل نے مجھے پانچ باتوں کے متعلق حکم دیا ہے کہ

میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تمھیں حکم دوں کہ تم بھی ان پر عمل کرو۔ ان میں پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کرو، کیونکہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو اپنے خالص مال یعنی سونے یا چاندی سے کوئی غلام خریدے، پھر اس سے کہے کہ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے، لہٰذا میرے لیے کام کرتے رہو اور اس کا معاوضہ مجھے ادا کرتے رہو تو وہ عمل کرے اور اپنے آقا کے علاوہ دوسرے کو اس کا معاوضہ ادا کرے تو تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا ایسا غلام ہو؟ اور بے شک اللہ عزوجل نے تمھیں نماز کا حکم دیا ہے، لہٰذا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو ادھر ادھر نہ دیکھو، اس لیے کہ اللہ اپنا چہرہ اپنے بندے کے چہرے کی طرف متوجہ رکھتا ہے جب تک وہ بندہ نماز پڑھتا ہے اور ادھر ادھر نہیں دیکھتا اور اللہ تمھیں روزوں کا حکم دیتا ہے، تو روزہ دار کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کسی جماعت میں ہو اور اس کے پاس ایک تھیلی ہو، جس میں مشک ہو تو سب کے سب اسے پسند کرتے ہوں، یا ان کو اس کی خوشبو پسند آتی ہو اور روزہ دار (کے منہ) کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اللہ تمھیں صدقے کا حکم دیتا ہے، تو صدقہ دینے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کو دشمن نے قید کر کے اس کا ہاتھ گردن سے باندھ دیا ہو، پھر اس کو اس کی گردن مارنے کے لیے آگے کیا ہو، تو اس وقت وہ کہے کہ میں قلیل یا کثیر مال سے اپنے نفس کا فدیہ دیتا ہوں، پھر وہ اپنے نفس کا فدیہ دے (اور بچ جائے) اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں حکم دیا ہے کہ اس کا ذکر کیا کرو، ذکر کرنے والے شخص کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کے پیچھے دشمن دوڑتا ہوا نکلے تو وہ (جلدی سے) ایک قلعہ کے پاس پہنچے اور اپنی جان بچا لے۔ بندہ اپنے نفس کو (کسی بھی ذریعے سے) شیطان سے نہیں بچا سکتا، سوائے اللہ کے ذکر کے ذریعے سے۔'' [ترمذي، كتاب الأدب، باب ما جاء في مثل الصلاة والصيام والصدقة : ٢٨٦٣۔ ابن حبان : ٦٢٣٣۔ مسند أحمد : ٤/ ١٣٠، ح : ١٧١٧٥]

وَبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا : یعنی وہ اپنے والدین کے اطاعت گزار اور فرماں بردار تھے اور قول و فعل اور امر و نہی میں ان کی نافرمانی نہیں کرتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خاک آلود ہو اس کی ناک، پھر خاک آلود ہو اس کی ناک، پھر خاک آلود ہو اس کی ناک۔'' کہا گیا کہ یا رسول اللہ! کس کی؟ فرمایا: ''جو اپنے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہ جائے۔'' [مسلم، كتاب البر والصلة، باب رغم من أدرك أبويه …… الخ : ٢٥٥١]

سیدہ مریم کو بے موسم پھل ملنا اور زکریا علیہ السلام کا سوال

﴿ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ

﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۚ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

[آل عمران : ٣٧]

''پس اس کے رب نے اسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کیا اور اچھی نشو ونما کے ساتھ اس کی پرورش کی اور اس کا کفیل زکریا کو بنا دیا۔ جب کبھی زکریا اس کے پاس عبادت خانے میں داخل ہوتا، اس کے پاس کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز پاتا، کہا اے مریم! یہ تیرے لیے کہاں سے ہے؟ اس نے کہا یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے کسی حساب کے بغیر رزق دیتا ہے۔''

ام مریم نے بیٹے کی نیت کی تھی، تاکہ بیت المقدس کی خوب خدمت کرے۔ جب بچی ہوئی تو انھیں ایک طرح کی مایوسی ہوئی، لیکن اللہ نے ان کی نذر قبول کر لی اور پھر وہ لڑکی ایسی ہوئی کہ تقویٰ اور دینی مقاصد کے حصول میں ہزاروں لڑکوں پر سبقت لے گئی۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نذر قبول کر لی اور اس لڑکی کو ایسا شرفِ قبولیت حاصل ہوا کہ وہ مقام و مرتبہ میں بہت سے اولیاء اللہ سے آگے بڑھ گئی اور پھر اللہ نے ان کی کفالت زکریا علیہ السلام کے ذمہ لگا دی جو ان کے خالو تھے: آیت کریمہ میں مذکور لفظ ''مِحْرَابٌ'' سے مراد حجرہ ہے جس میں سیدہ مریم علیہا السلام قیام پذیر تھیں۔ جب بھی زکریا علیہ السلام ان کے پاس جاتے تو موسم سرما کا پھل موسم گرما میں اور گرما کا سرما میں پاتے تھے۔ اس لیے سیدنا زکریا علیہ السلام نے ازراہِ تعجب و حیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آتا ہے؟ تو انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

اسلوبِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رزق بطور کرامت مریم علیہا السلام کے پاس پہنچ رہا تھا۔ اس کی تصدیق سیدنا خبیب بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے، جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو مشرکینِ مکہ نے قید کر لیا اور حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف کے لڑکوں نے خرید لیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے بدر کی لڑائی میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ آپ ان کے ہاں کچھ دن قید رہے۔ حارث کی بیٹی (زینب رضی اللہ عنہا) بیان کرتی ہے کہ اللہ کی قسم! کوئی قیدی میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر کبھی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! میں نے ایک دن دیکھا کہ انگور کا خوشہ ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس میں سے کھا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور مکہ میں ان پھلوں کا موسم بھی نہیں تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی روزی تھی جو اللہ نے خبیب رضی اللہ عنہ کو بھیجی تھی۔ [بخاري، كتاب الجهاد، باب هل يستاسر الرجل و من لم يستاسر : ٣٠٤٥]

اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ اللہ کے دوستوں سے کرامات صادر ہوتی ہیں، لیکن اللہ کا دوست وہی ہوگا جو پابند شریعت، قرآن و سنت کا متبع، اور خرافات و بدعات سے کوسوں دور ہوگا۔ مشرک، بدعتی، قرآن و سنت سے دور اور عمل صالح میں کوتاہ کبھی بھی اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا اور ایسے لوگوں سے جن خرقِ عادت امور کا ظہور ہوتا ہے، وہ جادو اور

شیطانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

عام قول کے مطابق زکریا علیہ السلام ان کے خالو تھے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ مریم علیہا السلام کے بہنوئی تھے۔ اس کی دلیل حدیث معراج ہے جس میں دوسرے آسمان پر رسول اللہ ﷺ کی یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات کا ذکر ہے اور صراحت ہے کہ وہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔

سیدنا مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اب جبریل مجھے لے کر اوپر کو چڑھنے لگے، جب ہم دوسرے آسمان پر آئے تو جبریل نے دستک دی۔ انھوں نے کہا، دروازہ کھولو! پوچھا گیا، کون ہے؟ جبریل نے کہا، جبریل۔ پوچھا گیا، تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ انھوں نے کہا، محمد (ﷺ)۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ انھوں نے کہا، ہاں! تو فرشتے نے کہا، انھیں خوش آمدید! کیا ہی مبارک آنے والے ہیں وہ۔ اب دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں اندر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں خالہ زاد بھائی وہاں موجود ہیں۔ (اصطلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہہ دیتے ہیں) جبریل علیہ السلام نے مجھے بتلایا کہ یہ یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں، انھیں سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا تو دونوں نے جواب دیا اور کہا، نیک نبی اور صالح بھائی کو خوش آمدید۔'' [بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ٣٨٨٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ..... الخ : ١٦٢، عن أنس بن مالك رضی الله عنه]

سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا

زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور ابھی تک بے اولاد تھے، بیوی بانجھ تھی بظاہر انھیں اولاد کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ کس طرح مریم علیہا السلام کو خرق عادت کے طور پر بے موسم رزق پہنچ رہا ہے۔ انھوں نے بھی اللہ کے سامنے دست سوال دراز کر دیا:

﴿ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴾ [آل عمران : ٣٨]

''وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے ایک پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کو بہت سننے والا ہے۔''

بے موسمی پھل دیکھ کر سیدنا زکریا علیہ السلام کے دل میں بھی (بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود) یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اللہ تعالیٰ انھیں بھی اولاد سے نوازے۔ چنانچہ بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں اٹھ گئے، جسے اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت سے نوازا۔

نیک و پاکیزہ اولاد والدین کے فوت ہو جانے کے بعد بھی ان کے لیے باعث ثواب ہوتی ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے سارے اعمال کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین اعمال کے، صدقہ جاریہ، نفع بخش علم اور ایسی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا گو رہے۔''
[مسلم، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته : ۱٦۳۱]

یحییٰ علیہ السلام کی بشارت

﴿ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [آل عمرٰن : ۳۹]

''تو فرشتوں نے اسے آواز دی، جب کہ وہ عبادت خانے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی بشارت دیتا ہے، جو اللہ کے ایک کلمے (عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور اپنے آپ پر بہت ضبط رکھنے والا اور نبی ہوگا نیک لوگوں میں سے۔''

زکریا علیہ السلام اپنے عبادت خانے میں نماز پڑھنے میں مشغول تھے کہ فرشتوں نے آواز دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام یحییٰ ہوگا، جو عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرے گا، علم و عبادت میں لوگوں کا سردار ہوگا، گناہوں سے محفوظ رہے گا اور نبی ہوگا۔

مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ : یہ عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے، اگرچہ ہر شخص ہی اللہ تعالیٰ کے کلمۂ کن سے پیدا ہوا ہے، مگر عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے پر انھیں بطور شرف یہ لقب دیا گیا، جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ، اگرچہ ہر مسجد اور ہر اونٹنی اللہ ہی کی ہے۔ یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے، تبھی انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔

وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا : یعنی علم دین، حکمت و دانائی اور اصلاح قوم میں انھیں سرداری کا منصب حاصل ہوگا۔ یہی الفاظ حدیث میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں آئے ہیں، سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔'' [ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب أبی محمد الحسن بن علی : ۳۷٦۸۔ مسند أحمد : ۳/۳، ح : ۱۱۰۰۵]

دعا کی قبولیت پر زکریا علیہ السلام کا اظہارِ تعجب

﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَ امْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴾ [آل عمران : ۴۰، ۴۱]

’’کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ مجھے تو بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟ فرمایا اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی بنا دے؟ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن لوگوں سے بات نہیں کرے گا مگر کچھ اشارے سے اور اپنے رب کو بہت زیادہ یاد کر اور شام اور صبح تسبیح کر۔‘‘

جب زکریا علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ اللہ انھیں بیٹا عطا کرے گا تو ظاہری حالات کے پیش نظر تعجب کرنے لگے، اور کہنے لگے اے میرے رب! مجھے لڑکا کیسے ہوگا، میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں، اور میری بیوی بانجھ ہے؟! تو اللہ نے فرمایا کہ تم اور تمھاری بیوی جس حال میں ہو اسی حال میں لڑکا پیدا ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ کسی ظاہری سبب کا محتاج نہیں۔ اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور اس کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ زکریا علیہ السلام کا تعجب اس حد تک بڑھا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی نشانی کی درخواست کر دی۔ فرمایا تمھارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک صحیح سالم ہونے کے باوجود (ہاتھ یا ابرو کے) اشارے کے سوا لوگوں سے بات چیت نہ کر سکو گے۔ اس حال میں تم اپنا سارا وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر اور تسبیح میں صرف کرو۔

اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا: بنی اسرائیل خاموش رہنے کا روزہ بھی رکھا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہے۔ آپ نے اس کے متعلق پوچھا، تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہے، اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا، بیٹھے گا نہیں، سائے میں نہیں جائے گا، کسی سے بات نہیں کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ آپ نے فرمایا: ’’اس کو حکم دو کہ بات کرے، سایہ میں آ جائے، بیٹھ جائے اور اپنا روزہ پورا کرے۔‘‘
[بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب النذر فیما لا یملك و فی معصیة : ٦٧٠٤]

سورۂ انبیاء میں سیدنا زکریا و یحییٰ علیہما السلام کا ذکر

﴿ وَ زَكَرِيَّاۤ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴾
[الأنبیاء : ٨٩، ٩٠]

’’اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا، بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی لیے عاجزی کرنے والے تھے۔‘‘

جن انبیاء کی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے، ان میں سے زکریا علیہ السلام بھی ہیں۔ انھوں نے بڑھاپے میں اپنے رب سے دعا کی کہ وہ انھیں ایک بیٹا عطا کر دے، جو ان کے بعد دعوت الی اللہ کا کام سنبھالے۔ انھوں نے اپنی دعا میں کہا، میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑ، ایک لڑکا دے جو نبوت اور علم و حکم میں میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور تو تو سب سے اچھا وارث اور سب سے زیادہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمالی اور ان کی بیوی کو لڑکا پیدا کرنے کے قابل بنا دیا، جن کے بطن سے یحییٰ پیدا ہوئے۔ مذکورہ بالا انبیائے کرام کا فرداً فرداً ذکر کرنے کے بعد اب ان تمام کی مجموعی صفت یہ بتائی جا رہی ہے کہ یہ حضرات بھلائی کے کاموں کی طرف سبقت کرتے تھے اور امید وخوف دونوں حالتوں میں اپنے رب کو پکارتے تھے اور ہر حال میں اس کے لیے خشوع و خضوع اختیار کرتے تھے۔

19

سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام

قرآن مجید میں مذکور قصص میں ایک قصہ سیدنا یوشع بن نون کا ہے، قرآن مجید میں آپ کا ذکر آپ کا نام لیے بغیر کیا گیا، سیدنا موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ میں ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ؗ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ؗ وَ مَاۤ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَ اتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ [الكهف : ٦٠ تا ٦٤]

''اور جب موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا میں نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں، یا مدتوں چلتا رہوں۔ تو جب وہ دونوں ان کے آپس میں ملنے کے مقام پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، تو اس نے اپنا راستہ سمندر میں سرنگ کی صورت بنالیا۔ پھر جب وہ آگے گزر گئے تو اس نے اپنے جوان سے کہا ہمارا دن کا کھانا لا، بے شک ہم نے اپنے اس سفر سے تو بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔ اس نے کہا کیا تو نے دیکھا جب ہم اس چٹان کے پاس جا کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی بھول گیا اور مجھے وہ نہیں بھلائی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے اپنا راستہ سمندر میں عجیب طرح سے بنالیا۔ اس نے کہا یہی ہے جو ہم تلاش کر رہے تھے، سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے۔''

سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا، نوف بکالی (جو کعب احبار کا ربیب ہے، اس) کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ وہ موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اللہ کا دشمن غلط کہتا ہے، ہمیں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ آپ سے پوچھا گیا، سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا، میں۔ چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی، کیونکہ آپ نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی

تھی (یعنی یوں نہیں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ دو دریاؤں کے سنگم پر میرا ایک بندہ ہے، جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی، یا رب! میں اس سے کیسے مل سکتا ہوں؟ رب تعالیٰ نے فرمایا، ٹوکری میں ایک مچھلی رکھ کر ساتھ لے لو، جہاں وہ گم ہو جائے وہ وہیں ملیں گے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی لے کر ٹوکری میں رکھ لی اور (سفر پر) روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے خادم یوشع بن نون بھی تھے۔ (چلتے چلتے) وہ ایک چٹان کے پاس پہنچے اور دونوں سر رکھ کر سو گئے۔ (اس دوران میں) ٹوکری میں مچھلی تڑپی اور ٹوکری سے نکل کر سمندر میں جا گری، سمندر میں وہ ایک سرنگ سی بناتی گزر گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی گزرگاہ سے پانی کی روانی روک دی تھی اور یوں وہ ایک طاق سا بن گیا۔ (یہ منظر یوشع نے دیکھا تھا، پھر) جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع بن نون انھیں مچھلی کے بارے میں بتانا بھول گئے۔ چنانچہ وہ دن کا بقیہ حصہ اور بعدازاں رات بھر چلتے رہے۔ اگلے دن موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا، ﴿ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴾ ''ہمارا دن کا کھانا لا، بے شک ہم نے اپنے اس سفر سے تو بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔'' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ تب محسوس ہوئی جب وہ اس جگہ سے آگے چل پڑے جہاں پہنچنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ تب آپ کے خادم نے آپ سے عرض کی: ﴿ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَاۤ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴾ ''اس نے کہا کیا تو نے دیکھا جب ہم اس چٹان کے پاس جا کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی بھول گیا اور مجھے وہ نہیں بھلائی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے اپنا راستہ سمندر میں عجیب طرح سے بنا لیا۔'' فرمایا: ''مچھلی کے لیے سرنگ بن گئی۔'' اور یہ چیز موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے لیے تعجب کا باعث تھی۔ تب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ ''اس نے کہا یہی ہے جو ہم تلاش کر رہے تھے، سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے۔'' وہ دونوں اپنے نشانات قدم دیکھتے دیکھتے چٹان تک جا پہنچے۔

[بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ و إذ قال موسى لفتاه لا أبرح ...... الخ ﴾ : ٤٧٢٥۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه السلام : ٢٣٨٠]

20

سیدنا خضر علیہ السلام

سیدنا خضر علیہ السلام کے بارے میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے علم حاصل کرنے کے لیے سفر کیا تھا۔ ان کا واقعہ سورۂ کہف میں بیان ہوا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سفر کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا یوشع علیہ السلام اپنے نشانات قدم پر واپس چلے تو سیدنا خضر علیہ السلام کو سمندر کے پانی پر سبز چادر پر لیٹے دیکھا، انھوں نے ایک کپڑا اوڑھ رکھا تھا جس کے کنارے سر اور قدموں کے نیچے دبائے ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا تو انھوں نے چہرے سے کپڑا ہٹا کر سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''اس علاقے میں سلام کہاں؟ آپ کون ہیں؟'' انھوں نے فرمایا: ''میں موسیٰ ہوں۔'' انھوں نے کہا: ''بنی اسرائیل کے نبی؟'' فرمایا: ''ہاں!'' اس کے بعد وہ واقعات پیش آئے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں۔ اس واقعہ سے سیدنا خضر علیہ السلام کی نبوت کا کئی طرح سے ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَ اَمَّا

الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖۗ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ [الكهف : ٦٥ تا ٨٢]

’’سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے۔ تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے ہاں سے ایک رحمت عطا کی اور اسے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا۔ موسیٰ نے اس سے کہا کیا میں تیرے پیچھے چلوں؟ اس (شرط) پر کہ تجھے جو کچھ سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ بھلائی مجھے سکھا دے۔ اس نے کہا بے شک تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ اور تو اس پر کیسے صبر کرے گا جسے تو نے پوری طرح علم میں نہیں لیا۔ اس نے کہا اگر اللہ نے چاہا تو تو مجھے ضرور صبر کرنے والا پائے گا اور میں تیرے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ کہا پھر اگر تو میرے پیچھے چلا ہے تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں مت پوچھنا، یہاں تک کہ میں تیرے لیے اس کا کچھ ذکر شروع کروں۔ سو دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے اسے پھاڑ دیا۔ کہا کیا تو نے اسے اس لیے پھاڑ دیا ہے کہ اس کے سواروں کو غرق کر دے، بلاشبہ یقیناً تو ایک بہت بڑے کام کو آیا ہے۔ کہا کیا میں نے نہ کہا تھا کہ یقیناً تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ کہا مجھے اس پر نہ پکڑ جو میں بھول گیا اور مجھے میرے معاملے میں کسی مشکل میں نہ پھنسا۔ پھر وہ دونوں چل پڑے، یہاں تک کہ جب وہ ایک لڑکے سے ملے تو اس نے اسے قتل کر دیا۔ کہا کیا تو نے ایک بے گناہ جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کر دیا، بلاشبہ یقیناً تو ایک بہت برے کام کو آیا ہے۔ کہا کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ یقیناً تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ کہا اگر میں تجھ سے اس کے بعد کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً تو میری طرف سے پورے عذر کو پہنچ چکا ہے۔ پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی والوں کے پاس آئے، انھوں نے اس کے رہنے والوں سے کھانا طلب کیا تو انھوں نے انکار کر دیا کہ ان کی مہمان نوازی کریں، پھر انھوں نے اس میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے تو اس نے اسے سیدھا کر دیا۔ کہا اگر تو چاہتا تو ضرور اس پر کچھ اجرت لے لیتا۔ کہا یہ میرے درمیان اور تیرے درمیان جدائی ہے، عنقریب میں تجھے اس کی اصل حقیقت بتاؤں گا جس پر تو صبر نہیں کر سکا۔ رہی کشتی تو وہ چند مسکینوں کی تھی، جو سمندر میں کام کرتے تھے، تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی چھین کر لے لیتا تھا۔ اور رہا لڑکا تو اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے تو ہم ڈرے کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور

کفر میں پھنسا دے گا۔ تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کو ان کا رب اس کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور شفقت میں زیادہ قریب ہو۔ اور رہ گئی دیوار تو وہ شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک تھا تو تیرے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ نکال لیں، تیرے رب کی طرف سے رحمت کے لیے اور میں نے یہ اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ یہ ہے اصل حقیقت ان باتوں کی جن پر تو صبر نہیں کر سکا۔''

سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا، نوف بکالی (جو کعب احبار کا ربیب ہے، اس) کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ وہ موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، اللہ کا دشمن غلط کہتا ہے، ہمیں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ آپ سے پوچھا گیا، سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا، میں۔ چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی، کیونکہ آپ نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی تھی (یعنی یوں نہیں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ دو دریاؤں کے سنگم پر میرا ایک بندہ ہے، جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی، یا رب! میں اس سے کیسے مل سکتا ہوں؟ رب تعالیٰ نے فرمایا، ٹوکری میں ایک مچھلی رکھ کر ساتھ لے لو، جہاں وہ گم ہو جائے وہ وہیں ملیں گے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی لے کر ٹوکری میں رکھ لی اور (سفر پر) روانہ ہو گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے خادم یوشع بن نون بھی تھے۔ (چلتے چلتے) وہ ایک چٹان کے پاس پہنچے اور دونوں سر رکھ کر سو گئے۔ (اس دوران میں) ٹوکری میں مچھلی تڑپی اور ٹوکری سے نکل کر سمندر میں جا گری، سمندر میں وہ ایک سرنگ سی بناتی گزر گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی گزرگاہ سے پانی کی روانی روک دی تھی اور یوں وہ ایک طاق سا بن گیا۔ (یہ منظر یوشع نے دیکھا تھا، پھر) جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع بن نون انھیں مچھلی کے بارے میں بتانا بھول گئے۔ چنانچہ وہ دن کا بقیہ حصہ اور بعد ازاں رات بھر چلتے رہے۔ اگلے دن موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''ہمارا دن کا کھانا لا، بے شک ہم نے اپنے اس سفر سے تو بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ تب محسوس ہوئی جب وہ اس جگہ سے آگے چل پڑے جہاں پہنچنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ تب آپ کے خادم نے آپ سے عرض کی:

﴿اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ڰ عَجَبًا﴾

''اس نے کہا کیا تو نے دیکھا جب ہم اس چٹان کے پاس جا کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی بھول گیا اور مجھے وہ

نہیں بھلائی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے اپنا راستہ سمندر میں عجیب طرح سے بنالیا۔'' فرمایا: ''مچھلی کے لیے سرنگ بن گئی۔'' اور یہ چیز موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم کے لیے تعجب کا باعث تھی۔ تب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ ''اس نے کہا یہی ہے جو ہم تلاش کر رہے تھے، سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے۔'' وہ دونوں اپنے نشانات قدم دیکھتے دیکھتے چٹان تک جا پہنچے، دیکھا کہ ایک آدمی کپڑا اوڑھے موجود ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سلام کہا، خضر علیہ السلام نے کہا، اس سرزمین میں سلام کہاں سے آ گیا؟ آپ نے فرمایا، میں موسیٰ ہوں۔ انھوں نے کہا، بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا، جی ہاں! میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو جو علم عطا ہوا ہے وہ آپ مجھے بھی سکھا دیں۔ انھوں نے کہا: ﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ''بے شک تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔'' اے موسیٰ! میرے پاس اللہ کی طرف سے ایک علم ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے، وہ آپ کو حاصل نہیں اور آپ کو اللہ کی طرف سے ایک علم ملا ہے جو اس نے آپ کو سکھایا ہے، وہ مجھے حاصل نہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ ''اگر اللہ نے چاہا تو تو مجھے ضرور صبر کرنے والا پائے گا اور میں تیرے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔'' سیدنا خضر علیہ السلام نے آپ سے فرمایا: ﴿قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ ''کہا پھر اگر تو میرے پیچھے چلا ہے تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں مت پوچھنا، یہاں تک کہ میں تیرے لیے اس کا کچھ ذکر شروع کروں۔'' پھر وہ دونوں چل دیے، وہ ساحل پر پیدل چل رہے تھے کہ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری، انھوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ وہ انھیں سوار کر لیں۔ انھوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان کر بغیر کرائے کے سوار کر لیا۔ جب وہ کشتی میں سوار تھے تو آپ نے اچانک دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے بسولے کے ساتھ کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا مگر آپ نے ان کی کشتی ہی توڑ دی، تاکہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں۔ یہ تو آپ نے بڑی (خطرناک) بات کر دی؟ خضر علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ''کیا میں نے نہ کہا تھا کہ یقیناً تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔'' موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا﴾ ''مجھے اس پر نہ پکڑ جو میں بھول گیا اور مجھے میرے معاملے میں کسی مشکل میں نہ پھنسا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ پہلا سوال موسیٰ علیہ السلام سے بھول کر ہوا۔'' اس دوران میں ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے سمندر سے چونچ بھر لی۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا، میرا اور تیرا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہی (معمولی اور قلیل) ہے، جیسے سمندر کے مقابلے میں چڑیا کی چونچ میں جانے والا پانی۔ پھر (دریائی سفر مکمل ہونے پر) وہ کشتی سے نکلے، وہ کنارے پر چلے جا رہے تھے کہ اچانک خضر علیہ السلام کو ایک لڑکا نظر آیا، وہ دیگر لڑکوں

کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کا سر پکڑا اور ہاتھ کے ساتھ اس کا سر جسم سے جدا کر کے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴾ ''کیا تو نے ایک بے گناہ جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کر دیا، بلاشبہ یقیناً تو ایک بہت برے کام کو آیا ہے۔'' وہ کہنے لگے: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ ''کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ یقیناً تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔'' یہ واقعہ پہلے سے زیادہ سخت تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۣ حَتّٰٓي اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ﴾ ''کہا اگر میں تجھ سے اس کے بعد کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً تو میری طرف سے پورے عذر کو پہنچ چکا ہے۔ پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ جب وہ ایک بستی والوں کے پاس آئے، انھوں نے اس کے رہنے والوں سے کھانا طلب کیا تو انھوں نے انکار کر دیا کہ ان کی مہمان نوازی کریں، پھر انھوں نے اس میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے تو اس نے اسے سیدھا کر دیا۔'' یعنی جھکی ہوئی تھی، سو خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اسے ٹھیک کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، ہم نے ان لوگوں سے کھانا مانگا تو انھوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا: ﴿ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾ ''اگر تو چاہتا تو ضرور اس پر کچھ اجرت لے لیتا۔'' خضر علیہ السلام نے کہا: ﴿ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴾ ''یہ میرے درمیان اور تیرے درمیان جدائی ہے، عنقریب میں تجھے اس کی اصل حقیقت بتاؤں گا جس پر تو صبر نہیں کر سکا۔'' اس کے بعد پورا واقعہ بیان فرمایا (جو سورۂ کہف کی آیت ۸۲ تک ذکر ہوا ہے) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جی چاہتا ہے کہ کاش! موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی اور باتیں بھی بیان فرماتا۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ و إذ قال موسى لفتاه لا أبرح ...... الخ ﴾ : ٤٧٢٥ ـ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه السلام : ٢٣٨٠]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا فرماتے تو پہلے اپنے آپ سے ابتدا فرماتے اور کہتے: 'اللہ کی رحمت ہو ہم پر اور موسیٰ پر۔'' پھر فرمایا: ''اگر وہ صبر کر لیتے تو وہ اپنے صاحب (خضر علیہ السلام) سے بہت عجائب دیکھتے، لیکن انھوں نے خود ہی کہہ دیا: ﴿ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴾ ''اگر میں تجھ سے اس کے بعد کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً تو میری طرف سے پورے عذر کو پہنچ چکا ہے۔'' [أبو داؤد، كتاب الحروف والقراءات، باب : ٣٩٨٤ ـ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر : ١٧٢ / ٢٣٨٠]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ (موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام) ایک گاؤں کے بخیل لوگوں کے پاس پہنچے۔'' [مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر :

۲۳۸۰/۱۷۲۔ مسند أحمد : ۱۱۸/۵، ۱۱۹، ح : ۲۱۱۷٦]

سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس طرح قراءت فرمایا کرتے تھے: ''اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح کشتی غصب کر لیتا تھا۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالى : ﴿ و إذ قال موسى لفته ...... الخ ﴾ : ٤٧٢٥۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه السلام : ٢٣٨٠]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ لڑکا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، یہ روز اول ہی سے کافر پیدا ہوا تھا۔'' [مسلم، كتاب القدر، باب معنى كل مولود يولد ...... الخ : ٢٦٦١۔ أبو داؤد، كتاب السنة، باب في القدر : ٤٧٠٥، ٤٧٠٦۔ ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب و من سورة الكهف : ٣١٥٠]

سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس طرح قراءت فرمایا کرتے تھے: ''پس بچہ کافر تھا اور اس کے والدین مومن تھے۔'' [بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله تعالى : ﴿ و إذ قال موسىٰ لفته ...... الخ ﴾ : ٤٧٢٥۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه السلام : ٢٣٨٠]

خضر علیہ السلام کی وجہ تسمیہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کا نام خضر (علیہ السلام) اس لیے ہوا کہ ایک بار وہ سفید خشک گھاس پر بیٹھے تھے، جب اٹھے تو دیکھا کہ گھاس سرسبز ہو کر لہلہا رہی ہے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الخضر مع موسى عليهما السلام : ٣٤٠٢]

کیا خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند روز پہلے فرمایا: ''تمھاری آج کی رات وہ ہے کہ اس رات سے لے کر سو سال کے آخر تک کوئی شخص جو زمین پر ہے، وہ باقی نہیں رہے گا۔'' [بخاري، كتاب العلم، باب السمر في العلم : ١١٦۔ مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب بيان معنى قوله ﷺ : على رأس مائة سنة ...... الخ : ٢٥٣٧]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (ایک رات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا: ''تم یہ رات دیکھ رہے ہو؟ آج جو لوگ روئے زمین پر موجود ہیں، سو سال کے بعد ان میں سے ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔'' لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر گھبرا گئے (اور سمجھے کہ قیامت آ جائے گی) جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ موجودہ نسل ختم ہو جائے گی۔'' [بخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر في الفقه ...... الخ : ٦٠١ و مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب بيان معنى قوله ﷺ على رأس مائة سنة ...... الخ : ٢٥٣٧]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں

ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی۔ سلام پھیر کر آپ نے فرمایا: ''کیا تم یہ رات دیکھ رہے ہو؟ آج جو لوگ روئے زمین پر موجود ہیں، سو سال پورا ہونے پر ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔'' [مسند أحمد : ۲/ ۱۱۲]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے یا ایک مہینا پہلے فرمایا: ''کسی زندہ جان (یعنی انسان) پر سو سال پورے نہیں ہوں گے کہ وہ اس دن زندہ ہو۔'' [مسند أحمد : ۳/ ۳۰۵]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وفات سے ایک ماہ پہلے فرمایا: ''وہ مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں! زمین پر آج موجود کوئی زندہ انسان نہیں کہ اس پر سو سال کی مدت گزرے (اور وہ پھر بھی زندہ ہو)۔'' [مسند أحمد : ۳/ ۳۲۲۔ مسلم، كتاب فضائل الصحابة ، باب بيان معنى قوله ﷺ على رأس مائة سنة ...... الخ : ۲۵۳۸۔ ترمذي، كتاب الفتن، باب لا تأتي مائة سنة ..... الخ : ۲۲۰]

یہ صحیح احادیث سیدنا خضر علیہ السلام کی زندگی کے دعویٰ کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ سیدنا خضر علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ نہیں پایا۔ اس صورت میں اس مسئلہ میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں موجود تھے، تو بھی اس حدیث کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلے گا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی وفات سے ایک صدی گزرنے کے بعد زندہ نہیں رہے، لہٰذا اس وقت وہ یقیناً زندہ نہیں کیونکہ وہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہیں اور تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ (واللہ اعلم)

21

قرآن مجید میں ذکرکردہ قصص انبیاء میں ایک قصہ سیدنا الیاس علیہ السلام کا بھی ہے۔ سیدنا الیاس علیہ السلام کی بعثت اور دعوت کا تذکرہ کرتے ہوئے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۝ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ رَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

[الصافات : ۱۲۳ تا ۱۳۲]

’’اور بلاشبہ الیاس یقیناً رسولوں میں سے تھا۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ؟ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور بنانے والوں میں سے سب سے بہتر کو چھوڑ دیتے ہو؟ اللہ کو، جو تمھارا رب ہے اور تمھارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔ تو انھوں نے اسے جھٹلا دیا، سو یقیناً وہ ضرور حاضر کیے جانے والے ہیں ۔ مگر اللہ کے وہ بندے جو چنے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں اس کے لیے یہ بات چھوڑ دی ۔ کہ سلام ہو الیاسین پر۔ بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں ۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔‘‘

یہ واقعہ الیاس علیہ السلام کا ہے، انھیں اللہ تعالیٰ نے شہر بعلبک اور اس کے گردونواح میں رہنے والے بنی اسرائیل کے لیے اس وقت نبی بنا کر بھیجا تھا جب ان میں بت پرستی پھیل گئی تھی، تو الیاس علیہ السلام نے ان سے کہا کہ کیا تم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں کہ اس کے بجائے بتوں کی عبادت کرتے ہو؟ کیا تم اس قدر گم گشتۂ راہ ہو گئے ہو کہ اپنے بڑے بت (بعل) کی پرستش کرتے ہو اور اللہ احسن الخالقین کو فراموش کر بیٹھے ہو، جو تمھارا اور تمھارے باپ دادا کا رب ہے؟

اہل بعلبک پر ان کی تقریر کا کوئی مثبت اثر نہیں ہوا، انھوں نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار نہیں کیا اور حالت کفر ہی میں مر گئے تو انجام کار جہنم ہی میں ڈال دیے گئے، سوائے ان چند نیک بندوں کے جنھوں نے ان کی ایمان کی دعوت کو قبول کر لیا تھا اور ان کی پیروی کی تھی، انھیں اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کر دیا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کا ذکر خیر آنے والی قوموں میں باقی رکھا کہ ہر صاحب ایمان ان کا نام عزت و احترام سے لیتا ہے اور ان کے لیے

اور ان کے پیروکاروں کے لیے سلامتی و رحمت کی دعا کرتا ہے اور فرمایا کہ ہم عمل صالح کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور الیاس علیہ السلام ہمارے صادق الایمان بندوں میں سے تھے۔

22

سیدنا یسع علیہ السلام

آپ کا نام مبارک سورۂ انعام میں دوسرے انبیائے کرام کے ساتھ مذکور ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴾ [الأنعام : ٨٦]

''اور اسماعیل کو، الیسع کو، یونس اور لوط کو۔ ہم نے ہر ایک کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔''

سورۂ صٓ میں ارشاد ہے:

﴿ وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴾ [صٓ : ٤٨]

''(اے نبی!) اسماعیل، الیسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کر دیجیے۔ یہ سب بہترین لوگ تھے۔''

23

سیدنا شمویل علیہ السلام

جب عمالقہ بنی اسرائیل پر غالب آ گئے، انھوں نے بے شمار اسرائیلیوں کو قتل کیا اور ایک بہت بڑی تعداد کو غلام بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے شمویل علیہ السلام کی صورت میں بنی اسرائیل کے لیے نبی اور سردار بنا کر بھیجا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [البقرة : ٢٤٦ تا ٢٤٩]

”کیا تو نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا، جب انھوں نے اپنے ایک نبی سے کہا ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر کہ ہم اللہ کے راستے میں لڑیں۔ اس نے کہا یقیناً تم قریب ہو کہ اگر تم پر لڑنا فرض کر دیا جائے تو تم نہ لڑو۔ انھوں نے کہا اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ کے راستے میں نہ لڑیں، حالانکہ ہمیں ہمارے گھروں اور ہمارے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے۔ پھر جب ان پر لڑنا فرض کر دیا گیا تو ان میں سے بہت تھوڑے لوگوں

کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ان ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ اور ان سے ان کے نبی نے کہا بے شک اللہ نے تمھارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انھوں نے کہا اس کی حکومت ہم پر کیسے ہو سکتی ہے، جبکہ ہم حکومت کے اس سے زیادہ حق دار ہیں اور اسے مال کی کوئی وسعت بھی نہیں دی گئی؟ فرمایا بے شک اللہ نے اسے تم پر چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی عطا فرمائی ہے اور اللہ اپنی حکومت جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمھارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمھارے رب کی طرف سے ایک تسلی ہے اور اس میں سے چند باقی ماندہ چیزیں ہیں جو موسیٰ کی آل اور ہارون کی آل نے چھوڑا تھا، فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہوں گے، بے شک اس میں تمھارے لیے یقیناً ایک نشانی ہے، اگر تم مومن ہو۔ پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر جدا ہوا تو کہا بے شک اللہ ایک نہر کے ساتھ تمھاری آزمائش کرنے والا ہے، پس جس نے اس میں سے پیا تو وہ مجھ سے نہیں اور جس نے اسے نہ چکھا تو بے شک وہ مجھ سے ہے، مگر جو اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر پانی لے لے۔ تو ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا سب نے اس سے پی لیا۔ تو جب وہ اور اس کے ساتھ وہ لوگ نہر سے پار ہو گئے جو ایمان لائے تھے، تو انھوں نے کہا آج ہمارے پاس جالوت اور اس کے لشکروں سے مقابلے کی کوئی طاقت نہیں۔ جو لوگ سمجھتے تھے کہ یقیناً وہ اللہ سے ملنے والے ہیں انھوں نے کہا کتنی ہی تھوڑی جماعتیں زیادہ جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

بنی اسرائیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ عرصہ تو راہ حق پر چلتے رہے، پھر وہ آہستہ آہستہ دین حق سے منحرف ہونا شروع ہو گئے، انھوں نے دین میں بدعات ایجاد کر لیں حتیٰ کہ بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ انبیاء ان کو روکتے رہے لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہیں آئے۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا، جنھوں نے ان کے علاقے بھی چھین لیے اور ان کی ایک بڑی تعداد کو قیدی بنا لیا۔ ان میں نبوت وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ بالآخر بعض لوگوں کی دعاؤں سے شمویل نبی پیدا ہوئے، جنھوں نے دعوت وتبلیغ کا کام شروع کیا۔ انھوں نے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں۔ پیغمبر نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر کہا کہ تم مطالبہ تو کر رہے ہو لیکن میرا اندازہ ہے کہ تم اپنی بات پر قائم نہیں رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے کہ طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کر دیا گیا۔ اب طالوت اس نسل سے نہیں تھے جس سے بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ یہ غریب اور ایک عام فوجی تھے جس پر انھوں نے اعتراض

کیا۔ پیغمبر نے کہا یہ میرا انتخاب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں مقرر کیا ہے، پھر قیادت و سیادت کے لیے مال و دولت سے زیادہ عقل و علم اور جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اور طالوت اس اعتبار سے تم سب سے ممتاز ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں اس منصب کے لیے چن لیا ہے۔ اس پر انھوں نے مزید کسی نشانی کا مطالبہ کیا، تاکہ وہ پوری طرح مطمئن ہو جائیں تو نبی نے تابوت کے آ جانے کی نشانی بتائی کہ وہ تابوت جو دشمن تم سے چھین کر لے گیا تھا، جس کے ہوتے ہوئے تمھیں دشمن سے مقابلے کے وقت سکون و اطمینان حاصل رہتا تھا اور جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کی چند باقی ماندہ چیزیں تھیں، وہ تابوت تمھارے پاس آ جائے گا جسے فرشتے اٹھا لائیں گے۔ چنانچہ اس تابوت (صندوق) کے آ جانے سے بنی اسرائیل کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے اور طالوت کی سپہ سالاری کو قبول کر لیا۔ جب طالوت مع اپنی افواج کے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک دریا آتا تھا، طالوت نے حکم دیا کہ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھاری آزمائش ہے، لہٰذا کوئی بھی اس دریا میں سے پانی نہ پیے، اگر کوئی پینا ہی چاہتا ہے تو وہ ایک چلو سے زیادہ نہ پیے، لیکن بنی اسرائیل کے اکثر لوگوں نے نافرمانی کی اور خوب سیر ہو کر پانی پی لیا۔ پانی زیادہ پی لینے کی وجہ سے وہ لڑنے کے قابل نہ رہے اور ان کی اکثریت نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ بہت تھوڑے لوگوں نے اللہ کے بھروسے پر جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح عطا فرمائی۔ آگے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹی سی جماعت کو ایک بہت بڑی فوج پر فتح عنایت فرمائی۔

اصحاب طالوت کی تعداد بیان کرتے ہوئے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ محمد ﷺ کے اصحاب نے جو بدر کی جنگ میں شریک تھے، مجھ سے بیان کیا، ان صحابہ کی تعداد جنھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت فرمائی، تین سو دس سے زیادہ اور ان اصحاب طالوت کی تعداد کے برابر تھی جنھوں نے طالوت کے ساتھ دریا کو عبور کیا تھا اور سیدنا براء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کے ساتھ صرف مومنوں نے دریا عبور کیا تھا۔ [بخاري، كتاب المغازي، باب عدة أصحاب بدر : ٣٩٥٧]

دریا عبور کرنے کے بعد جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مدمقابل ہوئے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

﴿ وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [البقرة : ٢٥٠]

''اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے سامنے ہوئے تو کہنے لگے اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور ان کافر لوگوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔''

یعنی انھوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم پر پورا صبر انڈیل دے اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافروں پر

ہماری مدد فرما۔ یہ بڑی جامع اور حسن ترتیب سے آراستہ دعا ہے۔ کیونکہ صبر آتا ہے تو ثابت قدمی ملتی ہے، ثابت قدمی ہو تو نصرت الٰہی ملتی ہے۔ معلوم ہوا کہ مومن کے لیے میدانِ جنگ میں بھی تیاری کے باوجود سب سے بڑا ہتھیار اللہ پر اعتماد اور اس سے دعا ہے، لہٰذا مادی اسباب کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نصرت الٰہی کے لیے ایسے موقعوں پر بطور خاص طلب گار رہیں، قرآن و حدیث میں میدانِ معرکہ میں نصرتِ الٰہی طلب کرنے کی بہت سی دعائیں وارد ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ [آل عمران: ۱۴۷] ”اور ان کی بات اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انھوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتی کو بھی اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافر لوگوں پر ہماری مدد فرما۔“ اور فرمایا: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُۥ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِۦ ۖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَآ ۚ أَنتَ مَوْلَىٰنَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ [البقرۃ: ۲۸۶] ”اے ہمارے رب! ہم سے مؤاخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں، اے ہمارے رب! اور ہم پر کوئی بھاری بوجھ نہ ڈال، جیسے تو نے اسے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب! اور ہم سے وہ چیز نہ اٹھوا جس (کے اٹھانے) کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر، تو ہی ہمارا مالک ہے، سو کافر لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔“

سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکر کفار کے خلاف غزوۂ احزاب کے دن یوں بددعا کی: « اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ ! سَرِيْعَ الْحِسَابِ! اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ » ”اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے! جلد حساب لینے والے! اے اللہ! ان لشکروں کو شکست دے دے، اے اللہ! دشمن کو شکست دے اور ان کے قدم اکھیڑ دے۔“ [بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب الدعاء على المشركين بالهزيمة والزلزلة: ۲۹۳۳]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: « لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ أَعَزَّ جُنْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ » ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنے لشکر کو عزت دی اور اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد کی اور کافروں کی فوجوں پر وہ اکیلا غالب آیا، اس کے بعد کوئی چیز اس کے مدمقابل نہیں ہوسکتی۔“ [بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب: ۴۱۱۴]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ » ”اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اپنا وعدہ اور اقرار پورا کر۔ یا اللہ! اگر تیری مرضی یہی ہے (کہ یہ کافر غالب ہوں) تو (پھر زمین پر) تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔“ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نے آپ ﷺ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کی، یا رسول اللہ! بس کیجیے! تو اس وقت آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر نکلے:
﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴾ [القمر : ٤٥] ''عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھیں پھیر کر بھاگیں گے۔'' [بخاري، كتاب المغازي، باب قول الله تعالى ﴿ إذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم أني ممدكم بألف من الملائكة مردفين ﴾ : ٣٩٥٣]

24

سیدنا داوٗد علیہ السلام طالوت کے لشکر میں شامل تھے۔ انھوں نے جالوت کو قتل کیا تو آپ کو بنی اسرائیل میں عزت اور ہردل عزیزی حاصل ہوگئی۔ آخر کار آپ کو بادشاہ بنا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت بھی عطا فرمائی۔ اس طرح نبوت اور حکومت ایک ہی فرد میں جمع ہوگئیں۔ اس سے پہلے بادشاہ اور قبیلے سے ہوتا تھا اور نبی کسی اور قبیلے سے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَهَزَمُوْهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ [البقرة : ٢٥١]

''تو انھوں نے اللہ کے حکم سے انھیں شکست دی اور داوٗد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے بادشاہی اور دانائی عطا کی اور جتنا کچھ چاہتا تھا سکھا دیا۔ اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ساتھ ہٹانا نہ ہوتا تو یقیناً زمین برباد ہو جاتی اور لیکن اللہ جہانوں پر بڑے فضل والا ہے۔''

سیدنا داوٗد علیہ السلام جو لشکر طالوت میں ایک سپاہی کے طور پر شامل تھے، ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے جالوت کا خاتمہ کیا اور ان تھوڑے سے اہل ایمان کے ذریعے سے ایک بڑی قوم کو شکست فاش دلوائی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے داوٗد علیہ السلام کو بادشاہت بھی عطا فرمائی اور نبوت بھی اور جو چاہا سکھایا، جس میں سے قرآن میں ان کے اسلحہ سازی کے علم، پرندوں کی بولی کے علم اور حکم یعنی قوت فیصلہ کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ ان کی خوش الحانی، پرندوں اور پہاڑوں کا ان کے ساتھ تسبیح کرنا بھی شامل ہے۔

سیدنا داوٗد علیہ السلام پر انعاماتِ ربانی

﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَ الطَّيْرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۙ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [سبا : ١٠، ١١]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے داوٗد کو اپنی طرف سے بڑا فضل عطا کیا، اے پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح کو دہراؤ اور

پرندے بھی اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔ یہ کہ کشادہ زرہیں بنا اور کڑیاں جوڑنے میں اندازہ رکھ اور نیک عمل کرو، یقیناً میں اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہوں۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے داوٗد علیہ السلام کو عطا کی جانے والی چند عنایات کا ذکر کیا ہے وہ بکریاں چرانے والے ایک عام نوجوان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کفار کے بادشاہ جالوت جیسے گراں ڈیل دشمن کو قتل کروا کر بنی اسرائیل کا محبوب بنا دیا اور پھر ایسا عروج عطا فرمایا کہ وہ طالوت کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے بادشاہ بن گئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں سلطنت کے ساتھ علم و حکمت بھی عطا فرمایا، انھیں نبوت بخشی اور زبور عطا فرمائی، انھیں زبردست قوت عطا فرمائی، انھیں اور ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کو خاص علم عطا فرمایا، انھیں پرندوں کی بولی سکھائی، انھیں توبہ و انابت کا وصف عطا فرمایا اور ان کی مغفرت فرمائی۔ انھیں صحیح فیصلہ کرنے کی استعداد اور عدل کرنے کی توفیق بخشی، ان کے لیے لوہا نرم کر دیا اور انھیں زرہیں بنانا سکھایا۔ انھیں نہایت خوب صورت آواز عطا فرمائی اور پہاڑوں اور پرندوں کو ان کے ساتھ تسبیح دہرانے کا حکم دیا۔ ان کے لیے (زبور) پڑھنا ہلکا کر دیا گیا تھا، چنانچہ وہ گھوڑوں پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور ان پر زین ڈالنے سے پہلے اسے پڑھ لیتے تھے۔ [بخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ و آتينا داوٗد زبورا ﴾ : ٣٤١٧]

انھیں صوم و صلاۃ کی اور اس کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں استقامت کی وہ توفیق بخشی جس کے متعلق سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ روزہ داوٗد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام بھی داوٗد علیہ السلام کا قیام ہے، وہ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز تہجد پڑھتے اور پھر چھٹا حصہ سو جاتے تھے اور وہ ایک دن روزہ رکھتے اور اگلے دن نہیں رکھتے تھے اور آپ میدان جنگ سے کبھی پیٹھ نہ دکھاتے۔“ [مسلم، كتاب الصيام، باب النهي عن صوم الدهر ...... الخ : ١٨٧، ١٨٩ / ١١٥٩۔ بخاري، كتاب التهجد، باب من نام عند السحر : ١١٣١]

سیدنا داوٗد علیہ السلام کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے ہاتھ سے کما کے کھاتے تھے۔ سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی آدمی کے لیے اس سے بہتر کوئی کھانا نہیں جسے وہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھائے اور اللہ کے نبی داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے (وہ زرہ بنانے کا کام کیا کرتے تھے)۔“ [بخاري، كتاب البيوع، باب كسب الرجل و عمله بيده : ٢٠٧٢]

سیدنا داوٗد و سلیمان علیہما السلام کا اجتہادی فیصلہ

﴿ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾
[الأنبياء : ٧٨، ٧٩]

''اور داؤد اور سلیمان کو، جب وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے، جب اس میں لوگوں کی بکریاں رات چر گئیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت حاضر تھے۔ تو ہم نے وہ (فیصلہ) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ہر ایک کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا، جو تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور ہم ہی کرنے والے تھے۔''

داؤد اور سلیمان علیہما السلام بھی ان انبیاء صالحین میں سے تھے، جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل و کرم فرمایا تھا اور دونوں کو نبوت اور حکمت و دانائی سے نوازا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ قوم داؤد کے ایک شخص کی بکریاں رات کے وقت کسی کے انگور کے باغ میں گھس گئیں اور پوری کھیتی کو تہس نہس کر دیا۔ مقدمہ داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچا، انھوں نے فیصلہ کیا کہ کھیت والا بکریاں لے لے، اس لیے کہ نقصان بکریوں کی قیمت کے برابر تھا۔ جب دونوں وہاں سے باہر آئے تو سلیمان علیہ السلام کو فیصلے کا علم ہوا۔ انھوں نے اپنے باپ سے کہا کہ فیصلہ تو صحیح ہے، لیکن دونوں کے لیے اس سے زیادہ مفید فیصلہ یہ ہوگا کہ بکریوں کا مالک کھیتی کی دیکھ بھال کرے، یہاں تک کہ پہلے کی طرح ہو جائے اور کھیتی والا بکریوں کے دودھ اور اون وغیرہ سے مستفید ہو، یہاں تک کہ اس کا کھیت پہلی حالت میں لا کر واپس کر دیا جائے۔ ان آیات میں اسی واقعے کا ذکر ہے اور اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹا دونوں کو حکمت و دانائی دی تھی، لیکن اس قضیہ میں سلیمان کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا۔ مفسرین کی رائے ہے کہ دونوں کے فیصلے اجتہادی تھے اور صحیح تھے، لیکن سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ مناسبِ حال تھا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام دونوں کو قوت فیصلہ اور علم دیا تھا، حسن بصری رحمہ اللہ مذکورہ بالا آیات کی تلاوت کرنے کے بعد کہتے کہ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کی تو تعریف کی اور داؤد علیہ السلام پر ملامت نہیں کی اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ان دونوں پیغمبروں کا ذکر نہ کرتا تو میں سمجھتا کہ قاضی لوگ تباہ ہو رہے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی تعریف ان کے علم کی وجہ سے کی ہے اور داؤد علیہ السلام کو بوجہِ اجتہاد معذور قرار دیا ہے۔ [بخاري، كتاب الأحكام، باب متى يستوجب الرجل القضاء؟ قبل الحديث : ٧١٦٣]

تمام انبیائے کرام علیہم السلام معصوم اور اللہ کی طرف سے تائید یافتہ تھے۔ اس بات میں محقق علمائے سلف و خلف میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ انبیاء کے علاوہ باقی لوگوں کے بارے میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔'' [بخاري، كتاب الاعتصام، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ : ٧٣٥٢۔ مسلم، كتاب الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ : ١٧١٦]

ایک دوسرا فیصلہ

قرآن کریم میں مذکورہ کھیتی والے قصے کے قریب قریب وہ قصہ بھی ہے جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو عورتیں تھیں، ان کے ساتھ ان کے دو بچے تھے۔ ناگاہ بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ اب ایک نے کہا کہ وہ تیرے بچے کو لے گیا ہے، دوسری نے کہا، (نہیں) وہ تیرے بیٹے کو لے گیا ہے۔ دونوں داؤد علیہ السلام کے یہاں اپنا مقدمہ لے گئیں، آپ نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور انھیں اپنے جھگڑے کی خبر دی، انھوں نے فرمایا، ایک چھری لاؤ، تاکہ میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کے درمیان تقسیم کر دوں۔ اب چھوٹی عورت نے (یہ سنا تو) کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ ایسا نہ کیجیے، (میں نے مان لیا کہ) یہ لڑکا اسی بڑی کا ہے، اسی کو دے دیجیے۔ سلیمان علیہ السلام (معاملے کو سمجھ گئے اور انھوں) نے لڑکا چھوٹی عورت کو دلا دیا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ ووهبنا لداوٗد سليمان...... نعم الع ﴾ : ٣٤٢٧۔ مسلم، كتاب الأقضية، باب اختلاف المجتهدين : ١٧٢٠]

داؤد علیہ السلام ایک خوش الحان قاری

قرآن کریم میں بعض ان انعامات الٰہیہ کا ذکر بھی ہے جو داؤد علیہ السلام کے ساتھ خاص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا۔ جب وہ اپنی سریلی آواز میں تسبیح پڑھتے اور زبور کی تلاوت کرتے تو پہاڑوں سے ویسی ہی آواز آنے لگتی اور پرندے فضا میں ٹھہر جاتے اور ان کی سر میں سر ملا کر اللہ کی تسبیح پڑھنے لگتے، یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت میں سے تھیں اور وہ تو ان سے بھی زیادہ عجیب وغریب باتوں پر قادر ہے۔ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے، کوئی چیز اسے عاجز نہیں بنا سکتی۔

نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ سے بھی پتا چلتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کو خوبصورت آواز عطا کی گئی تھی۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو موسیٰ (یعنی مجھ) سے فرمایا: ''اگر تم مجھے دیکھتے جب میں کل رات تمھاری قراءت سن رہا تھا (تو بہت خوش ہوتے)، بے شک تمھیں آل داؤد (علیہ السلام) کی آوازوں میں سے ایک آواز دی گئی ہے۔'' [مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن : ٧٩٣/٢٣٦]

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عبد اللہ بن قیس ـــــ یا اشعری ـــــ کو آلِ داؤد کی بنسریوں (خوبصورت آوازوں) میں سے ایک بنسری (خوبصورت آواز) عطا کی گئی ہے۔''

[مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن : ٧٩٣]

داوٗد علیہ السلام اور زرہ کی صنعت کاری

اللہ تعالیٰ نے داوٗد علیہ السلام کے ہمراہ پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کرنے کے علاوہ ان پر ایک انعام یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کے لیے لوہا نرم کر دیا اور انھیں اس کی تاروں اور حلقوں سے زرہیں بنانے کا ہنر سکھایا۔

﴿ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴾ [الأنبياء : ٨٠]

”اور ہم نے اسے تمھارے لیے زرہ بنانا سکھایا، تاکہ وہ تمھاری لڑائی سے تمھارا بچاؤ کرے۔ تو کیا تم شکر کرنے والے ہو؟“

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو اسلحہ سازی کا علم دیا تھا، لوہا ان کے ہاتھ میں آتے ہی نرم ہو جاتا تھا، تاکہ اس سے بآسانی جو ہتھیار بنانا چاہیں بنا لیں۔

داوٗد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کئی قوتوں سے نوازا تھا

اللہ تعالیٰ نے کفار کی طرف سے پیش آنے والی مشکلات پر نبی اکرم ﷺ کو صبر کا حکم فرمایا اور تسلی کے لیے داوٗد علیہ السلام کو یاد کرنے کا حکم فرمایا۔

﴿ اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ اذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴾ [صٓ : ١٧]

”اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں اور ہمارے بندے داوٗد کو یاد کر، جو قوت والا تھا، یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔“

اللہ تعالیٰ نے پہلے تو نبی اکرم ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا، پھر آپ کا غم غلط کرنے کے لیے آپ کی توجہ دوسری طرف پھیر دی، یعنی اللہ تعالیٰ نے داوٗد علیہ السلام کا ذکر شروع کر دیا، داوٗد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کو بھی تمام تکلیف دہ باتوں سے صرف نظر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

داوٗد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کئی قوتوں سے نوازا تھا، مثلاً جسمانی قوت جس کے ساتھ انھوں نے جالوت کو قتل کیا، قلبی شجاعت وقوت جس کی وجہ سے وہ کبھی دشمن کے مقابلے میں پیٹھ نہیں دکھاتے تھے، عبادت کی قوت جس کا اظہار روزانہ تہائی رات کی نماز اور ہمیشہ ایک دن کے ناغے کے ساتھ روزے سے ہوتا ہے، فرماں روائی کی قوت جس کے ساتھ انھوں نے گرد و پیش کی تمام مشرک قوتوں کو زیر کر کے ایک مضبوط سلطنت قائم کی۔ صحیح فیصلے کی قوت (حکم)، فیصلہ کن خطاب کی قوت، حُسنِ صوت کی نعمت جس کی وجہ سے پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ساتھ تسبیح و تلاوت میں شریک ہو جاتے تھے، لوہے کو موم کرنے اور زرہیں بنانے کی قوت جس کے ذریعے سے وہ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

عبادت میں بھی مضبوط تھے اور جنگ میں بھی مضبوط تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو نمازوں میں سب سے زیادہ پسند داؤد علیہ السلام کی نماز تھی اور روزوں میں بھی سب سے زیادہ پسند داؤد علیہ السلام کا روزہ تھا، آپ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ رات کا پھر سو جاتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہ رکھتے (اور دشمنانِ دین سے جہاد کرنے میں پیٹھ نہ دکھاتے اور ہر حال میں اپنے اللہ کی طرف رغبت اور رجوع رکھتے)۔'' [بخاري، كتاب التهجد، باب من نام عند السحر : ١١٣١۔ مسلم، كتاب الصيام، باب النهي عن صوم الدهر ...... الخ : ١٨٩/ ١١٥٩]

داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑوں کی تسخیر

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو نہایت خوبصورت آواز عطا کی تھی اور پہاڑوں اور پرندوں کو ان کے ساتھ پابند کر دیا تھا کہ جب وہ ترنم کے ساتھ تسبیح کرتے پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح کرتے اور اڑتے ہوئے پرندے ان کے گرد جمع ہو کر ان کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہو جاتے۔

﴿ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ وَ الطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴾ [ص : ١٨، ١٩]

''بے شک ہم نے پہاڑوں کو اس کے ہمراہ مسخر کر دیا، وہ دن کے پچھلے پہر اور سورج چڑھنے کے وقت تسبیح کرتے تھے۔ اور پرندوں کو بھی، جب کہ وہ اکٹھے کیے ہوتے، سب اس کے لیے رجوع کرنے والے تھے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا جو طلوع آفتاب کے وقت اور دن کے آخری حصے میں ان کے ساتھ مل کر اللہ کی تسبیح کرتے تھے۔ اسی طرح جب آپ تسبیح پڑھتے تو پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے اور جب آپ دہراتے تو وہ بھی دہراتے تھے اور ہوا میں اڑتا ہوا کوئی پرندہ جب آپ کو ترنم سے زبور پڑھتے ہوئے سنتا تو وہ وہاں سے جا نہیں سکتا تھا، بلکہ ہوا ہی میں کھڑے ہو کر آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتا۔

معاملہ فہمی اور قوت فیصلہ

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر مزید انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ [ص : ٢٠]

''اور ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی اور اسے حکمت اور فیصلہ کن گفتگو عطا فرمائی۔''

اس آیت میں بھی داؤد علیہ السلام کا ذکر خیر ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے فوجوں اور جنگی ساز و سامان کے ذریعے سے دشمنوں کے دلوں میں ان کا رعب و دبدبہ بٹھا دیا تھا اور میدانِ جنگ میں فتح و نصرت دے کر ان کی حکومت

کی جڑوں کو مضبوط کر دیا تھا اور ہم نے انھیں نبوت اور بالغ نظری عطا کی تھی۔ اسی لیے ان کا کوئی قول و عمل حکمت سے خالی نہیں ہوتا تھا اور ہم نے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں انھیں صائب الرائے بنایا تھا۔

آیت کریمہ میں مذکور الفاظ **وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ** میں "**الْحِكْمَةَ**" کے مفہوم میں نبوت، کتاب اللہ کا علم اور معاملات کی فہم و فراست، سب چیزیں شامل ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حسد (یعنی رشک) صرف دو قسم کے لوگوں (کی عادتوں) پر جائز ہے، ایک اس شخص (کی عادت) پر جسے اللہ نے مال دیا ہو اور اس بات کی توفیق و ہمت بھی کہ اسے (راہ) حق میں صرف کرے اور دوسرے اس شخص (کی عادت) پر جسے اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت عنایت کی ہو اور وہ اس کے ذریعے سے فیصلے (اور عمل) کرتا ہو اور (لوگوں کو) اس کی تعلیم دیتا ہو۔''

[بخاري، كتاب العلم، باب الاغتباط في العلم و الحكمة ...... الخ : ٧٣]

دو جھگڑا کرنے والوں کا قصہ

﴿ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَ لَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝ اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴾

[ص : ٢١ تا ٢٥]

''اور کیا تیرے پاس جھگڑنے والوں کی خبر آئی ہے، جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں آ گئے۔ جب وہ داؤد کے پاس اندر آئے تو وہ ان سے گھبرا گیا، انھوں نے کہا مت ڈر، دو جھگڑنے والے ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، سو تو ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور بے انصافی نہ کر اور ہماری سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر۔ بے شک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے، تو اس نے کہا کہ یہ میرے سپرد کر دے اور اس نے بات کرنے میں مجھ پر بہت سختی کی۔ اس نے کہا بلاشبہ یقیناً اس نے تیری دنبی کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کے مطالبے کے ساتھ تجھ پر ظلم کیا ہے اور بے شک بہت سے شریک یقیناً ان کا بعض بعض پر زیادتی کرتا ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور یہ لوگ بہت ہی کم ہیں۔ اور داؤد نے یقین کر لیا کہ بے شک ہم نے اس کی آزمائش ہی کی ہے تو اس نے اپنے رب سے بخشش مانگی اور رکوع کرتا ہوا نیچے گر گیا اور اس نے رجوع کیا۔ تو ہم نے اسے یہ بخش دیا اور بلاشبہ اس کے لیے ہمارے پاس یقیناً بڑا قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ایک دن داؤد علیہ السلام کے پاس دو آدمی دروازے سے داخل ہونے کے بجائے دیوار پر چڑھ کر اس محراب میں داخل ہو گئے جس میں وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ وہ ان دونوں کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گئے، تو انھوں نے کہا، گھبرائیے نہیں، ہمارے درمیان جھگڑا ہے، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، ہم آپ کے پاس آئے ہیں، تاکہ آپ عدل و انصاف کے مطابق ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجیے، کسی پر زیادتی نہ کیجیے اور صحیح راستے کی طرف ہماری راہنمائی کیجیے۔ پھر وہ آدمی جو اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا تھا، کہنے لگا کہ میرے اس مسلمان بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے، یہ کہتا ہے کہ تم مجھے اپنی دنبی دے دو، تاکہ اپنی دنبیوں کے ساتھ اسے ملا لوں اور اس نے بڑی سخت زبان استعمال کی ہے۔ داؤد علیہ السلام نے کہا کہ اس نے تمھاری دنبی مانگ کر تم پر زیادتی کی ہے، اس لیے کہ ننانوے دنبیوں کے ہوتے ہوئے تمھاری دنبی زبردستی لینے کی اسے ضرورت نہیں تھی۔ مزید کہا کہ بہت سے شرکاء اسی طرح اخوت و انصاف کا پاس نہیں رکھتے اور زیادتی کر بیٹھتے ہیں، حالانکہ اخوت و انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے بھائی کو اپنے اوپر ترجیح دی جائے۔ البتہ جو لوگ ایمان و تقویٰ والے ہوتے ہیں وہ ایسی زیادتی نہیں کرتے اور ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ دونوں کے واپس چلے جانے کے بعد داؤد علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ قضیہ اللہ کی طرف سے ان کا امتحان تھا۔ اس لیے اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے لگے اور ان کے دل پر خشیت الٰہی کا ایسا غلبہ ہوا کہ سجدے میں گر کر رونے لگے اور پوری طرح اپنے رب کی طرح متوجہ ہو گئے، تو اللہ نے انھیں بخش دیا۔

ان آیات کو سمجھنے میں اکثر لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے، جس کی وجہ مسلمانوں کا قرآن کی تفسیر میں اسرائیلی روایات پر اعتماد ہے، حالانکہ یہود کی اللہ کے پیغمبروں خصوصاً داؤد و سلیمان علیہما السلام سے دشمنی سب کو معلوم ہے۔ اگر کوئی شخص ان روایات سے ذہن کو صاف کر لے تو آیات کا مطلب سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ اس لیے پہلے آیات کا مطلب بیان کیا جاتا ہے، اس کے بعد ان روایات کے متعلق مختصر سی بات ہو گی۔ ان آیات کو سمجھنے کے لیے ان سے پہلی آیات پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے: (ا) یہ بات بالکل واضح ہے کہ آیات کے اس سلسلہ میں قرآن مجید داؤد علیہ السلام کی تعریف بیان فرما رہا ہے۔ (ب) قرآن کے الفاظ یا مفہوم میں کوئی اشارہ بھی نہیں کہ یہ کوئی رمز یا کنایہ کی بات ہے، جو اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے کسی ایسے فعل پر ناراضی کے اظہار کے لیے فرمائی ہے جو شریعت کے خلاف یا فضیلت کے خلاف تھا۔ (ج) اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر نبی ﷺ کو اپنی قوم کی باتوں پر صبر کا حکم دیتے ہوئے داؤد علیہ السلام کو نمونے کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو فرما رہے ہیں کہ اگر آپ کا سینہ اپنی قوم کے کفر سے تنگ ہوتا ہے تو صبر کریں اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کریں۔ ساتھ ہی داؤد علیہ السلام کا ذکر نہایت عزت و تکریم کے ساتھ کیا ہے اور ان کی تعریف بہت بلند اوصاف کے ساتھ فرمائی ہے: ① انھیں "عَبْدَنَا" (ہمارا بندہ) کہا ہے، یہ اکیلا لفظ ہی سب اوصاف پر بھاری

ہے، جیسا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے متعلق فرمایا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ [بني إسرائيل : ۱] ''پاک ہے وہ جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو حرمت والی مسجد سے بہت دور کی اس مسجد تک لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے برکت دی۔'' ② پھر بتایا کہ وہ ''ذَا الْاَیْدِ'' (حق کی قوت والے تھے) ③ ''اَوَّابٌ'' (اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے) تھے۔ ④ ''اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ'' (ہماری طرف سے پہاڑ ان کے ہمراہ مسخر تھے، صبح و شام تسبیح کرتے تھے) ⑤ ''وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً'' (جمع کیے پرندے بھی ان کے ہمراہ تسبیح کے لیے مسخر تھے) ⑥ ''وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ'' (اور ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی) ⑦ ''وَ اٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ'' (اور انھیں حکمت عطا فرمائی) ⑧ ''وَ فَصْلَ الْخِطَابِ'' (اور فیصلہ کن گفتگو عطا فرمائی) ⑨ اس کے بعد یہ واقعہ ذکر فرمایا، جس کے بعد پہلے دنیا میں انھیں عطا ہونے والا مقام ذکر فرمایا: ''یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ'' (اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا) ⑩ پھر اپنے ہاں ان کا مرتبہ اور آخرت میں ان کا مقام بیان فرمایا: ''وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی'' (اور بلاشبہ اس کے لیے ہمارے پاس یقیناً بڑا قرب ہے) ⑪ ''وَ حُسْنَ مَاٰبٍ'' (اور اچھا ٹھکانا ہے)۔ ان اوصاف سے ظاہر ہے کہ داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہایت مقرّب اور محبوب پیغمبر تھے اور ایسی تمام روایات ان پر صریح بہتان اور ظلم ہیں جن سے وہ ایک عام شریف آدمی سے بھی فروتر نظر آتے ہیں، تو پھر ان آیات کا مطلب کیا ہے اور ان دو جھگڑنے والوں کا مقصد کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نبی تھے اور بادشاہ بھی اور یہ دونوں بہت بھاری ذمہ داریاں ہیں۔ ان کے علاوہ انھیں اللہ تعالیٰ کی عبادت یعنی تسبیح، ذکر الٰہی، تلاوت، قیام اللیل اور روزوں کا بہت شوق تھا، اس لیے اس کے بغیر چارہ ہی نہ تھا کہ وہ تسبیح و ذکر، نبوت کے فرائض اور بادشاہت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے اپنے اوقات تقسیم کریں۔ اس کے ساتھ یہ بھی شامل کر لیں کہ وہ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، جس کے لیے انھیں لوہے کی زرہیں بنانے کا مشکل اور باریک کام کرنا پڑتا تھا، سورۂ سبا کی آیت (۱۱): ﴿اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ﴾ (کہ کشادہ زرہیں بنا اور کڑیاں جوڑنے میں اندازہ رکھ) سے ان کے کام کی مشقت اور باریکی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اب نبوت، سلطنت، عبادت اور کمائی کے لیے وقت کیسے تقسیم کریں؟ اس کے لیے انھوں نے کچھ اوقات نبوت و سلطنت اور کمائی کے امور کے لیے رکھے اور کچھ وقت عبادت کے لیے خاص کر لیا، جس میں وہ اپنے محراب (عبادت خانے) سے نہیں نکلتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ داؤد علیہ السلام کو اس بات کا پتا چل جائے کہ جب وہ عبادت کے لیے خلوت اختیار کرتے ہیں اس وقت بھی لوگوں کے ایک دوسرے پر ایسے ظلم واقع ہوتے ہیں جن کے لیے داؤد علیہ السلام کے عدل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دو جھگڑنے والوں کے لیے یہ آسانی پیدا فرمائی کہ دروازے بند ہونے اور پہرے داروں کی موجودگی کے باوجود وہ دیوار پھاند کر ان کے عبادت خانے میں داخل ہو گئے اور ان میں سے ایک نے اپنا قصہ سنایا

اور وہ ظلم بیان کیا جو اس کے بھائی نے اس پر کیا تھا کہ کس طرح وہ بہت دولت مند اور ننانوے دنبیوں کا مالک ہونے کے باوجود اپنے فقیر بھائی سے، جو صرف ایک دنبی کا مالک ہے، اس کی واحد ملکیت بھی بہت سختی کے ساتھ اپنے سپرد کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ داوٗد علیہ السلام ان کے اس طرح آنے پر پہلے گھبرائے، مگر جب حقیقت حال معلوم ہوئی تو نہ ان سے ناراض ہوئے اور نہ انھیں پھر آنے کی تاریخ دی، بلکہ ان کا مقدمہ سن کر فوراً فیصلہ فرما دیا۔ ساتھ ہی سمجھ گئے کہ عبادت والے دن بھی لوگوں کے درمیان جھگڑے اور ایک دوسرے پر ظلم ہوتے ہیں، مگر ان کے عبادت میں مصروف ہونے کی وجہ سے مظلوم ان کے پاس فریاد لے کر نہیں پہنچ سکتے، حالانکہ لوگوں کے درمیان صلح اور مظلوم کی مدد عبادت خانے کی خلوت سے افضل ہے اور انھیں یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کے اس طرح آنے سے اللہ تعالیٰ نے میری آزمائش کی ہے کہ میں یہ بات سمجھتا ہوں یا نہیں کہ عبادت میں ایسی مصروفیت نہیں ہونی چاہیے کہ مظلوم کو عدالت تک رسائی نہ ہو سکے۔ اس لیے انھوں نے اپنی اس کوتاہی پر اپنے رب سے معافی مانگی اور اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے سجدے میں گر گئے، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا۔

سورۂ ﴿ صٓ ﴾ کا سجدہ

آیت میں مذکور الفاظ ''اور داوٗد نے یقین کر لیا کہ بے شک ہم نے اس کی آزمائش ہی کی ہے تو اس نے اپنے رب سے بخشش مانگی اور رکوع کرتا ہوا نیچے گر گیا اور اس نے رجوع کیا۔'' پڑھ کر نبی اکرم ﷺ سجدہ کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو ''سورۂ ص'' میں (مذکورہ آیت پر) سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ [بخاري، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ﴿ و اذکر عبدنا داوٗد ذا الأید...... الخ ﴾ : ۳٤۲۲]

مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اس سورت (صٓ) میں سجدہ کرنے کی دلیل کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا، کیا تم نے (سورۃ الانعام: ۸۴ تا ۹۰ میں) یہ نہیں پڑھا: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ﴾، ﴿ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ (یعنی یہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں، سو آپ بھی ان کی ہدایت کی اتباع کریں) تو داوٗد علیہ السلام بھی ان میں سے تھے جن کی اتباع کا حکم رسول اللہ ﷺ کو تھا، چونکہ (اس سورت میں یہ ذکر ہے کہ) داوٗد علیہ السلام نے سجدہ کیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی سجدہ کیا تھا۔ [بخاري، کتاب التفسیر، سورۃ صٓ : ٤۸۰۷]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سورۂ صٓ لکھ رہا ہوں۔ تو میں جب آیت سجدہ تک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ قلم، دوات اور میرے آس پاس کی دیگر تمام چیزوں نے سجدہ کیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنا یہ خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا تو اس کے بعد آپ ﷺ اس آیت کی تلاوت کے وقت برابر سجدہ

کرتے رہے۔[مسند أحمد : ۷۸/۳، ح : ۱۱۷٤۷۔ مستدرك حاکم : ٤۳۲/۲، ح : ۳٦٥٤]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ! رات میں نے خواب میں دیکھا، گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں، جب میں نے سجدہ کیا تو میرے سجدہ کرنے کی وجہ سے درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ درخت سجدے میں کہہ رہا تھا: « اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا، وَّاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَ تَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ » ''اے اللہ ! تو اس سجدے کو قبول فرما اور اس کا ثواب اپنے ہاں لکھ دے اور اس کے سبب سے تو گناہوں کا بوجھ مجھ سے دور کر دے اور اس سجدے کو تو میرے لیے اپنے ہاں ذخیرہ بنا دے اور تو اس سجدے کو میری طرف سے ایسے ہی قبول فرما لے جیسے تو نے اپنے بندے داؤد (علیہ السلام) سے قبول فرمایا تھا۔'' سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت سجدہ کی تلاوت فرمائی، پھر سجدہ کیا تو میں نے سنا کہ آپ سجدے میں وہی کلمات کہہ رہے تھے جن کے بارے میں اس شخص نے بتایا تھا کہ اس نے درخت سے حالت سجدہ میں یہ الفاظ سنے تھے۔[ترمذي، کتاب الجمعة، باب ما جاء ما یقول في سجود القرآن : ٥۷۹۔ ابن ماجه، کتاب إقامة الصلوات، باب سجود القرآن : ۱۰٥۳]

روزِ قیامت داؤد علیہ السلام کو قربِ الٰہی کا اعزاز

روزِ قیامت داؤد علیہ السلام کو قرب حاصل ہو گا، اللہ تعالیٰ انھیں اپنے تقرب سے سرفراز فرمائے گا، نیز انھیں عمدہ مقام، یعنی ان کی توبہ اور اپنی مملکت میں مکمل عدل کی وجہ سے انھیں جنت میں بلند و بالا درجات نصیب ہوں گے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴾ [صٓ : ۲٥]

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً عادل لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے ممبروں پر ہوں گے، رحمٰن عزوجل کی دائیں جانب (اور ذہن نشین رہے کہ) اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ عادل وہ ہیں جو اپنے فیصلوں میں، اپنے اہل و عیال میں اور جن کے وہ مالک ہوں ان میں عدل و انصاف کرتے ہیں۔'' [مسلم، کتاب الإمارة، باب فضیلة الأمیر العادل ...... الخ : ۱۸۲۷]

حکام اور سلاطین کو وصیت

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴾ [صٓ : ۲٦]

''اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور

خواہش کی پیروی نہ کر، ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ یقیناً وہ لوگ جو اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے داؤد علیہ السلام سے کہا، اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے، تاکہ آپ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیں، برائی سے روکیں اور اپنے رب کی شریعت کو نافذ کریں، تو آپ لوگوں کے درمیان اس عدل کے ساتھ فیصلہ کیجیے جس کا اللہ کی شریعت تقاضا کرتی ہے اور اپنے نفس کی پیروی نہ کیجیے کہ مال و جاہ یا دوستی و رشتہ داری کی وجہ سے حق و عدل سے منحرف ہو جائیں۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اس صراط مستقیم سے دور ہو جائیں گے، جس پر چل کر قومیں دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی حاصل کرتی ہیں اور جس سے انحراف حاکم و محکوم سب کی ہلاکت و بربادی کا سبب بنتا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ جو لوگ اس دنیا میں اللہ کی راہ سے برگشتہ ہو جائیں گے، انھیں قیامت کے دن شدید عذاب دیا جائے گا، اس لیے کہ انھوں نے اللہ کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا اور ایمان و تقویٰ کے بجائے کفر و سرکشی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔

سیدنا داؤد علیہ السلام کی عمر اور وفات

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا فرمایا اور ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ہر وہ روح باہر نکل آئی، جسے اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں سے قیامت تک پیدا فرمانے والا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا فرما دی، پھر انھیں آدم کے سامنے پیش کیا، تو آدم نے عرض کی، اے اللہ! یہ کون ہیں؟ فرمایا، یہ تیری اولاد ہے۔ آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک انھیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئی، انھوں نے عرض کی، یا اللہ! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ آخری امتوں میں سے تیری اولاد میں سے ایک شخص ہے جس کا نام داؤد ہے۔ عرض کی، یا اللہ! اس کی عمر کتنی ہوگی؟ فرمایا: ساٹھ سال۔ عرض کی، اے اللہ! میں نے اس کو اپنی عمر میں سے چالیس سال دیے۔ پھر جب آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی تو ان کے پاس ملک الموت آیا، آدم علیہ السلام نے فرمایا، کیا میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کہ آپ نے وہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیے تھے؟‘‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’تب آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی اولاد بھی انکار کر دیتی ہے۔ آدم علیہ السلام بھول گئے یہی وجہ ہے کہ اولادِ آدم بھی بھول جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام سے خطا ہوگئی اور اسی وجہ سے آپ کی اولاد سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔‘‘ [ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة الأعراف : ٣٠٧٦۔ مستدرك حاكم : ٢/ ٣٢٥، ح : ٣٢٥٧]

25

سیدنا داؤد علیہ السلام کے جانشین

اللہ تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کو سیدنا داؤد علیہ السلام کا بادشاہت و حکمت نیز نبوت میں جانشین مقرر فرمایا اور اپنے فضل و کرم سے مزید عنایات کیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ﴾ [النمل : ١٦]

''اور سلیمان داؤد کا وارث بنا اور اس نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہمیں ہر چیز میں سے حصہ دیا گیا ہے۔ بے شک یہ یقیناً یہی واضح فضل ہے۔''

آیت میں مذکور وراثت سے مال کی وراثت مراد نہیں ہے، کیونکہ اگر مقصود مال کی وراثت ہوتی تو پھر داؤد علیہ السلام کی تمام اولاد میں سے صرف سیدنا سلیمان علیہ السلام کا بطور خاص ذکر نہ کیا جاتا، ان کی باقی اولاد کا بھی ذکر کیا جاتا۔ یاد رہے کہ داؤد علیہ السلام کی تو ایک سو بیویاں تھیں۔ بہرحال یہاں مراد ملک و نبوت کی وراثت ہے۔ کیونکہ انبیاء کا مال ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا، جیسا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم گروہِ انبیاء کا مال بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا، بلکہ ہم نے جو مال چھوڑا ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' [بخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ : ٣٧١٢]

پرندوں کی بولی کا علم

سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجالاتے ہوئے کہا کہ ہمیں پرندوں کی بولی سمجھنا سکھایا گیا ہے، بلکہ بولنا بھی، جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کا ہُد ہُد سے مکالمہ آگے آ رہا ہے، پھر انھیں صرف پرندوں ہی نہیں بلکہ تمام حیوانات کی بولی سکھائی گئی تھی، جیسا کہ چیونٹی کی بات سننے کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ پرندوں کا ذکر اختصار کے لیے ہے، کیونکہ پرندے تمام

جانداروں سے زیادہ انسان سے دور رہنے اور بدکنے والے ہیں۔ جب داؤد اور سلیمان علیہما السلام ان کی بولی جانتے تھے تو دوسرے جانوروں کی بولی کا علم تو انھیں بالا ولیٰ تھا، جو انسان کے قریب رہتے ہیں۔ تمام جانوروں میں سے پرندوں کا ذکر خاص طور پر اس لیے بھی ہے کہ وہ ان کی فوج کا باقاعدہ حصہ تھے۔ پرندوں کی بولی کے علم سے مراد اندازوں پر مبنی علم نہیں، جو علم الحیوانات کے ماہرین ایجاد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، بلکہ مراد واضح طور پر ان کی باتوں کو سمجھنا ہے، جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ خاص معجزہ تھا۔

سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی اس نعمت کا اعتراف کرتے ہوئے اسے اللہ کا واضح فضل و کرم قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں عطا کرنے کے لیے بے شمار انسانوں میں سے ہمیں منتخب فرمایا، یقیناً یہ واضح برتری ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ یہ بتانے سے سلیمان علیہ السلام کا مقصد فخر کا نہیں بلکہ شکر کا اظہار تھا۔ اس کے علاوہ لوگوں کو یہ بات بتانا ان کی ذمہ داری تھی، تاکہ لوگ ان کی قدر پہچانیں اور ان کی اطاعت کریں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔''
[ترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة بني إسرائيل : ۳۱۴۸]

بے مثل ملک وحکومت کے مالک نبی

اللہ تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کو چرند، پرند، جنوں اور انسانوں پر بے مثل حکمرانی عطا فرمائی تھی۔ آپ ان سب کی بولی سمجھتے تھے اور اس نعمت ربانی پر خاص طور پر شکر گزار بھی تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [النمل : ۱۷ تا ۱۹]

''اور سلیمان کے لیے اس کے لشکر جمع کیے گئے، جو جنوں اور انسانوں اور پرندوں سے تھے، پھر وہ الگ الگ تقسیم کیے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، کہیں سلیمان اور اس کے لشکر تمھیں کچل نہ دیں اور وہ شعور نہ رکھتے ہوں۔ تو وہ اس کی بات سے ہنستا ہوا مسکرایا اور اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں، جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور یہ کہ میں نیک عمل کروں، جسے تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔''

سلیمان علیہ السلام کے ایک سفر کا ذکر ہے، جب وہ جنوں، انسانوں اور پرندوں پر مشتمل اپنی ایک منظم و مرتب فوج کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راستے میں ان کا گزر ایک ایسی وادی سے ہوا جس میں چیونٹیاں پائی جاتی تھیں۔ ایک چیونٹی نے اس لشکر جرار کو دیکھ کر دیگر چیونٹیوں سے کہا کہ تم سب جلد از جلد اپنی بلوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور اس کی فوج غیر شعوری طور پر تمھیں کچل دے۔ سلیمان علیہ السلام اس کی بات سن کر مسکرانے لگے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے دعا کرنے لگے کہ اے میرے رب! مجھے اس بات کی توفیق دے کہ تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر جن نعمتوں کی بارش کی ہے ان کا شکر ادا کروں اور ایسے نیک کام کروں جنھیں تو پسند کرتا ہے اور اپنے رحم و کرم سے مجھے نیک بندوں میں داخل کر دے۔

یہاں اس چیونٹی کا تذکرہ کرنا بھی مفید رہے گا جس نے ایک نبی کو کاٹ لیا تھا۔ یہ نبی ایک ایسی بستی پر سے گزرے جس کو اللہ پاک نے بالکل تباہ کر دیا تھا۔ انھوں نے عرض کی پروردگار! اس بستی میں تو نیک اور بد ہر طرح کے لوگ موجود تھے، پھر لڑکے، بچے، جانور سبھی تھے، تو تو نے سبھی کو ہلاک کر دیا؟ پھر وہ نبی ایک درخت کے نیچے آرام کے لیے رکے تو ایک چیونٹی نے انھیں کاٹ لیا، تو انھوں نے غصے میں چیونٹیوں کا سارا بل جلا دیا۔ تب اللہ نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ تو نے کیوں بے قصور چیونٹیوں کو ہلاک کر دیا؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نبیوں میں سے ایک نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تو ان کے حکم سے چیونٹیوں کے سارے گھر جلا دیے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تمھیں ایک چیونٹی نے کاٹ لیا تھا، لیکن تم نے ایک ایسی مخلوق کو جلا کر خاک کر دیا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی تھی۔'' [بخاري، كتاب الجهاد، بابٌ : ۳۰۱۹]

سلیمان علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یہ فریاد بھی کی کہ اے اللہ ﴿ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے صالح بندوں میں شمولیت اور جنت کا حصول اللہ کی رحمت کے بغیر ممکن نہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: ''کسی شخص کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔'' لوگوں نے کہا: ''یا رسول اللہ! کیا آپ کو بھی نہیں؟'' فرمایا: ''نہیں! میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل اور رحمت کے ساتھ ڈھانپ لے۔'' [بخاري، كتاب المرضى، باب تمني المريض الموت : ۵۶۷۳]

ہد ہد اور ملکۂ سبا کا واقعہ

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے لشکر جرار میں ہد ہد کی ڈیوٹی ایک انجینئر کی سی تھی۔ ایک روز ہد ہد بوقت حاضری غیر حاضر ہوا تو سیدنا سلیمان علیہ السلام سخت ناراض ہوئے مگر ہد ہد ایک ایسی خبر لایا جس سے اللہ کے نبی بھی بے خبر تھے، لہٰذا اس کی غیر حاضری کا نہایت معقول عذر ہونے کی وجہ سے اس کا قصور قابل معافی تسلیم کر لیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ۝ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ۝ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ [النمل : ۲۰ تا ۲۴]

”اور اس نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا مجھے کیا ہے کہ میں فلاں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا، یا وہ غائب ہونے والوں سے ہے۔ یقیناً میں اسے ضرور سزا دوں گا، بہت سخت سزا، یا میں ضرور ہی اسے ذبح کر دوں گا، یا وہ ضرور ہی میرے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آئے گا۔ پس وہ کچھ دیر ٹھہرا، جو زیادہ نہ تھی، پھر اس نے کہا میں نے اس بات کا احاطہ کیا ہے جس کا احاطہ تو نے نہیں کیا اور میں تیرے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ بے شک میں نے ایک عورت کو پایا کہ ان پر حکومت کر رہی ہے اور اسے ہر چیز میں سے حصہ دیا گیا ہے اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال مزین کر دیے ہیں، پس انھیں اصل راستے سے روک دیا ہے، پس وہ ہدایت نہیں پاتے۔“

سلیمان علیہ السلام نے ایک دن دورانِ سفر پرندوں کی حاضری لی تو ہد ہد کو غائب پایا۔ انھوں نے ناراض ہو کر کہا کہ اگر اس نے معقول عذر پیش نہ کیا تو میں اسے سخت سزا دوں گا، یا ذبح کر دوں گا، لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش ہو گیا اور اپنا عذر پیش کرتے ہوئے انھیں خبر دی کہ میں وہ کچھ دیکھ کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں ہے۔ میں یمن کے شہر سباء، جو اب مارب کہلاتا ہے، اس کی ایک بالکل سچی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا ہے جو حکمران ہے اور جسے اللہ نے ہر ساز و سامان اور اسباب و ثروت سے نواز رکھا ہے۔ اس کا ایک بہت عظیم تخت شاہی ہے، جس پر بیٹھ کر وہ حکومت کرتی ہے۔ ہد ہد نے کہا کہ میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا آفتاب کو سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ شیطان نے ان کے ان شرکیہ اعمال کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا ہے اور انھیں راہِ حق کے اتباع سے روک دیا ہے، اس لیے وہ لوگ بھٹک گئے ہیں۔

سلیمان علیہ السلام وہ عظیم پیغمبر تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ﴾ [النمل : ۱۵] ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک علم دیا۔“ ان کے مقابلے میں علمی لحاظ سے ہُد ہُد کی کوئی حیثیت نہ تھی، اس کے باوجود ہُد ہُد نے دعوے سے کہا کہ میں نے اس بات کا احاطہ کیا ہے جس کا آپ نے احاطہ نہیں کیا۔ سلیمان علیہ السلام اس پر نہ ناراض ہوئے نہ اسے گستاخ قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا ایک کم مرتبہ شخص کو کوئی ایسی بات معلوم ہو سکتی ہے جو اس سے عالی مرتبے والے کو معلوم نہ ہو، مثلاً یہ مسئلہ کہ اجازت تین دفعہ مانگی جاتی ہے، اس کے

بعد واپس چلے جانا چاہیے، عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا۔ [أبوداؤد : ٥١٨٠] جنابت کے لیے تیمّم کا مسئلہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو یاد رہا، عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے ذہن میں نہ رہا۔ چنانچہ وہ جنبی کے لیے تیمم کے قائل نہیں تھے۔ [بخاري : ٣٤٦، ٣٤٧] وہ درخت جو مسلم کی مانند ہے، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور رسول اللہ ﷺ کی مجلس کے دوسرے حاضرین کے ذہن میں نہ آیا، ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ذہن میں آ گیا۔ [بخاري : ٦١] صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے: « أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ يُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكَاةَ » یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم تھی، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم نہ تھی۔ [فتح الباري، الإيمان، باب : ﴿ فإن تابوا و أقاموا الصلاة...... ﴾، تحت ح : ٢٥]

عورت کی حکمرانی پر ہد ہد کا تعجب

ہُد ہُد کے لیے یہ بات بڑے تعجب کی تھی کہ کسی قوم کی بادشاہ ایک عورت ہو۔ قرآن کریم میں اسی پس منظر کو بیان کیا گیا ہے، سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو ایران کی حکومت پر کسریٰ کی بیٹی کے فائز ہونے کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: ''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو حکمران بنا لیا ہے۔'' [بخاري، كتاب المغازي، باب كتاب النبي ﷺ إلى كسرى و قيصر : ٤٤٢٥]

ہد ہد نے خبر دیتے ہوئے یہ بھی بتلایا کہ میں نے اس قوم کو اس حالت میں پایا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں، یعنی ہر قسم کی نعمت میسر ہونے پر لازم تھا کہ وہ ان نعمتوں کے عطا کرنے والے کی عبادت کرتے اور اسی کو سجدہ کرتے، مگر میں نے دیکھا کہ اس کے بجائے وہ اور اس کی قوم سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال خوش نما بنا دیے ہیں اور انھیں اصل راستے سے روک دیا ہے، لہٰذا وہ ہدایت نہیں پاتے۔ یعنی ان کے ہدایت نہ پانے کی وجہ یہ ہے کہ شیطان نے ان کی نگاہ میں سورج کی پرستش مزین کر دی ہے، اس لیے وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھ رہے ہیں۔ اب غلط راستے پر چلنے والا کوئی شخص یقین کر لے کہ میں صحیح جا رہا ہوں اور غلطی بتانے والے کی دشمنی پر اتر آئے تو وہ کبھی سیدھے راستے پر نہیں آ سکتا۔ یہ کہہ کر ہد ہد نے گویا سلیمان علیہ السلام کو اس قوم سے جہاد کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

﴿ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴾ [النمل : ٢٥، ٢٦]

''تاکہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو عرش عظیم کا رب ہے۔''

یعنی یہ لوگ اس اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین میں چھپی ہوئی چیز نکالتا ہے۔ اس آیت کا دوسرا

ترجمہ وہی ہے جو اوپر کیا گیا ہے کہ تا کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو نکالتا ہے۔ ہُد ہُد نے اس بنیادی حقیقت کے ثبوت کے لیے تین عظیم الشان دلیلیں پیش کیں کہ معبود برحق صرف اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ہے، اس کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں۔ پہلی یہ کہ وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کی مخفی اور پوشیدہ چیزوں کو نکالتا ہے۔ آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں کے عموم میں سورج، چاند، ستارے، سیارے، بارش، ہوا اور بجلی وغیرہ سب ہی داخل ہیں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں میں تمام نباتات، پودے، درخت، دریا، چشمے، زیرِ زمین پانی، تیل، گیس اور بے شمار معدنیات سب آ جاتے ہیں۔ بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ ہد ہد کی خوراک عام طور پر وہ کیڑے ہوتے ہیں جو درختوں کی چھال یا زمین کے نیچے چھپے ہوتے ہیں۔ اس بظاہر معمولی سے پرندے نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل اپنی سمجھ اور تجربے کے مطابق دی کہ عبادت اور سجدے کے لائق وہ اللہ ہے جو ہر مخلوق کو اس کی چھپی ہوئی روزی تک رسائی دیتا ہے۔ سورج جسے اپنی گردش ہی سے فرصت نہیں، نہ اس نے کوئی چیز پیدا کی کہ وہ اسے چھپانے یا ظاہر کرنے کا علم یا اختیار رکھتا ہو، وہ عبادت یا سجدے کے لائق کیسے ہو گیا؟

اکیلے اللہ کو سجدہ کرنے کی دوسری دلیل ''وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ'' ہے، یعنی سجدے کے لائق وہ ذات ہے جس کا علم اتنا وسیع ہے کہ نہ صرف آسمان و زمین ہی کی پوشیدہ قوتوں اور چیزوں کو جانتا ہے بلکہ وہ سب کچھ بھی جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو یا پوشیدہ رکھتے ہو۔ سورج یا کسی اور مخلوق کو کسی کے ظاہر یا پوشیدہ حالات کی کیا خبر کہ وہ سجدے کے لائق ہو۔

''اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ'' توحید کی تیسری دلیل ہے کہ وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ مالک تو وہ کائنات کی ہر چیز کا ہے، لیکن یہاں صرف عرش عظیم کا ذکر کیا۔ ایک تو اس لیے کہ عرشِ الٰہی کائنات کی سب سے بڑی چیز اور سب سے برتر ہے۔ دوسرا یہ واضح کرنے کے لیے کہ ملکہ سبا کا تختِ شاہی بھی گو بہت بڑا ہے، مگر اسے عرش عظیم سے کوئی نسبت نہیں جس پر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق مستوی ہے۔ یہاں ہد ہد کا کلام ختم ہوا۔ بعض مفسرین نے ان دو آیات کو اللہ تعالیٰ کا کلام قرار دیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہد ہد کے کلام کے بعد توحید کی تعلیم کے لیے فرمایا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''نبی ﷺ نے چار جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہد ہد اور صُرَد (لٹورا) کو۔'' [أبوداؤد، الأدب، باب في قتل الذر : ۵۲۶۷]

سلیمان علیہ السلام کا نامۂ گرامی ملکۂ سبا کے نام

چونکہ ہد ہد نے سزا سے بچنے کے لیے بطورِ عذر یہ بات بیان کی تھی اس لیے اس میں غلط بیانی کا بھی امکان تھا، لہٰذا سلیمان علیہ السلام نے اگرچہ سزا سے درگزر فرمایا تاہم فرمایا کہ ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا جھوٹوں سے تھا:

﴿قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا

يَرْجِعُوْنَ ۞ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۞ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴾ [النمل : ۲۷ تا ۳۱]

''کہا عنقریب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا، یا تو جھوٹوں سے تھا۔ میرا یہ خط لے جا، پس اسے ان کی طرف پھینک دے، پھر ان سے لوٹ آ، پس دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اس (ملکہ) نے کہا اے سردارو! بے شک میری طرف ایک عزت والا خط پھینکا گیا ہے۔ بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے، جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔ یہ کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور فرماں بردار بن کر میرے پاس آ جاؤ۔''

سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی بات سن کر کہا، میں تمھارا امتحان لے کر دیکھوں گا کہ تم نے سچ بات کہی ہے یا اپنی جان بچانے کے لیے میرے سامنے ایک جھوٹ گھڑ کر بیان کر دیا ہے۔ یہ میرا خط لے جاؤ اور ان تک پہنچا دو اور پھر الگ ہٹ کر دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہدہد نے ایسا ہی کیا اور ملکہ کی گود میں خط ڈال دیا۔ ملکہ نے خوف زدہ ہو کر اسے پڑھا اور اپنے دربار کے خاص لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ میرے پاس ایک بہت ہی لائقِ احترام خط بھیجا گیا ہے۔ یہ خط سلیمان کی جانب سے ہے اور اس کی ابتدا اس اللہ کے نام سے ہے جو بے حد رحم کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ تم لوگ بادشاہوں کے عام طریقے کے مطابق کبر و نخوت سے کام نہ لو، اکڑو نہیں اور جو دین دے کر میں بھیجا گیا ہوں اس پر ایمان لاؤ اور میرے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔

اس خط سے خط لکھنے کے کئی آداب معلوم ہو رہے ہیں، ایک یہ کہ خط لکھنے والے کو خط کے شروع میں اپنا تعارف کرانا ضروری ہے کہ یہ خط کس کی طرف سے ہے۔ دوسرا یہ کہ خط کی ابتدا ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' سے ہونی چاہیے۔ تیسرا یہ کہ خط مختصر، جامع اور واضح ہونا چاہیے۔ قرآن میں مذکور الفاظ کے مطابق خط لکھنے والے کا نام ''بِسْمِ اللّٰهِ'' سے پہلے ہے، مگر مفسرین فرماتے ہیں کہ ملکہ چونکہ اپنے الفاظ میں خط کا تذکرہ کر رہی تھی، اس لیے اس نے ''مِنْ سُلَيْمٰنَ'' کا ذکر پہلے کر دیا، ورنہ ''بِسْمِ اللّٰهِ'' اس سے پہلے ہے، جیسا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے خطوط سے واضح ہے کہ ان میں ابتدا اس طرح ہوتی ہے: ((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ ......)) [بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي : ۷]

ملکۂ سبا کا درباریوں سے مشورہ

جب درباری خط سن کر خاموش اور مبہوت رہ گئے تو ملکہ نے کہا اے سردارو! میرے اس معاملے میں مجھے حل بتاؤ:

﴿ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۞ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ

شَدِيدٍ ۬ۙ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴾ [النمل : ۳۲ تا ۳٤]

''کہا اے سردارو! تم میرے معاملے میں مجھے حل بتاؤ، میں کبھی کسی معاملے کا فیصلہ کرنے والی نہیں، یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود ہو۔ انھوں نے کہا ہم بڑی قوت والے اور بہت سخت جنگ والے ہیں اور معاملہ تیرے سپرد ہے، سو دیکھ تو کیا حکم دیتی ہے۔ اس نے کہا بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے خراب کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں سے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور اسی طرح یہ کریں گے۔''

ملکۂ سبا نے دربار میں موجود خاص لوگوں کو خط کا مضمون بتانے کے بعد ان سے کہا کہ تم لوگ اس بارے میں مجھے اپنی رائے دو، جب تک میں تم لوگوں کی رائے معلوم نہ کر لوں، صرف اپنی سمجھ پر بھروسا کر کے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتی۔ تو ان زعمائے قوم نے کہا کہ ہم فوجی طاقت اور جنگ کا اچھا تجربہ رکھتے ہیں اور معرکۂ کارزار میں دشمنوں کے چھکے چھڑا دیتے ہیں، اس لیے ہم اپنی جان و مال اور ملک و وطن کے دفاع کی پوری قدرت رکھتے ہیں، اب آپ خود ہی فیصلہ کیجیے، آپ کی دور اندیشی اور عقل مندی پر ہمیں بھروسا ہے۔ آپ کا جو حکم ہوگا اسے کر گزرنے کے لیے ہم تیار ہیں۔ ملکۂ سبا نے تمام حالات کا جائزہ لیا، سلیمان علیہ السلام کی قوت و ہیبت کا اندازہ اس سے لگایا کہ پرندے تک ان کے تابع فرمان ہیں اور فوراً اس نتیجے پر پہنچ گئی کہ وہ اپنے دشمن کے مقابلے میں بالکل کمزور ہے، بہتری اسی میں ہے کہ سلیمان (علیہ السلام) سے صلح کر لی جائے۔ اسی لیے اس نے کہا کہ یہ بادشاہ حضرات جب کسی ملک میں قوت کے بل بوتے پر داخل ہوتے ہیں تو اسے تہس نہس کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں، قید کر لیتے ہیں اور مال و متاع لوٹ لیتے ہیں، اس لیے سلیمان (علیہ السلام) اور اس کی فوج کے لوگ بھی یہاں یہی کچھ کریں گے۔

ملکۂ سبا کا تحفہ اور سلیمان علیہ السلام کا جواب

ملکہ نے طے کیا کہ سلیمان علیہ السلام سے موافقت کر کے صلح کر لے۔ چنانچہ اس نے اپنے سرداروں سے کہا کہ میں اس کی طرف شایانِ شان تحفہ بھیجتی ہوں:

﴿ وَ اِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ٝ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۝ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ [النمل : ۳۵ تا ۳۷]

''اور بے شک میں ان کی طرف کوئی تحفہ بھیجنے والی ہوں، پھر انتظار کرنے والی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لے کر پلٹتے ہیں۔ تو جب وہ سلیمان کے پاس آیا تو اس نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کرتے ہو؟ تو جو کچھ اللہ نے مجھے

دیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمھیں دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔ان کے پاس واپس جا، اب ہرصورت ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کے مقابلے کی ان میں کوئی طاقت نہیں اور ہر صورت انھیں اس سے اس حال میں ذلیل کر کے نکالیں گے کہ وہ حقیر ہوں گے۔‘‘

ملکہ نے کہا کہ میں ایسا کرتی ہوں کہ سلیمان (علیہ السلام) اور اس کے عمائدین قوم کے لیے ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ میرے قاصد کیا جواب اور تاثر لے کر آتے ہیں۔ جب قاصد سلیمان علیہ السلام کے پاس ملکۂ سبا کا قیمتی ہدیہ لے کر پہنچے اور ان کی خدمت میں پیش کیا، تو انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم لوگ مجھے مال دے کر خوش کرنا چاہتے ہو، تا کہ تمھارے کفر و شرک کو نظر انداز کر جاؤں اور تمھیں تمھارے حال پر چھوڑ دوں؟ مجھے اللہ نے تم لوگوں سے کہیں زیادہ اور بہتر عطا کیا ہے، علم و نبوت سے نوازا ہے، بادشاہی عطا کی ہے، جنوں، انسانوں، پرندوں، جانوروں اور ہواؤں تک کو میرے لیے مسخر کر دیا ہے۔تم لوگ ہدیہ واپس لے جاؤ اور دنیا کی ان عارضی نعمتوں پر خوش ہوتے رہو۔ مجھے تمھارا ہدیہ قبول نہیں اور اگر وہ لوگ مسلمان بن کر میرے پاس نہ آئے تو ایک ایسی فوج لے کر ان پر حملہ کروں گا کہ جن کے مقابلے کی ان کے اندر ہمت نہیں ہے اور سب کو شہر سبا سے ذلیل و خوار کر کے نکال دوں گا۔

ذلت یہ کہ سلطنت اور حکومت چھن جائے گی اور ’’صغار‘‘ (حقارت اور پستی) یہ کہ غلام اور قیدی بنیں گے، یا جلاوطن کیے جائیں گے۔ یہ معاملہ صرف ملکہ سبا کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مسلمانوں کو تمام دنیا کے کفار سے لڑتے رہنے کا حکم ہے، حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا اپنے ہاتھ سے جزیہ دینے کی ذلت قبول کریں اور مسلمانوں کے سامنے پست اور حقیر ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں فرمایا: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ [التوبة : ۲۹] ’’لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ حقیر ہوں۔‘‘

افسوس! اس کتاب ہدایت نے تو سلیمان علیہ السلام کے واقعہ کے ساتھ بھی اور صریح الفاظ میں بھی مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ تمام دنیا کے کفار سے لڑتے رہو، حتیٰ کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا اپنے ہاتھ سے جزیہ دے کر مسلمانوں کے ماتحت ہو کر زندگی بسر کریں، مگر مسلمانوں نے یہ سبق بھلا دیا اور شہادت اور جنت کی لذتوں کی طلب کے بجائے دنیائے فانی کے عیش و عشرت میں کھو گئے اور جہاد سے منہ موڑ بیٹھے۔ نتیجہ کفار کی ذلّت و پستی کے بجائے مسلمانوں کی ذلّت و پستی کی صورت میں سب کے سامنے ہے اور بقول امام مالک رحمہ اللہ: ’’لَنْ يَّصْلُحَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهِ أَوَّلُهَا‘‘ [شرح سنن أبي داوٗد لعبد المحسن العباد : ۲/ ۳۳٤] ’’اس امت کے آخر کی اصلاح بھی اسی نسخے کے

ساتھ ہوگی جس کے ساتھ اس امت کے اوّل کی اصلاح ہوئی تھی۔‘‘

ایک لحظہ میں ملکۂ سبا کے تخت کی حاضری

﴿قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ۝ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫ۖ لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ﴾ [النمل : ۳۸ تا ۴۰]

’’کہا اے سردارو! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لے کر آئے گا، اس سے پہلے کہ وہ فرماں بردار ہو کر میرے پاس آئیں؟ جنوں میں سے ایک طاقتور شرارتی کہنے لگا میں اسے تیرے پاس اس سے پہلے لے آؤں گا کہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور بلاشبہ میں اس پر یقیناً پوری قوت رکھنے والا، امانت دار ہوں۔ اس نے کہا جس کے پاس کتاب کا ایک علم تھا، میں اسے تیرے پاس اس سے پہلے لے آتا ہوں کہ تیری آنکھ تیری طرف جھپکے۔ پس جب اس نے اسے اپنے پاس پڑا ہوا دیکھا تو اس نے کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں، یا ناشکری کرتا ہوں اور جس نے شکر کیا تو وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو یقیناً میرا رب بہت بے پروا، بہت کرم والا ہے۔‘‘

ان آیات کے سیاق سے یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ جب قاصد ملکہ سبا کے پاس پہنچا اور اس نے سلیمان علیہ السلام کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا اور ان کا پیغام پہنچایا تو وہ سمجھ گئی کہ وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی، چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود آپ کے ہاں حاضر ہو کر آپ کے ساتھ گفت و شنید کرے۔ چنانچہ وہ اپنے لشکر اور سرداروں کے ساتھ روانہ ہوئی۔ سلیمان علیہ السلام جنوں کے ذریعے سے اس کی آمد کی خبر لیتے رہے اور جب وہ فلسطین کے بالکل قریب آ گئی تو انھوں نے اپنے وزرائے حکومت سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم میں سے کون اس کا تخت شاہی میرے پاس ان سب کے آنے سے پہلے لا سکتا ہے؟ ان کی یہ بات سن کر ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ یہ کام میں انجام دے سکتا ہوں اور آپ کی مجلس برخواست ہونے سے پہلے اسے لے آؤں گا، آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اس کی قدرت رکھتا ہوں اور اسے بحفاظت و امانت آپ تک لے آؤں گا۔ یہ بات سن کر ایک شخص جس کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا، وہ کہنے لگا کہ میں پلک جھپکنے سے پہلے اسے آپ کے پاس حاضر کروں گا۔ بہرحال پلک جھپکنے سے پہلے وہ عرش سلمان علیہ السلام کے سامنے آ گیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے، ورنہ میرے اندر اس کی طاقت کہاں تھی، اللہ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اطاعت و بندگی کے ذریعے سے اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا معصیت و نافرمانی کے ذریعے سے اس کی ناشکری کرتا

ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے تو اس کا فائدہ اسے ہی پہنچتا ہے کہ اس کی نعمت باقی رہتی ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ اپنے بندوں کے شکر سے یکسر بے نیاز ہے، اس کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کریم بھی ہے کہ بندوں کے کفر کے باوجود اپنی نعمتیں ان سے نہیں چھینتا۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ جنتی لوگوں سے فرمائے گا کہ اے جنتیو! وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم تیری خدمت میں بار بار حاضر ہیں اور ہر قسم کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تم راضی ہو؟ وہ کہیں گے ہم کیسے راضی نہ ہوں، جبکہ تو نے ہمیں اتنا دیا ہے کہ اتنا اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا میں تم کو اس سے بھی عمدہ کوئی چیز نہ دوں؟ وہ عرض کریں گے، اے ہمارے رب! اس سے عمدہ اور کون سی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے تم پر اپنی رضا کو نازل کر دیا ہے، اب میں اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔“ [بخاري، كتاب التوحيد، باب كلام الرب مع أهل الجنة : ٧٥١٨]

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا اور تم پر بھی حرام کیا، سو تم آپس میں ظلم نہ کیا کرو۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، سوائے اس کے جس کو میں ہدایت دوں، سو تم مجھ سے ہدایت مانگو، میں تم کو ہدایت کا راستہ بتاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو، سوائے اس کے جس کو میں کھلاؤں، تو تم مجھ سے کھانا مانگو، میں تم کو کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے جس کو میں پہناؤں، تو تم مجھ سے کپڑا مانگو، میں تم کو پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو اور میں سب گناہوں کو بخشتا ہوں، تو مجھ سے بخشش مانگو، میں تمھیں بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم میرا نقصان نہیں کر سکتے اور نہ مجھے فائدہ پہنچا سکتے ہو۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے جن اور انسان سب ایسے ہو جائیں جیسے تم میں سے کوئی سب سے متقی شخص ہوتا ہے تو (اس سے) میری سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا اور اے میرے بندو! اگر تم میں سے اگلے اور پچھلے سب آدمی اور جنات ایسے ہو جائیں جیسے تم میں سے کوئی بڑا بدکار شخص ہوتا ہے تو (اس سے) میری سلطنت میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے جن و انس ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور پھر مجھ سے مانگنا شروع کریں اور میں ہر ایک کو جو وہ مانگے دے دوں، تب بھی میرے پاس جو کچھ ہے وہ کم نہیں ہوگا، مگر اتنا ہی جتنا کہ سمندر میں سے سوئی ڈبو کر نکال لی جائے۔ اے میرے بندو! یہ تو تمھارے ہی اعمال ہیں جن کو میں تمھارے لیے شمار کرتا رہتا ہوں، پھر تم کو ان اعمال کا پورا بدلا دوں گا، سو جس شخص کو بہتر بدلا ملے اسے چاہیے کہ اللہ کا شکر کرے اور جو برا بدلا پائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔“

[مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم : ٢٥٧٧]

ملکۂ سبا کا امتحان

سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کا امتحان لینے کی غرض سے اس کے تخت میں ایسی تبدیلی کروادی جس سے اس کی پہچان نہ ہو سکے۔

﴿قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝ وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾ [النمل : ٤١ تا ٤٣]

''کہا اس کا تخت اس کے لیے بے پہچان کر دو، تاکہ ہم دیکھیں کیا وہ راہ پر آتی ہے، یا ان لوگوں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ پھر جب وہ آئی تو اس سے کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا یہ تو گویا وہی ہے اور ہم اس سے پہلے علم دیے گئے تھے اور ہم فرماں بردار تھے۔ اور اسے اس چیز نے روکے رکھا جس کی عبادت وہ اللہ کے سوا کرتی تھی، بلاشبہ وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔''

سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس تخت کے بعض اوصاف بدل دیے جائیں، تاکہ دیکھیں کہ ملکۂ سبا اسے اپنے سامنے دیکھ کر کیا جواب دیتی ہے اور اس کی عقل وفہم کا اندازہ ہو سکے، چنانچہ جب وہ اپنے تخت کے قریب پہنچی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تمھارا تخت شاہی ایسا ہی ہے؟ تو اس نے کہا، گویا کہ یہ وہی ہے اور ہم یہاں آنے سے پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور ہم آپ کے مطیع وفرماں بردار ہو گئے تھے۔ لیکن مفسرین نے اسے سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے کہ ہمیں پہلے ہی یہ علم دے دیا گیا تھا کہ ملکۂ سبا تابع فرمان ہو کر حاضر خدمت ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسے ایک اللہ کی عبادت سے اب تک اس بات نے روک رکھا ہے کہ اس کی پوری قوم کافر تھی اور غیر اللہ کی عبادت کرتی تھی۔ تو یہ بھی انھی کی پیروی کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک کرتی تھی۔

ملکۂ سبا کا شیش محل

ابتدائی ملاقات اور گفتگو کے بعد اسے سلیمان علیہ السلام کے محل میں چلنے کے لیے کہا گیا:

﴿قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [النمل : ٤٤]

''اس سے کہا گیا اس محل میں داخل ہو جا۔ تو جب اس نے اسے دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا لیا۔ اس نے کہا یہ تو شیشے کا صاف ملائم بنایا ہوا فرش ہے۔ اس (ملکہ) نے کہا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے لیے فرماں بردار ہو گئی۔''

سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ایسا محل تھا جس کا فرش شیشے کا بنا ہوا تھا، اس کے نیچے ایک بڑا تالاب تھا جس میں بہت

سے مچھلیاں تھیں۔ اس تالاب کے پانی میں تموج پیدا ہوتا رہتا تھا، انھوں نے ملکۂ سبا اور اس کی قوم کو اپنی نبوت اور عظیم سلطنت کی ایک اور نشانی دکھانا چاہی، چنانچہ وہ اس محل میں جا کر بیٹھ گئے۔ ان کے اردگرد انسانوں اور جنوں کا ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ پھر اس سے کہا گیا کہ سلیمان علیہ السلام اس سے اس محل میں ملنا چاہتے ہیں۔ جب اسی نے اس محل کو دیکھا تو اس نے پانی سمجھ کر اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اوپر اٹھا لیا، تو سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا کہ یہ پانی نہیں، بلکہ شیشے کا فرش ہے، یہ آخری چیز تھی جس نے ملکۂ سبا کی آنکھیں کھول دی۔ اسی لیے وہ بے ساختہ پکار اٹھی کہ میں اب تک اللہ کے بجائے آفتاب کی پرستش کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی ہوں، اب میں سلیمان علیہ السلام کی پیروی کرتے ہوئے اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں اور اپنے اسلام کا اعلان کرتی ہوں۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کی جہاد سے رغبت

﴿ وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ﴾

[صٓ : ۳۰ تا ۳۳]

”اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا، اچھا بندہ تھا، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔ جب اس کے سامنے دن کے پچھلے پہر اصیل تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو اس نے کہا بے شک میں نے اس مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد کی وجہ سے دوست رکھا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پردے میں چھپ گئے۔ انھیں میرے پاس واپس لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔“

داؤد علیہ السلام پر اللہ کا ایک انعام یہ بھی تھا کہ اس نے انھیں سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا عطا کیا، جو انھی کی طرح نبی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے رب کے بہت اچھے بندے تھے، اس لیے کہ کثرت سے ذکرِ الٰہی اور طلبِ مغفرت میں مشغول رہتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ شام کے وقت عمدہ جنگی گھوڑوں کی ان کے سامنے نمائش کی گئی، تو انھوں نے کہا کہ میں نے ان گھوڑوں کو اپنے رب کی راہ میں جہاد کی خاطر پسند کیا ہے، جب وہ گھوڑے دوڑتے ہوئے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو انھوں نے حکم دیا کہ انھیں واپس لایا جائے اور جب سارے گھوڑے واپس آ گئے تو از راہِ لطف و محبت ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو اپنے ہاتھ سے سہلانے لگے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر سیدنا سلیمان علیہ السلام کو جہاد سے بہت رغبت تھی اور جہاد کی خاطر گھوڑوں سے بہت محبت تھی، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایک بار

سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے یوں کہا کہ آج رات میں اپنی سو بیویوں یا (فرمایا) ننانویں بیویوں کے پاس ضرور گھوم کر آؤں گا (یعنی سب سے صحبت کروں گا) اور ہر ایک عورت ایک بیٹا پیدا کرے گی جو شہسوار بن کر اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ ان کے ایک رفیق نے کہا، ان شاء اللہ کہیے، تاہم سلیمان علیہ السلام نے ''ان شاء اللہ'' نہ کہا۔ تو ان عورتوں میں سے صرف ایک کو حمل ٹھہرا اور اس سے بھی ادھورا بیٹا پیدا ہوا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر وہ ''ان شاء اللہ'' کہتے تو سب عورتوں کے بیٹے ہوتے جو شہسوار بن کر جہاد کرتے۔'' [بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب من طلب الولد للجهاد : ٢٨١٩]

سلیمان علیہ السلام کے تیز رفتار گھوڑے

سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کا تذکرہ ایک حدیث میں بھی ملتا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تبوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تو میرے طاقچے کے آگے پردہ پڑا ہوا تھا کہ ناگاہ تیز ہوا کے جھونکے سے پردے کا کنارہ ہٹ گیا۔ وہاں سامنے میرے کھلونے اور گڑیاں نظر آئیں۔ آپ نے پوچھا: ''عائشہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا، یہ میری گڑیاں ہیں، آپ نے ان میں کپڑے کا گھوڑا بھی دیکھا جس کے دو پر تھے۔ آپ نے پوچھا: ''میں ان کے درمیان یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟'' میں نے کہا، یہ گھوڑا ہے، آپ نے پوچھا: ''اور اس کے اوپر کیا ہے؟'' میں نے کہا، اس کے دو پر ہیں۔ آپ نے کہا: ''کیا گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟'' کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا آپ نے سنا نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پر تھے۔ کہتی ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھیں۔ [أبو داوٗد، كتاب الأدب، باب اللعب بالبنات : ٤٩٣٢۔ ابن حبان : ٥٨٦٤]

اس آیت کے دوسرے معنی کے لحاظ سے تفسیر یہ ہے کہ آپ گھوڑوں کے مشاہدے میں اس قدر مشغول ہوئے کہ نماز عصر کا وقت ختم ہو گیا اور اس سلسلہ میں قطعی بات یہ ہے کہ عمداً نہیں بلکہ بھول جانے کی وجہ سے آپ کی نماز رہ گئی، جیسا کہ خندق کے موقع پر نبی کریم ﷺ اس قدر مشغول ہو گئے تھے کہ آپ نماز عصر نہ پڑھ سکے، حتیٰ کہ آپ نے اسے غروب آفتاب کے بعد ادا فرمایا تھا اور یہ بات صحیحین میں کئی ایک سندوں سے ثابت ہے، جیسا کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے دن سورج ڈوبنے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کفار قریش کو برا بھلا کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! میں تو عصر کی نماز بھی ادا نہیں کر سکا، حتیٰ کہ سورج غروب ہونے والا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میں بھی اب تک ادا نہیں کر سکا۔'' چنانچہ ہم بطحان میں گئے، وہاں وضو کیا اور سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز ادا کی اور پھر مغرب پڑھی۔ [بخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب من صلى بالناس جماعة بعد ذهاب الوقت : ٥٩٦۔ مسلم، كتاب المساجد، باب الدليل لمن قال الصلوة

الوسطى هى صلاة العصر : ٦٣١]

سلیمان علیہ السلام کی آزمائش

﴿وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۙ وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۙ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ﴾ [صٓ : ٣٤ تا ٤٠]

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اس کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، پھر اس نے رجوع کیا۔ اس نے کہا اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو، یقیناً تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔ تو ہم نے اس کے لیے ہوا کو تابع کر دیا جو اس کے حکم سے نرم چلتی تھی، جہاں کا وہ ارادہ کرتا تھا۔ اور شیطانوں کو، جو ہر طرح کے ماہر معمار اور ماہر غوطہ خور تھے۔ اور کچھ اوروں کو بھی (تابع کر دیا) جو بیڑیوں میں اکٹھے جکڑے ہوئے تھے۔ یہ ہماری عطا ہے، سو احسان کر، یا روک رکھ، کسی حساب کے بغیر۔ اور بلاشبہ اس کے لیے ہمارے ہاں یقیناً بڑا قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔''

فرمایا کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو بادشاہی دے کر اپنے لیے ان کی اطاعت و بندگی کو آزمایا اور ان کے تخت پر ایک دھڑ کو ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دھڑ کی حقیقت کو بیان نہیں کیا، جسے اس نے سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ڈال دیا تھا، لہٰذا ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تخت پر ایک دھڑ کو ڈال کر ان کی آزمائش فرمائی تھی، لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ دھڑ کیا تھا۔ اس پر آپ کو معلوم ہوا کہ آپ تو آزمائش میں پڑ چکے ہیں، پھر اسی وقت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے قصور کی معافی طلب کی اور ساتھ ہی یہ دعا کی کہ مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے شایان شان نہ ہو۔ چنانچہ آپ کا یہ قصور بھی معاف کر دیا گیا اور دعا بھی قبول ہو گئی کہ ہواؤں اور جنوں کو آپ کے لیے مسخر کر دیا گیا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گزشتہ رات اچانک ایک سرکش جن میرے سامنے آیا'' یا ایسا ہی کوئی اور کلمہ آپ نے ارشاد فرمایا، پھر فرمایا: ''وہ میری نماز میں خلل ڈالنا چاہتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دے دیا۔ میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھ دوں، تاکہ صبح تم سب لوگ اسے دیکھ لو، لیکن پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [صٓ : ٣٥] ''اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو، یقیناً تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔'' (تو اس دعا کے یاد آتے ہی میں نے اسے چھوڑ دیا) الغرض،

اللہ تعالیٰ نے اسے نامراد کر کے لوٹا دیا۔'' [بخاری، كتاب الصلوة، باب الأسير و الغريم يربط في المسجد : ٤٦١۔ مسلم، كتاب المساجد، باب جواز لعن الشيطن في أثناء الصلوة والتعوذ منه ...... الخ : ٥٤١]

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''میں تجھ پر اللہ کی لعنت کے ساتھ لعنت کرتا ہوں۔'' آپ نے تین مرتبہ یہ الفاظ کہے۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، جیسے آپ کوئی چیز لے رہے ہوں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ! ہم نے آپ کو نماز میں کوئی بات کرتے سنا ہے، حالانکہ اس سے قبل ہم نے آپ کو کبھی کوئی ایسی بات کرتے نہیں سنا اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ آپ نے اپنا ہاتھ بھی آگے بڑھایا۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ کا دشمن ابلیس ایک دہکتا ہوا انگارا لے کر آیا تھا، تاکہ اسے میرے منہ میں دے دے۔ تو میں نے تین مرتبہ کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور پھر میں نے کہا کہ میں تجھ پر اللہ کی مکمل لعنت کے ساتھ لعنت کرتا ہوں، تو وہ تینوں مرتبہ پیچھے نہیں ہٹا۔ پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا، اللہ کی قسم ! اگر میرے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی، تو وہ صبح تک بندھا رہتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے۔'' [مسلم، كتاب المساجد، باب جواز لعن الشيطان في أثناء الصلوٰة والتعوذ منه ...... الخ : ٥٤٢]

سیدنا سلیمان علیہ السلام کے شاہکار فیصلے

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپ کی اور آپ کے والد کی تعریف میں ان کے فیصلے کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۫ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾ [الأنبياء : ٧٨، ٧٩]

''اور داؤد اور سلیمان کو، جب وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے، جب اس میں لوگوں کی بکریاں رات چر گئیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت حاضر تھے۔ تو ہم نے وہ (فیصلہ) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ہر ایک کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا، جو تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی اور ہم ہی کرنے والے تھے۔''

داؤد اور سلیمان علیہما السلام بھی ان انبیاء صالحین میں سے تھے، جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص فضل و کرم فرمایا تھا اور دونوں کو نبوت اور حکمت و دانائی سے نوازا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ قوم داؤد کے ایک شخص کی بکریاں رات کے وقت کسی کے انگور کے باغ میں گھس گئیں اور پوری کھیتی کو تہس نہس کر دیا۔ مقدمہ داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچا، انھوں نے فیصلہ کیا کہ کھیت والا بکریاں لے لے، اس لیے کہ نقصان بکریوں کی قیمت کے برابر تھا۔ جب دونوں وہاں سے باہر آئے تو

سلیمان علیہ السلام کو فیصلے کا علم ہوا۔ انھوں نے اپنے باپ سے کہا کہ فیصلہ تو صحیح ہے، لیکن دونوں کے لیے اس سے زیادہ مفید فیصلہ یہ ہوگا کہ بکریوں کا مالک کھیتی کی دیکھ بھال کرے، یہاں تک کہ پہلے کی طرح ہو جائے اور کھیتی والا بکریوں کے دودھ اور اون وغیرہ سے مستفید ہو، یہاں تک کہ اس کا کھیت پہلی حالت میں لا کر واپس کر دیا جائے۔ ان آیات میں اسی واقعے کا ذکر ہے اور اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹا دونوں کو حکمت و دانائی دی تھی، لیکن اس قضیہ میں سلیمان کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا۔ مفسرین کی رائے ہے کہ دونوں کے فیصلے اجتہادی تھے اور صحیح تھے لیکن سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ زیادہ مناسبِ حال تھا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام دونوں کو قوت فیصلہ اور علم دیا تھا، حسن بصری رحمہ اللہ مذکورہ بالا آیات کی تلاوت کرنے کے بعد کہتے کہ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کی تو تعریف کی اور داؤد علیہ السلام پر ملامت نہیں کی اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ان دونوں پیغمبروں کا ذکر نہ کرتا تو میں سمجھتا کہ قاضی لوگ تباہ ہو رہے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی تعریف ان کے علم کی وجہ سے کی ہے اور داؤد علیہ السلام کو بوجہِ اجتہاد معذور قرار دیا ہے۔ [بخاري، كتاب الأحكام، باب متى يستوجب الرجل القضاء؟ قبل الحديث : ٧١٦٣]

تمام انبیائے کرام علیہم السلام معصوم اور اللہ کی طرف سے تائید یافتہ تھے۔ اس بات میں محقق علمائے سلف و خلف میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ انبیاء کے علاوہ باقی لوگوں کے بارے میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔“ [بخاري، كتاب الاعتصام، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ : ٧٣٥٢۔ مسلم، كتاب الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ : ١٧١٦]

قرآن کریم میں مذکورہ کھیتی والے قصے کے قریب قریب وہ قصہ بھی ہے جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دو عورتیں تھیں، ان کے ساتھ ان کے دو بچے تھے۔ ناگاہ بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ اب ایک نے کہا کہ وہ تیرے بچے کو لے گیا ہے، دوسری نے کہا، (نہیں) وہ تیرے بیٹے کو لے گیا ہے۔ دونوں داؤد علیہ السلام کے یہاں اپنا مقدمہ لے گئیں، آپ نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد وہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور انھیں اپنے جھگڑے کی خبر دی، انھوں نے فرمایا، ایک چھری لاؤ، تاکہ میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کے درمیان تقسیم کر دوں۔ اب چھوٹی عورت نے (یہ سنا تو) کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ ایسا نہ کیجیے، (میں نے مان لیا کہ) یہ لڑکا اسی بڑی کا ہے، اسی کو دے دیجیے۔ سلیمان علیہ السلام (معاملے کو سمجھ گئے اور انھوں) نے لڑکا چھوٹی عورت کو دلا دیا۔“ [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ ووهبنا لداوٗد سليمان...... نعم الخ ﴾ : ٣٤٢٧۔ مسلم، كتاب الأقضية، باب اختلاف المجتهدين : ١٧٢٠]

ہوا اور جنات پر سلیمان علیہ السلام کی حکمرانی

﴿وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ﴾

[الأنبياء : ۸۱، ۸۲]

’’اور سلیمان کے لیے ہوا (مسخر کر دی) جو تیز چلنے والی تھی، اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ اور کئی شیطان جو اس کے لیے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے۔‘‘

یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے داؤد علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیے گئے تھے، اسی طرح ہوا سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی گئی تھی، تیز و تند ہوا ان کے تخت کو اڑائے پھرتی تھی۔ صبح کے وقت اس پر بیٹھ کر جہاد کے لیے ایک ماہ کی مسافت تک جاتے اور شام تک اپنے ملک (شام) واپس آ جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنوں کو بھی مسخر کر دیا تھا، جو سمندر میں غوطے لگا کر ان کے لیے قیمتی موتی اور جواہر نکالتے تھے اور دوسرے کام بھی ان کے حکم سے کرتے تھے۔ عمارتیں، مجسمے، قلعے اور کشتیاں وغیرہ بناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر خاص فضل یہ تھا کہ وہ ان تمام چیزوں کی حفاظت کرتا تھا، تاکہ کوئی شیطان بنانے کے بعد انھیں بگاڑ نہ دے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ایک سرکش جن گزشتہ شب میرے سامنے آیا (یا آپ نے اس کی مثل کوئی کلمہ فرمایا)، وہ میری نماز میں خلل ڈالنا چاہتا تھا، مگر اللہ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں، تاکہ صبح کو اسے تم لوگ دیکھو، پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آئی: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [ص : ۳۵] ’’اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔‘‘ [بخاري، کتاب الصلوة، باب الأسير أو الغريم يربط في المسجد : ٤٦١]

سیدنا سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا تذکرہ سورۂ سبا میں

﴿وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ؕ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ [سبا : ۱۲]

’’اور سلیمان کے لیے ہوا کو (تابع کر دیا)، اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ کا اور شام کا چلنا ایک ماہ کا تھا اور ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ بہایا، اور جنوں میں سے کچھ وہ تھے جو اس کے سامنے اس کے رب کے اذن سے کام

کرتے تھے اور ان میں سے جو ہمارے حکم سے کجی کرتا ہم اسے بھڑکتی آگ کا کچھ عذاب چکھاتے تھے۔''

فرمایا، ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو بھی مسخر کر دیا تھا، جس کے دوش پر سوار ہو کر ان کا لکڑی کا بنا سفینہ تمام ساز و سامان کے ساتھ صبح کے وقت ایک ماہ کی مسافت طے کرتا تھا اور شام کے وقت ایک ماہ کی، یعنی سلیمان ایک دن میں دو ماہ کی مسافت طے کرتے تھے۔ نیز فرمایا کہ ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا، جس سے وہ قسم قسم کے آلات اور ضرورت کی چیزیں بناتے تھے اور قوی ہیکل جنوں کو ان کا تابع فرمان بنا دیا تھا، جو ان کے اشاروں کے منتظر رہتے تھے اور ہر دم ان کے احکام کی تعمیل میں لگے رہتے تھے۔ ہم نے ان جنوں کو خبر دے دی تھی کہ ان میں سے جو کوئی سلیمان کی حکم عدولی کرے گا ہم اسے قیامت والے دن آگ کا عذاب دیں گے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کا جنوں کے ذریعے جنگی ضروریات پوری کرنا

﴿ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴾ [سبا : ۱۳]

''وہ اس کے لیے بناتے تھے جو وہ چاہتا تھا، بڑی بڑی عمارتیں اور مجسمے اور حوضوں جیسے لگن اور ایک جگہ جمی ہوئی دیگیں۔ اے داؤد کے گھر والو! شکر ادا کرنے کے لیے عمل کرو۔ اور بہت تھوڑے میرے بندوں میں سے شکر گزار ہیں۔''

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی جنگی ضروریات کا نقشہ کھینچا ہے۔ یہ تمام ضروریات جنات کے ذریعے سے پوری کی جاتی تھیں۔ وہ سلیمان علیہ السلام کے لیے بلند و بالا محلات و منازل، مجسمے، حوض کے مشابہ کھانے کے برتن اور تانبے یا پتھر کی بڑی بڑی دیگیں بناتے تھے جو ہر وقت چولھوں پر رکھی ہوتی تھیں اور ان میں کھانے پکتے رہتے تھے۔

سلیمان علیہ السلام پر ان انعامات الٰہیہ کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِعْمَلُوْۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ﴾ یعنی ہم نے سلیمان اور ان کے اہل و عیال کو حکم دیا کہ ہم نے تم پر جو احسانات کیے ہیں اور نعمتوں کی جو بارش کی ہے ان کے شکر ادا کرنے کے لیے ہر وقت ہماری بندگی میں لگے رہو، نماز پڑھو، زکوٰۃ اور تمام اوامر و نواہی کو بجا لاتے رہو۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اس قدر قیام فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے دونوں پاؤں یا (یہ کہا کہ) آپ کی دونوں پنڈلیوں پر ورم آ جاتا تھا اور جب آپ ﷺ سے (اس بارے میں) کہا جاتا تھا (کہ اس قدر عبادت شاقہ نہ کیجیے) تو آپ جواب میں فرماتے: ''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' [بخاری، کتاب التهجد، باب قيام النبی ﷺ الليل حتى ترم قدماه : ۱۱۳۰]

سیدنا سلیمان علیہ السلام کی وفات کی روشنی میں مسئلہ علم غیب

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو عطا کردہ عظیم سلطنت، علمی کمالات اور ہوا اور جنوں کی تسخیر وغیرہ کے بیان کے بعد ان کی موت کا تذکرہ فرمایا ہے، یہ بتانے کے لیے کہ موت سے کوئی نہیں بچ سکتا، اگر اس سے کوئی بچتا تو سلیمان علیہ السلام ضرور بچ جاتے جن کے پاس اتنی عظیم قوتیں تھیں۔

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴾ [سبا : ١٤]

''پھر جب ہم نے اس پر موت کا فیصلہ کیا تو انھیں اس کی موت کا پتا نہیں دیا مگر زمین کے کیڑے (دیمک) نے جو اس کی لاٹھی کھاتا رہا، پھر جب وہ گرا تو جنوں کی حقیقت کھل گئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلیل کرنے والے عذاب میں نہ رہتے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی موت کا ذکر کیا ہے۔ جب سلیمان علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ اب ان کی موت کا وقت آ چکا ہے، اس وقت آپ نے جنوں کو بیت المقدس کی تعمیر پر لگایا ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی موت کی خبر کو جنوں سے چھپا دیا، تاکہ لوگ جان لیں کہ ''جن'' غیب کی کوئی بات نہیں جانتے۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام ایک لاٹھی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور اسی حال میں ان کی موت آ گئی، لیکن جن کام کرتے رہے اور انھیں ایک مدت تک اس کی خبر نہ ہوئی۔ جب اللہ نے چاہا تو دیمک نے ان کی لاٹھی کو نیچے سے کھا لیا اور سلیمان کا جسم زمین پر گر گیا۔ تب جنوں کو ان کی موت کی خبر ہوئی اور کہنے لگے کہ اگر انھیں غیب کا علم ہوتا تو ایک مدت سے عذاب میں نہ رہتے۔

26
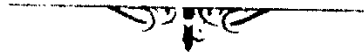
سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے، اور وہ اترنے والے ہیں، جب تم انھیں دیکھو گے تو پہچان جاؤ گے کہ درمیانی قامت والے ہیں اور رنگ ان کا سرخ وسفید ہوگا، ہلکے زرد رنگ کے لباس میں ہوں گے، ایسے محسوس ہوگا جیسے ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہو، حالانکہ نمی (پانی) لگا نہیں ہوگا۔ (انتہائی نظیف اور چمک دار رنگ کے ہوں گے) وہ لوگوں سے اسلام کے لیے قتال کریں گے، صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام کے علاوہ دیگر سب دینوں کو ختم کر دے گا۔ وہ مسیح دجال کو ہلاک کریں گے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال رہیں گے، پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے۔'' [أبو داوٗد، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال : ٤٣٢٤]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حلیہ اس طرح بیان کیا: دراز قد درمیانے جسم اور معمولی خم دار بالوں والے گویا وہ شنوءۃ (یمن کے ایک قبیلے) کے باشندوں میں سے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام سے بھی میری ملاقات ہوئی تو ان کا حلیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا: کہ ان کا قد درمیانہ اور رنگ سرخ ہے اور دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے گویا ابھی ابھی حمام سے باہر نکلے ہوں اور آپ نے فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی میں نے دیکھا اور میں آپ کی ساری اولاد میں سے آپ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔'' [بخاري، کتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ واذكر في الكتاب مريم...... ﴾ : ٣٤٣٧، مسلم، کتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السموات و فرض الصلوات : ١٦٨]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم (علیہم السلام) کو

دیکھا۔ عیسیٰ تو سرخ فام، گٹھے ہوئے بدن والے، چوڑے سینے والے تھے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگت کے، قد آور اور سیدھے بالوں والے تھے۔ جیسے آپ کا تعلق (زُط) ''جاٹ'' قوم سے ہو۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالٰى : ﴿ واذكر في الكتاب مريم ...... ﴾ : ٣٤٣٨]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(اللہ تعالیٰ) نے مجھے رات خواب میں کعبے کے پاس دکھایا کہ ایک شخص نہایت خوبصورت گندمی رنگ کا ہے جس کے بال دونوں کندھوں کے درمیان تک ہیں اور بالوں میں کنگھی کی ہوئی ہے سر سے پانی کے قطرے گر رہے ہیں اور وہ اپنے دونوں ہاتھ دو آدمیوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم (علیہ السلام) ہیں، پھر میں نے آپ کے پیچھے ایک اور شخص کو دیکھا کہ جس کے بال گھنگریالے اور چھوٹے چھوٹے ہیں، جو دائیں آنکھ سے کانا اور میرے مشاہدے میں ابن قطن سے بے حد مشابہ ہے اور وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ مسیح دجال ہے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالٰى : ﴿ واذكر في الكتاب مريم ...... ﴾ : ٣٤٣٩۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجال، حديث : (٢٧٤)۔ ١٦٩]

قرآنِ مجید میں سیدہ مریم علیہا السلام کی ولادت کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات میں عیسائیوں کے عقیدے کی تردید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ان پر برسے، وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے، جو وہ کہتے ہیں بہت بلند و بالا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ان کی شکل وصورت بنائی، انھیں بغیر باپ کے پیدا فرمایا جیسے سیدنا آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے کن کہہ کر پیدا فرمایا۔ نیز سیدہ مریم علیہا السلام کے حالات بھی بیان فرمائے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ [آل عمران : ٣٣، ٣٤]

''بے شک اللہ نے آدم اور نوح کو اور ابراہیم کے گھرانے اور عمران کے گھرانے کو جہانوں پر چن لیا۔ ایسی نسل جس کا بعض بعض سے ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

گویا سب انبیاء آدم علیہ السلام، پھر نوح علیہ السلام، پھر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی ابراہیم علیہ السلام اور پھر آل عمران میں سے تھے، لہٰذا وہ بھی انسان تھے، اللہ یا اللہ کے بیٹے نہیں تھے۔ آگے اہل نجران اور عیسائیوں کے

عقیدے کے ابطال کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ شروع ہوتا ہے۔

﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَ اِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّيْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ [آل عمران : ۳۵، ۳۶]

”جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب! بے شک میں نے تیرے لیے اس کی نذر مانی ہے جو میرے پیٹ میں ہے کہ آزاد چھوڑا ہوا ہوگا، سو مجھ سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ پھر جب اس نے اسے جنا تو کہا اے میرے رب! یہ تو میں نے لڑکی جنی ہے اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو اس نے جنا اور لڑکا اس لڑکی جیسا نہیں، اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“

سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ نے جو منت مانی تھی وہ اس توقع سے مانی تھی کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ اس عہد میں لڑکے تو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کیے جاتے تھے، لڑکیوں کو وقف کرنے کا رواج نہیں تھا، مگر ہوا یہ کہ لڑکے کے بجائے لڑکی پیدا ہوئی اور اس بات پر افسوس ہونا ایک فطری امر تھا۔

بظاہر تو کہنا چاہیے تھا کہ لڑکی لڑکے جیسی نہیں مگر اس کے برعکس فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لڑکا جو عمران کی بیوی کے ذہن میں تھا اس لڑکی جیسا نہیں ہوسکتا جو انھیں عطا کی گئی ہے۔

بچے کا نام ولادت کے پہلے روز بھی رکھا جا سکتا ہے، ساتویں دن کا انتظار ضروری نہیں بلکہ وہ نام رکھنے کی آخری حد ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آج رات میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے اور میں نے اپنے باپ (ابراہیم علیہ السلام) کے نام پر اس کا نام ابراہیم رکھا ہے۔“ [مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمته الصبيان والعيال : ۲۳۱۵]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ نے جب بچے کو جنم دیا تو وہ اپنے بھائی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ [بخاري، كتاب العقيقة، باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه و تحنيكه : ۵۴۷۰۔ مسلم، كتاب الآداب، باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته : ۲۱۴۴]

ام مریم نے یہ دعا فرمائی: ﴿وَ اِنِّيْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ یعنی اے اللہ! میں اس بچی اور اس کی اولاد (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما لی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے چھوتا ہے،

شیطان کے اس کچوکے لگانے کی وجہ سے بچہ چیخ چیخ کر رونے لگتا ہے، ہاں! البتہ مریم اور ان کے بیٹے عیسیٰ علیہما السلام شیطان کے کچوکے سے محفوظ رہے تھے۔'' یہ حدیث بیان کرنے کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿ وَإِنِّىٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ﴾ ''اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ وإني أعيذها بك وذريتها من الشيطان الرجيم ﴾ : ٤٥٤٨۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام : ٢٣٦٦]

سیدہ مریم علیہا السلام کی نشو ونما اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عزت افزائی

﴿ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا ٱلْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَٰمَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ [آل عمران : ٣٧]

''پس اس کے رب نے اسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کیا اور اچھی نشو ونما کے ساتھ اس کی پرورش کی اور اس کا کفیل زکریا کو بنا دیا۔ جب کبھی زکریا اس کے پاس عبادت خانے میں داخل ہوتا، اس کے پاس کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز پاتا، کہا اے مریم! یہ تیرے لیے کہاں سے ہے؟ اس نے کہا یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے کسی حساب کے بغیر رزق دیتا ہے۔''

ام مریم نے بیٹے کی نیت کی تھی تاکہ بیت المقدس کی خوب خدمت کرے۔ جب بچی ہوئی تو انھیں ایک طرح کی مایوسی ہوئی، لیکن اللہ نے ان کی نذر قبول کر لی اور پھر وہ لڑکی ایسی ہوئی کہ تقویٰ اور دینی مقاصد کے حصول میں ہزاروں لڑکوں پر سبقت لے گئی۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نذر قبول کر لی اور اس لڑکی کو ایسا شرفِ قبولیت حاصل ہوا کہ وہ مقام و مرتبہ میں بہت سے اولیاء اللہ سے آگے بڑھ گئی اور پھر اللہ نے ان کی کفالت زکریا علیہ السلام کے ذمہ لگا دی جو ان کے خالو تھے۔ آیت میں مذکور لفظ '' **الْمِحْرَابَ** '' سے مراد حجرہ ہے جس میں سیدہ مریم علیہا السلام قیام پذیر تھیں۔ جب بھی زکریا علیہ السلام ان کے پاس جاتے تو موسم سرما کا پھل موسم گرما میں اور گرما کا سرما میں پاتے تھے۔ اس لیے سیدنا زکریا علیہ السلام نے ازراہِ تعجب و حیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آتا ہے؟ تو انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

اسلوبِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رزق بطور کرامت مریم علیہا السلام کے پاس پہنچ رہا تھا۔ اس کی تصدیق سیدنا خبیب بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے، جسے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خبیب کو مشرکینِ مکہ نے قید کر لیا اور حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف کے لڑکوں نے خرید لیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے بدر کی لڑائی میں حارث بن

عامر کو قتل کیا تھا۔ آپ ان کے ہاں کچھ دن قید رہے۔ حارث کی بیٹی (زینب رضی اللہ عنہا) بیان کرتی ہے کہ اللہ کی قسم ! کوئی قیدی میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر کبھی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم ! میں نے ایک دن دیکھا کہ انگور کا خوشہ ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس میں سے کھا رہے ہیں، حالانکہ وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور مکہ میں ان پھلوں کا موسم بھی نہیں تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی روزی تھی جو اللہ نے خبیب رضی اللہ عنہ کو بھیجی تھی۔ [بخاري، كتاب الجهاد، باب هل يستامر الرجل و من لم يستاسر : ٣٠٤٥]

اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ اللہ کے دوستوں سے کرامات صادر ہوتی ہیں، لیکن اللہ کا دوست وہی ہوگا جو پابند شریعت، قرآن و سنت کا متبع، اور خرافات و بدعات سے کوسوں دور ہوگا۔ مشرک، بدعتی، قرآن و سنت سے دور اور عمل صالح میں کوتاہ کبھی بھی اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا اور ایسے لوگوں سے جن خرقِ عادت امور کا ظہور ہوتا ہے، وہ جادو اور شیطانی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

سیدنا مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اب جبریل مجھے لے کر اوپر کو چڑھنے لگے، جب ہم دوسرے آسمان پر آئے تو جبریل نے دستک دی۔ انھوں نے کہا، دروازہ کھولو! پوچھا گیا، کون ہے؟ جبریل نے کہا، جبریل۔ پوچھا گیا، تمھارے ساتھ اور کون ہے؟ انھوں نے کہا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ انھوں نے کہا، ہاں ! تو فرشتے نے کہا، انھیں خوش آمدید ! کیا ہی مبارک آنے والے ہیں وہ۔ اب دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں اندر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں خالہ زاد بھائی وہاں موجود ہیں۔ (اصطلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہہ دیتے ہیں) جبریل علیہ السلام نے مجھے بتلایا کہ یہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں، انھیں سلام کیجیے۔ میں نے سلام کیا تو دونوں نے جواب دیا اور کہا، نیک نبی اور صالح بھائی کو خوش آمدید۔'' [بخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج : ٣٨٨٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... الخ : ١٦٢، عن أنس بن مالك رضي الله عنه]

سیدہ مریم علیہا السلام کی معاصر عورتوں پر فضیلت

اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو پاک کر کے اپنا برگزیدہ بنا لیا اور انھیں عورتوں میں سے منتخب فرما کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی خوش خبری دے دی جو آئندہ بنی اسرائیل کے رسول اور راہنما بننے والے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

[آل عمران : ٤٢]

''اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا اور تجھے پاک کر دیا اور سب جہانوں کی

عورتوں پر تجھے چن لیا ہے۔"

مریم بنت عمران کی یہ فضیلت اپنے زمانے کے اعتبار سے تھی، یا یہ کہ وہ بہترین عورتوں میں سے ہیں، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "مریم بنت عمران (اپنے زمانے میں) بہترین خاتون تھیں اور اس امت کی عورتوں میں سب سے بہتر خاتون خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں۔" [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ﴿ و إذ قالت الملائكة يمريم إن الله اصطفك ...... الخ ﴾ : ٣٤٣٢۔ مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة رضى الله عنها : ٢٤٣٠]

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مردوں میں سے بہت سے مرد کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے آسیہ زوجۂ فرعون اور مریم بنت عمران کامل ہوئی ہیں اور عورتوں پر عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت اس طرح ہے جس طرح ثرید کو باقی کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔" [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿ وضرب الله مثلاً للذين امنوا امرأت فرعون ...... الخ ﴾ : ٣٤١١۔ مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة : ٢٤٣١۔ ترمذي، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في فضل الثريد : ١٨٣٤]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(جذبۂ قربانی اور صبر و استقامت کا سبق حاصل کرنے کے لیے) تمام جہانوں کی عورتوں میں تمھارے لیے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ زوجۂ فرعون کافی ہیں۔" [ترمذي، كتاب المناقب، باب فضل خديجة : ٣٨٧٨]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مریم علیہا السلام کو فرماں برداری اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا:

﴿ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَ ارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ [آل عمران : ٤٣]

"اے مریم! اپنے رب کی فرماں بردار بن اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ فرشتوں نے مریم کو کثرتِ عبادت، خشوع و خضوع، رکوع و سجود اور مسلسل عمل صالح کا حکم دیا، تاکہ اس امر الٰہی کے لیے ذہنی اور روحانی طور پر تیار ہو جائیں جس کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا، جس میں ان کی بڑی آزمائش تھی اور دنیا و آخرت میں ان کی رفعتِ شان بھی۔ یعنی ان کے بطن سے بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہونا تھا۔ مزید ارشاد فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾ [آل عمران : ٤٤]

"یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں، ہم اسے تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو اس وقت ان کے پاس نہ تھا جب وہ اپنے قلم پھینک رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے اور نہ تو اس وقت ان کے پاس تھا جب وہ جھگڑ

رہے تھے۔‘‘

اس آیت سے پانچ مسئلے واضح طور پر ثابت ہوئے: ① رسول اللہ ﷺ غیب نہیں جانتے تھے، ورنہ انھیں غیب کی یہ خبریں وحی کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ② رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر نہیں ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ تو اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھا۔ ③ اولیاء اور دوسرے انبیاء بھی غیب دان نہیں، ورنہ بیت المقدس کے خدام اور وقت کے پیغمبر زکریا علیہ السلام کو قرعہ ڈالنے کی ضرورت نہ تھی۔ ④ جب چیز ایک ہو اور اس کے حق دار کئی ہوں تو اس وقت قرعہ کے ذریعے سے فیصلہ شریعت کا فیصلہ ہے۔ ⑤ رسول اللہ ﷺ جو اس واقعے کے وقت موجود نہیں تھے اور نہ ہی اسے جانتے تھے، آپ کا وحی الٰہی سے اس واقعہ کو بیان کرنا آپ کے رسول برحق ہونے کی دلیل ہے۔

اس قرعہ اندازی کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مریم علیہا السلام یہودیوں کے ایک بہت بڑے عالم عمران کی بیٹی تھیں۔ جب ان کی والدہ نے انھیں اپنی عبادت گاہ کی نذر کیا تو عبادت گاہ کے خدام میں جھگڑا ہوا کہ ان کی سرپرستی اور نگرانی کا شرف کون حاصل کرے؟ آخر کار انھوں نے قرعہ اندازی کی اور قرعہ زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔ معلوم ہوا جھگڑے کی صورت میں قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا جائز ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان دینے اور صف اول میں کھڑے ہونے کا کتنا ثواب ہے تو تب اگر وہ اس ثواب کو بغیر قرعہ اندازی کے حاصل نہ کر سکیں تو ضرور قرعہ اندازی کریں۔‘‘ [بخاري، كتاب الأذان، باب الاستهام في الأذان : ٦١٥]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جس بیوی کا نام قرعہ اندازی میں نکلتا اس بیوی کے ساتھ آپ سفر کرتے۔ [بخاري، كتاب التفسير، باب : ﴿ لو لا إذ سمعتموه ظن المؤمنون والمؤمنات بأنفسهم خيرا ﴾ : ٤٧٥٠۔ مسلم، كتاب التوبة، باب في حديث الإفك : ٢٧٧٠]

مریم علیہا السلام کو پیدائش عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت

﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴾ [آل عمران : ٤٥]

’’جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے، جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، دنیا اور آخرت میں بہت مرتبے والا اور مقرب لوگوں سے ہوگا۔‘‘

یہاں سے عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے اور مریم علیہا السلام کو بشارت دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ایک عظیم المرتبت لڑکا عطا فرمائے گا۔ فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تمھیں ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے، جو اس کے ایک کلمہ

کے ذریعے سے بغیر باپ کے وجود میں آئے گا، اس کا لقب ''مسیح'' اور نام عیسیٰ ہو گا۔ چہرہ آدمی کی ذات کا آئینہ دار ہوتا ہے، اس لیے اونچے مرتبے کو وجاہت کہتے ہیں اور مقرب لوگوں میں سے ہو گا۔

اس آیت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ''کلمہ'' قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ان کی ولادت اعجازی شان کی مظہر اور عام انسانی اصول کے برعکس، باپ کے بغیر، اللہ کی خاص قدرت اور اس کے کلمہ ''کن'' کی تخلیق ہے۔ ''مسیح'' کا لفظ ''مسح'' سے مشتق ہے، جس کے معنی ہاتھ پھیرنے یا زمین کی مساحت کرنے کے ہیں۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح یا تو اس لیے کہا گیا کہ وہ بیماروں اور کوڑھیوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور وہ تندرست ہو جاتے تھے، یا اس بنا پر کہ آپ زمین پر ہر وقت سفر کرتے رہتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شفاعت کبریٰ سے متعلق بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام (اہل محشر سے) کہیں گے، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کا کلمہ اور اس کی طرف سے روح ہیں (سو وہ تمھاری سفارش کریں گے)۔'' [بخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿ علم ادم الأسماء كلها ﴾ : ٤٤٧٦]

ماں کی گود میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا کلام کرنا

﴿ وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [آل عمران : ٤٦]

''اور لوگوں سے گہوارے میں بات کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی اور نیک لوگوں سے ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ لڑکا جب گود میں ہوگا تو بطور معجزہ بات کرے گا اور نبی ہو کر ادھیڑ عمر میں اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بذریعہ وحی تعلیمات ملیں گی انھیں لوگوں تک پہنچائے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صرف تین بچوں نے ماں کی گود میں گفتگو کی ہے، عیسیٰ علیہ السلام، وہ بچہ جو جریج کے زمانے میں تھا اور ایک بچہ اور ہے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿ واذكر في الكتب مريم ...... الخ ﴾ : ٣٤٣٦۔ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تقديم بر الوالدين على التطوع بالصلوة : ٢٥٥٠]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے

مریم علیہا السلام کو جب لڑکے کی خوش خبری دی گئی تو انھوں نے تعجب کا اظہار کیا، تعجب اس کے ناممکن ہونے پر نہیں بلکہ کس طرح ہونے پر کیا، کیونکہ ظاہری اسباب موجود نہیں۔

﴿ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا

فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [آل عمران : ٤٧]

''اس نے کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ کسی بشر نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا؟ فرمایا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے یہی کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''

جب مریم علیہا السلام کو بذریعہ ملائکہ یہ بشارت مل گئی تو اس نے اپنی مناجات میں کہا کہ اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ میرا نہ تو کوئی شوہر ہے اور نہ میں بدکار عورت ہوں؟ تو فرشتے نے اللہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اللہ کا ایسا ہی فیصلہ ہے کہ بغیر کسی مرد کے ملاپ سے وہ تمھیں بیٹا عطا کرے گا، اللہ کسی سبب کا محتاج نہیں اور کوئی شے اسے عاجز نہیں کر سکتی۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صفات اور معجزات

﴿وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۚ وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران : ٤٨، ٤٩]

''اور وہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔ اور بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا کہ بے شک میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں کہ بے شک میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل کی مانند بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتی ہے اور میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے اور برص والے کو تندرست کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور تمھیں بتا دیتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو ذخیرہ کرتے ہو، بے شک اس میں تمھارے لیے ایک نشانی ہے، اگر تم مومن ہو۔''

یہ بشارت کی تکمیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانی کتابوں کا اور خاص طور پر تورات و انجیل کا علم دے گا، دین کی سمجھ بوجھ عطا کرے گا اور انھیں بنی اسرائیل کے لیے نبی بنائے گا۔ اس وقت وہ ان سے کہیں گے کہ میں تمھارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں۔ اس کے بعد اس نشانی کی تفصیل بیان کی۔

آیت میں مذکور الفاظ ''اَنِّيْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ'' میں خلق کا لفظ ظاہری شکل و صورت بنانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، پیدا کرنے اور زندگی دینے کے معنی میں خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے روز عذاب دیا جائے گا، ان سے

کہا جائے گا کہ تم نے جو تخلیق کیا اسے زندہ کرو۔“ [بخاري، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة : ٥٩٥١]

اسی طرح ”بِاِذْنِ اللّٰهِ“ کا لفظ بار بار لانے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ان معجزات کا ظہور نہ ہوتا اور یہی ہر نبی کے معجزات کا حال ہے کہ وہ اللہ ہی کے اختیار میں ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو اس کے زمانے کے مناسب حال معجزات عطا فرمائے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو اور جادوگروں کا زور تھا، سو اللہ نے انھیں وہ معجزات دے کر بھیجا جن سے تمام جادوگر دنگ رہ گئے اور ان کی عقل چکرا گئی، بالآخر از خود مسلمان ہوئے اور اسلام کی راہ میں سولی تک کے لیے تیار ہو گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اور علوم طبعیہ (سائنس) کا چرچا تھا، سو اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ معجزات عطا فرمائے جن کے سامنے تمام اطباء اور سائنس دان اپنے عاجز اور درماندہ ہونے کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فصاحت و بلاغت اور شعر و ادب کا ڈنکا بجتا تھا، سو اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ کتاب نازل فرمائی جس نے تمام فصحاء اور بلغاء کی گردنیں خم کر دیں اور وہ بار بار چیلنج سننے کے باوجود اس جیسی دس سورتیں تو کجا، ایک چھوٹی سورت تک پیش نہ کر سکے۔ کیوں؟ اس لیے کہ پروردگار کا کلام مخلوق کے کلام سے مماثلت نہیں رکھتا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت

﴿وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ﴾ [آل عمران : ٥٠]

”اور اس کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے تورات سے ہے اور تاکہ میں تمھارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کی گئی تھیں اور میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں، سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔“

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کوئی الگ مستقل شریعت لے کر مبعوث نہیں ہوئے تھے، بلکہ موسوی شریعت کی تائید و تصدیق کرنے اور بنی اسرائیل کو اقامت تورات کی دعوت دینے کے لیے آئے تھے۔ البتہ تورات میں بعض چیزیں جو بطور تشدید ان پر حرام کر دی گئی تھیں ان کو اللہ کے حکم سے حلال قرار دینا بھی ان کے مشن میں شامل تھا۔ جیسے اونٹ کا گوشت اور حلال جانوروں کی چربی وغیرہ۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ [آل عمران : ٥١]

”بے شک اللہ ہی میرا رب اور تمھارا رب ہے، پس اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔“

تمام انبیائے کرام کی دعوت کی بنیاد توحید باری تعالیٰ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل کے سامنے یہی دعوت

پیش کی اور کہا کہ میرا اور تمھارا رب اللہ ہے، اس لیے صرف اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت

اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا، جیسا کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اور سیدہ حواء علیہا السلام کو بغیر ماں کے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس محیر العقول واقعہ کو سورۂ مریم میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّيْٓ أَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ [مریم: ۱۶ تا ۱۹]

''اور کتاب میں مریم کا ذکر کر، جب وہ اپنے گھر والوں سے ایک جگہ میں الگ ہوئی جو مشرق کی جانب تھی۔ پھر اس نے ان کی طرف سے ایک پردہ بنالیا تو ہم نے اس کی طرف اپنا خاص فرشتہ بھیجا تو اس نے اس کے لیے ایک پورے انسان کی شکل اختیار کی۔ اس نے کہا بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں، اگر تو کوئی ڈر رکھنے والا ہے۔ اس نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔''

سیدنا یحییٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں ایک گونہ مشابہت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو نہایت بوڑھے باپ اور بالکل بانجھ ماں سے پیدا کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا، اس طرح دونوں کی پیدائش میں اللہ کی قدرت کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اس قرآن میں مریم کا واقعہ پڑھیے اور لوگوں کو سنائیے۔ مریم بنت عمران علیہا السلام، داود علیہ السلام کی نسل سے بنی اسرائیل کے ایک دین دار اور شریف گھرانے کی لڑکی تھیں۔ اپنی پیدائش کے بعد انھوں نے اپنے خالو زکریا علیہ السلام کے گھر میں پرورش پائی۔ ہوش سنبھالنے کے بعد آپ بڑی زاہدہ، عابدہ اور شب زندہ دار بن گئیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا، تو وہ مسجد اقصیٰ سے ذرا ہٹ کر مشرق کی جانب چلی گئیں۔ وہاں جبریل علیہ السلام اللہ کے حکم سے ان کے سامنے ایک مکمل آدمی کی شکل میں آئے۔ جب مریم علیہا السلام نے دیکھا کہ ایک آدمی ان کے پردے کا لحاظ کیے بغیر ان کے سامنے آ گیا ہے، تو ان کے ذہن میں شبہ ہوا کہ کہیں یہ آدمی کسی بری نیت سے تو نہیں آیا؟ اسی لیے اپنی انتہائی عفت و پاکدامنی کے زیر اثر کہنے لگیں کہ اے آدمی! اگر تجھے اللہ کا خوف ہے تو میں بے حد رحم کرنے والے اللہ کے ذریعے سے تجھ سے پناہ مانگتی ہوں، تو میرے قریب نہ آ۔ جبریل علیہ السلام نے فوراً ان کے دل سے خوف دور کرنے اور حقیقت حال بیان کرنے کے لیے کہا، میں تمھارے اسی رب کا پیغامبر ہوں جس کے ذریعے سے تم نے پناہ مانگی ہے، مجھے اسی نے تمھارے پاس بھیجا ہے، تاکہ

پھونک مار کر اللہ کی جانب سے بطور عطیہ ایک لڑکا دیے جانے کا سبب بنوں جو گناہوں سے پاک ہوگا۔

مریم علیہا السلام نے اللہ کا خوف دلاتے ہوئے کہا کہ اگر تم اللہ سے ڈرتے ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جون کی بیٹی (نکاح کے بعد) جب رسول اللہ ﷺ کے ہاں آئی اور آپ اس کے قریب گئے تو وہ کہنے لگی، میں تجھ سے اللہ کی امان چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''تو نے بہت بڑی ذات کی امان مانگی، تو جا اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔'' [بخاري، كتاب الطلاق، باب من طلق و هل يواجه الرجل امرأته بالطلاق : ٥٢٥٤]

سیدہ مریم علیہا السلام کا تعجب اور فرشتے کا جواب

﴿ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴾ [مريم : ٢٠، ٢١]

''اس نے کہا میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ مجھے نہ کسی بشر نے چھوا ہے اور نہ میں کبھی بدکار تھی۔ اس نے کہا ایسے ہی ہے، تیرے رب نے کہا ہے یہ میرے لیے آسان ہے اور تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی طرف سے ایک رحمت بنائیں اور یہ شروع سے ایک طے کیا ہوا کام ہے۔''

مریم علیہا السلام کو اس خبر سے بہت زیادہ تعجب ہوا، کہنے لگیں کہ مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ نہ میرا کوئی شوہر ہے اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا، ہاں، ایسا ہی ہوگا، اگرچہ تمھارا کوئی شوہر نہیں اور تم کوئی بدکار عورت نہیں، لیکن اس کے باوجود ایسا ہی ہوگا، اس لیے کہ تمھارا رب ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ کہتا ہے ایسا کرنا میرے لیے بہت ہی آسان ہے۔ اس نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اور حواء کو صرف مرد سے پیدا کیا، جبکہ باقی ذریت آدم کو ماں باپ کے ذریعے سے پیدا کیا، سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے جنھیں اللہ نے بغیر باپ کے پیدا کیا۔ اس طرح تخلیق انسانی کے چاروں طریقے اختیار کر کے اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنی عظیم قدرت اور بے مثال عظمت کی قطعی دلیل پیش کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کے لیے رحمت بنایا، کیونکہ ہر نبی اپنی قوم کے لیے رحمت ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کو توحید الٰہی اور صرف ایک اللہ کی عبادت کی تعلیم دینے لگے۔ آخر میں جبریل علیہ السلام نے مریم علیہا السلام سے کہا کہ ایسا ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہو چکا ہے، ایسا ہو کر رہے گا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں آسمانوں اور زمین کو بنانے سے پچاس ہزار برس پہلے لکھ دیں اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔'' [مسلم، كتاب القدر، باب حجاج آدم و موسى صلى الله عليهما وسلم : ٢٦٥٣]

آیت میں موجود لفظ ''بَغِيًّا'' کے معنی زانیہ کے ہیں، زانیہ سے متعلق سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔[بخاري، كتاب البيوع، باب ثمن الكلب : ٢٢٣٧۔ مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب ...... الخ : ١٥٦٧]

استقرارِ حمل اور ولادت

﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾ [مريم : ٢٢، ٢٣]

''پس وہ اس (لڑکے) کے ساتھ حاملہ ہوگئی تو اسے لے کر ایک دور جگہ میں الگ چلی گئی۔ پھر دردِ زہ اسے کھجور کے تنے کی طرف لے آیا، کہنے لگی اے کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بھلائی ہوتی۔''

اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت کے اس فیصلے کے بارے میں جبریل علیہ السلام نے جب مریم علیہا السلام سے مندرجہ بالا گفتگو کی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا۔ اس کے بعد وہ لوگوں کی باتوں کے ڈر سے اپنی قوم سے دور پہاڑ کے پیچھے یا وادی میں چلی گئیں۔ اس جگہ کا نام بیت اللحم بتایا جاتا ہے جو بیت المقدس سے آٹھ میل دور تھی، اس جگہ وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگئیں، تاکہ ان کے طعنوں سے بچی رہیں۔ بالآخر ولادت کا وقت قریب آ گیا اور درد کی شدت بڑھ گئی تو ایک کھجور کے درخت کے پاس چلی گئیں اور جب انھیں لوگوں کے عار دلانے کا خیال آیا تو بشری تقاضے کے مطابق کہنے لگیں، کاش! مجھے اس سے پہلے موت آ گئی ہوتی، کاش! میں ایک بھولی بسری کہانی بن گئی ہوتی۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ فتنے کے وقت موت کی تمنا کرنا جائز ہے، کیونکہ سیدہ مریم علیہا السلام کو پتا تھا کہ اس بچے کی وجہ سے انھیں ابتلا و آزمائش سے گزرنا پڑے گا، لوگ ان کی بات کو صحیح تسلیم نہیں کریں گے اور ان کی خبر کو سچا نہیں مانیں گے، کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلے ان کی شہرت ایک عابدہ و زاہدہ خاتون کی تھی، مگر اب وہ انھیں ایک بدکار و بدکردار عورت قرار دیں گے۔ موت کی تمنا سے متعلق احادیثِ رسول پیش خدمت ہیں۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص مصیبت نازل ہونے پر موت کی تمنا ہرگز نہ کرے۔ اگر وہ لازمی یہ دعا کرنے والا ہے تو اسے یوں کہنا چاہیے، اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے اس وقت فوت کر جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔'' [بخاري، كتاب المرض، باب تمني المريض الموت : ٥٦٧١]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکی کرنے والا ہے تو شاید مزید نیکیاں کرے اور اگر گناہ گار ہے تو شاید (آئندہ زندگی میں) باز آ جائے۔'' [بخاري، كتاب المرض، باب تمني المريض الموت : ٥٦٧٣]

ولادت کے بعد آپ سے کیا کہا گیا

﴿ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴾ [مریم : ۲٤ تا ۲٦]

''تو اس نے اسے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کر، بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی (جاری) کر دی ہے۔ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گی۔ پس کھا اور پی اور ٹھنڈی آنکھ سے رہ، پھر اگر تو آدمیوں میں سے کسی کو دیکھے تو کہہ میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، سو آج میں ہرگز کسی انسان سے بات نہ کروں گی۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے تیرے قدموں میں بطور معجزہ نہر جاری کر دی ہے، کھجور کی شاخ کو پکڑ کر ہلاؤ، اس سے تمھارے لیے تازہ کھجوریں گریں گی۔ کھجور کھاؤ، نہر کا تازہ پانی پیو اور پیارے بچے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور غم نہ کرو۔ جب تم کسی آدمی کو دیکھو جو تم سے بچے کے بارے میں سوال کرے تو اشارے کی زبان میں کہہ دو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے خاموش رہنے کی نذر مانی ہے، آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میں خاموشی کا روزہ رکھنا جائز تھا، مگر ہماری شریعت میں اس سے منع کر دیا گیا، بلکہ اس طرح کی نذر ماننا بھی منع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، اس دوران میں آپ نے ایک آدمی کو کھڑے ہوئے دیکھا تو اس کے متعلق پوچھا، لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہے، اس نے نذر مانی ہے کہ دھوپ میں کھڑا رہے گا، سائے میں نہیں جائے گا اور کلام نہیں کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے حکم دو کہ بیٹھ جائے اور سائے میں بھی جائے اور کلام کرے اور اپنا روزہ پورا کرے۔'' [بخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب النذر فيما لا يملك و في معصية : ٦٧٠٤]

مریم و مسیح علیہما السلام قوم کے سامنے اور قوم کا اعتراض

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کرامات دیکھ کر مریم علیہا السلام کو اطمینان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل نہیں ہونے دے گا۔ چنانچہ وہ ایام نفاس گزرنے اور طبیعت بحال ہونے کے بعد کسی جھجک کے بغیر اپنے بچے کو اٹھائے ہوئے اپنے لوگوں کے پاس آ گئیں۔

﴿ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۚ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ۝ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴾ [مریم : ۲۷ تا ۲۸]

''پھر وہ اسے اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لے آئی، انھوں نے کہا اے مریم! یقیناً تو نے تو بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں کوئی بدکار تھی۔''

جب مریم علیہا السلام فارغ ہو گئیں اور اللہ کے انعامات و کرامات کو دیکھ کر ایک گونہ اطمینان حاصل ہوا تو اپنے بچے عیسیٰ (علیہ السلام) کو گود میں اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ لوگوں نے ان کی گود میں بچہ دیکھ کر غم و حیرت سے ملے جلے جذبے کا اظہار کیا، کیونکہ مریم بہت ہی بڑے دینی خاندان کی بیٹی تھیں۔ لوگوں نے ان پر نکیر کرتے ہوئے کہا، اے مریم! تو نے بہت برا کیا ہے کہ ناجائز بچہ اٹھائے چلی آ رہی ہو۔ مزید ڈانٹ پھٹکار کرتے ہوئے کہا، اے ہارون کی بہن! تیرا باپ تو کوئی بدکار آدمی نہیں تھا اور نہ تیری ماں ہی زانیہ تھی۔ ہارون نام کا ان کا ایک بھائی تھا جو نیکی اور صلاح میں مشہور تھا، جیسا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نجران آیا تو وہاں کے لوگوں (یعنی نصاریٰ) نے مجھ سے سوال کیا کہ تم یہ پڑھتے ہو: ﴿ يَاُخْتَ هٰرُوْنَ ﴾ (مطلب یہ کہ یہاں مریم علیہا السلام کو ہارون علیہ السلام کی بہن کہا گیا ہے، حالانکہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے) اور موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے اتنی مدت پہلے تھے تو پھر مریم علیہا السلام، ہارون علیہ السلام کی بہن کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو میں نے آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا، جس پر آپ نے فرمایا: ''(یہ وہ ہارون نہیں ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے، بلکہ) بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ وہ پیغمبروں اور اگلے نیک لوگوں کے نام پر نام رکھتے تھے۔'' [مسلم، كتاب الأدب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم ...... الخ : ۲۱۳۵]

سیدہ مریم علیہا السلام نے خاموشی کے روزے کی وجہ سے اپنی پاک دامنی کی شہادت کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھ لو۔

﴿ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴾ [مريم : ۲۹ تا ۳۳]

''تو اس نے اس کی طرف اشارہ کر دیا، انھوں نے کہا ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی تک گود میں بچہ ہے۔ اس نے کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور مجھے بابرکت بنایا جہاں بھی میں ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی، جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا (بنایا) اور مجھے سرکش، بدبخت نہیں بنایا۔ اور خاص سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن فوت ہوں گا اور جس دن زندہ ہو کر اٹھایا جاؤں گا۔''

■ مریم علیہا السلام نے بچے کی طرف اشارہ کر کے لوگوں سے کہا کہ اسی سے پوچھ لو، تو لوگوں نے کہا کہ ہم گود میں موجود

بچے سے کیسے بات کریں؟ عیسیٰ علیہ السلام ان کی بات سن کر بول پڑے اور کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے ازل میں فیصلہ کیا ہے کہ وہ مجھے انجیل دے گا اور نبی بنائے گا۔ جہاں بھی میں رہوں، اس نے مجھے صاحب خیر و برکت اور صاحب دعوت بنایا ہے، میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا رہوں گا۔ اس نے مجھے وصیت کی ہے کہ تا دمِ حیات نماز پڑھوں اور زکوٰۃ ادا کروں اور اپنی ماں کا مطیع و فرماں بردار رہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا کہ اللہ نے مجھے تکبر کرنے والا اور گناہ گار نہیں بنایا اور اللہ کی طرف سے امن و سلامتی میرے شامل حال رہی ہے، اس دن جب میں پیدا ہوا اور اس دن بھی رہے گی جب میری موت آئے گی اور جب میں دوبارہ زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

معلوم ہوا کہ والدین سے بدسلوکی کرنے والا شقی اور بدنصیب ہے، خصوصاً ایسی والدہ سے جو باپ اور ماں دونوں کی جگہ ہو۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو!'' پوچھا گیا: ''یا رسول اللہ! کون؟'' فرمایا: ''جس نے اپنے والدین میں سے ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔'' [مسلم، کتاب البر والصلة، باب رغم من أدرك أبويه أو أحدهما...... : ۲۵۵۱] جنت میں داخلے سے محروم ہو جانے سے بڑھ کر کیا بدبختی ہوگی؟

آیت ''**وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا**'' میں مذکور خاص سلامتی میں وہ خصوصیت بھی شامل ہے جو صرف عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو حاصل ہوئی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بچے کو پیدائش کے وقت شیطان چھوتا ہے اور وہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے چیخنے لگتا ہے، سوائے مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کے۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ و إني أعيذها بك ...... الخ ﴾ : ۴۵۴۸۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام : ۲۳۶۶]

سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر اللہ تعالیٰ سیدنا (عیسیٰ) مسیح ابن مریم علیہما السلام کو بھیج دیں گے اور وہ دمشق (شام) کے مشرقی حصے میں سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ملبوس دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے ...... پھر ابن مریم علیہما السلام دجال کا پیچھا کریں گے اور ''لد'' کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے (لد شام میں ایک پہاڑ کا نام ہے) اور اسے قتل کر ڈالیں گے۔'' [مسلم، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال : ۲۹۳۷]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، بیٹے نہیں

اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا صحیح واقعہ بیان فرمایا اور بتایا کہ صحیح اور سچا واقعہ اسی طرح ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کے گستاخانہ عقائد اور عیسائیوں کے گمراہی پر مبنی عقائد کی تردید فرمائی۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴾ [مریم : ۳٤]

''یہ ہے عیسیٰ ابن مریم۔حق کی بات،جس میں یہ شک کرتے ہیں۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اب تک جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان ہوا اور جو انھوں نے خود اپنی زبان سے اپنے بارے میں کہا، یہی کچھ ان کی حقیقت ہے۔ یہی وہ قول حق ہے جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام وہ نہیں جو ان کے بارے میں یہود کہتے ہیں کہ وہ جادوگر تھے اور یوسف نجار کے بیٹے تھے اور نہ وہ ہیں جو ان کے بارے میں نصاریٰ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ اللہ تھے اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے، جبکہ تیسری جماعت کہتی ہے کہ وہ تین معبودوں میں سے ایک تھے۔ ان میں سے جن لوگوں نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ تھے، وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ آخر میں فرمایا کہ یہی حق بات ہے جس میں لوگ خواہ مخواہ شک کرتے ہیں، جیسا کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے، اس کے پیغمبر اور اس کا کلمہ ہیں، جنھیں مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا گیا تھا اور اس کی طرف سے روح ہیں اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے، تو اس کے خواہ کیسے ہی اعمال ہوں اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں پہنچائے گا۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالى : ﴿ يأهل الكتب لا تغلوا في دينكم ﴾ ...... الخ : ۳٤۳٥۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة : ۲۸]

مزید فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ [مریم : ۳٥]

''کبھی اللہ کے لائق نہ تھا کہ وہ کوئی بھی اولاد بنائے، وہ پاک ہے، جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ ''ہوجا'' تو وہ ہوجاتا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی لڑکا بنائے، وہ جاہلوں اور نادانوں کی اس بات سے بالکل پاک ہے، وہ تو جب کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ جس ذات باری تعالیٰ کی یہ صفت ہے، اس کے لڑکا کیسے ہوسکتا ہے؟

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو توحید کا حکم دیا

﴿ وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ [مریم : ۳٦]

’’اور بے شک اللہ ہی میرا رب اور تمھارا رب ہے، سو اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔‘‘

یہ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا نتیجہ ہے کہ بے شک اللہ ہی میرا اور تمھارا رب ہے، اس لیے اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔ جو اس پر چلے گا رشد و ہدایت پائے گا اور جو اس کی مخالفت کرے گا گمراہ ہو جائے گا۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے ایک خط کھینچا، پھر فرمایا: ’’یہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے۔‘‘ پھر آپ نے اس کی دائیں جانب اور اس کی بائیں جانب کئی خطوط کھینچے، پھر فرمایا: ’’یہ جدا جدا راہیں ہیں، ان میں سے ہر راہ پر شیطان بلا رہا ہے۔‘‘ پھر آپ نے پڑھا: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ [الأنعام: ١٥٣] ’’اور یہ کہ بے شک یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔‘‘ [مسند أحمد: ١/ ٤٣٥، ح: ٤١٤١۔ مستدرك حاكم: ٢/ ٣١٨، ح: ٣٢٤١]

عیسیٰ علیہ السلام کی عبودیت کا انکار کرنے والے کفار کا انجام

عیسیٰ کے متعلق حق بات تفصیل سے بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ [مریم: ٣٧]

’’پھر ان گروہوں نے اپنے درمیان اختلاف کیا تو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا، ایک بڑے دن کی حاضری کی وجہ سے بڑی ہلاکت ہے۔‘‘

اہل کتاب نے عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کے بارے میں سب کچھ واضح ہو جانے کے باوجود اختلاف کیا، یہود نے انھیں جادوگر اور ان کی ماں کو زانیہ کہا اور نصاریٰ ان کے بارے میں بہت سے طبقوں میں بٹ گئے۔ ان کا فرانہ عقائد کی وجہ سے سبھی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کافر ہو گئے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی اور کہا کہ قیامت کے دن جب وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے تو ہلاکت و بربادی ان کا مقدر بن جائے گی اور جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔

آیت میں موجود لفظ ’’مَّشْهَدِ‘‘ حاضر ہونے کی جگہ یا اجتماع گاہ کو کہتے ہیں، قیامت کے دن سب لوگ میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے۔

’’يَوْمٍ عَظِيْمٍ‘‘ سے مراد قیامت کا دن ہے، جو پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جو بھی سونے اور چاندی کا مالک ہے، اگر وہ ان کی زکوٰۃ نہیں دیتا تو جب قیامت کا دن ہو گا تو (اس چاندی اور سونے کے) تختے بنائے جائیں، جو جہنم کی آگ میں گرم کیے جائیں گے اور پھر اس کے پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ پر اس سے داغا جائے گا، جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انھیں دوبارہ گرم کیا جائے گا اور یہ اس دن ہو گا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا۔‘‘ [مسلم، کتاب الزکوۃ، باب إثم مانع الزکوۃ: ٩٨٧]

سیدنا آدم و عیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش میں مماثلت

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ [آل عمران : ۵۹، ۶۰]

''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی طرح ہے کہ اسے تھوڑی سی مٹی سے بنایا، پھر اسے فرمایا ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔ یہ حق تیرے رب کی طرف سے ہے، سو تو شک کرنے والوں سے نہ ہو۔''

نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ اللہ نے انھیں بغیر باپ کے پیدا کیا تھا۔ اللہ نے ان کے دعوے کی تردید کی کہ اگر تمھاری یہ بات صحیح ہوتی تو پھر آدم علیہ السلام کو بدرجہ اولیٰ اللہ کا بیٹا ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ انھیں بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے، آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے اور حواء کو صرف مرد سے پیدا کر کے اپنی قدرت مطلقہ کا اظہار کیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح عقیدہ یہی ہے۔ نہ مریم نے معبود کو جنا، جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں، اور نہ انھوں نے یوسف نجار کے ساتھ بدکاری کی، جیسا کہ یہود ان پر بہتان باندھتے ہیں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دعوتِ مباہلہ

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے درست عقیدہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ جو شخص اتنے واضح دلائل کے بعد بھی نہ مانے تو وہ عناد پر آمادہ ہے اس سے بحث کا کوئی فائدہ نہیں، پھر انھیں مباہلہ کی دعوت دو۔

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ﴾ [آل عمران : ۶۱ تا ۶۳]

''پھر جو شخص تجھ سے اس کے بارے میں جھگڑا کرے، اس کے بعد کہ تیرے پاس علم آ چکا تو کہہ دے آؤ! ہم اپنے بیٹوں اور تمھارے بیٹوں کو بلا لیں اور اپنی عورتوں اور تمھاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو اور تمھیں بھی، پھر گڑ گڑا کر دعا کریں، پس جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ بلاشبہ یہ، یقیناً یہی سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں اور بلاشبہ اللہ، یقیناً وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ پھر جائیں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔''

اس مباہلے کا سبب وفد نجران تھا۔ یہ عیسائی جب مدینہ میں آئے تو وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ''ابن اللہ'' اور

''الٰہ'' ہونے کے قائل تھے تو ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں۔ گویا جب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اظہار حق اور دلائل کے باوجود وفد نجران نے عناد کی راہ اختیار کی تو آخری فیصلہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان سے ''مباہلہ'' کا حکم دیا۔ جس کی صورت یہ تجویز ہوئی کہ فریقین اپنی جان اور اولاد کے ساتھ ایک جگہ حاضر ہوں اور جو فریق جھوٹا ہے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اس کے حق میں بددعا کریں کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴾ (کہہ دے آؤ! ہم اپنے بیٹوں اور تمھارے بیٹوں کو بلا لیں اور اپنی عورتوں اور تمھاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو اور تمھیں بھی، پھر گڑ گڑا کر دعا کریں، پس جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں) تو رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا، پھر فرمایا: ''اے اللہ! یہ بھی میرے اہل ہیں۔'' [مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل علي رضي الله عنه : ٢٤٠٤/٣٢]

مگر اہل نجران مباہلہ سے ڈر گئے اور انھوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا، جیسا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نجران کے دو آدمی عاقب اور سید، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا ارادہ مباہلہ کرنے کا تھا مگر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم (رسول اللہ ﷺ سے) مباہلہ نہ کرو، کیونکہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں اور ہم نے آپ سے مباہلہ کر لیا تو نہ ہم بچیں گے اور نہ ہماری آئندہ نسل بچے گی۔ دونوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے جو فرمایا ہے وہ ہم آپ کو دے دیں گے، آپ ہمارے ساتھ کسی امین آدمی کو بھیج دیں، کسی اور کو نہیں صرف کسی امانت دار ہی کو بھیجیں۔ آپ نے فرمایا: ''یقیناً میں تمھارے ساتھ ایک سچے اور پکے امانت دار شخص کو بھیجوں گا۔'' صحابہ نے نظریں اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا کہ یہ سعادت کسے میسر آتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: ''اے ابوعبیدہ بن جراح! کھڑے ہو جاؤ۔'' جب وہ کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اس امت کے امین ہیں۔'' [بخاري، كتاب المغازي، باب قصة أهل نجران : ٤٣٨٠]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔'' [بخاري، كتاب المغازي، باب قصة أهل نجران : ٤٣٨٢]

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے کہا کہ اگر میں نے محمد (ﷺ) کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کی گردن کو پامال کر دوں گا۔ تو آپ نے فرمایا: ''اگر وہ ایسی حرکت کرتا تو سب کے سامنے فرشتے اسے پکڑ لیتے اور اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو وہ مر جاتے اور جہنم میں اپنے ٹھکانے دیکھ لیتے اور اگر عیسائی رسول اللہ ﷺ سے مباہلے کے لیے نکلتے تو وہ اس طرح لوٹتے کہ نہ ان کا مال بچتا اور نہ اہل و عیال۔'' [مسند أحمد :

۲۴۸/۱، ح : ۲۲۲۹۔ بخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالى : ﴿ كلا لئن لم ينته ..... الخ ﴾ : ۴۹۵۸۔ ترمذي، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة اقرأ باسم ربك : ۳۳۴۸]

آیت مباہلہ میں اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کو بلانے کا ذکر ہے۔ ''نساء'' کا لفظ بیویوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہاں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ نے علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا، یہی آپ کے اہل بیت تھے، بیویوں کو نہیں بلایا، حالانکہ کسی حدیث میں بیویوں کو نہ بلانے کا ذکر نہیں ہے اور یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونے سے اس کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ احادیث میں تو دوسرے صحابہ کو بلانے یا ان کے آنے کا بھی ذکر نہیں، تو کیا وہاں اور کوئی بھی موجود نہ تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت تو آپ کی بیویاں تھیں، علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے متعلق تو آپ ﷺ نے دعائیہ انداز میں فرمایا تھا: « اَللّٰهُمَّ ! هٰؤُلَاءِ اَهْلِيْ » [ترمذي : ۲۹۹۹] ''اے اللہ! یہ میرے اہل میں سے ہیں (یعنی انھیں میرے اہل میں شامل فرما)۔'' کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ بیٹی کی اولاد کی نسبت اس کے خاوند اور خاوند کے آبا و اجداد کی طرف ہوتی ہے نہ کہ نانا کی طرف۔ اور یہ تو علی، فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کی خصوصیت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دعا سے اہل بیت میں شامل ہیں، مگر بیویوں کو جو اصل گھر والی ہیں، انھیں اہل بیت سے نکال دینا محض تعصب ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قرآن پاک میں اہل بیت قرار دیا ہے: ﴿ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾ [الأحزاب : ۳۳] ''کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو!'' اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ رضی اللہ عنہا کو ''رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ'' [هود : ۷۳] کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔

عقیدۂ تثلیث کی تردید

عیسائی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ ''نعوذ باللہ'' اسی طرح وہ کائنات کے تین خداؤں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدے کی بھرپور تردید فرمائی ہے۔ سورۂ مریم کے آخر میں فرمایا:

﴿ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴾ [مريم : ۸۸ تا ۹۵]

''اور انھوں نے کہا رحمان نے کوئی اولاد بنا لی ہے۔ بلاشبہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات کو آئے ہو۔ آسمان قریب ہیں کہ اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں۔ کہ انھوں نے رحمان کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ رحمان کے لائق نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ رحمان کے پاس غلام بن کر آنے والا ہے۔ بلاشبہ یقیناً اس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور انھیں خوب اچھی طرح گن کر شمار کر رکھا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے۔''

ان آیات میں یہود و نصاریٰ اور بعض عرب قبائل کی تردید کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرتے تھے۔ یہود عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا جبکہ عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگوں نے ایک بدترین گناہ کا ارتکاب کیا ہے کہ اللہ کے لیے اولاد ثابت کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا ایسی بری بات ہے کہ مقام ربانی کے لیے شدت غیرت کے سبب قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے، زمین میں شگاف پڑ جائے اور پہاڑ پاش پاش ہو جائیں۔ اس لیے کہ یہ بات کسی طرح مناسب ہی نہیں کہ اللہ کی کوئی اولاد ہو، وہ تو تمام کائنات کا خالق و موجد ہے۔ جب قیامت قائم ہوگی تو آسمان و زمین میں پائے جانے والے تمام جن و انس اور فرشتے اپنی عبودیت کا اظہار کرتے ہوئے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، پھر اولاد تو مخلوق کی ہوتی ہے جو اپنے لیے دنیاوی زندگی میں یار و مددگار کی محتاج ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پائی جانے والی تمام مخلوقات کا کلی طور پر احاطہ کر رکھا ہے اور ایک ایک کو شمار کر رکھا ہے، اگر ان میں سے کوئی معبود ہوتا یا اللہ کا بیٹا ہوتا تو اسے یقیناً اس کی خبر ہوتی، اس لیے بات یہی ہے کہ قیامت کے دن ان مخلوقات کا ایک ایک فرد اللہ کے حضور تنہا آئے گا، ان کا نہ کوئی یار و مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارشی۔

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ تکلیف دہ بات کو سن کر صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ مشرک کہتے ہیں اللہ اولاد رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان باتوں کے باوجود ان کو شفا عطا فرماتا ہے اور روزی سے نوازتا ہے۔'' [بخاري، كتاب الأدب، باب الصبر في الأذى : ٦٠٩٩۔ مسلم، كتاب صفات المنافقين، باب في الكفار : ٢٨٠٤]

دین میں غلو اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ آرائی کی ممانعت

سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے جھوٹے دعووں کی تردید کر کے بیان فرمایا کہ خود ساختہ عقیدے تراش کر غلو کا شکار نہ ہوں اور سیدنا مسیح علیہ السلام کی تعریف میں جائز حد سے آگے نہ بڑھیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴾ [النساء : ١٧١]

''اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ پر مت کہو مگر حق۔ نہیں ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم مگر اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ، جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے۔ پس اللہ اور اس کے

رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ تین ہیں، باز آ جاؤ، تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ اللہ تو صرف ایک ہی معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بطور وکیل کافی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو غلو اور مبالغہ آرائی سے منع فرمایا ہے۔ عیسائیوں میں یہ مرض بہت زیادہ ہے۔ وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے بہت زیادہ تجاوز کر گئے ہیں اور انھوں نے آپ کے بارے میں اس سے بہت اونچے درجے کا تصور کیا ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ انھوں نے آپ کو دائرۂ نبوت سے نکال کر دائرۂ الوہیت تک پہنچا دیا اور آپ کی بھی اسی طرح عبادت شروع کر دی جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ بلکہ انھوں نے تو آپ کے ان پیروکاروں کے بارے میں بھی بہت غلو سے کام لیا ہے جن کے بارے میں آپ علیہ السلام کی رائے یہ تھی کہ وہ آپ کے دین پر ہیں، عیسائیوں کے بارے میں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ معصوم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ان کی ہر بات میں اتباع کی، خواہ وہ حق ہو یا باطل، گمراہی ہو یا ہدایت، صحیح ہو یا غلط۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ [التوبة : ۳۱] ''انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا تھا، میں تو صرف اس کا بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى : ﴿ واذكر في الكتاب مريم إذ انتبذت من أهلها ﴾ : ۳۴۴۵]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین میں غلو کرنے سے بچو، اس لیے کہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو نے ہلاک کر دیا۔'' [نسائي، كتاب الحج، باب التقاط الحصى : ۳۰۵۹]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، اے محمد! اے ہمارے سردار! ہمارے سردار کے صاحبزادے! اے ہم میں سے بہترین انسان اور ہم میں سے بہترین انسان کے صاحبزادے! (تو یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لوگو! (اپنی گفتگو میں بھی) تقویٰ اختیار کرو، کہیں شیطان تمھارے دل و دماغ پر چھا نہ جائے، میں محمد بن عبداللہ ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ اللہ کی قسم! میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے بلند مرتبے پر پہنچاؤ جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔'' [مسند احمد : ۳/ ۱۵۳۔ ابن حبان : ۱۴/ ۱۳۳]

مذکور بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے اور اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور اس کا وہ کلمۂ بشارت ہیں جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کلمے کے ذریعے سے پیدا فرمایا جس کے ساتھ اس نے جبریل علیہ السلام کو مریم کی طرف بھیجا اور جبریل نے اللہ کے حکم اور اسی کے اذن سے ان میں روح پھونک دی تھی اور اس طرح عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہو گئے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری تھی اور یہ پھونک ان کے اندامِ نہانی میں اس طرح داخل ہوگئی جس طرح ماں باپ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح پیدائش کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا جاتا ہے، کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ آپ اللہ کے کلمہ کُن سے اور اس روح سے پیدا ہوئے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے جبریل کو دے کر بھیجا تھا۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے، رسول اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور یہ کہ جنت بھی حق ہے اور جہنم بھی حق ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دے گا، خواہ وہ کیسا ہی عمل کرتا ہو۔'' [بخاري، كتاب الأنبياء، باب قوله تعالى ﴿ يأهل الكتاب لا تغلوا في دينكم ﴾ : ٣٤٣٥]

گزشتہ آیت میں مذکور الفاظ ''فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ'' سے مراد ہے کہ اس بات پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ بالکل اکیلا، یکتا اور لاثانی ہے، اس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ بیوی ہے اور خوب خوب جان لو اور مان لو کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ اور ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ کے شریک نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں

اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ اور مشرکین دونوں کے عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اس بات میں کوئی عار نہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴾ [النساء : ١٧٢، ١٧٣]

''مسیح ہرگز اس سے عار نہ رکھے گا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتے ہی اور جو بھی اس کی بندگی سے عار

رکھے اور تکبر کرے تو عنقریب وہ ان سب کو اپنی طرف اکٹھا کرے گا۔ پھر جو لوگ تو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے سو وہ انھیں ان کے اجر پورے دے گا اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ بھی دے گا اور رہے وہ جنھوں نے عار سمجھا اور تکبر کیا تو وہ انھیں دردناک عذاب دے گا اور وہ اپنے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔"

قرآن حکیم کے درج بالا دلائل کی روشنی میں ضروری ہے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور رسول اور ان کی والدہ کو اللہ کی نیک اور پاک باز بندی تسلیم کیا جائے۔ (روح اللہ) "اللہ کی روح" سے مقصود محض ان کے بلند مقام و شرف کا بیان ہے۔ جیسے (بیت اللہ) "اللہ کا گھر" اور (ناقة اللہ) "اللہ کی اونٹنی" کہتے وقت صرف مقام و مرتبہ اور شرف کے اظہار کے لیے اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح (روح اللہ) کا مطلب "اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک مقدس اور محترم روح ہے۔"

ابنیت الٰہی کے عقیدے کی قرآنی تردید

عیسائیوں کے علاوہ یہودی اور مشرکین عرب بھی یہ غلط عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے یہ تصورات نقل کر کے ان کے ان غلط عقائد کی تردید فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ [التوبة : ٣٠]

"اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کا اپنے مونہوں کا کہنا ہے، وہ ان لوگوں کی بات کی مشابہت کر رہے ہیں جنھوں نے ان سے پہلے کفر کیا۔ اللہ انھیں مارے، کدھر بہکائے جا رہے ہیں۔"

جاہل اور غلو کرنے والے یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور نصرانیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ یہ بہت بڑا ظلم اور بہت بڑا شرک ہے۔ انھوں نے اسی عقیدے کو اپنے مذہب کی بنیاد بنا کر اس کی دعوت دینا شروع کر دی۔ یہ اللہ سے بغاوت ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ان پر سخت غصہ ہے۔ مشرک اور اہل مکہ بھی اسی قسم کے شرکیہ اور ناپاک عقائد رکھتے تھے۔ کوئی کہتا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، کسی نے اللہ کے برگزیدہ بندوں کو اللہ کے بیٹے قرار دے دیا۔ یہ کتنے ظالم ہیں، حالانکہ اہل کتاب کے پاس تو اللہ تعالیٰ نے شریعت بھیجی، کتابیں نازل کیں، انبیائے کرام نے انھیں بہت سمجھایا مگر یہ بد بخت تھے کہ سچی ہدایت، صراط مستقیم اور اللہ کی کتاب چھوڑ بیٹھے، اس لیے اللہ کے غضب اور غصے کے حق دار ٹھہرے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندوں کو ان سے لڑنے کے لیے

تیار کر رہا ہے، مدد کے وعدے دے رہا ہے اور کافروں کی ذلت و رسوائی کی یقین دہانیاں کروا رہا ہے۔

یہود و نصاریٰ کے شرکیہ عقیدے کے انجام کا تذکرہ کرتے ہوئے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا پکارے گا، اے لوگو! تم میں سے جو آدمی جس کو پوجتا تھا اسی کے ساتھ ہو جائے۔ (الغرض) اللہ کی پرستش چھوڑ کر بتوں یا آستانوں کی پرستش کرنے والوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، سب جہنم میں گر جائیں گے اور صرف وہی باقی رہ جائیں گے جو اللہ اکیلے کی عبادت کرتے تھے، ان میں اچھے برے سب ہی ہوں گے اور کچھ اہل کتاب باقی رہ جائیں گے۔ پھر یہودی بلائے جائیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا، تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے، ہم عزیر (علیہ السلام) کی عبادت کرتے تھے، جو اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان سے کہا جائے گا، تم جھوٹ بولتے ہو، اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ ان سے پوچھا جائے گا، تم کیا چاہتے ہو؟ تو وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم پیاسے ہیں، بس ہم کو پانی پلا دے، پھر انھیں (جہنم کی طرف) اشارہ کیا جائے گا کہ کیا تم ادھر نہیں جاتے۔ پھر وہ جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے، جو سراب کی طرح ہوگی، اس کا بعض حصہ بعض کو توڑ رہا ہوگا اور وہ جہنم میں گرا دیے جائیں گے۔ پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا، پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے ہم عیسیٰ (علیہ السلام) کی عبادت کرتے تھے، جو اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان سے (بھی یہی) کہا جائے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ ان سے پوچھا جائے گا، تم کیا چاہتے ہو؟ اور ان کے ساتھ بھی وہی ہوگا جو یہود کے ساتھ ہوا تھا۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله : ﴿ إن الله لا يظلم مثقال ذرة ﴾ : ٤٥٨١]

آیت میں مذکور الفاظ ﴿ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ سے واضح ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد یہود و نصاریٰ کا آپ پر ایمان نہ لانا ہلاکت کا باعث ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس زمانے (یعنی اب سے لے کر قیامت تک) کا کوئی یہودی یا نصرانی (یا کسی اور دین کا پیروکار) اگر میرے بارے میں سنے اور پھر وہ اس چیز پر ایمان لائے بغیر مر گیا جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں (یعنی شریعت) تو وہ جہنم میں جائے گا۔'' [مسلم، كتاب الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ إلى جميع الناس : ١٥٣]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنی الوہیت کی تردید اور دعوتِ توحید

نصاریٰ کے ایک فرقے کا اعتقاد یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خود اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تصور کی نفی فرمائی، قرآن مجید میں ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ

وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾
[المائدۃ : ۷۲]

''بلاشبہ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے، اور مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو، جو میرا رب اور تمھارا رب ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شریک بنائے سو یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والے نہیں۔''

اس آیت کریمہ میں نصاریٰ کی ان جماعتوں پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے جنھوں نے کہا کہ اللہ عیسیٰ کی ذات میں داخل ہو گیا اور وہ دونوں متحد ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد ان کی تردید عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کرائی کہ اے بنی اسرائیل! اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے۔ یعنی میں اس کا بندہ ہوں، میں اللہ کیسے ہو سکتا ہوں؟ اور کہا جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اس پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

آیت میں مذکور الفاظ ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ سے نصرانیوں کا وہ فرقہ مراد ہے جنھوں نے کہا، اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم ہی تو ہے۔ اللہ اور مسیح کو ایک کہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے نہایت تاکیدی الفاظ کے ساتھ کافر قرار دیا۔

مسلمان کہلانے والوں میں بھی کئی لوگ یہ کہنے والے ہیں کہ احد اور احمد میں کوئی فرق نہیں بلکہ دونوں ایک ہیں، یا اللہ تعالیٰ بشری جامہ پہن کر آ گیا ہے۔ پھر کئی لوگ اپنے بزرگوں کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ عبادت کرتے کرتے اللہ میں فنا ہو کر ایک ہو گئے اور بعض ان کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں اتر آیا، پہلا عقیدہ اتحاد اور دوسرا حلول کہلاتا ہے۔ اگر مسیح کو عین اللہ تعالیٰ کہنے والے کافر ہیں تو یہ نام نہاد مسلمان کیوں کافر نہیں؟ معلوم ہوا حلول اور اتحاد کا عقیدہ واضح کفر ہے، جسے بعض ملحد لوگوں نے تصوف کے پردے میں معرفت قرار دے دیا۔ اتحاد، حلول یا شرک کی کسی دوسری قسم کا عقیدہ و عمل رکھنے والوں پر جنت حرام اور جہنم واجب ہے، کیونکہ جب شرک معاف ہی نہیں ہوتا تو جنت کیسے مل سکتی ہے؟

اقانیم ثلاثہ کے عقیدے کا ردّ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح طور پر عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی بھی تردید فرمائی، ارشاد فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [المائدۃ : ۷۳]

''بلاشبہ یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ کوئی بھی معبود نہیں مگر ایک معبود، اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو یقیناً ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انھیں ضرور

دردناک عذاب پہنچے گا۔“

یہاں ان نصاریٰ کی تکذیب کی جا رہی ہے جو اقانیم ثلاثہ کا عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تین کے مجموعے میں سے ایک ہے، یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس، یا باپ، بیٹا اور ماں۔ تینوں مل کر ایک معبود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو کافر ٹھہرایا اور کہا کہ معبود تو صرف ایک ہے، اس لیے اللہ نے انھیں دھمکی دی کہ اللہ کی وحدانیت پر قطعی دلائل ہونے کے باوجود اگر وہ اپنی افترا پردازی اور کذب بیانی پر اڑے رہے تو قیامت کے دن انھیں آگ کا عذاب دیا جائے گا۔

آیت میں مذکور الفاظ ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو تین میں سے ایک قرار دینے والے بھی کافر ہو گئے، جب کہ معبود تو ایک ہی ہے، اب خواہ وہ تین اقانیم، باپ، بیٹا، روح القدس کو الگ الگ معبود قرار دیں، یا کہیں یہ تین الگ الگ نہیں بلکہ مل کر ایک ہی الٰہ ہیں، بہر حال یہ عقیدہ رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کافر قرار دیا۔ پھر نیکی کا لبادہ اوڑھ کر شرک پھیلانے والے وہ ظالم جو یہ کہیں کہ ہر چیز ہی اللہ ہے اور اسے وحدت الوجود کا نام یا کوئی اور نام دیں، ان کے کافر ہونے میں بھی کیا شک ہے؟ بلکہ اس عقیدے سے تو قرآن و سنت اور اسلام کی ہر بات اور ہر حکم ہی باطل ٹھہرتا ہے کہ حکم دینے والا بھی وہی ہے اور جسے حکم دیا گیا وہ بھی وہی ہے۔ جنت و دوزخ بھی اور ان میں جانے والے بھی سب ایک ہیں، غرض یہ عقیدہ اسلام کی جڑ اکھاڑ دینے کے لیے بنایا گیا ہے۔ پھر کیسی توحید اور کہاں کی نماز؟ غرض سب کچھ ایک ہے تو دین کی کون سی چیز باقی رہ جاتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ اور یہود کے یہ غلط عقائد ذکر کر کے ان کی تردید کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [المائدۃ : ٧٤]

”تو کیا وہ اللہ کی طرف توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے، اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور اپنے بندوں کے ساتھ فضل و رحمت کا معاملہ ہے کہ اس گناہ عظیم اور اِفک مبین کے باوجود انھیں توبہ و استغفار کی طرف بلاتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ جو توبہ کرے گا اللہ اسے معاف کر دے گا اور اس کے حال پر رحم کرے گا۔

مسیح اللہ کے بندے اور ان کی ماں راست باز ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسیح ایک رسول کے سوا کچھ نہیں یعنی نصاریٰ جو عیسیٰ کو خدا یا اس کا بیٹا مانتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی فرما دی۔ ارشاد فرمایا:

﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ

كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ [المائدة : ۷۵]

''نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر ایک رسول، یقیناً اس سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے اور اس کی ماں صدیقہ ہے، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھ ان کے لیے ہم کس طرح کھول کر آیات بیان کرتے ہیں، پھر دیکھ کس طرح پھیرے جاتے ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی تردید میں تین واضح دلائل پیش کیے ہیں، جو درج ذیل ہیں: ① عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے، اللہ نہیں تھے، یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی ذات اللہ بھی ہو اور اللہ کا رسول بھی۔ علاوہ ازیں یہ کہ ان سے پہلے کئی رسول انھی جیسے گزر چکے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان رسولوں کے بعد آئے۔ بالفاظ دیگر وہ حادث تھے قدیم نہ تھے، جبکہ اللہ کی ذات قدیم، ازلی، ابدی اور حوادثِ زمانہ یا اس کے تغیرات سے ماورا ہے۔ لہٰذا جو چیز یا جو ذات حادث ہو وہ الٰہ یا اللہ نہیں ہوسکتی۔ ② دوسری دلیل یہ ہے کہ ''ان کی ماں صدیقہ ہے'' اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو یہودی ان پر زنا کا الزام لگاتے ہیں وہ جھوٹے ہیں اور دوسرے یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ماں بھی تھی جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیا۔ آپ اس کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، آپ علیہ السلام اسی فطری اور عام طریقے سے پیدا ہوئے ہیں جیسے عام انسان پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام نہ خود الٰہ ہو سکتے ہیں اور نہ ان کی والدہ، کیونکہ اس قسم کی باتیں اللہ کی شایان شان نہیں۔ ③ تیسری دلیل یہ ہے کہ ''وہ دونوں کھانا کھاتے تھے'' یعنی وہ اپنی زندگی کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے کھانے کے محتاج تھے اور جو خود محتاج ہو وہ الٰہ یا اللہ نہیں ہوسکتا۔

سیدنا مسیح علیہ السلام کا شرک سے اظہار براءت اور توحید کا اقرار

قرآن کریم کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نصاریٰ کے ان عقائد سے بری تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے ہونے والا سوال اور ان کا جواب نقل فرمایا ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴾

[المائدة : ۱۱۶، ۱۱۷]

''اور جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟ وہ کہے گا تو پاک ہے، میرے لیے بنتا ہی نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے یہ بات کہی تھی تو یقیناً تو نے اسے جان لیا، تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے نفس

میں ہے، یقیناً تو ہی سب چھپی باتوں کو بہت خوب جاننے والا ہے۔ میں نے انھیں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو، جو میرا رب اور تمھارا رب ہے اور میں ان پر گواہ تھا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔''

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو مذکورہ احسانات یاد دلانے کے بعد ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے بجائے مجھے اور میری ماں کو الٰہ بنا لینا اور تمام حاجات ہم سے طلب کرنا، کیا میرے احسانات کا یہی بدلہ تھا؟ عیسیٰ علیہ السلام نہایت عاجزی سے جواب دیں گے کہ یا اللہ! میں ایسی بات کیونکر کہہ سکتا تھا جو میرے لائق ہی نہ تھی۔ علاوہ ازیں تو تو چھپی اور علانیہ سب باتوں کو جانتا ہے، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو یقیناً تیرے علم میں ہوتی۔ واضح رہے کہ قیامت کے دن کا یہ مکالمہ اس لیے بیان نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم ہو جائے، بلکہ یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کی تہدید اور سرزنش کے لیے بیان کیا جا رہا ہے، جنھوں نے آپ کے بعد انھیں اور ان کی والدہ کو الٰہ بنا لیا تھا، تاکہ ان کے لیے ان کے رسول ہی کی شہادت قائم ہو جائے جس کی وہ پرستش کرتے رہے، اس کے بعد سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ! تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں خود بھی تیری بندگی اور عبادت کروں اور لوگوں سے بھی تیری بندگی اور عبادت کراؤں، تو میں اسے بجا لاتا رہا اور جب تک میں ان لوگوں میں موجود رہا اس وقت تک تو میں نے تیرے حکم کا پوری طرح دھیان رکھا، البتہ میرے بعد کے حالات کا مجھے کچھ علم نہیں۔ بعد کے حالات تو تو ہی جانتا ہے کہ ان لوگوں نے کب، کس طرح اور کیوں یہ غلط روش اختیار کی تھی؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وعظ و نصیحت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''اے لوگو! بے شک تم سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ننگے پاؤں، برہنہ جسم اور غیر مختون حالت میں اکٹھے کیے جاؤ گے۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾ [الأنبياء: ۱۰٤] ''جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کی ابتدا کی (اسی طرح) ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، یقیناً ہم ہمیشہ پورا کرنے والے ہیں۔'' آخر آیت تک، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! بے شک روز قیامت سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ خبردار! آگاہ رہو کہ میری امت کے کچھ آدمیوں کو لایا جائے گا تو انھیں بائیں طرف کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی (پیروکار) ہیں، تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کتنی نئی باتوں کو ایجاد کر لیا تھا۔ تب میں بھی اسی طرح کہوں گا کہ جس طرح اللہ کے نیک بندے (عیسیٰ علیہ السلام) جواب دیں گے: ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ [المائدة: ۱۱۷، ۱۱۸] تو

مجھے جواب دیا جائے گا کہ جب آپ ان سے جدا ہوئے تو یہ لوگ مرتد ہو گئے (یعنی اسلام سے پھر گئے)۔'' [بخاري، كتاب التفسير، باب ﴿ وكنت عليهم شهيدًا ما دمت فيهم ﴾ : ٤٦٢٥ـ مسلم، كتاب الجنة و صفة نعيمها، باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة : ٢٨٦٠]

اللہ ہی مختارِ کل ہے

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی یہ برأت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش بھی نقل فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ [المائدة : ١١٨]

''اگر تو انھیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام نہایت حکیمانہ انداز میں ان کی سفارش کریں گے۔ پہلے اللہ کی کبریائی بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ اگر تو انھیں عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہی ہیں، نہ دم مار سکتے ہیں، نہ بھاگ کر کہیں جا سکتے ہیں اور اگر تو انھیں معاف ہی فرما دے تو تیری شانِ غفاری کے کیا کہنے۔ بہرحال تو ہر چیز پر اور ہر کام پر غالب ہے اور تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ساری رات صبح تک اسی ایک آیت کریمہ کو بار بار پڑھتے رہے تھے۔ [نسائي، كتاب الافتتاح، باب ترديد الآية : ١٠١١ـ ابن ماجه، كتاب إقامة الصلوات، باب ما جاء في القراءة : ١٣٥٠]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے سوال فرمائیں گے تو سوال و جواب سے پہلے اللہ اپنے انعامات ذکر فرمائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۚ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [المائدة : ١١٠]

''جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم! اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میری نعمت یاد کر، جب میں نے روح پاک سے تیری مدد کی، تو گود میں اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے باتیں کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات

اور انجیل سکھائی اور جب تو مٹی سے پرندے کی شکل کی مانند میرے حکم سے بناتا تھا، پھر تو اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے ایک پرندہ بن جاتی تھی اور تو پیدائشی اندھے اور برص والے کو میرے حکم سے تندرست کرتا تھا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے نکال کھڑا کرتا تھا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا، جب تو ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا تو ان میں سے ان لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا، یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔''

یعنی پہلے تمام انبیاء سے اجتماعی طور پر پوچھا جائے گا کہ ان کی قوم نے انھیں کیا جواب دیا تھا، یا ان کی دعوت کو کس حد تک قبول کیا تھا؟ پھر ہر نبی سے الگ الگ یہی سوال ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام سے سوال و جواب کو بالخصوص اس لیے ذکر کیا گیا کہ آپ کی امت نے مستقلاً کئی الٰہ بنا لیے تھے۔ سوال و جواب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے احسانات کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ احسانات قرآن کریم میں جا بجا مذکور ہیں۔ ان میں سے اکثر اس مقام پر یکجا کر کے ذکر کیے گئے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں: ① عیسیٰ علیہ السلام پر سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ آپ بغیر باپ کے جبریل علیہ السلام کے روح پھونکنے سے پیدا ہوئے تھے، آپ کی پیدائش فطری طریق سے ہٹ کر خرق عادت اور معجزانہ طور پر ہوئی تھی۔ اسی لیے آپ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ ② آپ کی والدہ مریم علیہا السلام پر اللہ کا یہ احسان تھا کہ آپ کو یہودیوں کی تہمت سے بری قرار دیا۔ ③ عیسیٰ علیہ السلام بالکل چھوٹی عمر میں، جب بچہ بولنا سیکھتا بھی نہیں، اس طرح کلام کرتے تھے جیسے ایک پختہ عقل والا آدمی گفتگو کرتا ہے۔ ④ آپ تورات کی عبارتیں فر فر سنا دیا کرتے تھے، جس سے یہود کے بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے تھے، پھر تیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت عطا ہوئی اور آپ پر انجیل نازل ہوتی رہی۔ ⑤ آپ مٹی کا کوئی پرندہ بناتے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ اللہ کے حکم سے سچ مچ کا جان دار پرندہ بن کر اڑنے لگتا تھا۔ ⑥ اسی طرح مادرزاد اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ اللہ کے حکم سے بینا بن جاتا تھا اور اس کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہو جاتی تھیں۔ ⑦ اگر آپ کسی برص والے یعنی کوڑھی کے بدن پر ہاتھ پھیرتے تو وہ اللہ کے حکم سے بالکل تندرست ہو جاتا تھا۔ ⑧ اور آپ کسی قبر میں پڑے ہوئے مردے کو زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہونے کو کہتے تو وہ اللہ کے حکم سے قبر سے نکل کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اتنے ڈھیر سارے معجزات کے باوجود بنی اسرائیل نے آپ کو جھٹلا دیا اور کہنے لگے کہ تم جادوگر ہو اور تمھارے یہ کارنامے سب کچھ جادو ہی کا کرشمہ ہیں۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ہمارے نبی ﷺ کے اسم گرامی احمد ﷺ کے ساتھ بشارت

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک ''احمد'' کی صراحت کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد کی خوش خبری دی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [الصف : ٦]

''اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اس کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے تورات کی صورت میں ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے۔ پھر جب وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔''

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانے کے یہودیوں سے کہا، اے بنی اسرائیل! میں نبی بنا کر اور انجیل دے کر تمھاری ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ میں وہی دعوت لے کر آیا ہوں جو تورات کی دعوت تھی، یعنی ایک اللہ کی بندگی اور غیروں کی عبادت کا انکار۔ میرے ذریعے سے تورات کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے کہ تورات میں میری بعثت کی خبر موجود ہے اور اب میں مبعوث ہو چکا ہوں، تو ثابت ہوا کہ تورات اللہ کی سچی کتاب ہے اور میں تمھیں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہو گا۔ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کی تکذیب کر دی اور کہا کہ یہ جو کچھ ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے کھلا جادو ہے۔

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میرے کچھ نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں یعنی مٹانے والا، اللہ کفر کو میرے ذریعے سے مٹائے گا، میں حاشر ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب کو حشر میں میرے بعد جمع کرے گا اور میں عاقب (یعنی سب نبیوں کے بعد آنے والا) ہوں۔''
[بخاري، كتاب التفسير [بابٌ] ﴿ من بعد اسمه أحمد ﴾ : ٤٨٩٦۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب في أسمائه ﷺ : ٢٣٥٤]

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کئی نام ہم سے بیان کرتے تھے، آپ نے فرمایا: ''میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں مقفی (یعنی عاقب) ہوں، میں حاشر ہوں، میں نبی التوبہ اور نبی الرحمۃ ہوں۔'' [مسلم، كتاب الفضائل، باب في أسمائه ﷺ : ٢٣٥٥]

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! آپ کے معاملے کی ابتدا کیا ہے (یعنی آپ کی ابتدائی نشانیاں کیا ہیں)؟ آپ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میری والدہ نے خواب دیکھا کہ ان میں سے ایک ایسا نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔'' [مسند أحمد : ٢٦٢/٥، ح : ٢٢٣٢٤]

نزول مائدہ کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر آپ کی قوم کے لیے آسمان سے دسترخوان نازل فرمایا۔

﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ

عَذَابًا لَّآ أُعَذِّبُهٗٓ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [المائدة : ۱۱۲ تا ۱۱۵]

''جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان اتارے؟ اس نے کہا اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔ انھوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم جان لیں کہ واقعی تو نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہوں سے ہو جائیں۔ عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان اتار، جو ہمارے پہلوں اور ہمارے پچھلوں کے لیے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق دے اور تو سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔ اللہ نے فرمایا بے شک میں اسے تم پر اتارنے والا ہوں، پھر جو اس کے بعد تم میں سے ناشکری کرے گا تو بے شک میں اسے عذاب دوں گا، ایسا عذاب کہ وہ جہانوں میں سے کسی ایک کو نہ دوں گا۔''

مذکورہ آیات میں ''مائدہ'' کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ نزولِ مائدہ بھی اللہ تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام پر ایک احسان تھا اور یہ چیز ان کی نبوت و رسالت پر قطعی دلیل تھی۔ حواری جو اسلام لا چکے تھے وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھنے لگے کہ کیا تمھارے پروردگار میں اتنی قدرت ہے کہ ہم پر آسمان سے تیار شدہ کھانا نازل کر دے، تاکہ ہم اسے کھائیں اور ہمارے دل کو مزید اطمینان و سکون نصیب ہو اور جس دن اس دستر خوان کا نزول ہو ہم اس دن جشن اور عید منائیں اور آئندہ بھی اس دن عید مناتے رہیں۔ حواریوں کے اس مطالبے سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین آپ کو اللہ یا الٰہ یا تین معبودوں میں سے ایک نہیں سمجھتے تھے، بلکہ انھیں محض اللہ کا بندہ اور اس کا رسول سمجھتے تھے، ورنہ ان کے مطالبے کا انداز یہ ہوتا کہ کیا تم میں یہ قدرت ہے کہ ہمارے لیے آسمان سے دستر خوان اتار کر دکھاؤ؟ عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا امتحان نہ لو، اس سے ڈرتے رہو اور اس کے فرماں بردار بن کر رہو اور فرماں برداروں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ اپنے آقا کا امتحان لینا شروع کر دیں۔ لیکن جب عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ان کا مقصد صحیح ہے اور اپنے سوال پر مصر ہیں تو انھوں نے اللہ سے اس کے لیے دعا کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اور نہایت خشوع و خضوع سے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے لیے آسمان سے ایک دستر خوان اتار دے، جس میں اس جنت کی نعمتیں ہوں جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور وہ دن ہمارے لیے اور ہمارے بعد آنے والی نسلوں کے لیے عید کا دن ہو اور تیری کمال قدرت، صدق وعدہ اور تیری طرف سے میری نبوت کی تصدیق کی نشانی ہو۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم تمھاری دعا قبول کرتے ہوئے اسے تمھارے لیے اتاریں گے، لیکن اس کے بعد اگر ان میں سے کسی نے کفر کا ارتکاب کیا تو اسے میں تمام جہان والوں سے بڑھ کر عذاب دوں گا۔

حواریوں کے ذریعے عیسیٰ علیہ السلام کی مدد

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر ایک احسان یہ بھی فرمایا کہ حواریوں کو ان کا مخلص ساتھی اور مددگار بنا دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَ اِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴾ [المائدۃ : ١١١]

''اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں۔''

یہ بھی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر ایک احسان ہے کہ اللہ نے حواریوں کو ان کے اصحاب و انصار بنا دیا، یہاں ﴿ اَوْحَيْتُ ﴾ وحی سے مراد الہام اور دل میں القا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ﴾ [القصص : ٧] ''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ﴾ [النحل : ٦٨، ٦٩] ''اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔''

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے جانثار ساتھی

اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کے جانثار ساتھیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ فَلَمَّاۤ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا بِمَاۤ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ [آل عمران : ٥٢، ٥٣]

''پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو اس نے کہا کون ہیں جو اللہ کی طرف میرے مدد گار ہیں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مدد گار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور گواہ ہو جا کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمایا اور ہم رسول کے پیروکار بن گئے، سو تو ہمیں شہادت دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔''

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو پوری طرح معلوم ہو چکا تھا کہ یہود اور ان کے علماء دلائل کے میدان میں مات کھا کر اب ان کی زندگی کے درپے ہو چکے ہیں اور اس کام کے لیے سازشیں تیار کر رہے ہیں، اب انھیں فکر یہ تھی کہ دین کی اشاعت و تبلیغ کا کام رکنا نہیں چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے پیروکاروں سے پوچھا کہ کون ہے جو اس سلسلے میں میری مدد کرے۔ قوم کے اکثر لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا، البتہ چند لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کی توفیق دی، وہ ایمان لائے اور پوری تندہی اور جانفشانی سے عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کرتے رہے۔ یہی وہ لوگ تھے جو بعد میں عیسیٰ علیہ السلام کے خاص الخاص جاں نثار اور مدد گار یعنی حواری کہلائے۔

آیت میں موجود الفاظ ﴿ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾ میں عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ویسا ہی ہے جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل موسم حج میں یہ فرمایا کرتے تھے: ''کون ہے جو مجھے ٹھکانا دے؟ کون ہے جو میری نصرت کرے، تاکہ میں اپنے رب کی رسالت کو پہنچا دوں اور اس کے لیے بدلا جنت ہے؟ کیونکہ قریش

کلام باری تعالیٰ کی تبلیغ میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔'' [مسند أحمد : ۳۲۲/۳ ح : ۱٤٤٦۹۔ أبو داوٗد، کتاب السنة، باب في القرآن : ٤۷۳٤۔ ترمذي، کتاب فضائل القرآن، باب ألا رجل یحملني …… الخ : ۲۹۲۵]

تا آنکہ آپ کو انصار مل گئے جنھوں نے آپ کو پناہ دی اور اپنی جان و مال سے مدد کی، مگر آپ کے حواری (خاص جاں نثار و مددگار) صرف انصار ہی نہ تھے، مہاجر بھی تھے، جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قوم (بنو قریظہ) کی خبر کون لائے گا؟'' زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے کہا، میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا: ''قوم (بنو قریظہ) کی خبر کون لائے گا؟'' زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا، میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا: ''قوم (بنو قریظہ) کی خبر کون لائے گا؟'' زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا، میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے۔'' [بخاري، کتاب المغازي، باب غزوة الخندق : ٤۱۱۳۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل طلحة و الزبیر رضي اللہ عنهما : ۲٤۱۵]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے پہلے جو نبی بھی اللہ تعالیٰ نے جس امت کی طرف مبعوث فرمایا، اس کی امت میں سے اس کے حواری اور اصحاب ہوتے تھے، جو اس کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اس کا حکم بجا لاتے تھے، پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ جو وہ کہتے تھے وہ کرتے نہیں تھے اور جو کرتے تھے اس کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔'' [مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون النهي عن المنکر من الإیمان : ۵۰]

یہودیوں کا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ

یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو ناکام کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ [آل عمران : ٥٤]

''اور انھوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔''

یہود کے علماء نے اس وقت کے بادشاہ کو بہکایا کہ یہ شخص ملحد ہے اور تورات کے احکام کو بدلنا چاہتا ہے اور ان پر اتہامات لگائے تو بادشاہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے کچھ آدمی مقرر کر دیے۔ انھوں نے ایک مکان کے اندر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا محاصرہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا۔

رفع آسمانی یا صلیب پر موت؟

کچھ یہودیوں کی چغلیوں اور سازشوں سے بادشاہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بحفاظت آسمان پر اٹھا لیا۔ جبکہ یہودی اور عیسائی اس باطل عقیدے پر قائم ہیں کہ انھوں نے اپنے نبی کو سولی چڑھا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل عقائد کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [آل عمران : ۵۵ تا ۵۷]

''جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے قبض کرنے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تجھے ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنھوں نے کفر کیا اور ان لوگوں کو جنھوں نے تیری پیروی کی، قیامت کے دن تک ان لوگوں کے اوپر کرنے والا ہوں جنھوں نے کفر کیا، پھر میری ہی طرف تمھارا لوٹ کر آنا ہے تو میں تمھارے درمیان اس چیز کے بارے میں فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ پھر جن لوگوں نے تو کفر کیا سو میں انھیں دنیا اور آخرت میں عذاب دوں گا، بہت سخت عذاب اور کوئی ان کی مدد کرنے والے نہیں۔ اور رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے تو وہ انھیں ان کے اجر پورے دے گا اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔''

جب بنی اسرائیل کے کافروں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش مکمل کر لی اور اس کی تمام کڑیاں ایک دوسرے سے ملا لیں تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے عیسیٰ ! میں تمھیں پورے طور پر لے لینے والا ہوں اور اپنے پاس اٹھا کر لانے والا ہوں اور آسمان پر بلا کر کافروں کی خباثت آلود فضا سے تمھیں دور کرنے والا ہوں اور تمھاری اتباع کرنے والوں کو کافروں پر قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں۔

آیت میں مذکور الفاظ ﴿ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ سے مراد مومنین بنی اسرائیل کی وہ جماعت ہے جو ان پر ایمان لائی تھی اور کافروں کے مقابلے میں ان کی مدد کا اعلان کیا تھا اور نبی ﷺ کی امت کے دنیا میں آ جانے کے بعد یہی لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح پیروکار ہوئے، اس لیے اللہ نے کفار کے مقابلے میں ان کی مدد کی اور ان کے دین کو تمام ادیان پر غالب کیا اور بفضلِ باری تعالیٰ قیامت تک اسلام اور مسلمان اسی حال میں رہیں گے۔

اس سے مراد یہ بھی ہے کہ قیامت کے قریب جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو ان کے پیروکار مسلمان سب کفار پر غالب ہوں گے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام آئیں گے، حکومت کریں گے، عدل و انصاف قائم کریں گے، صلیب توڑ دیں گے، جزیہ نہیں لیں گے، جوان اونٹ کو چھوڑ دیا جائے گا، تو اسے پکڑنے کے لیے کوئی محنت نہیں کرے گا، لوگوں کے دلوں سے کینہ، بغض اور حسد جاتا رہے گا، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو مال دینے کے لیے بلائیں گے لیکن کوئی لینے کو تیار نہیں ہو گا۔'' [مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان نزول عیسی علیه السلام : ۲۴۳/ ۱۵۵]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لیے لڑتا رہے گا، وہ گروہ قیامت تک غالب رہے گا، جب عیسیٰ (علیہ السلام) نازل ہوں گے (تو نماز کا وقت ہوگا) مسلمانوں کا امیر عیسیٰ (علیہ السلام) سے عرض کرے گا، تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں۔ عیسیٰ (علیہ السلام) جواب میں فرمائیں گے کہ نہیں، تم خود ہی آپس میں ایک دوسرے کے امام ہو۔ یہ اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اعزاز ہے۔'' [مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان نزول عیسی علیه السلام : ۱۵۶]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعویٰ

یہودیوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دے دی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی تردید فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ١ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۪ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًاۙ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ١ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ١ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ١ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ١ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢاۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ١ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾ [النساء : ۱۵۵ تا ۱۵۸]

''پھر ان کے اپنے عہد کو توڑ دینے ہی کی وجہ سے (ہم نے ان پر لعنت کی) اور ان کے اللہ کی آیات کا کفر کرنے اور ان کے انبیاء کو کسی حق کے بغیر قتل کرنے اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں، بلکہ اللہ نے ان پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر کر دی تو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت کم۔ اور ان کے کفر کی وجہ سے اور مریم پر ان کے بہت بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے۔ اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ بلاشبہ ہم نے ہی مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا، جو اللہ کا رسول تھا، حالانکہ نہ انھوں نے اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھایا اور لیکن ان کے لیے اس (مسیح) کا شبیہ بنا دیا گیا اور بے شک وہ لوگ جنھوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے، یقیناً اس کے متعلق بڑے شک میں ہیں، انھیں اس کے متعلق گمان کی پیروی کے سوا کچھ علم نہیں اور انھوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

یہودیوں نے دعویٰ کیا کہ انھوں نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو قتل کر دیا تھا اور یہودی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ''رسول اللہ'' حقارت اور مذاق کے طور پر کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کی تردید کی اور کہا کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا اور نہ پھانسی دی، بلکہ وہ شبہ میں ڈال دیے گئے۔ اسی لیے اللہ نے کہا کہ جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے

میں اختلاف کیا ہے، دراصل وہ شک میں مبتلا ہوئے ہیں۔ ان کے پاس اس بارے میں کوئی صحیح علم نہیں ہے، وہ تو محض ظن و گمان سے ایک بات کہتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی طرف بلالیا تھا۔

یہ نص صریح ہے اس بات پر کہ جسم اور روح دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف آسمان پر اٹھا لیا، جہاں وہ زندہ موجود ہیں۔ قیامت سے پہلے وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے، چالیس سال یہاں زندگی گزاریں گے اور دجال کو قتل کرنے کے بعد طبعی موت فوت ہوں گے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے ناسوتی بدن کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھایا جانا اور ان کی حیات، یہ امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے، جس کی بنیاد قرآنی تصریحات اور ان تفصیلات پر ہے جو احادیث میں وارد ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام اصحابِ تفسیر اور ائمہ حدیث اس پر متفق ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنے بدن سمیت زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ لہٰذا حیاتِ مسیح کے انکار سے قرآن و حدیث کا انکار لازم آتا ہے، جو موجب گمراہی ہے۔ [التلخيص الحبير : ٣١٩]

ہر اہل کتاب آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئے گا

قیامت سے قبل جب عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں نزول ہوگا تو تمام اہل کتاب ایمان قبول کر لیں گے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴾ [النساء : ١٥٩]

”اور اہل کتاب میں کوئی نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ضرور ایمان لائے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا۔“

یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں نزول ہوگا اور وہ دجال کو قتل کر کے اسلام کا بول بالا کریں گے، تو اس وقت جتنے یہودی اور نصرانی ہوں گے وہ انھیں بھی قتل کر ڈالیں گے اور روئے زمین میں مسلمان کے سوا کوئی اور باقی نہیں بچے گا۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام جزیہ موقوف کر دیں گے اور یہود و نصاریٰ میں سے جو اسلام قبول نہیں کرے گا، اسے قتل کر دیں گے۔

سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں عیسیٰ علیہ السلام ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل ہوں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیے کو ختم کر دیں گے اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا و مافیھا سے بہتر ہوگا۔“ یہ بیان کرنے کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴾ ”اور اہل کتاب میں کوئی نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ضرور ایمان لائے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا۔“ [بخاري،

کتاب أحادیث الانبیاء، باب نزول عیسیٰ ابن مریم : ۳۴۴۸]

سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فج الروحاء (نامی جگہ) سے حج یا عمرے یا دونوں کا اکٹھا ہی تلبیہ پکاریں گے۔'' [مسلم، کتاب الحج، باب اهلال النبي ﷺ : ۱۲۵۲]

دمشق کے مشرقی جانب سفید مینار کے پاس اتریں گے

سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صبح دجال کا ذکر فرمایا اور اس کی چھوٹی بڑی تمام باتوں کو بیان فرمایا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے۔ جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس خوف کو ہمارے چہروں سے معلوم کر لیا اور فرمایا: ''کیا بات ہے؟ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے صبح دجال کی بابت وضاحت فرمائی اور اس کی چھوٹی بڑی تمام باتوں کو بیان فرمایا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے، آپ نے فرمایا: دجال کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے مجھے تمھارے بارے میں زیادہ خوف ہے۔ اگر دجال نے میری موجودگی میں خروج کیا تو تمھاری طرف سے میں اس پر حجت قائم کرتے ہوئے غالب آ جاؤں گا اور اگر میری عدم موجودگی میں اس نے خروج کیا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرے اور ہر مسلمان کے لیے اللہ میرا خلیفہ ہوگا۔

بے شک دجال ایک گھنگریالے بالوں والا نوجوان ہوگا۔ اس کی ایک آنکھ پھولی ہوئی ہوگی، گویا میں اسے عبدالعزیٰ بن قطن کے ساتھ مشابہت دینا چاہوں گا۔ تم میں سے جو شخص اسے پا لے تو وہ اس پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ کر دم کرے۔ وہ شام اور عراق کے درمیان ایک راستے پر نکلے گا اور دائیں بائیں فساد برپا کرے گا لیکن تمھیں اے بندگانِ الٰہی! ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہوگا، ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ زمین میں کتنا عرصہ ٹھہرے گا؟ فرمایا: چالیس دن جن میں سے ایک دن سال کے برابر، ایک دن ایک مہینے کے برابر، ایک دن ایک جمعے (7 دن) کے برابر اور باقی تمام دن تمھارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ دن جو سال کے برابر ہوگا، کیا اس میں ہمارے لیے ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ فرمایا: نہیں، بلکہ اس وقت نماز کے اوقات کا اندازہ لگا لینا۔ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ زمین میں کس قدر تیزی کے ساتھ گھومے گا؟ فرمایا: اس بارش کے مانند جسے پیچھے سے تیز ہوا دھکیل رہی ہو۔ وہ کچھ لوگوں کے پاس جا کر انھیں دعوت دے گا تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسانے لگ جائے گا، زمین کو حکم دے گا تو وہ سبزہ اگانے لگ جائے گی، لوگوں کے چوپائے جب شام کو ان کے پاس آئیں گے تو ان کی کوہانیں پہلے کی نسبت زیادہ لمبی ہوں گی اور ان کے تھن دودھ

سے بہت زیادہ بھرے ہوں گے اور ان کے پہلو باہر نکلے ہوں گے، پھر دجال کچھ اور لوگوں کے پاس جا کر انھیں بھی دعوت دے گا تو وہ اس کی دعوت کو ٹھکرا دیں گے، لہٰذا جب وہ وہاں سے واپس چلا جائے گا تو وہ خشک سالی کا شکار ہو جائیں گے حتیٰ کہ ان کے ہاتھ میں کوئی مال و دولت باقی نہ بچے گا۔ وہ بے آباد زمین کے پاس سے گزرے گا تو اسے کہے گا کہ تو اپنے خزانے باہر نکال دے تو اس کے خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے لگ جائیں گے، پھر وہ ایک بھر پور جوانی کے مالک کو بلائے گا اور اسے تلوار مار کر دولخت کر دے گا۔ اس کے جسم کے دونوں ٹکڑوں کے مابین فاصلہ تیر سے نشانہ تک جتنا ہوگا، پھر وہ اسے بلائے گا تو وہ اس کی طرف ہنستا مسکراتا ہوا آئے گا۔

انھی حالات میں اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو مبعوث فرما دے گا وہ دمشق کی مشرقی جانب سفید مینار کے پاس اتریں گے۔ انھوں نے ہلکے زرد رنگ کی دو چادریں زیب تن کر رکھی ہوں گی اور دو فرشتوں کے پروں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوں گے، جب وہ سر کو جھکائیں گے تب اس سے پانی کے قطرے ٹپکیں گے اور جب سر کو اٹھائیں گے تو اس سے موتیوں کی طرح بوندیں گریں گی۔ جو کافر بھی آپ کی سانس کی ہوا کو پائے گا، وہ مر جائے گا اور ان کی سانس کی ہوا، ان کی حد نظر تک جائے گی۔ آپ دجال کو تلاش کریں گے حتیٰ کہ اسے لُد شہر (یہ لد آج کل اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب کا ہوائی اڈا ہی نہیں بلکہ اس کی فضائی چھاؤنی بھی ہے) کے دروازے کے پاس پائیں گے تو اسے قتل کر دیں گے، پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دجال کے شر سے محفوظ رکھا ہوگا۔ آپ ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور انھیں جنت میں ان کے درجات کے بارے میں بتائیں گے۔

اسی حالت میں اللہ تعالیٰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائے گا کہ میں نے اب اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے جن سے لڑنے کی کسی کو تاب نہیں ہے، لہٰذا میرے بندوں کو کوہِ طور پر لے جا کر محفوظ کر لو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو نکالے گا اور وہ گویا اونچی جگہوں سے دوڑتے ہوئے آئیں گے، ان کا پہلا دستہ بحیرہ طبریہ (یہ اسرائیل میں دریائے اردن کے مغرب میں واقع ہے۔ اسے بحیرۂ گلیلی بھی کہا جاتا ہے) کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس میں موجود سارا پانی پی لے گا اور جب ان کا آخری دستہ گزرے گا تو وہ کہے گا کہ یہاں کبھی پانی ہوتا تھا۔ اللہ کے نبی عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے رفقاء محصور ہو جائیں گے حتیٰ کہ (تنگی معیشت کے سبب) بیل کا سر ان کے نزدیک تمھارے آج کے سو دینار سے بہتر ہوگا، پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا داخل فرما دے گا اور وہ سب کے سب اس طرح مر جائیں گے جیسے کوئی ایک شخص مرتا ہے، پھر اس کے بعد اللہ کے نبی اور آپ کے رفقاء پہاڑ سے اتر کر میدانی علاقے میں آ جائیں گے اور وہ زمین میں ایک بالشت کے برابر جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے کیونکہ ساری زمین ان کی چربی اور بدبو سے بھری ہوئی ہو

گی، پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے رفقاء اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ ایسے پرندے بھیج دے گا جو خراسانی اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گے تو وہ انھیں اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے، جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر اللہ تعالیٰ ایسی موسلا دھار بارش برسائے گا جو ہر ہر گھر پر برسے گی، خواہ وہ اینٹوں کا بنا ہو یا خیمے کی صورت میں ہو، اس سے اللہ تعالیٰ زمین کو دھو کر آئینے کے مانند شفاف فرما دے گا۔

پھر زمین سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے پھل اگائے اور اپنی برکت کو واپس لے آئے تو اس برکت کی وجہ سے اتنے بڑے بڑے انار پیدا ہوں گے کہ پوری ایک جماعت کے لیے ایک انار کافی ہو گا اور وہ اس کے چھلکے کے سائے میں آرام کر سکیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ دودھ میں بھی اتنی برکت پیدا فرما دے گا کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہو گا۔ گائے کا دودھ ایک قبیلے کے لیے اور ایک بکری کا دودھ ایک کنبے کے لیے کافی ہو گا۔

اس حالت میں اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا، جو ان کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور ہر ہر مومن اور مسلم کی روح کو قبض کر لے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو زمین میں گدھوں کی طرح کھلم کھلا جنسی عمل کریں گے اور انھی بدترین قسم کے لوگوں پر قیامت قائم ہو گی۔[مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال : ۲۹۳۷]

سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ آپ دمشق کی مشرقی جانب سفید مینار کے پاس ہلکے زرد رنگ کی دو چادریں پہنے ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے نازل ہوں گے۔ جب آپ سر جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے گریں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو اس سے موتیوں جیسی بوندیں گریں گی۔ آپ کی سانس کی ہوا محسوس کرنے کے بعد ہر کافر فوراً مر جائے گا اور آپ کی سانس کی ہوا آپ کی حد نظر تک جائے گی۔'' [مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال، حدیث : ۲۹۳۷]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑ دیں گے

سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے تو وہ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹا دیں گے، آپ کے لیے نماز کو جمع کیا جائے گا اور (لوگوں کو) مال سے اس قدر نوازا جائے گا کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ آپ خراج کو ختم کر دیں گے، مقام روحاء میں نازل ہوں گے اور وہاں سے حج یا عمرے یا دونوں ہی کا احرام باندھیں گے۔'' اس کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ﴾ حنظلہ کا خیال ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ایمان لے آئیں گے لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا حصہ ہے یا یہ بات سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب نزول عيسى ابن مريم عليه السلام :

۳۴۴۹۔ مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسی ابن مریم حاکمًا بشریعة نبینا محمد ﷺ : ۱۵۵]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زمین پر چالیس سال رہیں گے

سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام انبیاء بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں مگر ان کا دین ایک ہے، میں عیسیٰ علیہ السلام کا دیگر لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ قریبی ہوں کیونکہ میرے اور ان کے مابین دوسرا کوئی نبی نہیں ہے۔ اور وہ نازل ہونے والے ہیں، جب انھیں دیکھو گے تو تم انھیں اس طرح پہچان لو گے کہ وہ ایک ایسے شخص ہوں گے جن کا قد درمیانہ، رنگ سرخ سفیدی مائل ہوگا، انھوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے پہن رکھے ہوں گے۔ ان کا سر یوں محسوس ہوگا جیسے اس سے پانی کے قطرے گر رہے ہوں گے، حالانکہ وہ گیلا نہیں ہوگا۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام کے علاوہ تمام ملتوں کو ہلاک کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں مسیح دجال کو بھی ہلاک کر دے گا۔ پھر زمین اس قدر پر امن ہو جائے گی کہ شیر اونٹوں کے ساتھ، چیتے گائیوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ مل کر چریں گے اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور سانپ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، عیسیٰ (علیہ السلام) زمین میں چالیس سال رہیں گے، پھر فوت ہو جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔'' [مسند أحمد : ۴۰۶/۲۔ أبو داؤد، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال : ۴۳۲۴۔ ابن حبان : ۶۸۲۱]

دجال کو قتل کریں گے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک رومی مقام اعماق یا دابق میں حملہ آور نہ ہوں گے، ان کے مقابلے کے لیے مدینہ سے ایک ایسا لشکر آئے گا جو اس وقت روئے زمین کے بہترین لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ جب وہ ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوں گے، تو رومی کہیں گے ہمیں چھوڑ دو تاکہ ہم ان لوگوں سے جنگ کریں جنھوں نے ہمارے آدمیوں کو قیدی بنا لیا ہے تو مسلمان جواب دیں گے، نہیں! اللہ کی قسم! ہم تمھیں اپنے بھائیوں سے جنگ نہیں کرنے دیں گے، مگر وہ ان سے لڑائی کریں گے تو ان میں سے ایک تہائی پسپائی اختیار کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو ہرگز قبول نہیں کرے گا اور ایک تہائی شہید ہو جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل شہید ہوں گے اور ایک تہائی فتح یاب ہو جائیں گے اور وہ کبھی بھی فتنے میں مبتلا نہ ہوں گے اور وہ قسطنطنیہ کو فتح کر لیں گے۔ وہ اپنی غنیمتوں کو تقسیم کر رہے ہوں گے اور انھوں نے زیتون کے ساتھ اپنی تلواروں کو لٹکا رکھا ہوگا جبکہ شیطان ان میں چیخ کر کہے گا کہ مسیح (دجال) تمھارے پیچھے تمھارے اہل وعیال

میں موجود ہے تو سب لوگ واپس جا کر دیکھیں گے مگر یہ بات جھوٹی ہوگی لیکن جب وہ شام آئیں گے تو مسیح (دجال) کا خروج ہوگا۔ مسلمان لڑائی کے لیے صفوں کو درست کر رہے ہوں گے، تب نماز کھڑی ہوگی تو عیسیٰ (علیہ السلام) نازل ہوں گے اور وہ ان کے امام کو امامت کا کہیں گے جب اللہ کا دشمن (مسیح دجال) آپ کو دیکھے گا تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ اگر آپ اسے چھوڑ دیں تو وہ پگھل پگھل کر ہی ہلاک ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ کے نیزے پر اس کا خون دکھائے گا۔'' [مسلم، كتاب الفتن، باب في فتح قسطنطنية و خروج الدجال : ۲۸۹۷]

یعقوب بن عاصم بن عروہ بن مسعود ثقفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا، جب ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ یہ کیا حدیث ہے جو تم بیان کرتے ہو کہ قیامت فلاں فلاں وقت قائم ہوگی؟ انھوں نے سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ یا اس طرح کا کوئی کلمہ کہا اور فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ آئندہ کسی سے کچھ بھی بیان نہیں کروں گا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تھوڑے عرصے بعد تم ایک بہت بڑا سانحہ دیکھو گے اور وہ یہ کہ بیت اللہ جل جائے گا اور یہ یہ واقعات پیش آئیں گے، پھر انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''میری امت میں سے دجال نکلے گا جو چالیس ۔ معلوم نہیں آپ نے دن یا مہینے یا سال فرمایا۔ تک رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث فرما دے گا، ان کی شکل وصورت گویا عروہ بن مسعود جیسی ہوگی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کر کے ہلاک کر دیں گے، پھر لوگ سات سال اس طرح پر امن گزاریں گے کہ کوئی سے دو انسانوں میں بھی دشمنی نہ ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس سے روئے زمین کا ہر وہ شخص فوت ہو جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی خیر یا ایمان ہوگا کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کے اندر بھی گھسا ہوا ہوگا تو یہ ہوا وہاں بھی پہنچ کر اس کی روح کو قبض کر لے گی۔

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان فرماتے ہوئے سنا کہ شر وفساد میں پرندوں کی طرح آگے بڑھنے والے اور ظلم و زیادتی میں درندوں جیسے بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی نہیں سمجھیں گے۔ شیطان ان کے پاس انسانی شکل وصورت میں آئے گا اور کہے گا کہ تم میری بات کیوں نہیں مانتے ہو؟ وہ پوچھیں گے کیا حکم ہے؟ تو شیطان انھیں بتوں کی عبادت کا حکم دے گا۔ اس کے باوجود ان کے پاس رزق کی فراوانی ہوگی اور ان کی زندگی بھی مزے کی ہوگی، پھر صور میں پھونکا جائے گا اور جو شخص بھی اس کی آواز کو سنے گا، وہ گردن کا ایک پہلو جھکا دے گا اور دوسرا اٹھا لے گا۔ (دہشت اور ہولناکی کی وجہ سے بے ہوش ہو جائے گا) سب سے پہلے اس آواز کو سننے والا وہ شخص ہوگا جو اپنے اونٹوں کے حوض کو مٹی کا لیپ کر رہا ہوگا وہ یہ آواز سن کر بے ہوش ہو جائے گا اور دیگر لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا۔ یا فرمایا: نازل فرمائے گا۔ جو شبنم یا

سائے جیسی ہوگی۔ اس سے لوگوں کے جسم اگ آئیں گے، پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ کہا جائے گا کہ اے لوگو! تم سب اپنے رب کی طرف چلو اور انھیں ٹھہراؤ (اس لیے) کہ اِن سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں، پھر کہا جائے گا کہ آج کا حصہ نکالو تو پوچھا جائے گا کہ کتنا حصہ؟ تو جواب دیا جائے گا کہ ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہوگا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ نیز یہ وہ دن ہوگا جس دن پنڈلی کھولی جائے گی۔ [مسلم، کتاب الفتن، باب في خروج الدجال و مکثه في الأرض، و نزول عیسیٰ و قتله إیاه ...... الخ : ۲۹٤۰]

یہودیوں سے جنگ ہوگی

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہودی تم سے ضرور جنگ کریں گے۔ چنانچہ تم انھیں یقیناً قتل کر دو گے حتیٰ کہ پتھر بھی کہے گا، اے مسلم! یہ یہودی ہے، آؤ اور اسے قتل کرو۔'' [بخاري، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام : ۳۵۹۳۔ مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل : ۲۹۲۱]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کر لیں، مسلمان یہودیوں کو قتل کر دیں گے، حتیٰ کہ یہودی پتھروں یا درختوں کے پیچھے چھپتے پھریں گے۔ اور حجر یا شجر پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے آؤ اور اسے قتل کر دو سوائے غرقد کے درخت کے۔ وہ ایسا نہیں کہے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔'' [بخاري، کتاب الجهاد و السیر ، باب قتال الیهود : ۲۹۲٦۔ مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتیٰ یمر الرجل : ۲۹۲۲]

عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کرنے والے جہنم کی آگ سے محفوظ ہوں گے

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ کر لیا ہے۔ ایک وہ جماعت جو ہندوستان (ہندو کافروں کے ساتھ) جہاد کرے گی اور دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے ساتھ (جہاد میں مددگار) ہوگی۔'' [مسند أحمد : ۲۷۸/٤، ح : ۲۲۷۵۹۔ نسائي، کتاب الجهاد، باب غزوة الهند : ٤۳/٦]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص یہ گواہی دے کہ اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور اللہ کی طرف سے (آنے والی) ایک روح ہیں اور جنت حق ہے اور جہنم بھی حق ہے، یعنی واقعی موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا خواہ اس کے عمل کیسے

(معمولی) ہی کیوں نہ ہوں۔'' [بخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالى : ﴿ يا أهل الكتاب ...... ﴾ : ٣٤٣٥۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا : ٢٨]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' جب ایک آدمی اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرے، اسے اچھی تعلیم دے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دو ثواب ملتے ہیں اور جب ایک آدمی عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پر ایمان لائے، پھر مجھ پر بھی ایمان لائے، اسے بھی دو ثواب ملتے ہیں اور ایک غلام جب اپنے رب سے ڈرتا رہے (گناہوں سے بچتا رہے) اور اپنے آقا کی اطاعت کرتا رہے تو اسے بھی دو ثواب ملتے ہیں (یعنی دگنا ثواب یا دو طرح کے نیک اعمال کا ثواب ملتا ہے)۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿ واذكر في الكتاب مريم ﴾ : ٣٤٤٦۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ ...... : ١٥٤]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ''تو نے چوری کی ہے۔'' اس نے کہا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے چوری نہیں کی۔'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھ کو جھوٹی کہتا ہوں۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿ واذكر في الكتاب مريم ...... ﴾ : ٣٤٤٤۔ مسلم، كتاب الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام : ٢٣٦٨]

سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول ! سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انبیاء ﷩ کی، پھر ان کی جن کا درجہ ان سے کم ہے، پھر ان کی جو ان سے کم درجہ کے ہیں، دراصل آدمی کی آزمائش اس کے دین کے مطابق کی جاتی ہے، اگر کوئی آدمی دین میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی زیادہ سخت ہو گی اور اگر کوئی آدمی دین کے اعتبار سے کمزور ہے تو اسے اس کے دین کے مطابق ہی آزمائش میں ڈالا جائے گا۔ آدمی پر آزمائشیں آتی رہتی ہیں، حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو چکا ہوتا ہے۔'' [ترمذي، كتاب الزهد، باب ما جاء في الصبر على البلاء : ۲۳۹۸۔ مستدرك حاكم : ۱/ ٤٠، ٤١، ح : ۱۱۹، ۱۲۰، ۲۲۱]

انجام کار فتح ونصرت انبیاء کی قدم بوسی کرتی ہے

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ہرقل نے ابوسفیان سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا تم نے اس نبی سے جنگ بھی کی ہے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا، ہاں! پھر ہرقل نے پوچھا کہ تمھاری جنگ کیسی رہی ؟ تو ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ ہمارے مابین جنگ ڈول کے مانند ہے جسے کبھی وہ ہم پر انڈیل دیتے ہیں اور کبھی ہم ان پر انڈیل دیتے ہیں۔ ہرقل نے کہا کہ انبیاء کی اسی طرح آزمائش ہوتی ہے اور بالآخر انجام کار فتح ونصرت انھی کی قدم بوسی کرتی ہے۔ [بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ...... الخ : ۷، ۲۸۰٤]

ایک نبی کو چیونٹی کے کاٹنے کا واقعہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''سابقہ انبیائے کرام ﷩ میں سے ایک نبی کو کسی چیونٹی نے کاٹ کھایا تو اس کے حکم پر چیونٹیوں کا بل ہی جلا دیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر وحی بھیجی کہ تجھے تو ایک چیونٹی نے کاٹا تھا لیکن تو نے ان کے پورے ایک گروہ کو جلا ڈالا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا تھا؟''
[بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب : ۳۰۱۹]

بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کی سیاست حضرات انبیاء علیہم السلام کرتے اور ان کے امور کا انتظام کرتے تھے۔ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو اس کا جانشین دوسرا نبی ہو جاتا تھا، لیکن میرے بعد کوئی نبی تو نہیں ہوگا، البتہ خلفاء ہوں گے اور وہ بھی بکثرت ہوں گے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:'' جب کوئی خلیفہ ہو جائے (اور تم نے اس سے بیعت کر لی ہو) تو اس سے کی ہوئی بیعت پوری کرو۔ پھر اس کے بعد جو پہلے ہو اس کی بیعت پوری کرو۔ انھیں ان کا حق دو۔ اگر وہ ظلم کریں گے تو اللہ ان سے پوچھے گا کہ انھوں نے اپنی رعایا کا حق کیسے ادا کیا؟''

[بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل : ٣٤٥٥]

یہود ونصاریٰ نے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کی علامتیں ظاہر ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (شدت تکلیف سے) اپنی چادر بار بار چہرۂ مبارک پر ڈالتے اور جب کچھ افاقہ ہوتا تو چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا دیتے اور آپ نے اسی اضطراب و پریشانی کی حالت میں فرمایا: ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ مسلمانوں کو ایسے کاموں سے ڈرا رہے تھے۔ [بخاري، كتاب الصلوة، باب : ٤٣٥، ٤٣٦ ـ مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور ...... الخ : ٥٣١]

سیدنا جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ روز قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں اللہ کے علاوہ تم میں سے کسی کو اپنا خلیل نہیں بنا سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ لوگو! غور سے سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔'' [مسلم، كتاب المساجد، باب النهي عن بناء المسجد على القبور ...... الخ : ٥٣٢]

پریشانی کی حالت میں نماز شروع کر دینا انبیاء کی سنت ہے

سیدنا صہیب بن سنان الرومی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے کسی نبی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی امت عطا کی تھی، امت کی کثرت کو دیکھتے ہوئے وہ نبی فرمانے لگے، بھلا اس امت کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ تو اللہ پاک نے وحی کی کہ آپ اپنی امت کے لیے تین چیزوں میں سے کسی ایک کا

انتخاب کریں، ایک یہ کہ ان پر ان کے علاوہ کسی دشمن کو مسلط کر دیا جائے، یا پھر بھوک دی جائے، یا پھر موت۔ اس نبی نے اپنی قوم سے اس بارے میں مشورہ کیا، سب نے کہا کہ آپ جو بھی ہمارے لیے پسند فرمائیں وہ ہمیں قبول و منظور ہے، کیونکہ ہم نے آپ کو اپنا نبی مانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''وہ نبی نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور انبیاء کی یہ سنت ہے کہ جب کبھی وہ پریشان ہوتے تو نماز شروع کر دیتے تھے۔ اور انھوں نے جتنی اللہ نے چاہا نماز پڑھی اور کہا، اے میرے رب! دشمن بھی نہیں اور بھوک بھی نہیں، موت کو ہم پسند کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر موت مسلط کر دی، تو صرف تین دن میں ان میں سے ستر ہزار آدمیوں کو موت نے آ لیا۔'' [مسند أحمد : ۱٦/٦، ح : ۲۳۹۸۳۔ ۳۳۳/٤، ح : ۱۸۹٦٤]

سابقہ انبیاء میں سے ایک نبی لکیریں کھینچا کرتے تھے

سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ لوگوں میں سے ایک آدمی کو چھینک آئی تو میں نے کہا: '' يَرْحَمُكَ اللّٰه'' ''اللہ تجھ پر رحم کرے۔'' لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ میں نے (دل میں) کہا: میری ماں مجھے گم پائے، تم سب کو کیا ہو گیا ہے؟ کہ مجھے گھور رہے ہو، پھر وہ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے انھیں دیکھا کہ وہ مجھے چپ کرا رہے ہیں (تو مجھے عجیب لگا) لیکن میں خاموش رہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے، میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے بہتر کوئی معلم (سکھانے والا) نہیں دیکھا! اللہ کی قسم! نہ تو آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مجھے مارا اور نہ مجھے برا بھلا کہا۔ آپ نے فرمایا: '' یہ نماز ہے اس میں کسی قسم کی گفتگو روا نہیں ہے، یہ تو بس تسبیح و تکبیر اور قرآن کی تلاوت ہے۔'' یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ابھی تھوڑا عرصہ پہلے جاہلیت میں تھا اور اللہ نے اسلام سے نوازا ہے، ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جو کاہنوں (پیش گوئی کرنے والوں) کے پاس جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم ان کے پاس نہ جانا۔'' میں نے عرض کی: ہم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو بدشگونی لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ ایسی بات ہے جو وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں (ایک طرح کا وہم ہے) یہ (وہم) انھیں (ان کے) کسی کام سے نہ روکے۔'' (محمد) ابن صباح نے روایت کی: ''یہ تمھیں کسی صورت (اپنے کاموں سے) نہ روکے۔'' میں نے عرض کی: ہم میں سے کچھ لوگ لکیریں کھینچتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: '' سابقہ انبیاء میں سے ایک نبی لکیریں کھینچا کرتے تھے تو جس کی لکیریں ان کے موافق ہو جائیں وہ تو صحیح ہو سکتی ہیں۔'' (لیکن اب اس کا جاننا مشکل ہے)۔'' [مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب تحریم الکلام فی الصلاة ..... الخ : ۵۳۷]

ایک نبی کو اس کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گویا میں رسول اللہ ﷺ کو انبیاء ﷩ میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، جس کو اس کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا اور وہ چہرے سے خون پونچھتا ہوا کہہ رہا ہے: ''یا اللہ! میری قوم کو معاف فرما، اس لیے کہ وہ بے علم ہے۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب : ٣٤٧٧۔ مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة أحد : ١٧٩٢]

جب تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر!

سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں نے پہلی نبوت کے کلام میں سے جو کچھ پایا ہے اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر۔'' [بخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، بابٌ : ٣٤٨٣، ٣٤٨٤]

انبیاء کا مال بطورِ وراثت تقسیم نہیں ہوتا

سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا (یعنی انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔'' [بخاري، كتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس : ٣٠٩٣۔ مسلم، كتاب الجهاد، باب قول النبي ﷺ : لا نورث ما تركنا فهو صدقة : ١٧٥٨، عن عائشة رضي الله عنها]

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم گروہِ انبیاء کا مال بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا، بلکہ ہم نے جو مال چھوڑا ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' [بخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ﷺ : ٣٧١٢]

انبیاء اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں فوت ہوں

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بھی نبی فوت ہوا وہ جہاں فوت ہوا وہیں دفن ہوا۔'' [ابن ماجة، ابواب ما جاء في الجنائز، باب ذكر وفاته و دفنه ﷺ : ١٦٢٨]

نبی آخر الزماں ﷺ کی سابقہ تمام انبیاء پر فضیلت

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں، میں ہر گورے اور کالے کی طرف بھیجا گیا ہوں۔'' [بخاري، كتاب التيمم، باب قول الله تعالىٰ : ﴿ فلم تجدوا ماءً فتيمموا صعيدًا طيبًا ...... الخ ﴾ : ٣٣٥۔ مسلم، كتاب المساجد ، باب

المساجد و مواضع الصلاۃ : ۵۲۱]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے: ① مجھے جامع کلمات دیے گئے ہیں۔ ② میری مدد رعب سے کی گئی ہے۔ ③ میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے۔ ④ میرے لیے زمین کو پاک کرنے والی اور نماز پڑھنے کی جگہ بنا دیا گیا ہے۔ ⑤ مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ⑥ اور مجھ پر انبیاء کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔'' [مسلم، کتاب المساجد ، باب المساجد و مواضع الصلوۃ : ۵۲۳]

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی تھیں: ① مجھے ایک مہینے کی مسافت پر رعب کے ذریعے مدد دی گئی۔ ② پوری زمین میرے لیے مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنا دی گئی، پس میری امت میں سے جو شخص (جہاں دیکھے کہ) نماز کا وقت ہو گیا ہے تو اسے چاہیے کہ (اسی مقام پر) نماز پڑھ لے۔ ③ میرے لیے غنیمت کے مال حلال کر دیے گئے، جو مجھ سے پہلے کسی (نبی) کے لیے حلال نہیں کیے گئے تھے۔ ④ مجھے شفاعت کی اجازت دی گئی۔ ⑤ ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا، جبکہ میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔'' [بخاري، كتاب التيمم، بابٌ : ۳۳۵]

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے وہ کچھ عطا کیا گیا ہے جو دیگر انبیاء میں سے کسی کو بھی نہیں دیا گیا۔'' ہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! وہ کیا؟ فرمایا: ''مجھے رعب دے کر میری مدد کی گئی ہے، مجھے زمین کی چابیاں عطا کی گئی ہیں، میرا نام احمد رکھا گیا ہے، میرے لیے تمام زمین کو پاک بنا دیا گیا ہے اور میری امت کو سب سے بہتر امت قرار دیا گیا ہے۔'' [مسند أحمد : ۹۸/۱، ح : ۷۶۶۔ مصنف ابن أبي شيبة : ۳۰۸/۶]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں لوگوں پر تین (باتوں) کے ذریعے سے فضیلت دی گئی ہے، ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئی ہیں، ہمارے لیے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا گیا ہے اور جب ہمیں پانی نہ ملے تو اس (زمین) کی مٹی ہمارے لیے پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے (اس کے ساتھ تیمم کر کے پاکیزگی حاصل کی جا سکتی ہے)'' [مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب المساجد و مواضع الصلاة : ۵۲۲]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں (آدم علیہ السلام سے لے کر) برابر آدمیوں کے بہتر قرنوں میں ہوتا آیا ہوں (یعنی شریف اور پاکیزہ نسلوں میں) یہاں تک کہ وہ قرن آیا جس میں میں پیدا ہوا۔'' [بخاری، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ : ۳۵۵۷]

ہر نبی کی ایک دعا ہے جس کی قبولیت یقینی ہے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً ہر نبی کی ایک دعا ہے (جس کی قبولیت یقینی ہے) میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان شاء اللہ میں اپنی اس دعا کو قیامت کے روز اپنی امت کی سفارش کرنے کے لیے محفوظ رکھوں گا۔'' [بخاري، كتاب الدعوات، باب لكل نبي دعوة مستجابة : ٦٣٠٤ ـ مسلم : ١٩٨]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔'' یا فرمایا: ''ہر نبی کے لیے ایک مخصوص دعا تھی جو انھوں نے مانگی تو قبول ہوئی لیکن میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی سفارش کے لیے محفوظ رکھی ہوئی ہے۔'' [بخاري، كتاب الدعوات، باب لكل نبي دعوة مستجابة : ٦٣٠٥ـ مسلم : ١٩٩]

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کے لیے ایک دعا ہے جو وہ اپنی امت کے بارے میں کر چکا جبکہ میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی سفارش کے لیے محفوظ کر رکھی ہے۔''
[مسلم، كتاب الإيمان، باب اختباء النبي ﷺ دعوة الشفاعة لأمته : ٢٠١]

خاتم الانبیاء ﷺ اور سابقہ پیغمبروں کی مثال

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور دوسرے پیغمبروں کی مثال جو مجھ سے پہلے ہو چکے ہیں، ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کی خوب زیبائش و آرائش کی، لیکن اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ پس لوگ اس کے اردگرد پھرنے لگے اور انھیں وہ عمارت پسند آئی اور وہ کہنے لگے کہ یہ ایک اینٹ یہاں کیوں نہ رکھ دی گئی؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم الانبیاء ہوں۔'' [بخاري، كتاب المناقب، باب خاتم النبيين ﷺ : ٣٥٣٥ـ مسلم : ٢٢٨٦]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور (مجھ سے پہلے) انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک گھر بنایا اور ایک اینٹ کی جگہ کے سوا اس (سارے گھر) کو پورا کر دیا اور اچھی طرح مکمل کر دیا۔ لوگ اس میں داخل ہوتے، اس (کی خوبصورتی) پر حیران ہوتے اور کہتے: ''کاش! اس اینٹ کی جگہ (خالی) نہ ہوتی!'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس اینٹ کی جگہ (کو پر کرنے والا) میں ہوں، میں آیا تو انبیاء ﷺ کے سلسلے کو مکمل کر دیا۔'' [مسلم، كتاب الفضائل، باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين : ٢٢٨٧]

ہر نبی کا فریضہ اپنی امت کو بھلائی کی طرف راہنمائی کرنا تھا

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے پہلے (بھی) ہر نبی پر

فرض تھا کہ وہ اپنی امت کے حق میں جو بھلائی کی بات جانتا ہے اس کی طرف ان کی راہنمائی کرے اور ان کے حق میں جو برا ہے اس سے ان کو ڈرائے۔ رہی تمھاری یہ امت تو اس کی عافیت آغاز میں رکھی گئی ہے اور آخری دور میں اسے آزمائش کا اور ایسے معاملات کا سامنے ہوگا جنھیں تم اچھا نہ سمجھو گے، ایسا فتنہ درپیش ہوگا کہ کچھ آزمائشیں دوسری کو ہیچ کر دیں گی، ایسا فتنہ آئے گا کہ مومن کہے گا: یہ میری تباہی (کا سامان) ہے، پھر وہ چھٹ جائے گا، پھر ایک اور آئے گا تو مومن کہے گا: یہ، یہ (اصل تباہی) ہے، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے آگ سے دور کر دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کی موت اس عالم میں آئے کہ وہ اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو، (وہ آخری دم تک اپنے ایمان کی حفاظت کرے) اور وہ لوگوں کے پاس وہی (بات، دعوت، سلوک) لے کے جائے جو وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس لایا جائے۔ اور جو شخص ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے، دل کی گہرائیوں سے کسی امام (مسلمان حکمران) کی بیعت کرے تو استطاعت رکھتے ہوئے اس کی اطاعت کرے، پھر اگر دوسرا آ جائے، اس سے امامت چھیننا چاہے تو اس دوسرے کی گردن اڑا دو۔“ [مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة الأول فالأول : ۱۸۴۴]

انبیاء کو موت سے پہلے جنت میں ان کا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تندرستی کی حالت میں فرماتے تھے: ”نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ اپنی جگہ جنت میں نہ دیکھ لے، پھر اسے زندگی یا موت کا اختیار دیا جاتا ہے۔“ جب آپ ﷺ بیمار ہوئے اور آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ میری ران پر سر رکھے ہوئے تھے۔ پہلے آپ پر غشی طاری ہوئی، پھر کچھ افاقہ ہوا تو چھت کی طرف دیکھ کر فرمایا: ”اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے۔“ اس وقت میں نے (دل میں) کہا کہ اب آپ ہمارے پاس رہنا پسند نہیں کریں گے۔ تب مجھے آپ کی اس حدیث کی تصدیق ہو گئی جو آپ بحالت صحت فرمایا کرتے تھے۔“ [بخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته : ٤٤٣٧]

نبی کی موت امت کے لیے باعث رحمت کیسے؟

سیدنا ابو موسیٰ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایک امت پر رحمت کرنا چاہتا ہے تو وہ اس امت سے پہلے اس کے نبی کو اٹھا لیتا ہے اور اسے اس (امت) سے آگے پہلے پہنچنے والا، (اس کا) پیش رو بنا دیتا ہے۔ اور جب وہ کسی امت کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کے نبی کی زندگی میں عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کی نظروں کے سامنے انھیں ہلاک کرتا ہے۔ انھوں نے جو اس کو جھٹلایا تھا اور اس کے حکم کی نافرمانی کی تھی تو وہ انھیں ہلاک کر کے اس (نبی) کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔“ [مسلم، كتاب الفضائل، باب

إذ أراد الله تعالى رحمة أمة قبض نبيها قبلها : ۲۲۸۸]

ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ دیا گیا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر نبی کو جیسا معجزہ دیا گیا اسی قدر اس پر ایمان لایا گیا، یا (فرمایا) اسی قدر لوگ اس پر ایمان لائے اور مجھے تو (قرآن مقدس کی) وحی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے، اس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے لوگ تمام انبیاء کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔'' [بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ : بعثت بجوامع الكلم : ۷۲۷٤۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا...... الخ : ۱۵۲]

تمام انبیاء بھائی ہیں

سیدنا ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام انبیاء بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں مگر ان کا دین ایک ہے، میں عیسیٰ علیہ السلام کا اور لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ قریبی ہوں، کیونکہ میرے اور ان کے مابین اور کوئی نبی نہیں ہے۔ اور وہ نازل ہونے والے ہیں، جب انھیں دیکھو گے تو تم انھیں اس طرح پہچان لو گے کہ وہ ایک ایسے شخص ہوں گے جن کا قد درمیانہ، رنگ سرخ سفیدی مائل ہو گا، انھوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے پہن رکھے ہوں گے۔ ان کا سر یوں محسوس ہو گا جیسے اس سے پانی کے قطرے گر رہے ہوں گے، حالانکہ وہ گیلا نہیں ہو گا۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام کے علاوہ تمام ملتوں کو ہلاک کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں مسیح دجال کو بھی ہلاک کر دے گا۔ پھر زمین اس قدر پر امن ہو جائے گی کہ شیر اونٹوں کے ساتھ، چیتے گائیوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ مل کر چریں گے اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور سانپ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال رہیں گے، پھر فوت ہو جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔'' [مسند أحمد : ۲/ ٤٠٦۔ أبو داؤد، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال : ٤٣٢٤۔ ابن حبان : ٦٨٢١]

اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک ہی کو قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو حکم دیا تھا (رسولوں کو) اس نے فرمایا : ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴾ [المؤمنون : ٥١] ''اے رسولو!

پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو، یقیناً میں اسے جو تم کرتے ہو، خوب جاننے والا ہوں۔'' اور (مومنوں سے) فرمایا: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ﴾ [البقرة : ۱۷۲] ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا فرمائی ہیں۔'' پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، پریشان حال اور غبار آلود ہے، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے، اے میرے رب! میرے رب! مگر اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، حرام مال ہی سے اس نے پرورش پائی ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟'' [مسلم، كتاب الزكوة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها : ۱۰۱۵]

نبی کو قتل کرنے والے پر اللہ کا غضب بھڑک اٹھتا ہے

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا غضب بھڑک اٹھتا ہے ان لوگوں پر جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا کیا۔'' اور آپ اپنے دانت کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور فرمایا: ''اللہ کا غضب بھڑک اٹھتا ہے اس شخص پر جس کو رسول اللہ ﷺ اللہ کی راہ میں قتل کریں (یعنی جہاد کی راہ میں جس کو ماریں، کیونکہ اس مردود نے پیغمبر کے مارنے کا قصد کیا ہوگا)۔'' [مسلم، كتاب الجهاد، باب اشتداد غضب الله على من قتله رسول الله ﷺ : ۱۷۹۳]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سخت ترین عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو کسی نبی نے قتل کیا، یا اس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو۔'' [مسند أحمد : ۱/ ۴۰۷، ح : ۳۸۶۷۔ مجمع الزوائد : ۵/ ۲۳۶]

ہر نبی کے دو راز دان ہوتے ہیں

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا اور جو بھی خلیفہ مقرر فرمایا تو اس کے دو راز دان ہوتے تھے، ایک تو انھیں نیکی کے لیے کہتا اور اس پر ابھارتا اور دوسرا انھیں برائی کے لیے کہتا اور اس پر ابھارتا، پس معصوم وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ بچا لے۔'' [بخاري، كتاب الأحكام، باب بطانة الإمام و أهل مشورته : ۷۱۹۸، ۶۶۱۱۔ نسائي، كتاب البيعة، باب بطانة الإمام : ۴۲۰۷]

ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی بھیجا ہے اس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا، اور آپ نے بھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، میں بھی اہل مکہ کی

بکریاں چند قیراط کے عوض چرایا کرتا تھا۔'' [بخاري، كتاب الإجارة، باب رعي الغنم على قراريط : ٢٢٦٢]

انبیاء سے اختلاف امتوں کی ہلاکت کا باعث

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مجلس میرے لیے اتنی گراں مایہ تھی کہ سرخ اونٹوں کی دولت بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ میں اور میرا بھائی جس وقت آئے تو اس وقت کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جمع تھے۔ ہم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ان کے درمیان گھس کر بیٹھیں۔ لہٰذا ہم ان سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے قرآن مجید کی ایک آیت کے بارے میں گفتگو شروع کی، یہاں تک کہ ایک دوسرے سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ان کی آوازیں بلند ہوتی گئیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے اور ناراضی کے باعث آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خاموش کراتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! ٹھہر جاؤ، سابقہ امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہو گئیں کہ انھوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کر ڈالا اور اپنی کتابوں کے بعض حصوں کو بعض سے متعارض سمجھنا شروع کر دیا۔ (چنانچہ سنو!) قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ اس کے بعض حصے بعض کی تکذیب کریں، بلکہ قرآن کے بعض حصے تو بعض کی تصدیق کرتے ہیں۔ تمھیں اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہو، اس کے مطابق عمل کرو اور جو معلوم نہ کر سکو، اسے جاننے والے کی طرف لوٹا دو۔'' [مسند أحمد : ٢/ ١٨١، ح : ٦٧١١]

دوگنا ثواب والے لوگ

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین شخص ایسے ہیں جن کے لیے دوگنا ثواب ہے: ① وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو، اپنے نبی پر ایمان لایا ہو اور (پھر) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے۔ ② مملوک غلام، جب کہ وہ اللہ کے حق کو اور اپنے مالک کے حق کو ادا کرتا رہے۔ ③ وہ شخص جس کے پاس اس کی لونڈی ہو، اس نے اسے ادب سکھایا اور عمدہ تربیت کی اور اسے اچھی و اعلیٰ تعلیم دی، پھر اسے آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا، پس اس کے لیے دوگنا ثواب ہے۔'' [بخاري، كتاب العلم، باب تعليم الرجل أمته و أهله : ٩٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ : ١٥٤]

رسولوں کے پیروکار کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شاہ روم ہرقل نے ابوسفیان سے جب کچھ سوالات پوچھے تو ان میں سے ایک سوال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بھی تھا کہ دولت مند لوگ اس نبی کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ تو

ابو سفیان نے جواب میں کہا تھا کہ کمزور لوگ ہی اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ سن کر ہرقل نے کہا تھا کہ رسولوں کے پیروکار کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔ [بخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ : ٧۔ مسلم، كتاب الجهاد، باب كتب النبي ﷺ إلى هرقل : ١٧٧٣]

نبیوں میں سے ایک نبی کے جہاد کا واقعہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نبیوں میں سے ایک نبی نے جہاد کیا۔ اس نبی نے اپنی قوم سے کہا، (اے میری قوم!) میرے ساتھ کوئی ایسا شخص نہ جائے جس نے کسی عورت سے حال ہی میں نکاح کیا ہو اور وہ اس کے پاس جانا چاہتا ہو مگر ابھی گیا نہ ہو، نہ وہ شخص میرے ساتھ جائے جس نے مکان بنائے ہوں لیکن ابھی ان کی چھتیں نہ ڈالی ہوں اور نہ وہ شخص میرے ساتھ جائے جس نے بکریاں یا اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ جنم دینے کا منتظر ہو۔ الغرض، اس نبی نے جہاد کیا، وہ نماز عصر یا عصر کے وقت کے قریب ایک بستی کے پاس پہنچے۔ اس نبی نے سورج سے کہا، تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، (پھر اس طرح دعا کی):« اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا » ''اے اللہ! سورج کو ہم پر روک دے۔'' سو سورج روک دیا گیا، یہاں تک کہ اللہ نے اپنے نبی کو فتح عنایت فرمائی، پھر نبی نے مال غنیمت جمع کیا اور آگ لگائی کہ اسے جلا ڈالے، لیکن اس نے اسے نہیں جلایا۔ نبی نے کہا، تم میں خیانت (واقع) ہوئی ہے، لہٰذا ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی مجھ سے بیعت کرے۔ اس دوران میں ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چپک گیا۔ نبی نے کہا، خیانت تم میں (واقع) ہوئی ہے، لہٰذا تمھارا قبیلہ مجھ سے بیعت کرے۔ (الغرض جب بیعت ہوئی تو) دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چپک گئے۔ نبی نے کہا، خیانت تم میں (واقع) ہوئی ہے۔ پھر وہ لوگ گائے کے سر کے برابر سونے کا سر لائے اور اسے (مال غنیمت میں) رکھ دیا گیا، چنانچہ اب آگ آئی اور اسے جلا گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے غنیموں کو حلال کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور ہمارے عجز کو دیکھا تو اموال غنیمت کو ہمارے لیے حلال کر دیا۔'' [بخاري، كتاب الجهاد، باب قول النبي ﷺ : أحلت لكم الغنائم : ٣١٢٤۔ مسلم، كتاب الجهاد، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة : ١٧٤٧]

انبیاء کی بیویاں اور بچے

سیدنا سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ایک سوال کروں، وہ یہ کہ کنوارا رہنا اور کبھی نکاح نہ کرنا، آپ اسے (شریعت کی رو سے) کیسا خیال کرتی ہیں؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، ہرگز ایسا کام نہ کرنا، تو نے نہیں سنا جو اللہ عزوجل نے قرآن میں فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے کئی رسول تجھ

سے پہلے بھیجے اور ان کے لیے بیویاں اور بچے بنائے۔" یہ آیت پڑھ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، (اے سعد!) تو ہرگز تبتل اختیار نہ کرنا۔ [نسائي، كتاب النكاح، باب النهي عن التبتل : ٣٢١٨۔ مسند أحمد : ٩٧/٦، ح : ٢٤٧١٢]

میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی!

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رسالت اور نبوت ختم ہو گئیں، لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔" یہ بات لوگوں پر گراں گزری تو آپ نے فرمایا: "لیکن مبشرات باقی ہیں۔" لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ! مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: "مسلمان کا (سچا) خواب اور یہ نبوت کے اجزا میں سے ایک جز ہے۔" [ترمذي، كتاب الرؤيا، باب ذهبت النبوة و بقيت المبشرات : ٢٢٧٢]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا، سوائے مبشرات کے۔" لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! مبشرات کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: "نیک خواب۔" [بخاري، كتاب التعبير، باب المبشرات : ٦٩٩٠]

ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی کسی امت میں مجھ سے پہلے بھیجا تو اس کی امت میں اس کے حواری اور اس کے اصحاب ہوتے تھے، جو اس کی سنت پر عمل کیا کرتے اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ جو وہ کہتے وہ کرتے نہیں تھے اور جو کرتے اس کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ تو جو شخص ایسے لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے، جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے تو وہ مومن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے، اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔" [مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ...... الخ : ٥٠]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے غزوۂ احزاب، یعنی غزوۂ خندق کے دن فرمایا: "میرے پاس دشمن کی خبر کون لائے گا؟" سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں لاؤں گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس دشمن کی خبر کون لائے گا؟" سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: "میں لاؤں گا۔" تب نبی ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی کا ایک حواری (مخلص مددگار) ہوتا ہے اور میرا حواری (مخلص مددگار) زبیر ہے۔" [بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب فضل الطليعة : ٢٨٤٦]